یعنی

معارف اعظم گڈھ

۶۴ واں جلد

از جولائی سنہ ۱۹۴۹ء تا دسمبر سنہ ۱۹۴۹ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی و شاہ معین الدین احمد ندوی

مطبع معارف پریس اعظم گڈھ
۱۹۴۹ء

فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد ۶۴

جولائی ۱۹۴۹ء تا دسمبر ۱۹۴۹ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	مولانا ابوالجلال ندوی	۴۴-۸۵، ۱۸۶، ۲۶۹، ۳۰۴، ۳۵۶، ۳۸۸	۹	مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین	۲۹۳، ۳۹۶
۲	مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی	۱۲۶-۲۰۵	۱۰	جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ایم اے پی ایچ ڈی	۴۵۱
۳	جناب ابومحفوظ الکریم صاحب معصومی	۳۹۰	۱۱	جناب مولوی محمود علی خاں صاحب جامعہ احمدیہ بھوپال	۱۹۹
۴	مولانا سید ریاست علی ندوی	۲۴	۱۲	شاہ معین الدین احمد ندوی	۵۷، ۸۰، ۸۲، ۱۵۶، ۱۹۲، ۲۳۸، ۲۴۴، ۳۰۹، ۳۱۶، ۳۳۳، ۳۶۹، ۴۰۲، ۴۷۷
۵	جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب ایم اے	۹۳، ۳۲۵			
۶	مولانا عبدالسلام ندوی	۱۰۴-۱۶۵، ۲۲۵-۲۴۰، ۴۳۰			
۷	جناب سید عزیز مہدی صاحب بخاری بنگلوری	۳۷۶	۱۳	جناب قاضی سید فخرالدین حسین صاحب بھروچ	۵۸
۸	جناب محمد بشیر الحق صاحب بسنوی	۱۳۵، ۲۱۵			

شعرا

نمبر	نام	صفحہ
۱	جناب اخلاق احمد صاحب قریشی	۷۶
۲	ثاقب، جناب سید ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری	
۳	سہیل، جناب مولانا اقبال احمد خان صاحب سہیل ایم اے	۲۳۶
۴	جناب شفیق جونپوری	۷۵، ۳۰۳، ۴۷۵
۵	قیصر، جناب سید محمود حسن صاحب قیصر امروہوی	۱۵۵، ۲۰۱
۶	جناب مائل خیرآبادی	،،
۷	جناب ڈاکٹر محمد عزیر صاحب لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ،	۱۵۶
۸	جناب سید شاہ ولی اللہ صاحب ایم اے آرہ	۴۷۶

فہرست مضامین معارف

جلد ۶۴

جولائی سنہ ۱۹۴۹ء تا دسمبر سنہ ۱۹۴۹ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	مضمون	صفحہ	شمار	مضمون	صفحہ
	شذرات	۲، ۸۲، ۱۶۲-۲۴۲، ۳۲۲، ۴۰۲	۹	حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی	۲۲۳، ۳۲۵
	مقالات		۱۰	سنگ شبام	۲۶۹، ۳۵۶
۱	ابوحنیفہ دینوری کی کتاب النبات	۴۵۱	۱۱	ضمیمہ مضمون گجرات کے کتب خانے	۵۸
۲	ارگجہ	۳۷۶	۱۲	عربی نظم و نثر کی تاریخ	۴۳۰
۳	السامری	۴۲	۱۳	عہد اسلامی کا ہندوستان	۲۳
۴	اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے	۱۰۳، ۱۹۵، ۲۴۵، ۳۴۰	۱۴	کلچر کی وحدت کا مقصد	۵
۵	اصلاحات اقبال	۱۳۵-۲۱۵	۱۵	منصورہ کے حکام اور ان کے سکے	۱۰۳
۶	تاریخ یمن کی ایک سطر	۳۶۱	۱۶	[illegible]	۴۰۴
۷	ترکی ادبیات کا نیا رجحان	۱۹۹	۱۷	یحییٰ بن آدم اور ان کی	۲۹۳
۸	حضرت ایوب علیہ السلام	۸۵، ۱۸۶		کتاب الخراج	۳۶۷

شمار	مضمون	صفحہ	شمار	مضمون	صفحہ
	ادبیات		۲	مرآۃ الشعراء	۳۰۹
۱	انقلاب	۱۵۵	۳	مشکلات القرآن	۳۸۸
۲	خشر بدیات	۳۰۷	۴	وفیات	
۳	درس حیات	۴۷۵	۱	مولانا اصغر حسین صاحب مرحوم	۹۷
۴	تیز قربان	۳۰۱		سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ	
۵	غزل	۷۶،۷۵ ۱۵۶،۷۷ ۳۶۲،۲۳۹ ۴۷۶		پٹنہ	
	باب التقریظ والانتقاد			مطبوعات جدید	۱۵۷،۷۸ ۳۱۷،۲۳۸ ۴۷۷،۳۹۸
۱	ترجمان السنۃ	۳۰۴			

رجسٹرڈ نمبر ۱۸۱ا ے جولائی سنہ ۱۹۴۹ء

معارف

مجلسِ دار المصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

و

شاہ معین الدین احمد ندوی

قیمت:- چھ روپیے سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

دار المصنفین کے سلسلۂ تاریخ اسلام کو بڑا حسن قبول حاصل ہوا، علمی و تعلیمی اداروں نے خصوصیت کے ساتھ اس کی قدردانی کی بعض یونیورسٹیوں نے اس کو اسلامی تاریخ کے نصاب میں داخل کر لیا، اس لئے چند برسوں کے اندر تقریباً اس کے سب حصے ختم ہو گئے جن کے دوسرے اڈیشن مزید اصلاح و ترمیم اور اضافوں کے ساتھ چھپ کر تیار ہو گئے ہیں اور بعض زیر طباعت ہیں، اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے،

تاریخ اسلام حصۂ اوّل

(عہد رسالت و خلافت راشدہ)

یعنی آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ، ضخامت ۴۹۵ صفحے، قیمت: سے ر

تاریخ اسلام حصۂ دوم

(بنو امیہ)

یعنی اموی سلطنت کی صد سالہ سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ کی تفصیل،

ضخامت ۳۶۳ صفحے،

قیمت سے ر

تاریخ اسلام حصۂ سوم

(بنی عباس اوّل)

یعنی ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ ۷۵۰ء سے ابو اسحاق متقی اللہ ۳۳۳ھ ۹۴۴ء تک دو صدیوں کی سیاسی تاریخ، (زیر طبع)

تاریخ اسلام جلد چہارم

(بنی عباس دوم)

یعنی مستکفی باللہ کے عہد سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ، ضخامت:۔ ۴۳۲ صفحے

قیمت:۔ عہ ر

"منیجر"

جلد ۶۴ ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۹ء عدد ۱

مضامین

شذرات	شاہ معین الدین احمد ندوی	۲–۴

مقالات

کلچر کی وحدت کا مقصد ؟	شاہ معین الدین احمد ندوی	۵–۲۲
عہد اسلامی کا ہندوستان	مولانا سید ریاست علی صاحب ندوی	۲۳–۴۱
السامری	مولانا ابو الجلال صاحب ندوی رفیق دار المصنفین	۴۲–۵۷
ضمیمہ مضمون گجرات کے کتب خانے	جناب قاضی سید نور الدین حسین بہرچ	۵۸–۷۴

ادبیات

غزل	جناب شفیق جونپوری	۷۵–۷۶
"	جناب خلاق احمد صاحب قریشی	۷۶–۷۷
"	جناب مائل خیر آبادی	۷۷
مطبوعات جدیدہ	" م "	۷۸–۸۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

ہندوستان کے مسلمان جس نازک دور سے گذر رہے ہیں وہ ان کے لیے تاریخ کا کوئی نیا واقعہ نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی ان کو بڑے بڑے مخالف حالات کا سامنا ہو چکا ہے لیکن ان میں اور موجودہ حالات میں یہ فرق ہے کہ وہ عارضی تھے اور مسلمانوں کو بھی برابر کی قوت آزمائی کا موقع تھا لیکن موجودہ صورت میں کوئی جنگ و تصادم بھی نہیں ہے بلکہ زبانوں پر اتحاد و اتفاق کا نعرہ ہے کہنے کو غیر مذہبی حکومت ہے لیکن واقعہ کے لحاظ سے دونوں میں طاقت اور حقوق کی مساوات کا کوئی سوال نہیں، قانون سازی اور طاقت اکثریت کے ہاتھ میں ہے جس پر کوئی پابندی نہیں، اور اصل چیز قانون نہیں بلکہ اس پر عمل ہے، اور اس کا جو حال ہے وہ سب پر عیاں ہے، ہندوستان سے اسلامی عہد کے تمدن کو مٹانے اور پرانی ہندو تہذیب کو زندہ کرنے کی کوشش جاری ہے، مسلمانوں سے ایک زبان اور ایک کلچر کے قبول کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے، اردو کو قانونی حیثیت سے ختم کر دیا گیا ہے، یہ اور بات ہے کہ اپنی سخت جانی سے زندہ رہ جائے، ہر شعبہ میں ایسی شکلیں اختیار کی جا رہی ہیں کہ مسلمان خود بخود جگہ خالی کرنے پر مجبور اور ان پر آئندہ ترقی کی راہیں بند ہو جائیں یہ حقیقت خواہ کتنی ہی تلخ ہو مگر واقعہ ہے جس سے انکار ممکن نہیں ہے،

ان حالات میں ایک کانگریس سے انصاف کی توقع ہو سکتی تھی لیکن اب وہ بھی عملاً فرقہ وارانہ بن کر رہ گئی ہے، کچھ اشخاص ضرور ایسے ہیں جو کانگریس کے اصولوں پر قائم ہیں اور مسلما

کے ساتھ انصاف چاہتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم اور انکی آواز بالکل بے اثر ہے بلکہ اب تو مسلمانوں کی حمایت بھی جرم ہوگئی ہے، مسلمانوں کے "بہادر لیڈر" وں نے پاکستان کی راہ لی، تو یہاں مسلمانوں کی کوئی شنوائی اور حیثیت باقی نہیں ہے، ان میں سے جو لوگ وزارت کی کرسیوں، حکومت کے عہدوں اور اسمبلیوں کے ایوانوں میں ہیں، ان کو اب صرف اپنے عہدوں کے تحفظ کی فکر ہے اور اسکی لذت و حلاوت کے لیے وہ ہر تلخ سے تلخ گھونٹ پی جاتے ہیں اور ان کی پیشانی پر شکن تک نہیں آتی، کچھ لوگ آیندہ کی امید میں لو لگائے بیٹھے ہیں، اور جن کو ان کی وفاداری کا صلہ مل جاتا ہے، وہ میدان چھوڑتے جاتے ہیں جو مرد قلندر ان پھندوں سے آزاد ہیں انہی سے آیندہ توقعات وابستہ ہیں لیکن وہ دن دور نہیں جب انکا شمار معتوبین کے زمرہ میں ہو جائے گا۔

انسانوں کو انسانی حقوق سے محروم کرنے میں ہندوستان کو ہمیشہ سے کمال حاصل رہا ہے، جس کی مثال اچھوت ہیں، مسلمانوں کی موجودہ حالت بھی ان سے کم نہیں ہے، بلکہ اچھوتوں کی اصلاح و ترقی کی کوشش ہو رہی ہے، ان کو حقوق مل رہے ہیں، اور مسلمانوں سے ان کے پرانے حقوق بھی چھینے جا رہے ہیں، جس کا ثبوت کونسلوں اور اسمبلیوں میں ان کی نشستوں کے تحفظ کا خاتمہ ہے، اس لیے اس کا خطرہ ہے کہ اچھوتوں کی اصلاح و ترقی سے ہندوستان کے پرانے نظام میں جو خلا پیدا ہوگا وہ مسلمانوں سے پر کیا جائے، تاہم ان حالات سے ان کو مایوس اور خوفزدہ نہ ہونا چاہیے، نا امیدی اور غیر اللہ کا خوف مومن کی شان کے خلاف ہے، البتہ اس نکبت و ادبار کے اسباب کی تلاش اور ان کے ازالہ کی تدبیر ضروری ہے، ورنہ اگر یہ احساس بھی جاتا رہا تو پھر ان کی تباہی میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہ جائے گا،

اگر مسلمانوں میں زندہ رہنے کی قوت باقی ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت ان کو ختم نہیں کر سکتی

قوموں کی موت و زیست اور ترقی و تنزل کا مدار ان کی کمیت یعنی عددی قلت و کثرت پر نہیں بلکہ ان کی اندرونی کیفیت پر ہے، جوہر فولاد کو پتھر کی چٹانیں بھی نہیں توڑ سکتیں، اور خاک کے ڈھیر کو ہوا کا جھونکا بھی اڑا سکتا ہے، ہر قوم کی حیات کا کوئی نہ کوئی سرچشمہ ہوتا ہے جس سے اس کو زندگی ملتی ہے، اور ہر قوم کسی نہ کسی نصب العین کے لیے زندہ رہتی اور اسی کے لیے آگے بڑھتی ہے، خواہ وہ وطنیت ہو، قومیت ہو، مذہب ہو یا اور کوئی نصب العین ہو، مسلمانوں کے لیے زندگی کا یہ سرچشمہ اور نصب العین مذہب ہے، انھوں نے دنیاوی عروج بھی اسی کے سہارے حاصل کیا ہے، اور آئندہ بھی اسی کے سہارے زندہ رہ سکتے ہیں، مذہب ہی ان میں ایمان و عمل کی اصلی روح، خدا کی ذات پر اعتماد و توکل کے ساتھ اپنے نصب العین کے حصول کے لیے جد و جہد، سعی و عمل، اس کی راہ میں ایثار و قربانی، اخلاص و صداقت، سادگی، جفاکشی وغیرہ اوصاف و اخلاق فاضلہ پیدا کر سکتا ہے جو دین کے ساتھ دنیاوی ترقی کے بھی سب سے بڑے وسائل ہیں، اور جو قوم بھی ان اوصاف سے متصف ہوگی اس کو کوئی طاقت نہیں دبا سکتی، اسی کے ساتھ دین ہی ملک و وطن کی حق شناسی بھی سکھاتا ہے، اور ان کی صحیح خدمت بھی دین ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔

اسلام میں دنیا بھی دین ہی کا ایک شعبہ ہے اور اسلام کا مقصد مسلمانوں کی دنیاوی ترقی اور سربلندی بھی ہے اور اس کو ایمان اور عمل صالح کا لازمی نتیجہ قرار دیا گیا ہے، اس لیے اگر مسلمان دنیاوی عروج و ترقی سے محروم ہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے مذہبی اعمال ناقص ہیں، اس لیے جس طرح مسلمانوں پر دوسرے مذہبی اعمال فرض ہیں اسی طرح کسب دنیا کے دنیاوی وسائل پر عمل اور ہر صالح ترقی کے میدان میں مسابقت کی جد و جہد بھی ان کے لیے ضروری ہے لیکن قومی ترقی کا اصل معیار حکومت کے عہدے اور سرکاری ملازمتیں نہیں بلکہ تعلیم، اقتصادیات، صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت وغیرہ میں ترقی ہے، حکومت کے چند عہدوں سے پوری قوم کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو حکومت کی دریوزہ گری چھوڑ کر ترقی کے اصلی میدانوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے، اگر اس میں وہ کامیاب ہو گئے تو پھر حکومت بھی ان کی قوت اور ان کی سیاسی حیثیت ماننے پر مجبور ہوگی، ورنہ محض ماتم گساری سے کچھ حاصل نہیں،

مقالات

کلچر کی وحدت کا مقصد!

از

شاہ معین الدین احمد

آزاد ہندوستان کی تعمیر کے سلسلہ میں جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں ان میں ایک مسئلہ قومیت اور کلچر کی وحدت کا بھی ہے یعنی ہندوستان ایک ملک ہے یہاں کے سارے باشندے ایک قوم ہیں، اس لئے بلا اختلاف مذہب وملت یہاں کا کلچر بھی ایک ہونا چاہئے۔ بظاہر یہ دعویٰ کوئی غیر معقول نہیں ہے لیکن اس کی تفصیل بحث طلب ہے، اور محض اجمالی دعویٰ کر وحدت قومیت اور وحدت کلچر کے مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، بلکہ علمی حیثیت سے اس پر بحث کی ضرورت ہے کہ ہندوستان کے تمام باشندے خصوصاً ہندو مسلمان ایک قوم ہیں یا دو قومیں، اور ایک ملک و قوم کیلئے وحدت کلچر کس حد تک ضروری ہے پھر کلچر کے کن اجزار کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، جن پر کسی فرقہ کی جماعتی حیثیت کا مدار ہوتا ہے، اور جن کے بغیر اس کی انفرادیت قائم نہیں رہ سکتی، اور کس حد تک دوسری قوم کے کلچر کے اثرات قبول کئے جا سکتے ہیں، اس اعتبار سے ہندوستان کے مسلمانوں کا کلچر کہاں تک عربی یا اسلامی ہے، اور اس میں ہندو کلچر کے کیا اثرات ہیں، پورے ہندوستان کا کلچر کسی زمانہ میں بھی ایک رہا ہے یا مختلف، موجودہ ہندو کلچر کہاں تک

خالص ہندو ہے، اس میں بیرونی اثرات کیا ہیں، کسی قوم و ملک کیلئے پرانے کلچر پر قائم رہنا مفید ہے یا اس میں ترقی پسندی، اس قبیل کے اور بہت سے سوالات کی روشنی میں اس مسئلہ کا صحیح فیصلہ ہو سکتا ہے، ان مسائل پر معارف میں بارہا اظہار خیال کیا جا چکا ہے، لیکن شذرات میں تفصیلی بحث کی گنجایش نہیں ہوتی اس لئے اس مسئلہ پر مستقل مضمون لکھنا مناسب معلوم ہوا،

ہندو مسلمان ایک قوم ہیں یا دو قومیں | قومیت کے حسب ذیل عناصر ہیں، وطن، نسل، مذہب، زبان، روایات، تمدن، سیاست، اور مقاصد کا اتحاد و اشتراک لیکن وحدت قومیت کے لئے ان تمام عناصر کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، بلکہ ان میں سے چند چیزوں میں اشتراک بھی وحدت قومیت کے لئے کافی ہے، البتہ جس قدر اشتراک زیادہ ہوگا اسی قدر قومیت کامل اور مضبوط ہوگی، اس تعریف کے اعتبار سے قومیت کی کامل وحدت تو دنیا کے بہت کم حصوں میں پائی جاتی ہے، حتیٰ کہ یورپ کے چھوٹے چھوٹے مختلف ملکوں میں بھی قومیت کے تمام عناصر میں پوری وحدت نہیں ہے، اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں، کسی باخبر شخص کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن مطلق اور کسی نوع کی قومیت سے کوئی ملک و قوم بھی خالی نہیں ہے، اور ان سب میں قومیت کے چند یا بیشتر اجزا میں اشتراک موجود ہے، جو وحدت قومیت کے لئے کافی ہے، اس لحاظ سے ہندو مسلمان ایک قوم ہیں، وطنیت اور ملکی سیاست اور بیشتر مقاصد میں دونوں کا اتحاد ہے، نسل میں بھی بڑی حد تک وحدت پائی جاتی ہے، اگر مشترک زبان اور تمدن کو نہ مٹایا جائے تو بڑی حد تک ان دونوں میں بھی اشتراک ہے، صرف مذہب اور روایات دونوں کی مختلف ہیں، گویا عناصر قومیت میں سے صرف دو میں اختلاف اور باقی میں وحدت یا اشتراک ہے، اس لئے بیشتر عناصر قومیت کے لحاظ سے دونوں ایک قوم ہیں، بشرطیکہ ان کو مٹایا نہ جائے جن قوموں کے تمام عناصر قومیت میں وحدت ہے ان کا کلچر بھی لازمی ایک ہوگا،

لیکن جن میں کامل وحدت نہیں ہے تو ان کے اختلافی عناصر کا بقا اور ان کا تحفظ خواہ وہ زبان ہو یا کلچر ہو یا مذہب، ان کا بین الاقوامی آئینی حق ہے، اس لئے مسلمانوں کا کلچر جس حد تک ہندوؤں سے مختلف ہے اس کا تحفظ حکومت کا قانونی فرض ہے۔

کلچر کی تعریف | کلچر ان افکار و تصورات اور نظام زندگی کو کہتے ہیں جس سے کسی قوم کے ذہن و تہذیب کا اندازہ ہو سکے، اور اس میں مابعد الطبیعی عقائد و خیالات سے لیکر حکومت و سیاست، تہذیب و معاشرت اور علوم و فنون سب شامل ہیں، آسانی کے خیال سے ان کی چار موٹی تقسیمیں کی جاسکتی ہیں، ایک مذہبی عقائد و عبادات جیسے توحید، رسالت، حشر و نشر، روزہ، نماز، حج اور زکوۃ، دوسرے نیم مذہبی معاشرتی مراسم جیسے نکاح، طلاق، ختنہ، وراثت وغیرہ، تیسرے ملی روایات اور زندگی کے مختلف شعبوں میں مذہب کے اثرات، چوتھے عام تہذیب و معاشرت، ان میں سے پہلی چیز یعنی عقائد و عبادات تو ہر فرقہ کیلئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے بغیر مذہب ہی کا وجود نہیں ہو سکتا اور نہ مسلمان مسلمان کہلا سکتا ہے اور نہ ہندو ہندو، دوسری چیز یعنی نیم مذہبی معاشرتی مراسم گو ارکان دین میں نہیں ہیں لیکن مذہبی قوانین کے مطابق ان کا انجام پانا ضروری ہے، ورنہ ان کا انعقاد ہی نہ ہوگا، تیسری چیز یعنی ملی روایات اور معاشرت میں مذہب کے اثرات گو یہ بھی دین کا رکن نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود مذہب کی اصلی روح یہی ہیں اور عقیدہ کی پختگی یا ایمان کا فطری نتیجہ ہیں، جن کو مذہب سے کسی حال میں بھی الگ نہیں کیا جاسکتا، مثلاً اسلامی زندگی میں توحید، خدا پرستی اور اس پر توکل و اعتماد کے اثرات وغیرہ اور یہ اثرات اتنے متوارث ہیں کہ بے عمل مسلمانوں کی زندگی بھی ان سے یکسر خالی نہیں ہوتی، یا سچے اور باعمل مسلمانوں کی عام معاشرت میں اسوۂ رسول اور اسوۂ صحابہ کی تقلید اور اسلامی روایات کا احترام وغیرہ یہی حال دوسرے فرقوں کا بھی ہے، چوتھی چیز عام تہذیب

معاشرت ہے، اس بارہ میں اسلام کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کے لئے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے

اسلام دین کامل اور دین وحدت ہے

اسلام اور دوسرے مذاہب میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ دنیا کے بیشتر مذاہب کو صرف خدا اور بندے کے تعلق سے بحث ہے، اس لئے ان کی تعلیم عقائد عبادات اور بعض اخلاقی باتوں تک محدود ہے، ان کو انسان کی دنیاوی زندگی سے بہت کم علاقہ ہے، اس لئے ان میں یا سرے سے دنیاوی زندگی کے قوانین ہی نہیں ہیں اور اگر ہیں بھی تو بہت ناقص، لیکن اسلام دین کامل ہے، اس لئے اس کا قانون زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے، اور اس میں عقائد، عبادات، دنیاوی معاملات، حیات بعد الموت زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق خواہ وہ دنیاوی یا مادی ہو یا اخلاقی و روحانی مکمل تعلیمات اور ضابطۂ حیات موجود ہے، جس پر عمل کے بغیر اسلامی زندگی کامل نہیں ہوتی،

اسی کے ساتھ اسلام دین وحدت بھی ہے، اور اس کا مقصد مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں وحدت و یکرنگی ہے، یعنی جس طرح سارے مسلمانوں کے عقائد و عبادات میں وحدت ضروری ہے اسی طرح ان کی تہذیب و معاشرت میں بھی یکسانی ہونی چاہئے تاکہ وہ ایک ہی اصل کی شاخ اور ایک ہی درخت کا پھل نظر آئیں، گو ظاہر بیں اس کو تنگدلی اور تنگ نظری پر محمول کریں گے، لیکن اگر ضبط و نظام (ڈسپلن) کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ اسلام کے کمال اور اس کی جامعیت کی دلیل ہے، اور ہر کامل مذہب کو ایسا ہی ہونا چاہئے، دنیا کا جو اجتماعی نظام جتنا منظم اور ترقی یافتہ ہوگا، اس میں تنوع کے باوجود ایک طرح کی یکرنگی پائی جائے گی، جس کا نمونہ فوج ہوتی ہے

اصول کی وحدت کیساتھ فروع میں وسعت و تنوع کی اجازت

لیکن اسی کے ساتھ اسلام چونکہ دین فطرت اور عالمگیر مذہب ہے اور وہ ساری دنیا کی رہنمائی اور ابد تک کے لئے آیا ہے اور قانون ارتقا بھی خدا ہی کا بنایا ہوا ہے، جس پر یہ روشن ہے کہ کوئی قانون خواہ کتنا ہی جامع اور

مکمل کیوں نہ ہو اپنی تمام جزئیات کے ساتھ ہر زمانہ کے لئے کارآمد نہیں ہو سکتا اور زمانہ کی رفتار
اور حالات کے تغیر کے ساتھ زندگی کے تقاضے اور اس کی ضرورتیں بدلتی رہتی ہیں اس لئے اسلام
میں وحدت و یکسانی کے تصور کے باوجود اس کے بنیادی عقائد اور ارکان کو چھوڑ کر جو ابدی
ناقابل تغیر ہیں کہ وہ زمان و مکان اور حال و مستقبل کی قید سے ماورا رہیں اور ان سے
زمانہ کی ترقی کا کوئی تصادم نہیں ہوتا باقی بہت سے دنیاوی امور کے فقہی قوانین میں زمانہ
کے حالات و ضروریات کے مطابق اسلامی اساس پر ترمیم و تبدیلی کی اجازت ہے، یہ بھی مسلم ہے کہ
مختلف ملکوں کے جغرافی حالات اور ملکی و قومی خصوصیات جدا جدا ہیں جن میں ایک ہی تمدن
و معاشرت نہیں چل سکتی اور ہر قوم میں کچھ نہ کچھ اچھے اور قابل تقلید اوصاف ہوتے ہیں،
اس لئے اسلام نے منہیات شرعیہ کے علاوہ مسلمانوں کے لئے کسی خاص معاشرت کی پابندی
ضروری نہیں قرار دی ہے، اور دوسری قوموں کی اچھی اور مفید باتوں کے اختیار کرنے
کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے اس ارشاد کا کہ "الحکمۃ ضالۃ المومن اخذھا اینما وجدھا" یعنی حکمت اور دانائی
کی باتیں مسلمانوں کا گمشدہ مال ہیں، اس کو جہاں پائیں لے لیں یہی مقصد ہے، دنیا کے کسی
مذہب میں انسانیت کی صالح ترقی کیلئے اس سے بہتر تعلیم نہیں مل سکتی، خود رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے جانشینوں اور بڑے بڑے صحابہؓ دنیاوی غیر مذہبی امور
میں دوسری قوموں کی مفید باتوں کو اختیار کیا ہے،

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی ارکان یعنی عقائد و عبادات اور حلال
و حرام کے قوانین تو ناقابل تغیر ہیں جن کی پابندی مسلمانوں کے لئے ضروری ہے، اس لئے کلچر
کے اس حصہ میں نہ صرف مسلمان بلکہ دنیا کا کوئی فرد بھی تبدیلی نہیں کر سکتا اور وحدت کلچر کے

داعیوں نے بھی اس کو مستثنیٰ کر دیا ہے، نیم مذہبی و معاشرتی مراسم کا بھی مذہبی طریقہ پر انجام پانا ضروری ہے، اس میں بھی تغیر نہیں ہو سکتا، معاشرت میں بھی ایک حد تک مذہبی اثرات فطری ہیں جو اس سے جدا نہیں ہو سکتے، یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ جس عقیدہ پر خواہ وہ دنیاوی ہی ہو پورا اذعان اور پختہ یقین ہوگا تو اس کے اثرات زندگی میں لازمی طور سے ظاہر ہوں گے، یہ اصول نہ صرف مذہب بلکہ دنیا کے ہر عقیدہ میں کارفرما ہے،

رہ گئی تہذیب و معاشرت یعنی لباس، وضع قطع، رہنے سہنے، کھانے پینے اور رہنے چلنے کے طریقے اور آداب وغیرہ تو اس میں اسلام نے محرمات شرعیہ کے علاوہ اور کوئی پابندی نہیں رکھی ہے اور ہر وہ معاشرت اختیار کی جا سکتی ہے جو اسلامی قانون کے رو سے حرام نہ ہو مثلاً مردوں کے لئے سونے اور ریشم کا استعمال حرام ہے، لباس ساتر ہونا چاہئے اس کے علاوہ اور کوئی پابندی نہیں ہے، کھانے میں حرام چیزیں نہ ہونی چاہئیں اور ہر حلال اور پاک چیز کھائی جا سکتی ہے، اسی طریقہ سے معاشرت کے ہر شعبہ میں ممنوعات شرعیہ کے علاوہ ہر چیز کو اختیار کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے، چنانچہ معاشرتی تنوع کا مشاہدہ آج بھی مختلف اسلامی ملکوں میں کیا جا سکتا ہے جن میں مذہبی وحدت کے علاوہ سب کی معاشرت جدا جدا ہے،

کسی تہذیب کی اشاعت و مقبولیت اس کے رد و قبول کے فطری اصول — لیکن کوئی تہذیب و معاشرت زبردستی نہیں منوائی جا سکتی، بلکہ اس کی اشاعت و مقبولیت اور رد و قبول کا تعلق اس کے حسن و خوبی، فوائد و ضرورت، ملکی حالات اور دوسری قوموں کے ساتھ اس کے میل جول سے ہے، جس تہذیب میں ظاہری نفاست و دلآویزی اور معنوی افادیت ہوگی وہ خود بخود پھیل جائیگی اور جن قوموں کو اس سے سابقہ ہوگا وہ خود بخود اس کو اختیار کر لیں گی، اور جو تہذیب ان اوصاف سے خالی ہوگی اس کو جبر سے بھی نہیں منوایا جا سکتا،

بلکہ وہ اپنی قوم سے بھی رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گی ہندوستان میں مسلمانوں اور انکے بعد انگریزوں کے تمدن کی اشاعت کا ایک بڑا سبب اس کی ظاہری نفاست و دلآویزی تھی،

جب دو قوموں اور دو تہذیبوں کا آپس میں میل جول ہوگا تو فطری طور پر دونوں نہ صرف ایک دوسرے کی خوبیوں بلکہ برائیوں سے بھی متاثر ہوں گی، اس کی زندہ مثال ہندوستان کے مسلمان ہیں، ان میں ہندوؤں کے اثر سے شریف و رذیل کے طبقے ہوگئے جو اسلامی مساوات کے سراسر خلاف ہے، بیوہ کی دوسری شادی معیوب قرار پائی، حالانکہ اسلام میں اس کی تاکید ہے، اسلامی قانون میں خاص حالات میں طلاق کی اجازت ہے لیکن ہندوستانی مسلمانوں خصوصاً شرفا میں سخت معیوب سمجھی جاتی ہے، اس لئے کہ ہندوستان میں نکاح ایک ناقابل تنسیخ رشتہ ہے، اودھ اور پنجاب میں لڑکیوں کو ان کا شرعی ترکہ نہیں ملتا، اس قسم کی اور بہت سی برائیاں جن کی اصلاح اب خود ہندو کر رہے ہیں، مسلمانوں میں ہندوؤں کے اثر سے پیدا ہوگئیں،

مسلمانوں میں ہندو کلچر کے اثرات ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ہندو کلچر کے اثر سے خالی نہیں ہے، پیدائش سے لے کر موت تک کے رسوم میں ہندو اثرات نمایاں ہیں، پیدائش کے سارے مراسم چھٹی، چھلا، سوہلی ہتور کے ٹوٹکے اور زچہ بچہ کے متعلق ساری رسمیں ہندوانہ ہیں، شادی میں مانجھا، منڈوا، بارات، سہرہ، برتی، بدھاوا، ڈولہ، پابل، چوتھی چالا نیگ وغیرہ ساری رسمیں ہندوانہ ہیں، ورنہ اسلامی نکاح کا تو سیدھا سادہ طریقہ ہے، اظہار مسرت میں زیادہ سے زیادہ بچیوں کو گانے کی اجازت ہے، اور ایک دعوت ولیمہ ہے، اسی طریقہ سے موت میں تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسی، تماہی، چھماہی، برسی، مردہ کی ہر چیز سے چھوت، قبض روح کی جگہ چراغ جلانا وغیرہ سب ہندوستانی اثرات ہیں، مسلمانوں میں خوشی کی تقریبوں کے سارے گانے ہندی ہیں، لڑکیوں کی رخصتی کے وقت ہر شریف گھرانے میں حضرت امیر خسرو

کا بل گایا جاتا ہے، ان اثرات کی ہمہ گیری دیکھنا ہو تو مراثی پڑھئے جس میں اہل بیت کرام کی مخدرات عصمت تاب تک خالص ہندوستانی تہذیب و معاشرت میں نظر آتی ہیں، اور حضرت قاسم کی شادی اور انکی شہادت کے سلسلہ کی ساری رسمیں ہندوانہ ہیں، ہولی اور بسنت کے تہوار تو عزیبوں کے جھونپڑوں سے لیکر سلاطین کے ایوانوں اور صوفیہ و مشائخ کی خانقاہوں تک منائے جاتے تھے اور اب بھی منائے جاتے ہیں، ان دونوں تہواروں پر بہت سے قدیم شعراء کی نظمیں موجود ہیں، اب ہولی کا رواج تو عام طور سے ترک ہو گیا ہے، لیکن اب بھی نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جن میں مذاق کا رشتہ ہوتا ہے ہولی کے موسم میں ایک دوسرے پر عبیر و گلال اڑاتے ہیں، مذاق کا رشتہ خود ہندوستانی اثر ہے عربوں میں اس کا کوئی وجود نہیں، بسنت آج بھی بزرگوں کے مزارات اور خانقاہوں میں منایا جاتا ہے، اور حضرت امیر خسرو کے بسنتی گیت قوالی کی محفلوں کو گرم کرتے ہیں، مسلمانوں کا مذہب تک ہندوانہ اثر سے محفوظ نہیں رہا، تصوف میں جو روح شریعت ہے یوگ اور ویدانت کے بہت سے طریقے رائج ہو گئے ہیں، بزرگان دین کے عرسوں کے بیشتر مراسم غسل، گاگر، صندل، چراغاں، چادر، قوالی سب کے سب ہندوانہ اثرات ہیں، بعض مبلغ صوفیائے کرام کے ذریعہ جوش تبلیغ میں عام ہندوؤں کو مانوس کرنے کے لئے ان کی بہت سی ریت رسمیں خانقاہوں میں داخل ہو گئیں، مسلمانوں میں ہندی زبان کی اشاعت میں ان کو بڑا دخل ہے، آج بھی ہندی کے گیت قوالی کی محفلوں کو گرم کرتے ہیں، ہندوؤں کے تقریباً سارے ٹونے ٹوٹکے اور شگون اور بدشگونی مسلمانوں میں رائج ہیں، ان کے جواز و عدم جواز سے بحث نہیں ہے، بلکہ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ہندوانہ اثرات سے خالی نہیں ہے، یہ صرف چند سرسری مثالیں لکھدی گئیں، اس کی تفصیل کے لئے مستقل کتاب کی ضرورت ہے، اور اس سے ہر شخص واقف ہے، اسلئے مزید تفصیل کی ضرورت نہیں

یہ اثر بالکل فطری ہے | اور یہ اثر بالکل فطری تھا، ایک ہزار سال سے ہندو مسلمانوں کا ساتھ ہے
اور مسلمان اپنی حکومت کے زمانہ میں بھی انگریزوں کی طرح اجنبی حکمراں کی حیثیت سے ہندوستان میں
نہیں رہے، بلکہ انھوں نے اس کو اپنا وطن بنا لیا، اور یہیں شادی بیاہ کرکے بالکل مل جل
گئے، اس کے علاوہ ہندوستان کے مسلمانوں کی بڑی تعداد ہندی الاصل ہے جن کے اسلاف نے
کسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا، اس لئے ان کا دین تو اسلام ہو گیا، لیکن معاشرت وہی پرانی
باقی رہی، چنانچہ دیہات کے ہندو مسلمانوں میں آج بھی مذہب کے علاوہ تہذیب و معاشرت
کا کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ ان مسلمانوں کا بڑا طبقہ ایسا ہے جس میں ختنہ اور گوشت خوری کے علاوہ
اسلام کی اور کوئی نشانی نہیں ہے، بلکہ بہتوں میں یہ بھی نہیں ہے، تمدن زیادہ تر عورتوں کے ذریعہ
پھیلتا ہے، جس گھر میں جس قوم کی عورت ہوگی اس میں اسی کے تمدن کا غلبہ ہوگا۔ ہندوستان میں
جو مسلمان گھرانے باہر سے بھی آئے ان میں سے اکثروں نے ہندوستانی عورتوں سے شادیاں کیں،
ان کے ذریعہ ہندو تمدن مسلمان گھروں میں پہنچ گیا، خصوصاً تیموری بادشاہوں نے تو راجپوت
خاندانوں میں بکثرت رشتے قائم کئے، چنانچہ بہت سے تیموری سلاطین ہندو عورتوں کے بطن سے
تھے، یہ عورتیں اپنا تمدن بھی ساتھ لائیں، اور خود ان بادشاہوں نے ان کی دلجوئی اور ان کو
مانوس کرنے کیلئے ان کی بہت سی رسمیں اختیار کرلیں، اور ان کے پوجا پاٹ تک کا انتظام کرتے
اس طرح ہندو تمدن شاہی محلات میں پہنچ گیا، اور پھر "الناس علی دین ملوکہم" کے اصول پر
حکومت کے امراء و اعیان اور سارے اونچے طبقہ میں پھیل گیا، جس سے علماء و مشائخ کے گھرانے
بھی محفوظ نہ رہ سکے، اس طرح دیہات سے لیکر شہروں تک اور عوام و جہلا سے لیکر امراء و عمائد تک
ہندو تمدن عام ہو گیا، اکبری دور کی ہندویت تو مشہور عام ہے، اورنگ زیب جیسے بادشاہ
کا زمانہ بھی ان اثرات سے خالی نہیں، بلکہ بعد میں اور زیادہ اثرات بڑھتے گئے، تاریخی بحث میں

پڑنے کا یہ موقع نہیں ہے، اس حقیقت سے ہر صاحب علم واقف ہے،

ہندوؤں میں اسلامی کلچر کے اثرات

اسی کے ساتھ ہندو بھی اسلامی اثرات سے محفوظ نہ رہے، اولاً حاکم قوم کے تمدن کو محکوم قوم خود فطرۃً اختیار کرتی ہے، خصوصاً جب اس میں ظاہری نفاست اور دلآویزی اور معنوی افادیت بھی ہو، تو اس کی مقبولیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، اس لئے ہندو بھی اسلامی اثر سے متاثر ہوئے، اور اس سے ان کی مذہبی و معاشرتی اصلاح میں ان کو بڑا فائدہ پہنچا، چنانچہ ہندوستان میں توحید خالص کا تصور مسلمانوں کے ذریعہ آیا، سکھ پنتھ، آریہ سماج، برہمو سماج سب اسی کے نتائج ہیں، معاشرت میں ستی کی رسم کا انسداد، عقد بیوگان، لڑکیوں کی وراثت، طلاق، اچھوت ادھار اور دوسری اصلاحات سب اسلامی اثرات ہیں، ورنہ ہندو شاستر کی رو سے یہ تمام اصلاحات ہندو مذہب کے سراسر خلاف ہیں، اسی طریقے سے معاشرت کے ہر شعبہ میں ہندو اسلامی اثر سے متاثر ہوئے،

ہندو مسلمانوں کا مشترکہ تمدن

ان دونوں تمدنوں کے اختلاط اور ایک دوسرے کی اثر پذیری سے ایک نیا مشترک اور دلآویز تمدن پیدا ہوا، جو نہ خالص اسلامی یعنی عربی اور ایرانی ہے اور نہ شدھ ہندو، بلکہ ان سب کا عطر اور دلفریب گنگا جمنی مرقع ہے، انگریزی عہد میں اس میں یوروپین تمدن کے اثرات بھی شامل ہو گئے، اور اب یہی سہ آتشہ تمدن ہندو مسلمانوں کا مشترکہ تمدن ہے، جو زندگی کے ہر شعبہ میں جاری و ساری ہے،

ہمارے لباس میں کرتہ پائجامہ قمیص، شیروانی، انگرکھا، ہندوستانی کوٹ، دو پلڑی یا کشتی نما ٹوپی، سلیم شاہی یا انگریزی جوتا جو شہری تعلیم یافتہ طبقہ کا عام لباس ہے، نہ قدیم ہندوستان کا لباس ہے اور نہ عربی و ایرانی ہے، اور کسی اسلامی ملک میں نہیں پایا جاتا، بلکہ خالص ہندوستانی ہے، اب انگریزی لباس بھی ہندوستانی ہو گیا ہے، اسی طریقہ سے روزانہ کی عام غذا میں

گوشت کے علاوہ ترکاری دال چپاتی چاول، اچار چٹنی چپاتی یا پوری سہالی مٹھائیوں کی بیشتر قسمیں سب ہندوستانی ہیں، بلکہ ہندوؤں کے بعض طبقے ہمیشہ سے گوشت کھاتے ہیں، اس لئے وہ بھی مسلمانوں کی مخصوص غذا نہیں ہے، البتہ مسلمانوں کے پرتکلف کھانے ایرانی ہیں، لیکن اب وہ بھی خالص ایرانی نہیں رہ گئے ہیں، اور موجودہ شکل میں وہ ہندوستان کے علاوہ اور کسی اسلامی ملک میں نہیں پائے جاتے، مسلمانوں نے ان کے اجزاء اور پکانے کے طریقہ میں ترقی دیکر ان کو ہندوستانی بنالیا ہے، اور یہ اتنے لذیذ ہیں کہ ہندو بھی ان کو مزے لے لے کر کھاتے ہیں، اور جن کے منہ لگ جاتے ہیں پھر نہیں چھوٹتے حتی کہ وہ گوشت کی کوئی قسم بھی نہیں چھوڑتے، اور اب یہ کھانے عام طور سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور خوشحال ہندو گھرانوں میں رائج ہیں حتی کہ وہ بھگت بھی جو پلیٹ فارم پر ہندو مذہب اور ہندو تمدن کا پرچار کرتے ہیں، چھپ چھپ کر ان کو کھاتے ہیں، ؏ چوں بخلوت میروند آن کار دیگر می کنند

دونوں کے رہنے سہنے کے طریقے اور ملنے جلنے کے آداب بھی یکساں ہیں، مکانات ان کے سازوسامان اور طرز و آرایش میں بھی کوئی فرق نہیں ہے، دونوں کی ظاہری وضع قطع اب اتنی یکساں ہوگئی ہے کہ آج کے بہت سے ہندو مسلمانوں کو ظاہری لباس اور وضع قطع سے پہچاننا مشکل ہے، غرض دیہات سے لیکر شہر تک ہندو مسلمانوں کی عام معاشرت میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، لیکن معاشرت میں اس عمومی اشتراک کے باوجود اس کلچر میں ہندو مسلمانوں کی مذہبی خصوصیات اور ان کی قومی و ملی روایات بھی موجود ہیں جس سے دونوں کی امتیازی حیثیت بھی قائم ہے، اس حیثیت سے ہندو مسلم کلچر کا ایک پہلو علحدہ بھی ہے لیکن تہذیب و معاشرت کے عمومی اشتراک پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا،

کیا ہندوستان کے مسلمانوں کا کلچر خالص اسلامی ہے | اس موقع پر ایک عام غلط فہمی کا ازالہ

ضروری ہے جس کی بنا پر مسلمانوں کو ہندوستان سے اجنبیت کا طعنہ دیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ اسلامی کلچر بیرونی ہے، اور مسلمانوں کی نگاہ ہمیشہ عرب اور ایران و توران پر لگی رہتی ہے، درحقیقت ہندوستان میں جس کلچر کو اسلامی کہا جاتا ہے وہ خالص اسلامی نہیں بلکہ عربی آمیز عجمی ہے جس میں اب ہند کلچر کے اثرات بھی شامل ہوگئے ہیں، اسلامی کلچر تو نہایت سادہ ہے اس میں یہ تکلفات کہاں، بلکہ تکلفات تو اسلامی روح کے منافی ہیں، اس کے اسلامی کہلانے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ ایرانی اور عربی تمدن کا میل ابتدا میں ہوگیا تھا، لیکن اموی حکومت کے زمانہ تک بڑی حد تک عربی تمدن قائم رہا، ان کے بعد عباسی خلفاء نے مختلف اسباب و حالات کی بنا پر ایرانی تمدن اختیار کرلیا، لیکن وہ حاکم تھے اور ان کا مذہب اسلام تھا اس لئے عجمی تمدن پر بھی گہرے اسلامی اثرات پڑے، اور جس طرح ہندوستان میں ایرانی عربی اور ہندو تمدن سے مل کر ایک مشترک تمدن پیدا ہوا، اسی طرح عباسی دور میں ایرانی اور عربی تمدن کی آمیزش سے مشترک تمدن پیدا ہوا تھا، اور عباسی خلافت کو ساری دنیائے اسلام میں مذہبی مرکزیت حاصل تھی، اس لئے اس کا تمدن اسلامی کہلایا،

دوسرا سبب یہ ہوا کہ ہندوستان میں اس تمدن کے لانے والے سلاطین مسلمان تھے، اس لئے ان کا تمدن بھی اسلامی کہلایا، حالانکہ وہ نسلاً اور وطناً ایرانی، تورانی، مغل، پٹھان اور ترک تھے، اور گو ان کا مذہب اسلام تھا، لیکن ان کا تمدن اپنا قومی اور ملکی تھا، اسی لئے اس تمدن میں اسلامی کے مقابلہ میں عجمی اثرات زیادہ ہیں، اور یہ تمدن مسلمانوں کے لئے مذہبی نقطہ نظر سے وہی حیثیت رکھتا ہے جو مشترک ہندوستانی تمدن کی ہے، اس لئے ہندوستان کا اسلامی تمدن درحقیقت اسلامی نہیں بلکہ عربی آمیز عجمی ہے، اور رجیوں سیجوں، شیریں فرہاد اور رستم و سہراب کو نہ عرب سے کوئی تعلق ہے، اور نہ اسلام سے مسلمانوں کیلئے ان کی وہی حیثیت ہے،

جو گنگا جمنا، نل دمن اور بھیم و ارجن کی ہے، ہندوستان کے مسلمانوں میں ایرانی و تورانی روایات اس لئے پھیلیں کہ یہاں کے مسلمان بادشاہ ایرانی و تورانی تھے، جو اپنی قومی و ملکی روایات اپنے ساتھ لائے تھے، اور یہ چیزیں ہندوستان میں اسلام کے وسیلہ سے نہیں آئیں، چنانچہ آج بھی عربی ممالک میں ان کا کہیں وجود نہیں ہے، مسلمانوں کا مذہبی تعلق صرف عرب سے ہے، وہ ان کا مذہبی مرکز ہے، کاش ان کا تمدن خالص عربی اور اسلامی ہوتا تو ان کو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا، رونا تو یہی ہے کہ ان کو اسلام کے ساتھ نسبت کے علاوہ بہت کم علاقہ رہ گیا ہے،

ہندوستان میں تو اسلام بھی اپنی اصل شکل میں نہیں آیا، ورنہ آج اس کی تاریخ کچھ اور ہوتی، اس میں تو اتنی کشش ہے کہ جن ملکوں میں وہ اپنی شکل میں پہنچا، ان کی کایا پلٹ گئی، اور ان کا نہ صرف مذہب بلکہ پورا کلچر بدل گیا، آج بھی وہ سارے ملک جن میں اسلام عربوں کے ذریعہ پہنچا الحمد للہ اسلامی ہیں،

کیا ہندوستان کا کلچر کبھی ایک رہا ہے آخر میں یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ کیا کبھی پورے ہندوستان کا کلچر ایک رہا ہے، اور کیا آج بھی ایک ہے، اس میں تو ہندوستان کا حال دنیا کے تمام دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے، دنیا کی ہر قوم کے مختلف فرقوں اور طبقوں میں کچھ نہ کچھ بنیادی باتیں ضرور مشترک ہوتی ہیں، لیکن ہندوؤں میں تو یہ وحدت بھی نہیں ہے، اور ان کے مختلف فرقوں میں بنیادی اختلاف بلکہ تضاد ہے، سناتن دھرم برہمنی مذہب ہے، وہ مورتی پوجا کا قائل ہے، اور اس کا نظام معاشرت طبقات کی تقسیم پر قائم ہے، اصلی بدھ مذہب بت پرستی اور طبقاتی تقسیم دونوں کے خلاف ہے، لیکن اس میں خدا کا کوئی تصور نہیں ہے، بلکہ وہ خود انسان میں نروان کی صلاحیت مانتا ہے، لیکن اب اس میں بھی بت پرستی رائج ہو گئی ہے، جینی مذہب میں بھی خدا کا کوئی تصور نہیں ہے، اور یہ بت شکن

ہیں، سکھوں کا مذہب گو ہندو نہیں ہے لیکن ہندوستان ہی کا پیدا شدہ ہے، اور اس کی اصل بنیاد توحید و روحانیت پر ہے، گو اب اس میں بھی بیرونی اثرات شامل ہو گئے ہیں جو زیادہ تر عیسائیت اور کچھ اسلام اور ہندو مذہب سے ماخوذ ہے،

انکے مختلف طبقوں اور فرقوں کے دیوتا اور مندر الگ الگ ہیں، اچھوتوں کو مندروں میں داخلہ اور ہندوؤں کی مقدس کتابوں کی تلاوت اور ان کے چھونے کی بھی اجازت نہیں ہے برہمن ان کے سایہ سے بھاگتے ہیں، ان میں شادی بیاہ تا نو ناجائز ہے، ایک گائے کی تقدیس البتہ سب فرقوں میں مشترک ہے لیکن چمار مردہ گائے کا گوشت تک کھا جاتے ہیں، سب کی شادی بیاہ کی رسمیں جدا ہیں، بلکہ خود شدروں کی مختلف برادریوں کی یہ رسمیں بھی جدا جدا ہیں یہ تو مذہب کے اختلاف کا حال ہے تہذیب و معاشرت میں اس سے بھی ..... زیادہ اختلافات ہیں، شمالی ہند کا کلچر جنوبی ہند سے کشمیر کا آسام سے بنگال کا پنجاب سے مدراس کا یوپی اور بہار سے اسی طریقہ سے ہندوستان کے مختلف صوبوں کا کلچر باہم اتنا مختلف ہے کہ ان کے باشندے ایک دوسرے کی زبان تک نہیں سمجھ سکتے بلکہ خود ایک صوبہ کے ہندوؤں کے مختلف طبقوں کا کلچر یکساں نہیں ہے، اس لئے پورے ہندوستان کا کلچر کبھی ایک تھا اور نہ اب ہے، مسلمانوں کو ان مختلف کلچروں میں سے کس کلچر کے اختیار کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، اور وہ ہندوؤں کے کس فرقہ کس طبقہ اور کس صوبہ کا کلچر اختیار کریں، درحقیقت اگر کوئی مشترک کلچر کہا جا سکتا ہے تو وہی ہے جو اسلامی اور ہندو کلچر سے مل کر بنا ہے، اور اب اس میں یورپین تمدن کے اجزا بھی شامل ہو گئے ہیں، یہ کلچر پنجاب سے لیکر بہار تک رائج اور ہر صوبہ میں کم و بیش پایا جاتا ہے،

کیا قدیم ہندو تمدن کا احیاء مفید ہے اور وہ اس زمانہ میں چل سکتا ہے | البتہ اگر وحدت کلچر سے یہ

مقصد ہے کہ ہندوستان کے ہزاروں سال پرانے تمدن کو پھر سے زندہ کیا جائے تو گو وہ بھی ایک نہیں ہے تاہم اگر اس میں کسی نوع کی وحدت مان بھی لی جائے تو وہ اس ترقی یافتہ دور میں قطعاً نہیں چل سکتا اور نہ ہندوستان اس کے بل پر زندہ رہ سکتا ہے، اور عالم خیال کے علاوہ عملاً اس کا زندہ کرنا نا ممکن ہے حتیٰ کہ اس تمدن کے نقیب بھی اس پر عمل نہیں کر سکتے اور اس کا تصور ہی بے معنی ہے،

کوئی پڑھا لکھا شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ تمدن ایک ارتقا پذیر چیز ہے، اور ابتدائے آفرینش سے اب تک اس میں ارتقا کا عمل برابر جاری ہے، جس سے دنیا کا کوئی تمدن بھی مستثنیٰ نہیں، پرانے تمدنوں کو لغو اور بے کار نہیں کہا جا سکتا وہ سلسلۂ ارتقا کی ایک کڑی اور اپنے زمانہ کے لئے موزوں تھے، لیکن آج وہ بجنسہٖ نہیں چل سکتے اسلئے جو قوم بھی اپنے پرانے تمدن پر جمی رہے گی اور تمدنی ارتقا کا ساتھ نہ دے گی وہ یا تو ختم ہو جائیگی یا اس کا شمار پس ماندہ قوموں میں ہوگا، اور وہ ترقی یافتہ قوموں کی ہمسری نہ کر سکے گی، اس سے انکار نہیں کہ ہر مذہب و ملت کے کلچر میں بعض ایسے بنیادی ارکان ہوتے ہیں، جو کبھی نہیں بدل سکتے، اور جن پر اس قوم کے وجود اور اس کی امتیازی حیثیت کا مدار ہوتا ہے، لیکن ان کے علاوہ زندگی کے اور شعبوں میں اگر صالح بیرونی اثرات نہ قبول کئے جائیں، تو کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی، اس لئے ہندوؤں کا پرانا تمدن خواہ اس زمانہ کے ہندوستان کے لئے کتنا ہی موزوں رہا ہو لیکن اس زمانہ میں وہ نہیں چل سکتا، اور آج خود ہندو قوم زمانہ کے حالات کے مطابق ہر شعبہ میں اصلاح و تغیر کرنے پر مجبور ہے، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس کی تازہ مثال ہندو کوڈ بل ہے، اور جس قدر زمانہ ترقی کرتا جائے گا، ہندوؤں کا پرانا نظام بدلتا جائے گا،

ہندوستان کی جاہل دیہاتی آبادی کو چھوڑ کر تعلیم یافتہ	ہندوستان میں شخصی زندگی سے لیکر نظام
شہری طبقہ کی تہذیب و معاشرت میں جو کلچر کا اصلی	حکومت تک سب بیرونی تمدن پر قائم ہے

نمایندہ ہوتا ہے، چند مذہبی اثرات کے علاوہ پرانی ہندو تہذیب کا کونسا اثر باقی ہے؟

اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، آج بڑے سے بڑے فرقہ پرست اور ہندو کلچر کے مبلغ اور نقیبوں کی زندگی میں بھی پرانے ہندو کلچر کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا، بڑے بڑے کانگریسی نیتا وزراء اور عمال کوٹھیوں میں رہتے موٹروں پر نکلتے، ہوائی جہازوں میں اڑتے اور ٹیلیفون سے بات کرتے ہیں، سب کی کوٹھیوں میں دیئے کے بجائے بلب جلتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی ننگے بدن چوکے میں بیٹھ کر پترے میں نہیں کھاتا، ان کی میزوں پر انواع و اقسام کے کھانے ہوتے ہیں،

غرض مخصوص مذہبی مراسم اور بعض پرانی قومی و ملکی روایات کے علاوہ ان کی تہذیب و معاشرت میں خالص پرانے ہندو تمدن کا کوئی اثر باقی نہیں ہے، یہ تو معاشرت کا حال ہے، حکومت اور سیاست پر نگاہ ڈالی جائے تو اس کا پورا ڈھانچہ ہی بدلا ہوا ہے، اس کے آئین و قوانین اور حکومت کے سارے شعبے اور عہدے سب انگریزی نظام کی نقل ہیں، آزاد ہندوستان کے دستور میں کوئی دفعہ بھی تو ہندو شاستر کی نہیں ہے، پارلیمنٹ اور کونسلوں و اسمبلیوں کے ایوان، سکریٹریٹ کے دفاتر، گورنر جنرل اور وزیر اعظم سے لیکر پولیس کی چوکیوں اور دیہات کے چوکیداروں تک حکومت کا سارا نظام، اس کے کل شعبے اور عہدے سب کے سب انگریزی ہیں، صنعت و حرفت تجارت کے بڑے بڑے کارخانے، ان کی مشینیں، ان کا نظام، ریل، جہاز، ہوائی جہاز، ٹیلیگراف، ٹیلیفون، ریڈیو، وائرلیس، سارے آلات و اسلحہ غرض حکومت کے سارے اجزاء اور ملک کی ترقی کے سارے وسائل، اور کل سروسامان میں

کوئی چیز بھی تو پراچین بھارت کی نہیں، سب میں ماڈرن یورپ کی نقل و تقلید ہے، پھر آخر وہ کونسا شعبہ ہے جس میں پرانے ہندو تمدن کی تجدید ہوگی، اور وہ کون سے آچار ہیں جن کے قبول کرنے کی دعوت دی جاتی ہے،

مشترک تہذیب اور اس کے آثار ہندوستان کی عظمت کا نشان اور اس کی آبرو ہیں

لیکن اگر اجنبی اور بیرونی تمدن سے مراد صرف اسلامی عہد کے اثرات ہیں تو اس کا مٹانا بھی ناممکن ہے، زندگی کا کوئی شعبہ بھی تو ان سے خالی نہیں ہے، یہ اثرات تو ہندوستانی تہذیب کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہیں، ان کو مٹانا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا ہے، ہندوستان کی ساری عظمت و شان اور حسن و دلآویزی اسی گنگا جمنی سنگم سے قائم ہے، اس کا جو نقش بھی مٹے گا اس سے تنہا اسلامی عہد کا نشان نہیں بلکہ ہندوستانی تمدن کا ایک دلفریب رخ مٹ جائے گا، اگر تاج محل، دلی اور آگرہ کے قلعے، فتح پور سیکری کی عمارتیں، ...... کشمیر کا شالامار باغ اور اسلامی عہد کے دوسرے آثار مٹا دیے جائیں، تو ہندوستان کا حسن غارت ہو جائے گا، یہ عمارتیں محض اینٹ اور پتھر کا تودہ نہیں بلکہ ہندو مسلم آرٹ کا شاہکار ہیں جس میں دونوں کلچروں کی روح جھلکتی ہے، اور اس روح سے دلی کی جامع مسجد، آگرہ کی موتی مسجد، امرتسر کا گولڈن ٹمپل اور اسلامی عہد کے تعمیر شدہ مندر بھی خالی نہیں ہیں، یہی روح اور یہی آرٹ ہندوستانی تہذیب و معاشرت کے ہر شعبہ میں موجود ہے، اس کے مٹانے کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستانی تہذیب کا آرٹ اور حسن مٹ جائے گا،

کشمیر کی شال، نمدے، چاندی اور لکڑی کا کام، بنارس کی زردوزی، قالین بافی، پیتل کی نقاشی، ٹانڈہ کی جامدانی، مراد آباد کے برتن، حیدر آباد کا ہمرو اور بدری، اور لکھنؤ کا چکن اور سادہ کاری کے کام اور اس قسم کی سیکڑوں صنعتیں بیشتر اسلامی عہد کی یادگار ہیں، اور آج بھی ان کے

کاریگر مسلمان ہیں، کیا ان کو مٹانے سے ہندوستان کا نقصان نہ ہوگا، اس لئے جو لوگ اسلامی عہد کے آثار کو مٹانا چاہتے ہیں وہ ہندوستان کے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں،

نتیجۂ بحث | اس بحث کا مقصد اور خلاصہ یہ ہے کہ سارے ہندوستان کا کلچر کسی زمانہ میں بھی ایک نہیں رہا، اگر کوئی مشترک کلچر کہا جا سکتا ہے تو وہ وہی ہے جو ہندو مسلمانوں کے صدیوں کے میل جول سے پیدا ہوا، اور جس میں ان دونوں کے مساوی تمدنی اثرات ہیں علاوہ اس اشتراک کے باوجود دونوں کی امتیازی حیثیتیں بھی قائم ہیں، ہندوستانی تمدن کا سارا حسن و جمال اور اس کی عظمت و شان اسی تمدن سے وابستہ ہے، اور وہ ہندوستان کی رگوں میں خون کی طرح جاری ہے اس کو مٹانے کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان کی روح نکال لی جائے،

اس زمانہ میں ہزاروں سال پرانے ہندو تمدن کو زندہ کرنے کا تخیل نہ صرف بے معنی بلکہ عملاً بھی ناممکن ہے، ہندوستان اپنے پورے وجود میں بیرونی اثرات کی نقل و تقلید پر مجبور ہے اور ہندو تمدن کے نعرہ کے باوجود آج بھی اشخاص کی زندگی سے لیکر حکومت کے نظام تک کوئی چیز بھی بیرونی اثر سے خالی نہیں ہے، اس لئے یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا،

یہ تصور قومی وحدت اور ملکی ترقی دونوں کے خلاف ہے، اور اس سے قومی تفریق اور ملکی تخریب کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے، اس لئے ہندو مسلمان دونوں کو اپنی مذہبی و ملی خصوصیات قائم رکھتے ہوئے مشترک تمدن کو نہ صرف قائم رکھنا بلکہ اس کو فروغ دینا چاہیئے، اسی میں ہندوستان کی فلاح ہے، یہ تمدن درحقیقت "بھارتیہ مندر" ہے جس کا احترام دونوں کیلئے ضروری ہے،

عہد اسلامی کا ہندوستان

مملوک سلاطین دہلی

از
مولانا سید ریاست علی ندوی

(۳)

علماء امام رضی الدین حسن بن محمد صغانی اس دور کے ان مشاہیر اہل علم میں سے ہیں جن پر عالم اسلام کو ناز تھا، وہ ۵۷۷ھ میں لاہور میں پیدا ہوئے یہیں نشو و نما پائی، اپنے والد شیخ محمد بن حسن صغانی سے علوم کی تحصیل کی، اور ارباب فضل میں شمار کئے گئے، سلطان قطب الدین ایبک نے لاہور کی قضاءت پیش کی، مگر علوم کی تکمیل پیش نظر تھی، عہدہ قبول نہیں کیا، لاہور سے غزنی گئے، کچھ دنوں وہاں درس و تدریس کی خدمت انجام دی، پھر اس دور میں عالم اسلام میں علم و فن کے جو اہم مرکز تھے، اور جہاں ممتاز شیوخ علم نے اپنی مسند درس بچھائی تھی وہاں پہنچے اور علم و عرفان کی دولت سے مالامال ہوئے، ۶۱۵ھ میں خلیفہ الناصر لدین اللہ عباسی نے خلعت سے نوازا، اور ۶۱۷ھ میں فرمان دے کر سلطان شمس الدین التمش کی خدمت میں بھیجا اور یہیں دار السلطنت دہلی میں بود و باش اختیار کر لی، ۷ برس کے قیام کے بعد ۶۲۴ھ میں وہ حج کے لئے روانہ ہوئے، اور عالم اسلام میں علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، اس کے بعد خلیفہ المستنصر عباسی نے سلطانہ رضیہ کے پاس ہندوستان سفیر بنا کر بھیجا، اور یہاں دوبارہ

قیام فرما رہے، اس کے بعد ۶۳۴ھ میں پھر بغداد تشریف لے گئے، اور وہیں وفات پائی، اور ابتداءً وہیں مدفون ہوئے، پھر وصیت کے مطابق لاش مکہ معظمہ لے جائی گئی، اور وہی ان کا ابدی خواب گاہ بنا،

علامہ صغانی علوم حدیث، فقہ اور لغت کے امام تھے، عالم اسلام کے جلیل القدر علماء و مصنفین نے ان علوم میں ان کے علوئے مرتبت کا عقیدت کے ساتھ اعتراف کیا ہے، شیخ شرف الدین دمیاطی محمود بن عمر ہروی، ابن صباغ، برہان الدین محمود بن اسعد بلخی وغیرہ ان کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں، انہی علوم میں ان کی بہت سی گراں قدر تصنیفات ہیں، علم حدیث میں ان کی شہرۂ آفاق تصنیف مشارق الانوار کی ضیا پاشیوں سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں علم حدیث کی روشنی پہنچی، عالم اسلام کے ممتاز اہل علم نے اس کی بکثرت شرحیں لکھیں، جن کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے، حدیث میں ان کی دوسری تصنیف مصباح الدجی فی حدیث المصطفیٰ اور الشمس المنیرہ وغیرہ ہیں، اسی طرح فن لغت میں العباب الزاخر، مجمع البحرین، النوادر فی اللغۃ، التراکیب وغیرہ کو عام شہرت حاصل ہے، اسی طرح حدیث، فقہ اور لغت میں ان کی دیگر تصنیفات ہیں[۱]

مولانا شہاب الدین بدایونی اس عہد کے ممتاز فاضل میں تھے، امیر خسرو نے ان کی شان میں قصائد لکھے ہیں، شیخ ضیاء الدین بخشی ان کے تلامذہ میں سے تھے، شیخ اسحق بن علی بخاری اس عہد کے ممتاز اہل صوفیہ میں سے تھے، وہ شیخ منہاج الدین علی بن اسحاق بخاری کے صاحبزادے تھے، دہلی میں پیدا ہوئے، وہیں نشوونما پائی، مدرسہ معزیہ میں ایک مدت تک درس و تدریس کی خدمت انجام دی، شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر سے بیعت کی، انھوں نے خرقۂ خلافت

---

[۱] نزہۃ الخواطر س ۷، ۳۰

بھی عطا کیا، مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے تھے، "اسرار الاولیا" کے نام سے اپنے شیخ کے ملفوظات جمع کئے تھے، علم صرف میں ایک منظوم رسالہ بھی لکھا، ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء میں وفات پائی[1]۔

علامہ برہان الدین محمود بن ابو الخیر اسعد بلخی اپنے دور کے افاضل روزگار میں سے تھے کہا جاتا ہے کہ نحو، لغت، فقہ، حدیث اور علوم عقلی میں ان کے زمانہ میں ہندوستان میں ان سے بڑا عالم کوئی دوسرا نہ تھا، فقہ کی تحصیل ہدایہ کے مصنف شیخ برہان الدین مرغینانی سے کی، حدیث امام صغانی صاحب مشارق الانوار سے پڑھی، اسی کے بعد ہندوستان وارد ہوئے اور غیر معمولی عزت و اکرام سے ان کی پذیرائی ہوئی، سلطان غیاث الدین ان کا احترام کرتا اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض اٹھاتا تھا، ۶۸۷ھ / ۱۲۸۸ء میں وفات پائی، دہلی میں حوض شمسی کے قریب دفن کئے گئے[2]۔

علامہ نجم الدین عبدالعزیز بن محمد دمشقی دہلوی علوم عقلیہ کے ماہرین میں سے تھے امام فخر الدین رازی سے علوم کی تحصیل کی، اس کے بعد ہندوستان وارد ہوئے، اور یہاں کے ملوک و امراء نے ان کے ورود کو غنیمت سمجھا، سلطان غیاث الدین ہر ہفتہ ان کی خدمت میں آتا، اور ان کی صحبت سے حظ اٹھاتا تھا[3]۔

مولانا شمس الدین خوارزمی سلطان غیاث الدین کے عہد کے ممتاز علماء میں تھے سلطان نے شمس الملک کا لقب عطا کیا، حضرت نظام الدین اولیاء، قطب الدین ناقلہ اور شیخ برہان الدین عبدالباقی وغیرہ جیسے اکابر ان کے تلامذہ میں سے تھے[4]۔

مولانا برہان الدین بزاز حنفی دہلوی دہلی کے ممتاز فقہاء میں سے تھے، درس و تدریس کا مشغلہ جاری تھا، غیاث الدین بلبن عزت و اکرام سے پیش آتا تھا[5]۔

---

[1] نزھۃ الخواطر ص ۱۴۲ ، [2] ایضاً ۱۴۳ [3] ایضاً ۲۰ ، [4] ایضاً ۱۶۷ ، [5] ایضاً ص ۱۲۸

مولانا برہان الدین بسنغی بھی دہلی کے فقہا میں تھے، مسند درس بچھی ہوئی تھی، جب کوئی طالب علم آتا تو اس سے تین باتوں کا اقرار لیتے تھے، اول یہ کہ شب و روز میں صرف ایک مرتبہ کھائے گا، درس میں کسی دن بھی تاخیر سے نہ پہنچے گا، اگر اس کے خلاف ہوا تو پھر اس کو کبھی درس میں بیٹھنے کا حق نہ ہوگا، تیسرے یہ کہ اثنائے راہ میں بجز سلام مسنون کے تعظیم کا کوئی اور طریقہ ان کے ساتھ اختیار نہیں کرے گا، بڑے بڑے علما و مشائخ ان کے حلقۂ درس سے فیضیاب ہوئے،[۱]

حکیم حسام الدین ماریکلی عہد بلبن میں دار السلطنت کے ممتاز اطبا میں سے تھے، درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا،[۲]

شیخ ابو بکر بن یوسف سجزی دہلی کے ممتاز اساتذہ میں سے تھے، غیاث الدین بلبن بڑی عزت کرتا اور ہر جمعہ کو نماز کے بعد ان کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا،[۳]

سید صدر الدین محمد بن محمد سندھی اپنے عہد کے ممتاز علما میں تھے، ۶۶۹ھ / ۱۲۷۰ء میں وفات پائی، حضرتی میں مدفون ہوئے،[۴]

اسی طرح اس دور کے ممتاز علما، فقہا، محدثین میں شیخ کمال الدین احمد دمینی محدث متوفی ۶۷۱ھ / ۱۲۷۲ء قاضی رفیع الدین گازرونی فقیہ (نزہۃ الخواطر ۱۵۵) قاضی رکن الدین سامانی فقیہ (۱۵۵) مولانا زین الدین بدایونی (ص ۱۷۰) مولانا سراج الدین ترمذی (۱۷۱) مولانا سدید الدین دہلوی فقیہ (۱۶۱) قاضی کمال الدین جعفری صاحب کتاب المغنی فی الفقہ (۱۶۱) مولانا شرف الدین والوالجی فقیہ (۱۶۳) قاضی ظہیر الدین دہلوی فقیہ (۱۶۰) شیخ مجد الدین بن خطیر الدین لاہوری صاحب تصانیف مشہورہ (ص ۲۰۲) شیخ نجیب

---

[۱] نزہۃ الخواطر ص ۱۲۰ [۲] ایضاً ۱۴۳ [۳] ایضاً ۱۲ [۴] ایضاً ۲۲۴

ابن احمد نہروانی متوفی ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء) وغیرہ تھے جنھوں نے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی مسند درس بچھائی تھی، اور ان کے وجود سے علم کا عام فیض جاری تھا،

مشائخ اس دور کو اکابر مشائخ میں سے حضرت خواجہ فریدالدین مسعود بن سلیمان اجودھنی معروف بہ گنج شکرؒ کے وجود گرامی سے شرف حاصل تھا، وہ حضرت خواجہ بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کے اجل خلفاء میں سے تھے، ضلع ملتان کے قصبہ کھتوال میں پیدا ہوئے، یہیں نشو و نما پائی، اور ملتان میں تعلیم کی تکمیل فرمائی، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی سے فیض یاب ہوتے، یہیں حضرت بختیار کاکیؒ سے شرف نیاز حاصل ہوا، مزید تعلیم کی ہدایت پاکر قندھار، سیستان، بدخشاں اور بغداد تشریف لے گئے، حضرت شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ سعدالدین حموی سے فیض حاصل کیا، واپسی کے بعد دہلی میں حضرت کاکیؒ کی خدمت میں اقامت اختیار فرمائی، اور مجاہدہ و ریاضت میں مصروف ہوئے، حضرت خواجہ اجمیریؒ نے فیض بخشا، اور حضرت کاکی نے دستار خلافت سر پر باندھی، پھر شیخ کے حکم کے مطابق ہانسی تشریف لے گئے، اور وہیں بارہ سال قیام فرمایا، جب خلائق کا ہجوم بڑھا، تو اجودھن چلے گئے اور اسی کو اپنا مستقر بنایا، خوارق عادات و کرامات کثرت سے منقول ہیں، دنیا اور اس کی دولت و ثروت سے بے نیاز رہے، سلطان علاء الدین محمود آپ کی خدمت میں بار یاب ہوا، بلبن کے توسط سے چند گاؤں کی معافی کا پروانہ دیا، حضرت نے قبول کرنے سے انکار فرمایا، بلبن جو آگے چل کر سلطان غیاث الدین ہوا اسکی بیٹی حضرت کے عقد نکاح میں تھی، اور سریر سلطنت پر بیٹھنے کے بعد بھی خانقاہ میں حاضری دیتا رہا، مگر حضرت کی شان استغنا میں کبھی فرق نہ آیا، ایک مرتبہ کسی شخص نے سفارش کے لئے مجبور کیا تو حضرت نے سلطان غیاث الدین کو حسب ذیل تحریر لکھ بھیجی،

میں نے اس کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا، پھر تمھارے سامنے لایا ہوں،
اگر تم نے اس کو عطا کیا، تو عطا فرمانے والا وہی اللہ تعالیٰ ہوگا، اور تمھارا شکریہ
ادا ہوگا، اور اگر تم نے اس کو کچھ نہیں دیا، تو روکنے والا وہی اللہ ہوگا، اور تم
معذور سمجھے جاؤگے"

حضرت کے خلفاء میں حضرت نظام الدین محمد بدایونی ملقب بہ نظام الدین اولیاؒ،
حضرت علاء الدین علی صابر کلیری، حضرت جمال الدین خطیب ہانسوی، اور حضرت
بدرالدین اسحٰق دہلوی تھے، حضرت نظام الدین اولیانے حضرت سے قرآن مجید کے ۶ پارے
اور کتاب العوارف اور کتاب التمہید کی قرأت کی تھی، ان خلفاء میں سے حضرت نظام الدین
نے حضرت گنج شکر کے ملفوظات راحة القلوب کے نام سے اور حضرت بدرالدین اسحٰق
دہلوی نے سیر الاولیاء کے نام سے جمع کئے تھے، حضرت گنج شکر نے ۹۵ سال کی عمر میں
۶۶۴ھ/۱۲۶۶ء میں وصال فرمایا،

شیخ ابو المؤید نظام الدین بن جمال الدین غزنوی بھی حضرت بختیار کاکی کے مرید تھے،
حضرت نظام الدین اولیاء ان کی مجلس وعظ میں شرکت کرتے، اور ان کے پُر اثر
مواعظ کے مداح تھے، ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء میں وفات پائی،

شیخ جمال الدین احمد بن محمد ہانسوی متوفی ۶۵۹ھ/۱۲۶۱ء، حضرت گنج شکر کے ممتاز خلفاء
میں تھے، حضرت شیخ فرماتے "الجمال جمالی" فارسی میں ایک دیوان یادگار چھوڑا،[۱]

حضرت خواجہ علاء الدین علی بن احمد صابر قدس سرہٗ حضرت گنج شکر کے محبوب خلیفہ تھے،
وہ ۵۹۲ھ/۱۱۹۶ء میں بمقام گنجہ پیدا ہوئے، اور شیخ کی خدمت میں تعلیم و تربیت پائی، اور حضرت
گنج شکر کے اجل خلفاء میں شمار کئے گئے، اور حضرت کے توسط سے چشتی سلسلہ کو پورے ملک

---

[۱] نزہۃ الخواطر ص ۱۲۲

میں عام مقبولیت حاصل ہوئی، کہا جاتا ہے کہ ان پر کبھی شان جلالی کا غلبہ طاری ہوتا تھا، ابتدا میں انھیں شیخ نے دہلی میں اقامت اختیار کرنے کا اجازت نامہ عطا کیا، لیکن ہدایت کی کہ پہلے جمال الدین کو اسے دکھا لینا، وہ ہانسی تشریف لائے، اجازت نامہ ان کے ہاتھ میں دیا اور تھوڑی دیر انتظار کرکے رخصت چاہی، شیخ جمال الدین نے کہا دہلی کیلئے بڑے بار صاحب ولایت چاہیے، تم ایک لمحہ کیلئے ٹھہر نہیں سکتے، انھوں نے کچھ شان استغنا سے جواب دیا تو شیخ جمال الدین نے برہم ہوکر اجازت نامہ کو چاک کرکے پارہ پارہ کر دیا، انھوں نے جلال میں آکر کہا کہ اسی طرح آپ کا سلسلہ بھی پارہ پارہ ہوجائے گا، چنانچہ شیخ جمال الدین کا سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا، حضرت خواجہ علاء الدین ہانسی سے لوٹ کر حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں واپس آئے، اور واقعہ سنایا، تو حضرت گنج شکر نے فرمایا جمال الدین نے جس کو ٹکڑے کر دیا ہو، میں اس کو جوڑ نہیں سکتا، اور دہلی کے بجائے کلیر جانے کی ہدایت کی، چنانچہ ۶۵۰ھ / ۱۲۵۲ء میں کلیر تشریف لے گئے اور وہیں اقامت اختیار فرمائی، اور ان کے واسطے سلسلۂ چشتیہ کا عام فیض جاری ہوا، اور جب عام شہرہ ہوا تو خلائق اطراف ہند سے جوق در جوق آکر فیض اٹھانے لگی، ۶۹۰ھ / ۱۲۹۲ء میں واصل بحق ہوئے، حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی حضرت کے ممتاز خلیفہ تھے،[1]

شیخ بدر الدین اسحاق بن علی بخاری دہلوی حضرت گنج شکر کے ارشد خلفا میں سے تھے، ان سے حضرت غایت الفت رکھتے تھے، اور اپنے قرب سے علیحدہ کرنا گوارا نہیں فرمایا، ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء میں اجودھن میں واصل بحق ہوئے[2]

حضرت نظام الدین محمد بن احمد بدایونی معروف بہ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین

---

[1] نزہۃ الخواطر حصہ اول ص ۱۸۰ [2] ایضاً

اولیاء قدس سرہٗ حضرت گنج شکر کے وہ دوسرے ممتاز خلیفہ ہیں جن کے توسط سے چشتی نظامی سلسلہ کی پورے ملک میں اشاعت ہوئی، حضرت محبوب الٰہی ۶۳۴ھ/۱۲۳۶ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے، پانچ سال کی عمر میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدۂ محترمہ کی آغوش میں تربیت پائی، شیخ علاء الدین اصولی سے فقہ، اصول، اور دوسرے دینی علوم کی تحصیل کی، ۱۵ سال کی عمر میں دہلی تشریف لائے اور یہاں کے اساتذہ شمس الدین خوارزمی، کمال الدین ماریکلی وغیرہ سے تحصیل علم کی تکمیل فرمائی، پھر ۶۵۵ھ/۱۲۵۷ء میں دہلی تشریف لائے، اور یہیں اقامت کی اجازت عطا کی گئی، اور رشد و ہدایت کا فیض جاری ہو گیا، یہ ملوک سلاطین کا آخری دور تھا حضرت کا قیام غیاث پور میں تھا، معز الدین کیقباد نے اس کے قریب کیلوکھری میں شاہی محل تعمیر کرایا، دربار کے قریب ہونے کی وجہ سے امراء و اکابر کی آمد و رفت یہاں شروع ہوئی، اس اثنا میں خلجی سلطنت کا آغاز ہوا، اور حضرت کے فیوض و برکات کا یہ سلسلہ اس دور میں جاری رہا، سلاطین و امراء نے سر نیاز خم کیا اور اپنی طرف حضرت کی نگاہ کرم منعطف کرانے کو ابدی سعادت تصور کیا، حضرت کی تصنیفات میں فوائد الفواد، افضل الفوائد، اور راحۃ المحبین ہیں، ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء میں واصل بحق ہوئے،[1]

حضرت شیخ صدر الدین عارف حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے اور جانشین تھے، سلطان غیاث الدین کے بیٹے شاہزادہ محمد کو ان سے عقیدت تھی، ان کی مجلس میں حاضر ہوا کرتا تھا، ۶۸۴ھ/۱۲۸۴ء میں وفات پائی،

شیخ ابو علی شرف الدین قلندر، اس عہد کے ممتاز علماء و مشائخ میں سے تھے، ۶۰۵ھ/۱۲۰۸ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے، اکابر علماء سے علوم کی تحصیل کی، عالم اسلامی کی سیاحت فرما کر صلحائے امت کے فیوض سے بہرہ اندوز ہوئے، حضرت شمس الدین تبریزی اور

---

[1] نزہۃ الخواطر حصہ دوم ص ۱۲۲، طبع ۱۳۵۰ھ،

جلال الدین رومی سے خرقہ حاصل کیا، تیس سال تک درس و افادہ کی خدمت انجام دی، پھر سکر و مستی کا عالم طاری ہوا، اور آخر عمر تک باقی رہا، ان کی تصنیفات میں حکمت نامہ اور چند دیگر رسائل تصوف میں ہیں ۷۲۴ھ / ۱۳۲۴ء میں واصل بحق ہوئے،[۱]

شیخ ایوب ترکمانی بہرام شاہ کے زمانہ میں با اقتدار مشائخ میں تھے، مارہرہ ان کا مرکز تھا، سلطان کو ان سے عقیدت تھی، دہلی آیا جایا کرتے تھے، اور مختلف امور میں بہرام شاہ سے اپنی مرضی کے احکام صادر کراتے تھے،[۲]

شیخ ابو بکر طوسی بلبن کے عہد کے ممتاز مشائخ میں سے تھے، بلبن نے ان کے لئے ایک بڑی خانقاہ تعمیر کرائی تھی جہیں لنگر جاری تھا، شیخ جمال الدین ہانسوی ان کے فضل کے معترف تھے، اور ان کی مجلس میں تشریف لایا کرتے تھے،[۳]

شیخ حسام الدین ملتانی حضرت صدر الدین محمد بن زکریا ملتانی کے مریدین میں سے تھے، ۶۸۷ھ / ۱۲۸۸ء میں وفات پائی،[۴]

حضرت خواجہ محمد بن حسن اجمیری حضرت خواجہ اجمیری کے خلف صدق تھے، اجمیر میں پیدا ہوئے اور وہیں حضرت خواجہ کے دامن تربیت میں فیض اٹھایا، اور ان کے بعد مشیخت و ارشاد کے منصب پر سرفراز ہوئے، ۶۵۳ھ / ۱۲۵۵ء میں وفات پائی،[۵]

شیخ نجیب الدین بن عماد الدین فردوسی دہلوی، شیخ رکن الدین فردوسی کے مرید تھے، حضرت مخدوم شیخ احمد بن یحییٰ منیری ان کے مرید و خلیفہ تھے، ۶۹۱ھ / ۱۲۹۲ء میں دہلی میں واصل بحق ہوئے،[۶]

---

[۱] نزہۃ الخواطر ص ۵ [۲] ایضاً ۱۲۵ [۳] ایضاً ص ۱۲۳ [۴] ایضاً ص ۱۴۳ [۵] ایضاً ۱۴۶ [۶] ایضاً ص ۲۳۵،

شیخ بابا رجب گجراتی حضرت سید احمد کبیر رفاعی کے مرید تھے، ۶۱۶ھ میں گجرات میں آئے، نہروالہ میں قیام تھا، ایک خلق کثیر ان کے ہاتھ پر اسلام لائی، ۶۷۰ھ/۱۲۷۱ء میں وفات پائی۔[1]

شیخ عثمان بن حسن مروندی معروف بہ لعل شہباز ۶۶۲ھ/۱۲۶۴ء میں ملتان پہنچے، سلطان غیاث الدین کے بیٹے شاہزادہ محمد نے ان کے لئے ایک عظیم خانقاہ تعمیر کرائی اور رشد و ہدایت میں مصروف ہوئے، ۶۷۳ھ/۱۲۷۴ء میں سیوستان میں مدفون ہوئے،[2]

شیخ فخر الدین میرٹھی حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے مرید و خلیفہ تھے، رتبۂ شیخیت تک سرفراز ہوئے، کہا جاتا ہے کہ وہ سکندر یونانی کی نسل سے تھے،[3]

شیخ نجیب الدین بن سلمان متوکل حضرت گنج شکرؒ کے خلفا میں سے تھے، ۶۶۹ھ/۱۲۷۰ء میں دہلی میں وفات پائی،[4]

شیخ حسین بن علی بخاری حضرت زکریا ملتانیؒ کے مرید تھے، اور بھکر میں مستقل سکونت رکھتے تھے، ۶۹۵ھ/۱۲۹۶ء میں وفات پائی،[5]

مولانا شیخ شرف الدین عراقی جو حضرت شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے ۶۸۶ھ/۱۲۸۸ء میں وفات پائی،[6]

اسی طرح اس دور کے ممتاز صوفیہ و مشائخ میں شیخ عبد الرشید کیتھلی متوفی ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء (نزہۃ الخواطر ۱/۱۷۰) شیخ خواجہ عزیز کرکی بدایونی فقیہ و صوفی متوفی ۶۶۶ھ/۱۲۶۷ء (۱۷۸) سید محمد ابن شجاع مکی متوفی ۶۴۶ھ/۱۲۴۸ء (۲۱۷) شیخ بدر الدین محمد بن محمد سندھی متوفی ۶۸۰ھ/۱۲۸۱ء بہ بھکر (۲۲۳) سید صدر الدین محمد بن محمد بھکری متوفی ۶۶۹ھ/۱۲۷۰ء (۲۲۶) شیخ نور الدین لاری متوفی ۶۹۵ھ/۱۲۹۶ء (۲۳۸) وغیرہ کے وجود گرامی سے رشد و ہدایت کا عام فیض جاری تھا،

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۱۵۴ [2] ۱۶۸ [3] ص ۱۹۵ [4] ص ۲۱۳ [5] ص ۱۲۳ [6] ۱۶۴

مملوک سلاطین کا دور حکومت

مملوک سلاطین کے خاتمہ پر دہلی سلطنت کے ان سلاطین کے سلسلہ کا خاتمہ ہوا جن کا آغاز سلطان شہاب الدین غوری سے ہوا تھا کہ اسی کے غلام در غلام تاجدار بن کر تخت نشین ہوتے گئے، اس کے ساتھ سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کے ہاتھوں سے ہندوستان کو زیر نگیں کرنے کی جو مہم شروع ہوئی تھی، وہ بھی اسی دور میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی،

ہندوستان پر مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کے محرکات

غزنوی اور غوری کشورکشاؤں کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے محرکات کیا تھے، ہمیں اس پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہئے، عام طریقہ سے محمود کی بت شکنی کے جذبہ کو شہرت دی گئی ہے، مگر یہ تمام تر یورپ کے مورخین کے ذہن کی پیداوار ہے، ان نو مسلم ترکوں میں اس قسم کے کسی جذبہ کے بجائے در اصل اس زمانہ کی سماجی زندگی کے وہ مطالبے تھے، جو بلندی اور نام آوری حاصل کرنے کے لئے فوجی طاقتیں مہیا کرکے سپہ سالار ایک ملک سے دوسرے ملک میں جایا کرتے تھے، ہندوستان کی دولت کی شہرت عام تھی، اس میں بھی ایک خاص قسم کی کشش موجود تھی، ان قبائل میں اپنی نوآبادیاں قائم کرنے کا جذبہ بھی پایا جاتا تھا، وہ اپنے بڑے بڑے جرگوں کے ساتھ نکل جاتے، اور جہاں سرسبزی نظر آتی وہاں ڈیرے ڈال دیتے تھے، محمود نے ہندوستان کو خاص طور پر رہنے کیلئے پسند کیا تھا، لیکن وہ یہاں اقامت اختیار نہ کرسکا،

مسلمانوں کو ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں عمومی آزادی

سلاطین دہلی کے زمانہ میں جن حکمرانوں کے ہاتھوں میں تلوار تھی، انھیں اس پر اتنا بھروسہ تھا کہ انھوں نے ہندوستان کے پرانے رہنے والوں کو منتشر کرنے کا کبھی قصد نہیں کیا، یہاں انھوں نے قانون اسلام جاری کرنے کی ضرورت کبھی

محسوس نہیں کی، نا مسلمانوں کو عام اجازت تھی کہ وہ ہتھیار بند رہیں، اور اپنی مرضی کے مطابق جرگے تیار کریں، ان کی سماجی، معاشرتی و اہلی زندگی سے بھی کوئی تعرض نہیں کیا جاتا تھا، انھیں ہر قسم کی پوری آزادی حاصل تھی، انھیں اپنی اقتصادی و معاشی ترقی حاصل کرنے کے پورے مواقع دیئے گئے تھے، اور اسی زمانہ میں وہ حکومت کے شعبوں سے بھی کہیں کہیں وابستہ ہونے لگے تھے،

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی حیثیت

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اگر ہندوستان پر حملہ آوری میں کوئی دینی جذبہ کارفرما ہوتا تو وہ یہاں کی سلطنت کی بنیاد اسلامی اصول و شرائع پر قائم کرتے، اگرچہ بعض مورخین نے اس سلطنت کو خالص "اسلامی سلطنت" لکھا ہے جس کی بنیاد شرعی احکام پر قائم تھی، لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ عملی طور پر در اصل یہ اسلامی سلطنت نہ تھی، اور برنی جیسے مورخ کو بھی اپنی تصنیف "فتاوی جہانداری" میں یہ اقرار کرنا پڑا ہے کہ یہاں بادشاہی کا نظام خالص "دنیاداری" پر قائم تھا، جو "دینداری" کے قطعی خلاف تھا، جس کا قیام غیر اسلامی طور و طریق اور طرز حکومت کو اختیار کئے بغیر ممکن نہ تھا، سلطان اگرچہ خود اسلامی عقیدہ کا قائل اور شرائع کا پابند تھا، لیکن اس کی سلطنت کا نظام شرائع کے بموجب قائم ہونے کے بجائے خالص تسلط اور فوجی طاقت پر قائم تھا، اس نظام میں شرائع کو بھی وہی حیثیت حاصل تھی، جو دوسرے قوانین کو تھی، اس لئے در اصل یہاں مسلمانوں نے جس سلطنت کی داغ بیل ڈالی تھی، وہ مذہبی حکومت کے بجائے غیر مذہبی اور غیر جانبدار سلطنت (سیکولر اسٹیٹ) تھی، پروفیسر حبیب اللہ نے یہ صحیح لکھا ہے کہ

> مورخین کے بیانات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سلطنت خالص اسلامی ریاست تھی جو اپنی پالیسی کو شریعت کے مطابق بنانے کی کوشش کرتی تھی لیکن جیسا کہ گذشتہ ابواب سے معلوم ہوا ہوگا

علاً ایسی نہ تھی، بادشاہت کے غیر اسلامی طرز کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں، برنی نے اس کا اعتراف کیا ہے، کہ دنیا داری جس کا منتہائے کمال بادشاہت ہے، وہ دینداری کے خلاف ہے، برنی نے یہ بتایا ہے کہ بادشاہت کے مشرکانہ طریقے اسلام میں جاری رہے اور اسی کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ بغیر غیر اسلامی طریقہ کے بادشاہت ممکن نہیں، بعض خوش عقیدہ مذہبی گروہ اپنے کو یہ تسلی دے سکتا ہے کہ سلطان صرف مذہب کی اشاعت اور شریعت کی بقا ہی کیلئے ہوتا ہے، لیکن بغیر کسی شک وشبہہ کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اعمال میں جو چیزیں فیصلہ کن ہوتی تھیں وہ قوت اور ضرورت کا قانون تھیں، برنی نے بادشاہت کی اصلیت اور نوعیت کی تفصیل بتائی ہے، وہ کہتا ہے، کہ بادشاہت کے معنی استیلا کے ہیں، چاہے وہ قانونی طریقہ سے ہو یا قوت سے ہو، اور شریعت کی عملی طور پر اس سے زیادہ توقیر نہ تھی جیسے دوسرے قوانین کی، برنی کو یہ اعتراف ہے کہ مسلمانوں کو جو سزائیں دی جاتی تھیں وہ قرآن پاک کے خلاف تھیں، لیکن ان کو روا رکھا جاتا تھا، اسی طرح قانون وراثت اور حلال وحرام کا امتیاز اور دوسری معروف امتناعی پابندیوں کو توڑ دیا جاتا تھا، مذہبی طبقہ اس کے خلاف احتجاج ضرور کرتا تھا، سود کے متعلق جو شرعی پابندیاں تھیں ان کا لحاظ مطلق نہیں کیا جاتا تھا، امیر خسرو نے واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک تنکہ پر ایک جیتل سود ماہوار لیا جاتا تھا، اور فریقین میں جب تحریری معاہدہ ہو جاتا تھا تو اس کو قانونی درجہ حاصل ہو جاتا تھا، اور قاضی کو اس کو عمل میں لانا پڑتا تھا، وہ جو چار شرائط برنی نے بادشاہوں کو عمل کرنے کیلئے لکھے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ جب کسی ضابطہ کو جاری کرے، تو ان میں سے اگر کوئی شریعت کے خلاف ہو تو وہ

واپس نہ لئے جائیں، بلکہ جب تک ضرورت ہو اس کو قائم رکھا جا سکتا ہے[1]۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی اسی غیر مذہبی سلطنت کی تاسیس عمل میں آئی، اور بیشتر مسلمان سلاطین نے اپنے بیشتر زمانوں میں اپنے کو غیر مذہبی حکمراں تصور کیا، انھوں نے اپنی ذات اور مسلمانوں کیلئے دین کی عام پابندی کو لازم کر رکھا تھا، مگر مسلمانوں کے ساتھ اپنے سیاسی برتاؤ میں اس کا لحاظ نہیں رکھا تھا، اس طرح وہ دینداری اور دنیاداری دونوں کو دونوں پلڑوں پر رکھ کر نظم حکومت سنبھالے ہوئے تھے، اور ان میں سے جو سلاطین دینداری کی طرف مائل ہوتے، ان کا پلڑہ کسی قدر جھک جاتا، اور جو خالص دنیاداری کے رخ کو سامنے رکھتے تو وہ اس سمت کو جھک جاتے تھے یہی طرز مملوک سلاطین ہند سے لے کر تیموری سلطنت کے چراغ کے بجھنے تک قائم رہا، تیموری دور میں دینداری و دنیاداری کے دونوں سروں کو دو حکمرانوں عالمگیرؒ اور اکبر نے اپنے اپنے دوروں میں اپنے کردار سے زیادہ نمایاں کر دیا تھا، اور اسی لئے ان دونوں کی بادشاہی کا طرز ایک دوسرے کے بالکل برعکس تھا، باایں ہمہ پورے اسلامی دور میں کسی ایک حکمراں کا بھی زمانہ ایسا مشکل سے مل سکتا ہے جس کو ہم خالص اسلامی حکومت سے تعبیر کر سکتے ہوں اور جس میں ہم عہد صدیقی و فاروقی کی مثالیں دیکھ سکتے ہوں، بلکہ یہاں اسلامی حکومت کے بجائے مسلمان بادشاہوں کی حکومت قائم تھی، جس میں جب حکمرانوں اور محکوموں میں ارتباط بڑھا تو دونوں کو یکساں حیثیت کے شہری حقوق حاصل ہو گئے اور حکومت کا کوئی عہدہ یا منصب محض نامسلمان ہونے کے سبب سے کسی کے لئے بند نہیں رہ گیا۔

ہندوستان کی حفاظت مملوک سلاطین اپنے دور حکمرانی میں مغربی سرحد کی حفاظت کی

---

[1] فونڈیشن آف مسلم رول ان انڈیا ص ۲۱۵۔

خدمت انجام دیتے رہے، اس دور میں وسط ایشیا میں پے در پے انقلابات آئے، اور انکی
یں دریائے سندھ تک بھی پہنچیں مگر ان سلاطین نے ان کی موجوں کو پھیر دیا، اور پنجاب تک
علاقہ کو مضبوطی سے زیر نگیں رکھا، ان کا یہ کارنامہ مغل سلاطین کے کارناموں سے بڑھا ہوا تھا
ئے کہ مغلوں کے تسلط میں افغانستان اور قندھار کا علاقہ بھی تھا، اور انھیں آگے بڑھ کر
ندوستان کی سرحد کی حفاظت کا موقع حاصل تھا،

ومت کا ڈھانچہ | اس لئے ان سلاطین دہلی کی مرکزی حکومت پر ملکی حفاظت و مدافعت
عظیم بار تھا، اور اسی لحاظ سے ان کے غیر معمولی مصارف بھی تھے، اور مرکزی حکومت سب سے
یادہ فوجی اخراجات ہی پر صرف کرتی تھی،

اس دور وسطی میں مسلمان سلاطین کی سلطانی کا استناد خلفاء کی منظوری سے حاصل ہوتا تھا
ہندوستان کے یہ سلاطین بھی خلفاء سے اپنا رسمی رشتہ قائم رکھتے تھے، اور رسماً خلیفۃ المسلمین
وسب پر تفوق حاصل تھا، اور یہ سلاطین گویا اس کی طرف سے نیابۃً حکومت کرتے تھے اسلئے
طبہ میں خلفائے اسلام کے ساتھ ان کے نام بھی لئے جاتے تھے،

حکومت کے شعبے | سلطان کے بعد قدرۃً وزراء کو اہمیت حاصل تھی جنھیں نظام الملک،
ؤید الملک، صدر الملک، عین الملک وغیرہ کے خطابات دیئے جاتے تھے، لیکن یہ وزراء
صرف کشوری امور کے مالک تھے، شعبۂ عسکری، شعبۂ مال، دیوان انشاء، معاملات خارجہ
طلاعات، وزارت انصاف کے شعبے علحدہ قائم تھے، ان کے علاوہ امیر حاجب، وکیل دار
سارجاندار اور کبھی نائب مملکت کے عہدہ دار مقرر ہوئے، پھر آخر میں نیابت کے عہدے
ستقل کر دیئے گئے، جس میں نائب وزیر، نائب وکیل وغیرہ عہدہ دار تھے،

فوج | فوج کی کئی قسمیں تھیں، ایک تو شاہی فوج تھی، جو ملک اور خصوصاً سرحد کی حفاظت

پر مامور رہتی تھی، دوسرے صوبائی فوجیں صوبہ داروں کے ماتحت تھیں، کبھی ضرورت کے وقت نئی بھرتی ہوتی تھی، فوج کے افسروں کو تنخواہیں نہیں دی جاتی تھیں، جاگیریں سپرد تھیں، البتہ قائم فوج کے سپاہیوں کی تنخواہیں، جو مواجب کہلاتی تھیں مقرر تھیں،

آئین وعدالت | قانون شریعت بنیادی آئین سمجھا جاتا تھا، مگر ضرورت کے مطابق اسکے خلاف عمل ہوا کرتا تھا، ہندوؤں کے لئے ہندو کوڈ کے مطابق قانون نافذ تھے، خصوصاً پرسنل لا میں انھیں کامل آزادی حاصل تھی، صدر جہاں کا عہدہ ہندوستان کی مرکزی عدالت کے چیف جسٹس کے لئے تھا، امراء و وزراء سے رتبہ و احترام میں اس منصب کا درجہ اونچا تھا، چنانچہ مورخین نے فہرست میں شاہزادوں کے بعد ان کے نام لکھے ہیں، وہ صدر جہاں کے علاوہ قاضی قضاۃ، قاضی ممالک یا شیخ الاسلام بھی کہے جاتے تھے، عدالتی نظام وانصرام و تقرر کے سارے اختیارات اسی کو حاصل تھے[۱]،

پھر اس کے ماتحت عہدہ دار تھے، دیوانی کے مقدمات قاضی اور فوجداری کے مقدمات امیر داد سماعت کرتے تھے، کوتوال اور محتسب پولیس کا کام کرتے تھے،

زکوٰۃ کا نظم بھی قائم تھا، اور دوسرے محاصل بھی لئے جاتے تھے، مسی، نقرئی اور طلائی سکے کئی قسم کے جاری تھے، "ہندوستان کے عہد اسلامی میں زکوٰۃ کا نظام" کے عنوان سے اس مجموعہ میں ایک مستقل تحریر علیحدہ مندرج ہے،

ڈاک کا نظم | ڈاک کے نظم کا بڑا عہدہ دار "برید ممالک" کہا جاتا تھا، اس کا صدر دفتر پایہ تخت میں تھا، اس کے ماتحت راستوں کا معقول نظم قائم رہتا تھا،

صوبوں کا نظم | صوبوں کا نظم اس طرح قائم تھا کہ صوبہ دار اپنے حدود کے کامل ذمہ دار ہوتے

---

[۱] طبقات ص ۱۲۵، ۱۰۰، برنی ص ۲۴، ۱۲۶

تھے، کبھی نائب والی بھی مقرر ہوتے تھے، صوبوں میں بھی چھوٹے پیمانہ پر حکومت کے وہ سب شعبے موجود تھے، جو مرکز میں قائم تھے، اس زمانہ میں صوبوں کے لئے اقطاع کی اصطلاح قائم تھی، صاحب اقطاع کو عدالتی نظام میں دخل دینے کا اختیار حاصل تھا، صوبہ دار سحنہ و کوتوال کی مدد سے نظم و امن قائم رکھتا تھا، اور مرکزی حکومت کی طرف سے خطبہ و سکہ جاری رہتا تھا، کبھی باجگذار صوبے اپنا سکہ علٰحدہ بھی جاری کرتے تھے،

سلاطین کا طرز بود و ماند مورخین نے ملوک سلاطین کے شاہانہ طرز بود و ماند کی نہایت رنگین تصویر کھینچی ہے، سلطان کے گرد صد ہا نقیب و چاؤش، پیادہ و سرہنگ، امراء و فوجی سردار جمع رہتے تھے، اور ایسا دبدبہ چھایا رہتا تھا کہ کبھی بڑی بڑی سلطنتوں کے امراء و سفراء "خاکبوسی" یعنی سلام کے وقت شدت تاثر سے لڑکھڑا کر گر جاتے اور بے ہوش ہو جاتے تھے، اس طریقہ سے رعب و دبدبہ قائم کرکے فتنہ انگیزی کو روکنا مقصود تھا، حالانکہ خود پرستی و عظمت نمائی کے یہ طریقے اسلام اور اس کی تعلیمات کے منافی تھے، لیکن بلبن خود کہتا ہے کہ ان کو جائز اس لئے رکھا گیا کہ قیام امن و عدل میں ان سے مدد ملتی ہے[1] مظلوموں کی داد رسی ان سلاطین کا خاص شیوہ رہا، نیز وہ امور دین میں دینداری کو راہ دینے کا جذبہ بھی رکھتے تھے، لیکن انھوں نے اپنی حکومت کو اسلام کی اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا،

اسلام کی اشاعت اس دور میں اسلام کی اشاعت ضرور ہوئی، مگر وہ حکومت کے بل بوتہ ہونے کے بجائے مسلمانوں کے ہندوستان کی منتشر آبادیوں میں گھل مل کر رہ بس جانے سے ہوئی، ہندوؤں میں "مورتی پوجا" پر عقیدہ کمزور ہوتا گیا، توحید اور مساوات انسانی کے جذبات کی ان میں پرورش ہوئی، ہندوؤں کے مختلف فرقوں نے بعض اس زمانہ میں اور بعض آگے چل کر توحید کی تعلیمات کو اصول کے طور پر مانا، اور ویش، شودر، کھتری اور برہمن کی

[1] برنی ص ۳۲، ۳۳، ۴۱، ۳۴

پہ مامور رہتی تھی، دوسرے صوبائی فوجیں صوبہ داروں کے ماتحت تھیں، کبھی ضرورت کے وقت نئی بھرتی ہوتی تھی، فوج کے افسروں کو تنخواہیں نہیں دی جاتی تھیں، جاگیریں سپرد تھیں، البتہ قائم فوج کے سپاہیوں کی تنخواہیں، جو مواجب کہلاتی تھیں مقرر تھیں،

آئین وعدالت | قانون شریعت بنیادی آئین سمجھا جاتا تھا، مگر ضرورت کے مطابق اسکے خلاف عمل ہوا کرتا تھا، ہندوؤں کے لئے ہندو کوڈ کے مطابق قانون نافذ تھے خصوصاً پرسنل میں انھیں کامل آزادی حاصل تھی، صدر جہاں کا عہدہ ہندوستان کی مرکزی عدالت کے چیف جسٹس کے لئے تھا، امراء و وزراء سے رتبہ و احترام میں اس منصب کا درجہ اونچا تھا، چنانچہ مورخین نے فہرست میں شاہزادوں کے بعد ان کے نام لکھے ہیں، وہ صدر جہاں کے علاوہ قاضی قضاۃ، قاضی ممالک یا شیخ الاسلام بھی کہے جاتے تھے، عدالتی نظام و انصرام و تقرر کے سارے اختیارات اسی کو حاصل تھے[۵]

پھر اس کے ماتحت عہدہ دار تھے، دیوانی کے مقدمات قاضی اور فوجداری کے مقدمات امیر داد سماعت کرتے تھے اکوتوال اور محتسب پولیس کا کام کرتے تھے،

زکوٰۃ کا نظم بھی قائم تھا، اور دوسرے محاصل بھی لئے جاتے تھے، مسی، نقرئی اور طلائی سکے کئی قسم کے جاری تھے، "ہندوستان کے عہد اسلامی میں زکوٰۃ کا نظام" کے عنوان سے اس مجموعہ میں ایک مستقل تحریر علیحدہ مندرج ہے،

ڈاک کا نظم | ڈاک کے نظم کا بڑا عہدہ دار "برید ممالک" کہا جاتا تھا، اس کا صدر دفتر پایہ تخت میں تھا، اس کے ماتحت راستوں کا معقول نظم قائم رہتا تھا،

صوبوں کا نظم | صوبوں کا نظم اس طرح قائم تھا کہ صوبہ دار اپنے حدود کے کامل ذمہ دار ہوتے

---

[۵] طبقات ص ۱۲۵، ۱۷۰، برنی ص ۲۴، ۱۲۶

تھے، کبھی نائب والی بھی مقرر ہوتے تھے، صوبوں میں بھی چھوٹے پیمانہ پر حکومت کے وہ سب شعبے موجود تھے، جو مرکز میں قائم تھے، اس زمانہ میں صوبوں کے لئے اقطاع کی اصطلاح قائم تھی، صاحب اقطاع کو عدالتی نظام میں دخل دینے کا اختیار حاصل تھا، صوبہ دار شحنہ و کوتوال کی مدد سے نظم و امن قائم رکھتا تھا، اور مرکزی حکومت کی طرف سے خطبہ وسکہ جاری رہتا تھا، کبھی باجگذار صوبے اپنا سکہ علحدہ بھی جاری کرتے تھے،

سلاطین کا طرز بود و ماند | مورخین نے ملوک سلاطین کے شاہانہ طرز بود و ماند کی نہایت دلکش تصویر کھینچی ہے، سلطان کے گرد صدہا نقیب و چاؤش، پیادہ و سرہنگ امرار و فوجی سردار جمع رہتے تھے، اور ایسا دبدبہ چھایا رہتا تھا کہ کبھی بڑی بڑی سلطنتوں کے امرار و سفرار "خاکبوسی" یعنی سلام کے وقت شدت تاثر سے لڑکھڑا کر گرجاتے اور بے ہوش ہو جاتے تھے، اس طریقہ سے رعب و دبدبہ قائم کر کے فتنہ انگیزی کو روکنا مقصود تھا، حالانکہ خود پرستی و عظمت نمائی کے یہ طریقے اسلام اور اس کی تعلیمات کے منافی تھے، لیکن ہلین خود کہتا ہے کہ ان کو جائز اس لئے رکھا گیا کہ قیام امن و عدل میں ان سے مدد ملتی ہے[1]، مظلوموں کی دادرسی ان سلاطین کا خاص شیوہ رہا، نیز وہ امور دین میں دینداری کو راہ دینے کا جذبہ بھی رکھتے تھے، لیکن انھوں نے اپنی حکومت کو اسلام کی اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا،

اسلام کی اشاعت | اس دور میں اسلام کی اشاعت ضرور ہوئی، مگر وہ حکومت کے بل پر ہونے کے بجائے مسلمانوں کے ہندوستان کی منتشر آبادیوں میں گھل مل کر رہ بس جانے سے ہوئی، ہندوؤں میں "مورتی پوجا" پر عقیدہ کمزور ہوتا گیا، توحید اور مساوات انسانی کے جذبات کی ان میں پرورش ہوئی، ہندوؤں کے مختلف فرقوں نے بعض اس زمانہ میں اور بعض آگے چل کر توحید کی تعلیمات کو اصول کے طور پر مانا، اور ویش، شودر، کھتری اور برہمن کی

[1] برنی ص ۱۴، ۳۱، ۳۲

تفرقوں کو مٹایا، صوفیۂ کرام شمالی ہند کے گوشہ گوشہ میں پہنچ چکے تھے، اور اسلامی تصوف کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کو فروغ ہوتا جاتا تھا خصوصاً خانوادۂ چشتیہ نے وہ خدمات انجام دیتے جو سلاطین دہلی سے انجام نہ پا سکے، کلاہ تتری رکھنے والے درویش صفت امیر اور خواجہ حسن نے سلطان نظام الدین اولیاء کی چوکھٹ چومی،

اس دور میں علماے دین بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے اور خدمتیں انجام دیتے تھے، مسجدیں اور مدرسے ان کی سیادت میں معمور تھے،

علوم کی ترقی جیسا کہ اوپر گذرا مملوک سلاطین نے علوم کی ترقی میں غیر معمولی دلچسپی لی، ضیاء الدین برنی نے ہر ایک سلطان کے عہد حکومت کے بیان میں شعراء، علما، فضلا، فقہا، محدثین وغیرہ کی طویل فہرست درج کی ہے، تذکرہ کی کتابوں میں مختلف مدارس کا حال ملتا ہے، اس دور میں جو علمی و تعلیمی ترقیاں ہوئیں ان کا ذکر اجمالاً اوپر گذرا اور تعلیمی ترقیوں کا تفصیلی بیان اس مجموعہ کے دو مستقل مقالوں میں علاحدہ آیا ہے،

ایک نئے کلچر کی تخلیق اور انسانی آبادی کے طبقات ہندوستان کے شمالی حصہ میں اس دور میں ایرانیوں، افغانیوں اور ترکوں نے عربوں کے تمدن سے آمیزش کے بعد مسلمانوں کی سوسائٹی میں یہاں ایک طبقۂ ثقافت قائم کر دیا تھا، دوسری طرف ہندوؤں میں سے ایک بڑا طبقہ اسلام میں داخل ہوا اور جیسا کہ گذر چکا وہ ترقی کر کے نیابت مملکت کے منصب تک پہنچا، اس طرح شمالی ہند میں ایک ایسے کلچر کی بنا پڑی جس میں عرب تمدن آمیز ایرانی افغانی ترکی کلچر میں ہندی کلچر کی آمیزش ہوئی، اور ایک نئے کلچر کی تشکیل عمل میں آئی دوسری طرف سندھ میں عربوں کے غالب اثرات سے ہندی کلچر کی آمیزش سے ایک جداگانہ کلچر کی تشکیل ہو رہی تھی، اس طرح شمالی ہند کے نئے کلچر میں ایرانی اور سندھ کے نئے کلچر میں عربی اثرات نمایاں تھے، مملوک سلاطین کے دور میں

شمالی ہند اور سندھ و ملتان کے ان دونوں کلچروں کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع ملا، اور ایک
نیا ہندوستانی کلچر عالم وجود میں آیا، اور سوسائٹی میں طبقۂ اعلیٰ کے وہ مسلمان جو مختلف نسلوں کے
تھے، اس کلچر کے روح رواں رہے، اس سوسائٹی میں اہل سیف اور اہل قلم کی دو قسمیں تھیں، اہل سیف
میں ارباب حکومت اور اہل قلم میں ارباب علم داخل تھے، عدالت و قضا کا نظم موخر الذکر طبقہ ہی
کے قبضہ میں تھا، تیسرا گروہ "عوام" اور "خلق" کا تھا، تجار کا طبقہ انہی میں سے تھا جن میں ملک التجار
بھی ہوتے تھے، اور امتیازی شان حاصل کرتے تھے، عوام کا بڑا طبقہ کاشتکاری اور کارخانوں
میں کام کرتا تھا، مذہبی حیثیت سے ملک میں سنی، شیعہ، صوفیہ اور نا مسلمان طبقہ تھا، شیعوں
میں کا غالی طبقہ موسوم بہ ملاحدہ و قرامطہ تھا، اسی طرح سنیوں میں حنفی و شافعی دونوں تھے،

تجارتی ترقی | اس عہد میں ہندوستان کی تجارت [illegible] ایران و عرب سے تھی [illegible]
قبضہ میں [illegible] ملکی تجارت [illegible]
تھا، اندرونی ترقی اس ملک کی جانب بھی حکومت [illegible]
اندرون ملک میں راستوں کا معقول انتظام قائم تھا [illegible]
اور ان کے وسیلوں کا انتظام قائم [illegible]

ہندوستان کی مرکزیت [illegible] | ہندوستان کی تجارتی [illegible] ترقیوں اور فراخ دامنیوں کی شہرت [illegible]
عالم اسلام میں [illegible] | [illegible] اسلامی ملکوں سے لوگ نقل مکانی کرکے آنے لگے اور مختلف [illegible]
اس ملک میں آباد ہو گئے، اس تمدن کا سب سے اہم مرکز خود پایۂ تخت دہلی تھا، چنانچہ اس دور کے خاتمہ کے چند سال
بعد جب ۷۳۴ھ میں مشہور سیاح ابن بطوطہ ہندوستان آیا، تو اس کو اعتراف کرنا پڑا کہ
"دہلی کو نہ صرف بلاد ہند بلکہ تمام مشرقی دنیائے اسلام کے شہروں پر تفوق حاصل ہے"

السّامری

از

مولانا ابوالجلال صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

جس شخص کے بہکانے سے بنی اسرائیل نے گوسالہ کی پرستش کی تھی، اس کا ذکر قرآن میں خدا نے السامری کے لقب سے کیا ہے، اس قصہ میں بائبل کا بیان قرآن سے مختلف ہے، مسلمان ایسی صورتوں میں بائبل کو اور اہل کتاب قرآن کو مسترد کر دیا کرتے ہیں، اہل انصاف کا فرض ہے کہ قرآن کے بیان کا بائبل کے بیان سے مقابلہ کرتے وقت قرآن کے اس دعویٰ کا بھی لحاظ رکھا کریں کہ

ان ھذا القرآن یقص علی بنی اسرائیل	یہ قرآن بنی اسرائیل کو اکثر وہ باتیں
اکثر الذی ھو فیہ یختلفون	سناتا ہے جن کے متعلق وہ باہم
(نمل)	مختلف ہوتے ہیں،

قرآن کریم بائبل کے بیانوں کی اصلاح کے ساتھ تصدیق کیا کرتا ہے، اصلاح و تصدیق کی خوبیاں سمجھنے کیلئے ہم کو اس موقع پر قرآن سے پہلے بائبل پر نظر ڈالنی چاہئے،

سفر تثنیہ | یہ قصہ بائبل کے جن صحیفوں میں مذکور ہے، ان میں سب سے قدیم سفر تثنیہ ہے، ۶۲۵ ق م میں جب یوشیاہ بنی یہوداہ پر حکومت کرتا تھا بیت المقدس کے سردار کاہن خلقیاہ نے "خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب پائی،" (۲ ملوک ۲۲: ۸) جو کہ خود حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی (۲ ایام ۳۴: ۱۴) یہ وہی کتاب تھی جو حضرت موسیٰؑ نے اپنے

تھ سے لکھ کر عہد کے صندوق میں رکھوائی تھی، (تثنیہ ۳۱: ۲۶) ۴۲۵ق م اس کے توراۃ نے پر اجماع ہوا، آخری نقلوں کے اضافہ کے ساتھ یہی کتاب وہ ہے جسے موسیٰ کی پانچویں کتاب کہا جاتا ہے، یہ کتاب حضرت موسیٰ کا وصیت نامہ ہے، اس کے اندر حضرت موسیٰ فرماتے ہیں:-

یاد رکھنا بھول نہ جانا کہ تم نے خداوند اپنے خدا کو بیابان میں کیونکر غصہ دلایا تھا (۹: ۷)، تم نے خداوند اپنے خدا کا گناہ کیا تھا، اپنے لئے ایک ڈھالا ہوا بچھوا بنایا تھا، اور بہت جلد اس راہ سے پلٹ گئے تھے جو خدا نے تمھیں بتائی تھی، (۹: ۱۶) وہ تم پر بہت خفا تھا، تم کو نابود کر دینا چاہتا تھا، لیکن خداوند نے اس وقت میری سنی (۹: ۱۹) اور خداوند کا غصہ ہارون پر بھی بھڑکا اور اسے ہلاک کرنے پر تھا، لیکن میں نے اس وقت ہارون کے لئے بھی دعا مانگی (۹: ۲۰) اور میں نے تمھارے گناہ کو یعنی اس بچھڑے کو جو تم نے بنایا تھا لیا اور آگ میں جلایا اور اسے کوٹا اور پیس پیس ایسا کہ وہ غبار ہو گیا، اور میں نے اس راکھ کو اس چشمے میں جو پہاڑ سے نکلا تھا ڈال دیا، (۹: ۲۱)

سفر اعمال | سفر تثنیہ کے اس بیان سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ عام بنو اسرائیل نے بچھوا پوجا تھا، اور دوسری یہ کہ حضرت ہارونؑ سے بھی ان ہی دنوں کسی بات پر خدا ناراض ہوا تھا، اس کتاب میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت ہارونؑ کا قصور کیا تھا، سفر اعمال میں ہے کہ حضرت استفنس شہید پر ایک بار یہود نے حضرت موسیٰؑ اور خدا کے خلاف کفر بکنے کا الزام لگایا، عدالت میں اپنے عقائد کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے قدیم تاریخ کے کچھ واقعات بھی سنائے جن کے درمیان فرمایا،

"اسی موسیٰ کو جس سے انھوں نے یہ کہکر انکار کیا تھا کہ تجھے کس نے ہمارا حاکم اور قاضی بنایا ہے، خدا نے اس فرشتہ کی معرفت جو اسے جھاڑی میں نظر آیا تھا مبعوث فرمایا تاکہ وہ حاکم اور چھٹکارا دینے والا ہووے، انھیں نکال لایا، اور ملک مصر میں، لال سمندر میں اور ۴۰ برسوں تک بیابان میں معجزے اور نشانیاں دکھاتا رہا (۷: ۳۵ و ۳۶) مگر ہمارے باپ دادوں نے اس کا تابعدار ہونا نہیں چاہا اور ان کے دل مصر کی طرف مائل ہوے، اور انھوں نے ہارون سے کہا کہ ہمارے لئے ایسے معبود بنا جو ہمارے آگے آگے چلیں، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس موسیٰ کو کیا ہوگیا ہے جو ہم کو مصر سے نکال لایا ہے، اور انھوں نے انہی دنوں ایک بچھوا بنایا اور اس بت کو قربانی چڑھائی، اور اپنے ہاتھ کے کاموں پر خوشی منائی، (۷: ۳۹ تا ۴۱)

سفر خروج | سفر تثنیہ سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ہارونؑ سے خدا ناراض تھا، سفر اعمال سے یہ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل نے بچھوا بنا دینے کی حضرت ہارونؑ سے فرمایش کی تھی، ان دونوں باتوں کو ملا کر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ حضرت ہارونؑ نے ان کی فرمایش پوری کردی تھی، لیکن حضرت استفنس شہید کا یہ قول کہ انھوں نے ان ہی دنوں ایک بچھوا بنایا، حضرت ہارونؑ کو بچھوا بنا دینے کا مجرم قرار نہیں دیتا، حضرت استفنس کے بیان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت ہارونؑ نے ان کی درخواست کا کیا جواب دیا تھا، سفر خروج کے موجودہ صورت بیان کے متعلق حضرت ہارونؑ نے ان کی درخواست پوری کردی تھی، لیکن غور اور تحقیق کے ساتھ سفر خروج کو پڑھنے کے بعد ہم قطعی طور پر اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ بچھوا بنا دینے کا جرم حضرت ہارونؑ پر لگانے کی ذمہ داری سفر خروج

کے مولف نے یہ الزام حضرت ہارونؑ پر نہیں بلکہ ایک اور شخص پر لگایا تھا جس کا نام حور ہے،
سفر خروج ان پانچ کتابوں میں سے ایک ہے جن کو موسیٰ کی کتابیں کہا جاتا ہے، لیکن محققین نے
متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ کتاب تین مختلف تحریروں کا مخلوط مجموعہ ہے، غالباً یہ کتاب ۸۰۰ ق م
میں یا اس کے بعد تالیف کی گئی مگر اس میں قدیم تحریریں بھی ہیں،

سفر خروج کے سترھویں باب میں جو ایک قدیم کتاب سفر زکرون سے منقول ہے[1] رفیدیم نامی
ایک مقام میں عمالقہ و بنی اسرائیل کی جنگ کا ذکر ملتا ہے، اس موقعہ پر ہم کو حضرت موسیٰ کے ساتھ ان کے
چپ و راست حضرت ہارونؑ اور ایک شخص حور ملتے ہیں، پھر آگے چل کر چوبیسویں باب میں ہم کو حضرت
موسیٰؑ کے طور پر جانے کا قصہ ملتا ہے، طور پر جاتے وقت حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ ہماری
واپسی تک یہیں ہمارا انتظار کرو،

وهنه ابرون وحور عاكم مى	اور دیکھو ہارون و حور تمھارے ساتھ ہیں
بعل دبريم يجش اليهم	اور تم میں سے کسی کو کچھ کہنا ہو تو ان کے پاس
(خروج ۲۴: ۱۴)	آئے،

قرآن مجید قصہ کے اس حصہ کی تصدیق نہیں کرتا، قرآن کے بیان کے مطابق

قَالَ مُوسىٰ لِاَخِيهِ هٰرُونَ اخْلُفْنِي	موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میری
فِي قَوْمِي وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ	قوم میں میری نیابت کرنا اور حالت
(۱۴ اعراف)	سدھارتے رہنا اور مفسدوں کی راہ نہ چلنا

لیکن سفر خروج کا جامع اس بات پر یقین کامل رکھتا تھا کہ حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ
کے علاوہ ایک اور شخص کو بھی اپنا جانشین بنایا تھا اور یہ واقعہ ہے کہ انکے بیان کے مطابق بعد کے قصہ سے
اس حور کا بھی ضرور تعلق تھا، لیکن کسی خاص وجہ سے اس کے نام کو بعد میں بالکل حذف کر دیا گیا[2]

قصہ کے ربط کے لحاظ سے چوبیسویں باب کے عین بعد بتیسویں باب کو ہونا چاہئے، ان دونوں بابوں کے درمیان ایک ایسے ماجرا کو رکھ دیا گیا ہے جس کا تعلق نہ تو بظاہر ماجرائے طور سے ہے اور نہ گوسالہ پرستی سے اور نہ اس باب کے احکام کا زمانہ وہ باور کیا جا سکتا جو حضرت موسیٰ کے طور پر جانے کے عین بعد گذرا، اگر اس بے تعلق باب کو ہم باب ۳۲ کے بعد کر دیں تو ایک طرف یہ قصہ مربوط ہو جائے گا اور دوسری طرف باب ۲۵ تا ۳۱ اپنے سلسلۂ بیان سے ملحق ہو جائے گا، اور سفر خروج کے جامع کا بیان یوں ہو جائے گا،

اور خداوند نے موسیٰ کو کہا کہ میرے پاس پہاڑ پر آ۔ ۔ ۔ اور موسیٰ خدا کے پہاڑ پر گیا اور وہ بزرگوں سے کہہ گیا کہ جب تک ہم آنہ جائیں یہیں ٹھہرو اور دیکھو ہارون و حور تمہارے ساتھ ہیں، اگر کسی کو کچھ کہنا ہو تو ان کے پاس جائے، (خروج ۲۴: ۱۲ تا ۱۴)

اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ پر سے اترنے میں دیر کی تو وے سب (ہارون) کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ اٹھ اور ہمارے لئے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے آگے چلیں

(خروج ۳۲: ۱)

فرض کرو کہ جس جگہ ہم نے دو جلیپائیں رکھی ہیں، وہاں کے الفاظ واقعی دیمک چاٹ گئی ہے، اور اب ہم کو عقل سے اس کی خانہ پری کرنی ہے، تو اس جگہ ہم حور و ہارون دو میں سے ایک کا نام فرض کرنے پر مجبور ہیں، دونوں کا اس لئے نہیں کہ انھوں نے کہا تھا "قُوم" یعنی اٹھ، اور یہ بات شخص واحد ہی سے کہی جا سکتی ہے، یہاں جس کا بھی نام رکھو اس نے لوگوں سے کچھ زیورات لئے، اور

"ایک بچھڑا ڈھال کر اس کی صورت حکاکی کے اوزار سے درست کی" (۳۲: ۴) پھر ہارون نے یہ کہہ کر منادی کی کہ کل خداوند کی عید ہے، (۳۲: ۵)

تب خدا نے موسیٰ سے کہا کہ اتر جا کیونکہ تیرے لوگ جنھیں تو مصر کے ملک سے چھڑا لایا ہے، خراب ہو گئے ہیں (۳۲: ۷)، انھوں نے اپنے لئے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور پوجا (۳۲: ۸) اور موسیٰ پہاڑ پر سے اترا (۳۲: ۷) اور اس نے بچھڑے کو جسے انھوں نے بنایا تھا لیا اور اس کو آگ سے جلایا (۳۲: ۲۰) اور موسیٰ نے دیکھا لوگ بے قید ہو گئے ہیں، اور ہارون نے ان کو ان کے مخالفوں کے آگے رسوا ہونے کیلئے بے قید چھوڑ دیا ہے، تو لشکرگاہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی کہ جو خداوند کی طرف ہو سو میرے پاس آوے، تب سب بنی لاوی اس پاس جمع ہوئے، اور اس نے انھیں کہا کہ خداوند خدائے اسرائیل نے فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی کمر میں تلوار باندھے اور ایک دروازے سے دوسرے دروازے سے تمام لشکرگاہ میں گذرے اور ہر مرد اپنے بھائی اور اپنے آدمی اور اپنے دوست اور اپنے قریب کو قتل کرے اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے کے مطابق کیا، اور اس دن لوگوں میں سے تین ہزار کے قریب مرد مارے گئے (۳۲: ۲۵ تا ۲۸)،

اس عبارت کو نقل کرتے وقت ہم نے اس سوال وجواب کو حذف کر دیا ہے جو گوسالہ بنا دینے والے مجرم اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان ہوا تھا، کیونکہ قرآن کریم نے اس سوال جواب میں بھی ترمیم کی ہے جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں، تورات کے اس بیان کو غور سے پڑھو، جامع خروج کے بیان کے مطابق

(۱) حضرت موسیٰؑ نے دو جانشین مقرر کئے تھے ہارونؑ اور حور،

(۲) ان میں سے ایک نے قوم کی درخواست پر بچھوا بنا دیا اور اس کی پرستش کی عید کا اعلان کر دیا،

(۳) ایک کے اوپر یہ الزام ہے کہ اس نے قوم کو بے قید چھوڑ دیا،

ظاہر ہے کہ یہ دونوں الزام ایک شخص پر نہیں ہو سکتے، جس نے بے قید چھوڑا وہ حضرت ہارونؑ تھے، یہی ان کی وہ خطا تھی جس کی بنا پر سفر تثنیہ کے مطابق خدا ان پر بھی ناراض ہوا تھا،

دوسرے کو یقیناً حور ہونا چاہئے، اگر حضرت ہارونؑ وہ مجرم ہوتے جس نے بچھڑا پوجوایا تھا تو وہ ان تین ہزار مقتولوں میں سے ہوتے جن کو بنی لاوی نے قتل کیا، برخلاف اس کے وہ نہ صرف زندہ رہے بلکہ ان کو زندگی بھر موسیٰ علیہ السّلام کے برابر تقدس حاصل رہا،

خدا نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا تھا کہ

"جس نے میری خطا کی اس کا نام کتاب سے میٹ دونگا" (۳۲: ۳۳)

حضرت ہارونؑ کا نام کتاب ابرار سے مٹا نہیں گیا بلکہ بعد کے تمام انبیاء نے ان کی عزت کی، اس لئے یقینی امر ہے کہ جامع خروج نے بچھوا بنا دیکر اسے پوجوانے کا الزام حضرت ہارونؑ پر نہیں بلکہ حور پر لگایا تھا،

سفر خروج کے جامع نے اس حور کا نسب نامہ نہیں بتایا ہے، لیکن باب ۲۴ اور باب ۳۲ کے درمیان بے ربط طور پر جس نے باب ۲۵ لغایتہ باب ۳۱ کو رکھ دیا ہے، اس کا منشا یہی بتانا تھا کہ یہ حور وہی ہے جس کے پوتے بضلی ایل بن اوری بن حور کا ذکر ایک نہایت ماہر عجیب حکمت کے کام کرنے والے سنار کی حیثیت سے آیا ہے، حضرت یوشع بن نون بن الیشمع کے دادا الیشمع جب حضرت موسیٰؑ کے مصر سے خروج کے وقت زندہ تھے، تو بضلی ایل کے دادا کا زندہ رہنا تعجبات سے نہیں ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حور جسے بضلی ایل کا دادا کہا جاتا تھا وہ حضرت موسیٰؑ سے تقریباً دو سو برس پہلے گذرا، حضرت موسیٰؑ اسے اپنا جانشین نہیں قرار دے سکتے تھے، غالباً اسی بنا پر خروج باب ۳۲ میں حور کے نام کو کاٹ کر حضرت ہارونؑ کا نام رکھ دیا گیا، محرف نے اس جگہ دست درازی تو کر دی مگر

ہیں اور چوبیسویں باب پر اس کی نظر نہیں پڑی،

سرسری نظر رکھنے والے قرآن اور بائبل میں اس جگہ بھی فرق پاتے ہیں کہ خروج
مولف نے بچھڑا پوجانے کا الزام حضرت ہارونؑ پر لگایا، قرآن اس کی تردید کرتا ہے،
ن جس تحریف نے حضرت ہارونؑ کو مجرم بنایا ہے وہ غالباً اتنی قدیم نہیں ہے کہ اسے
ن کی کسی آیت کا سبب نزول قرار دیا جاسکے، سفر خروج کے مولف نے ہارون علیہ السلام
نہیں بلکہ حور پر یہ الزام لگایا تھا جو اس کے بیان کے مطابق حضرت ہارونؑ کی طرح
ضرت موسیٰؑ کے ایک نائب تھے، قرآن کریم میں خدا نے سفر خروج کی اس روایت کو
بتاکر جھٹلایا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے صرف اپنے بھائی ہارونؑ کو خلیفہ بنایا تھا،

سفر ہوشیع | حضرت سلیمانؑ کے مرنے کے بعد بنی اسرائیل کے دس قبائل نے مرتد ہو کر
گوسالہ پرستی اختیار کر لی اور یربعام کو اپنا بادشاہ مقرر کیا، یربعام کی قائم کی ہوئی
حکومت کے ایک فرماں روا عمری نے اپنا پایہ تخت ایک پہاڑ پر بنا کر اس کا نام شمرون
رکھا، اس وقت سے یہوداہ اور شمرون یا بالفاظ دیگر یہودی اور سامری دو مذہبی نام
ہو گئے لفظ سامری کی تحقیق آگے آتی ہے، سامریوں کے درمیان جن بزرگوں نے توحید کی
بار بار تبلیغ کی ان میں سے ایک بزرگ جناب ہوشیع تھے وہ اپنے صحیفہ میں فرماتے ہیں،

زناخ عجلک شمرون حرا انی	اے شمرون تیرے بچھڑے نفرت خیز ہیں،
بام (۵:۸) ۵ شبیبم یہیہ عجل شمرون	ان پر میرا غضب بھڑکا ہے، شمرون کے
(۶:۸) کی نعر اسرئیل واحبیھو	بچھڑے ٹکڑے کئے جائیں گے اسرائیل جب
ممصریم قراتی لبنی (۱:۱۱)	لڑکا تھا میں نے اسے چاہا اور اپنے بیٹے
وبنی ھعلہ یہودہ ات یشرئیل مصو	کی طرح اسے مصر سے بلایا لیکن وہ خدا

وبنی تشمر (۱۳:۱۴) ھکیم افرایم
تمرو ریم ودمایو علیو یطیش
وحرقتو لوادونا لو (۱۳:۱۵)
کدبرا فرایم رتت نشا ھوا
بیشرائیل دیا ہیبعل ویمت
یوسفو لحطا ویعشو لھم مسکہ
کتبونا م عصبیم
معشہ حرا شم کلہ لھم
ھم امریم زبحی آدم
یشقون
(۱۳:۲)

اسے مصر سے نکال لایا، اور ایک نبی
کی بدولت وہ محفوظ رہا افرایم نے جو
کام کیے اُس کا خون اسی پر ہوگا، اس کی
کرنی اس کا خدا اس پر لوٹائے گا جب ہی
افرایم بولا (زمین) لرزی کیونکہ وہ اسرائیل
میں سردار تھا مگر بعل کی بدولت گنہگار ہوا
وہ خطاکاری میں بڑھتے ہیں اور اپنے
لیے اپنی چاندی سے ڈھلی ہوئی مورت
بناتے ہیں، اپنی فہم کے مطابق بت
بناتے ہیں، جو سب کے سب ان کی دستکاری
ہیں، کہتے ہیں کہ قربانی کرنے والے
لوگ بچھڑے کو چومیں،

اس بیان کے مطابق وہ شخص جس کے اوپر عہد موسیٰ میں بنی اسرائیل سے گوسالہ پوجوانے کا الزام عائد ہوتا ہے، افرایم بن یوسف کی نسل سے تھا، یہ بیان نہ خود سامری پر صادق آتا ہے جو بنی یہوداہ میں سے تھا اور نہ حضرت ہارونؑ پر، واقعہ یہ ہے کہ جس طرح سفر خروج میں اس کے مولف کی مرضی کے خلاف حضرت ہارونؑ کا نام بعد میں رکھا گیا، اسی طرح اس موقع پر افرایم کا نام بھی غلط ہے، بنی افرایم یربعام کے زمانہ میں تو گمراہ ہوئے لیکن حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں قطعی طور پر راہ راست پر رہے، حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کی خلافت بنی افرایم ہی کے رئیس حضرت یوشع بن نون کو ملی تھی، جس کے معنی یہ ہیں

کہ قیادت اقوام کے حقدار اپنے فضائل کی بنا پر ان دونوں بنو افرایم تھے، اسی لئے حضرت موسیٰؑ نے مرتے وقت بنی یوسف کے حق میں فرمایا،

بکور شورو ھدر لو وقرنی	اس کی شانداری اس کے پہلے سانڈ کی
رام قرنایو بھم عمیم	سی ہے اس کے سینگ گینڈے کے سے
ینجح یحدو افسی ارص وھم	ہیں وہ ان کی قوموں کو ریلے گا ایک
ربیوت افرایم وھم الفی	ساتھ انتہائی زمین تک اور وہ لاکھوں
منشی (تثنیہ ۳۳: ۱۷)	افرایم اور ہزاروں منسی ہیں

قرآن مجید میں خدا نے گوسالہ پوجوانے والے کو السامری کا لقب دے کر موسیٰ، ہارون، اور افرایم تینوں پر سے الزام دفع کر دیا ہے،

زبور | عہد موسیٰ کی گوسالہ پرستی کا ذکر ایک زبور میں بھی ہے، یہ حضرت داؤد کا زبور نہیں بلکہ کسی نامعلوم بزرگ کا ہے، جو اسیران بابل میں سے ایک تھا، (۱۰۶: ۷) اس زبور کا مولف لکھتا ہے

ہمارے باپ دادا نے مصر میں تیری عجیب قدرتوں کو نہیں سمجھا، انھوں نے تیری رحمتوں کی بہتات کو یاد نہیں کیا،

ویمرو عل یم بیم سوف	بلکہ سمندر پر لال سمندر پر بغاوت کی؛

لیکن اس نے اپنے نام کی خاطر انھیں بچایا تاکہ اس کی قدرت ظاہر ہو اور اس نے لال سمندر کو ڈانٹا اور وہ خشک ہو گیا،

ویولیکم بتہوموت بمدبر	اور انکو گہرائیوں کے اندر چلایا جیسے بیابان میں

اس نے ان کو بدخواہوں کے ہاتھ سے اور دشمنوں کے ہاتھ سے رہائی دی

اور پانیوں نے ان کے بیڑوں کو غرقاب کر دیا جن میں سے ایک نہیں بچا تب وہ اس پر ایمان لائے اور اس کی حمد و ثنا گانے لگے مگر جلد اس کے کاموں کو بھول گئے، اور اس کی نصیحت کا انتظار نہیں کیا، انھوں نے حرص کا مظاہرہ کیا اور بیابان میں خدا کو آزمایا، اس نے ان کا مطلب پورا کر دیا، مگر ان کی جانوں پر لاغری بھیجی۔

انھوں نے خیمہ گاہ میں موسیٰ پر اور خداوند کے قدوس ہارون پر حسد کیا پھر زمین پھٹی اور اس نے داتن کو نگل لیا اور ابرام کے گروہ کو ڈھانپ لیا، ان کی جماعت میں آگ بھڑکی جس کے شعلوں نے شریروں کو بھسم کر دیا۔

یعشو عجل بحورب ویشتحو	انھوں نے حورب میں بچھڑا بنایا اور ڈھالی
ویمیروات کبودام بتبنیت شور	ہوئی مورت کو سجدہ کیا اور اپنی شوکت
اکل عشب (۱۰۶ : ۱۹ تا ۳۰)	کو بیل کی مورت دی جو گھاس کھاتا ہے،

اس زبور کے مولف کا خیال یہ تھا کہ داتن اور ابرام کے ہم مسلک اور ان کی جماعت کے لوگ باغی تھے جنھوں نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے خلاف حسد اور ان کی رفعت و عظمت سے چڑھ کر بغاوت کی تھی اور ان ہی باغیوں نے گوسالہ بنایا تھا، اس زبور سے صاف ظاہر ہے کہ گوسالہ بنا دینے کا الزام سنہ ۵۰۰ ق م تک حضرت ہارونؑ پر نہیں تھا،

سفر عدد | اس زبور میں جس بغاوت کا ذکر ہے اس کا تذکرہ سفر عدد میں بھی ہے، سفر عدد کو حضرت موسیٰؑ کی کتاب کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں عہد موسیٰ کے احوال ہیں، لیکن اس کا مولف بہت بعد کا آدمی ہے محققین کے نزدیک یہ متعدد کتابوں سے التقاط کر کے لکھی گئی ہے، خود اس کتاب کے اندر ایک قدیم کتاب "جنگ نامہ خداوند" کا حوالہ آیا ہے (عدد ۲۱: ۱۴) یہ کتاب زبور ۱۰۶ کے برابر قدیم نہیں ہے ورنہ اس کے برابر قابل اعتماد ہے، صاحب زبور

نے اس بغاوت کا زمانہ بنی اسرائیل کے سمندر پار کرنے کے وقت بتایا ہے، سفر عدد کے مولف نے اس کا زمانہ سنہ ۲ خروج کو قرار دیا ہے، اس کا بیان ہے کہ جن دنوں حضرت موسیٰ نے عمالقہ کے ساتھ جنگ کا حکم دیا

> سارے گروہ نے اپنی آواز بلند کی اور سب لوگ چلانے اور رونے لگے۔ سارے فرزندانِ اسرائیل نے موسیٰ اور ہارون کے خلاف بڑبڑانا شروع کیا۔ اور ایک دوسرے سے کہا کہ خدا کرتا ہم مصر ہی میں مر گئے ہوتے، مصر میں نہیں تو بیابان ہی میں فنا ہو گئے ہوتے، اور انھوں نے آپس میں [illegible] کی اور ایک دوسرے سے کہا کہ آؤ ہم ایک کو اپنا سردار مقرر کریں اور مصر کو لوٹ چلیں۔ (عدد ۱۴: ۱-۴)

سفر نحمیاہ | سفر عدد کے مولف کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اس مشورہ پر [illegible] نے عمل کیا یا نہیں، اس کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ، حضرت ہارون [illegible] نے خوشامد کرکے لوگوں کا غصہ دھیما کر دیا لیکن سفر نحمیاہ میں ہے کہ

> ان لوگوں نے اپنی گردنیں سخت کیں اور اپنی سرکشی سے انھوں نے ایک کو اپنا سردار مقرر کیا تاکہ اپنی بندگی میں لوٹ جائیں" (نحمیاہ ۹: ۱۷)

حاصل کلام | سفر عدد، سفر نحمیاہ، زبور اور اعمال کے مشترک بیانوں کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو اسرائیل نے ایک وقت حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کے خلاف سرکشی کرکے ایک تیسرے شخص کو اپنا رئیس بنایا، یہ واقعہ سفر عدد کے بیان کے مطابق خروج سنہ ۲ کا ہے، مگر زبور کے بیان کے مطابق یہ بغاوت بحر قلزم کے عبور سے گوسالہ پرستی کے واقعہ سے پہلے کا ماجرا ہے،

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دو حیثیتیں تھیں، ایک حیثیت یہ تھی کہ وہ خدا کے رسول

تھے، دوسری حیثیت یہ تھی کہ وہ یسورون میں بادشاہ تھے "(تثنیہ ۳۳: ۵) پہلی حیثیت کے لحاظ سے ان پر ان کی قوم کے صرف چند لڑکے ایمان لائے تھے، (یونس ۹: ۱م) دوسری حیثیت پر اس بغاوت کے وقت تک سب کا اتفاق تھا، فرعون سے نجات پانے کے بعد عوام نے ان کی اس حیثیت سے بھی انکار کردیا، اور انھوں نے ایک اور شخص کو اپنا سردار مقرر کرلیا یہی سردار قرآن کا السامری ہے،

"السامری" نام نہیں بلکہ نسبت ہے، بعض لوگ اپنے نام سے نہیں بلکہ اپنے نسبی لقب سے مشہور ہوتے ہیں، قرآن پر اعتراض کرنے والے بعض مدعیان علم کا دعویٰ ہے کہ عہد موسیٰ میں کوئی سامری تھا ہی نہیں، بنو اسرائیل کا ایک طبقہ حضرت سلیمانؑ کے بعد سے سامری کہلانے لگا، لیکن اس ادعا میں صرف بے جا تعصب نظر آتا ہے،

السامری یائے نسبت اور لام تعریف کے اضافہ کے ساتھ عبرانی (شومر، پاسبان) کی تعریب ہے، حضرت موسیٰؑ سے پہلے بنی یعقوب میں شومر (پاسبان قوم) کہلانے والے کئی افراد گذرے ہیں، جن میں سے ہر ایک کی نسل کا ہر فرد السامری کہلا سکتا تھا، خود عہد موسیٰ میں بھی ایک شخص ایسا تھا جو شمری کہلاتا تھا اگرچہ اس کا اس نام سے قصۂ موسیٰ میں ذکر نہیں ملتا ہے لیکن نسب نامہ پشتیں اس کا وہی زمانہ مقرر کرتی ہیں، جو حضرت موسیٰؑ کا زمانہ ہے، ذیل میں سفر ایام سے چند اہم فرزندان اسرائیل کا شجرۂ نسب نقل کیا جاتا ہے، یہ شجرہ نسب قرآن کے السامری کو نہایت آسانی سے پہنچوا دے گا

شمرون جبیر بن جابر ... شاءول بن معردنا ... افرائیم نسلہ

شومر اہود موشی شلوم کالب رام یرحم ایل ... نسلہ

سحرم محلی بلشام حور ... اوتام ... نسلہ

رفعلی   شومر   مشیع   سمی   تحن   سنہ ۱۵۰

شومر   حمواییل   ندب   اعدبان   سنہ ۲۰۰

زکور   افائیم   عیمہود   سنہ ۲۵۰

سمی   اوری   عمی ندب   لسمی   لیشمع   سنہ ۳۰۰

شمری   بصلی ایل   نحشون   سیسان   نون   سنہ ۳۵۰

سلمون   اخلی   یوشع

پہلی سطر میں ایسے افراد کے نام ہیں جو سنہ ۱ دخول یعنی سنہ ۴۳۰ قبل خروج سے پہلے پیدا ہو چکے تھے، نویں سطر میں حضرت موسیٰؑ کے معاصرین کا نام ہے، اس سطر کے سامنے حضرت موسیٰؑ کا سال ولادت لکھا ہوا ہے، افرائیم و تلح کے درمیان ایک پشت کی جگہ ہم نے اس لئے خالی رکھی ہے کہ جناب تلح جناب افرائیم کے بیٹے ہونے کے باوجود ان کے پوتوں بلکہ پرپوتوں کے ہم عمر تھے، اوری اور حور کے درمیان دو نام اور عمی ندب اور رام کے درمیان تین نام کی جگہ دوسرے نسب ناموں کا مقابلہ خالی رکھنے پر مجبور کرتا ہے،

اس نسب نامہ میں آپ کو ایک شمرون، تین شومرا اور ایک شومری یا قرآنی لفظوں میں السامری ملتا ہے، یہ شخص حضرت موسیٰؑ اور نون بن الیشع کا ہم پشت ہے، قرآن مجید نے اسی شخص کو اس جرم کا مرتکب بتایا ہے، جسے سفر خروج کے مولف نے حور نام ایک شخص کا جرم بتایا تھا، پھر ایک تحریف نے اس حور کو حورین کالب بنا دیا، پھر دوبارہ تحریف نے اس کے نام کو حضرت ہارونؑ کے نام سے بدل دیا، ممکن ہے کہ اس السامری کا بھی حور ہی نام رہا ہو، قرآن مجید کے اندر جس شخص کا ذکر السامری کے نام سے اس کے خاندان کو پہچاننے کی

یہاں صرف حضرت موسیٰ کی دو مردم شماریوں پر غور کرنا ہے،

حضرت موسیٰ کے زمانہ میں بنو لاوی کو چھوڑ کر باقی اسباط کی مردم شماری ہوئی تھی، ایک بار خروج سے کچھ دنوں بعد ہی ہوئی تھی، اس وقت کی مجموعی تعداد ۶ لاکھ تین ہزار [illegible] تھی، دوسری مردم شماری اس وبا کے بعد ہوئی جو بعل پرستی کی بنا پر خدا نے بنی اسرائیل میں بھیجی تھی، اس بار کی مجموعی تعداد چھ لاکھ ایک ہزار سات سو تیس ہوئی، اس وبا میں کئی قبیلوں کی تعداد ... بہت گھٹ گئی، اور کئی قبیلوں کی تعداد میں اس وبا کے باوجود اضافہ ہو گیا، تفصیل اس کمی اور بیشی کی قابل غور ہے،

نام قبیلہ	پہلی تعداد	دوسری تعداد	گھٹے	بڑھے
شمعون	۵۹۳۰۰	۲۲۲۰۰	۳۷۱۰۰	۰
نفتالی	۵۳۴۰۰	۴۵۴۰۰	۸۰۰۰	۰
افرائیم	۴۰۵۰۰	۳۲۲۰۰	۸۰۰۰	۰
جسد	۴۵۶۰۰	۴۰۵۰۰	۵۱۰۰	۰
روبن	۴۶۵۰۰	۴۳۷۰۰	۲۸۰۰	۰
دان	۶۲۷۰۰	۶۴۴۰۰	۰	۱۶۰۰
یہوداہ	۷۴۶۰۰	۷۶۵۰۰	۰	۱۹۰۰
زبولون	۵۷۴۰۰	۶۰۵۰۰	۰	۳۱۰۰
اشکار	۵۴۴۰۰	۶۴۳۰۰	۰	۹۹۰۰
بنیامین	۳۵۴۰۰	۴۵۵۰۰	۰	۱۰۱۰۰
منسی	۳۲۲۰۰	۵۲۷۰۰	۰	۲۰۵۰۰

آپ نے دیکھا کہ جس خاندان میں ہم کو السامری ملتا ہے سب سے زیادہ سخت سزا شرک و بت پرستی کی [illegible] مردم شماری کے مطابق اسی خاندان کو ملی،

زمری بن سلو جس نے کزبی بنت صور سے نکاح کر کے بعل پرستی کو رواج دیا تھا اور جس کے مارے جانے کے بعد وبا کو خدا نے دفع کیا اسی خاندان بنی شمعون کا فرد تھا جس کے اندر ہم کو سفر موسیٰ اور حضرت نوحؑ کی پیڑھی میں شومری ملتا ہے،

حاصل کلام یہ ہے کہ جس شخص نے بنی اسرائیل سے بچھوے کی مورت بنوائی تھی سفر یوشع کے اشارہ کے مطابق وہ بنو افرائیم میں سے تھا سفر خروج قبل تحریف کے مطابق وہ حور نامی ایک شخص تھا جسے تحریف اول نے فرزند کالب سے تطبیق دلائی پھر اس کا نام کٹوا کر ہارون علیہ السلام کا نام رکھ دیا ہے،

حور کا گناہ ہارون کے نامۂ اعمال میں جس وجہ سے لکھا گیا وہ یہ ہے کہ حور بن کالب کو اور سلمان بن حور کو بیت لحم کا باپ بھی کہا جاتا تھا (ایام ۲: ۵۱ و ۴: ۴) حور کا نام اگرچہ آبائی نسب نامہ مسیح و داؤد میں داخل نہیں لیکن باشندگان بیت لحم کا نسب نامہ کسی نہ کسی طرح حور بن کالب پر ضرور منتہی ہوتا تھا، نسب نامہ مسیح کی تطہیر کے لئے نصرانیوں نے حور کو مورث مسیح سمجھ کر اس کے نام کی جگہ حضرت ہارونؑ کا نام رکھ دیا ہے، ورنہ دراصل خروج ۳۲: ۱ میں حور سامری کا نام تھا جو بنی شمعون میں سے تھا،

تاریخ صقلیہ اول

ضمیمہ مضمون گجرات کے کتب خانے

از

جناب قاضی سید نور الدین حسین بھروچ

گذشتہ فروری و مارچ کے معارف میں جناب مولٰنا سید ابوظفر ندوی صاحب کا مضمون "ہندوستان کے کتب خانے" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، اس میں گجرات کے کتب خانوں کے حالات میں چند نامی کتب خانوں اور کتابوں کے حالات کے اضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، یہ مضمون اسی کا تکملہ ہے،

سیٹھ بھولاناتھ کا کتبخانہ | سیٹھ بھولاناتھ احمد آباد کے باشندے اور شاہی متصدیوں میں تھے، جن کا کتبخانہ بھی مشہور تھا، اس کی چند قلمی کتابیں جو عرصہ سے احمد آباد کی بھولاناتھ لائبریری میں تھیں، وہ اب ورنا کیولر سوسائٹی میں منتقل کر دی گئی ہیں، راقم الحروف کو چند سال پہلے اس کتب خانے کو دیکھنے کا موقع ملا تھا، اس میں حسب ذیل کتابیں نادر قلمی موجود تھیں،

(۱) **تاریخ مظفر شاہی** مؤلفہ ملا ملالی یہ نسخہ بڑودہ میں ۱۲۲۳ھ میں نقل کیا گیا ہے، مولانا سید ابو ظفر ندوی نے اس نسخہ کی نقل گجراتی ترجمہ کے ساتھ ورنا کیولر سوسائٹی کی جانب سے طبع کرا کے شائع کی ہے،

(۲) **ایک فارسی کتاب** بطور دیوان "رپورٹ" احکام شاہی کے ہے، اور اس کے مؤلف کا نام نہیں تحریر ہے، اس میں ۱۲۰۰ھ تک کے گجرات کے انتظامات اور اہل حرفہ وغیرہ کے حالات ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ شاہی کتب خانے کا ہوگا، اس میں سلاطین گجرات کے عہد سے لیکر مغلیہ زمانہ تک کے حالات ہیں، خصوصیت کے ساتھ اہل حرفہ محکمہ قضات یعنی قاضی، مفتی، قاضی القضاۃ، محتسب، کوتوال وغیرہ کی فہرست ان کے اور ان کے ماتحت ملازمین کے نام، ان کی تنخواہوں وغیرہ کا مفصل ذکر ہے، یہی

اسی قسم کی ایک کتاب مراۃ الہند بمبئی کی پٹیٹ لائبریری میں بھی ہے جس کو محمد لطیف بن علی بن محمد شاہ صدیقی بھروچی نے ۱۲۰۸ھ میں مرتب کیا ہے اس میں نظام حکومت، اسناد داروغگی، گزر ہا، دستور العمل فوجداری، دستور العمل پرگنات، دستور العمل کارکنی، دستور العمل فوطہ داری وغیرہ کے حالات تحریر ہیں، گجرات کے شہروں پرگنوں وغیرہ کی آمدنی کا بھی ذکر ہے،

(۳) دیوان ولی، یہ احمد آباد کے اردو کے مشہور شاعر، شاہ ولی اللہ المتخلص بہ ولی کے دیوان کا قلمی نسخہ ہے اس میں ولی کے دو مشہور شاگرد رضی اور اشرف کا کلام بھی ہے،

محکمۂ قضاۃ بھروچ کے کتب خانہ کی چند مزید قلمی کتابیں مولانا ابو ظفر صاحب نے بھروچ کے محکمۂ قضاۃ کے جس کتب خانہ کا ذکر کیا ہے اس کا تعلق راقم ہی سے ہے، اسکی چند مزید کتابوں کا نام لکھا جاتا ہے،

(۱) مبارق الازہار فی شرح مشارق الانوار، ....

شارح عبد اللطیف بن عبد الملک المعروف بہ داور الملک متوفی ۹۱۵ھ (امیر کبیر سلطان محمود بیگڑہ) احمد آباد کے باشندے اور بڑے عالم و محدث تھے، انھوں نے احادیث کی شرح عربی میں لکھی ہے حاشیہ میں احادیث کی تعداد معلوم کرنے کے لیے دائرہ بنا کر صحیحین اور روایات کے لئے ہندسے لکھے ہیں احمد آباد کے قاضی محمد صالح نے اس پر فارسی میں حاشیہ لکھا ہے، شرح کی ابتدائی عبارت یہ ہے،

"الحمد للہ علی ہدایت الاسلام وعطیۃ الدرایۃ والاعلام خصوصاً من بیان حدیث خیر الانام محمد المختص بمقام اعلی المقام ...... ویقول الفقیر الضعیف العویز عبد اللطیف بن عبد الملک المعروف بابن الملک المخوف بحیف الفلک غفر اللہ لہ ولوالدیہ" الخ

(۲) نور القاری فی شرح البخاری، شارح علامہ نور الدین بن حاجی محمد صدیق احمد آبادی متوفی ۱۱۵۵ھ، ابتدائی عبارت یہ ہے،

"ہذا التسمیۃ لیکون الکریم وحبیب الرحیم ولیعتد بہ شرعا ولا یقطع بالکنہ قطعا ..... وبہ قال مولانا مقبول عالم حدثنی مولانا خلیل محمد العباسی الیلبانی حدثنی عبد اللطیف حدثنی والدی عبد الملک حدثنی محمد المدعو بجار اللہ عن والدہ ۔۔۔ الخ"

(۳) **تفسیر شاہیہ**، مولفہ سید محمد مقبول عالم بن سید جلال الدین ابو محمد شاہ عالم الشاہی الرضوی، متوفی ۱۱۱۱ھ مولف نے فارسی میں یہ تفسیر لکھی ہے، اس میں اہل بیت علیہم السلام کی روایات کی تفسیر کی ہے، یاد ایام صفحہ میں اسی تفسیر کا ذکر ہے، یہ کتاب تین جلدوں میں ہو جنمیں سے ایک کا پتہ نہیں چلتا، حاشیہ میں جا بجا تصحیح بھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے قلم کا اصل مسودہ ہے،

(۴) **خزانۃ الروایات**، مولفہ قاضی جگن، کتابت ۱۲۳۳ھ،

(۵) **فتاوی حمادیہ**، مصنفہ مفتی رکن الدین ناگوری نہروالی، پرانا نسخہ ہے، آخر کے چند ورق غائب ہیں،

(۶) **مفاتیح الجنان شرح شرائع الاسلام**، شارح یعقوب بن سید علی، اخیر کا ایک ورق ناتمام ہے،

(۷) **کتاب الحق**، مصنفہ شیخ الاسلام ابو الحسن علی بن حسین،

(۸) **غرر الشروط و درر السموط**، مصنفہ شیخ حسن بن جعفر (بحث تفسیر الحکم کے اخیر کے ورق ناتمام)

(۹) **زبدۃ القضا**، رسالہ در احکام قضاۃ وغیرہ کامل،

(۱۰) **مختار الاختیار**، مولفہ اختیار بن غیاث الدین الحسینی، فارسی میں احکام قضاۃ میں نایاب نسخہ ہے، کتابت ۱۱۱۱ھ یہ کتاب مبحث و مقطعی میں منقسم ہے، پھر مبحث کو مجلس میں اور مجلس کو فصلوں میں تقسیم کیا ہے، ابتدا اس طرح ہے،

"خطبۃ الکتاب الکریم اختیار کل مختار و مختار کل اختیار و ہو حمد علیم ...... و بعد

فیقول العبد الفقیر الی اللہ الغنی اختیار بن غیاث الدین الحسینی ختم اللہ تعالیٰ عواقبہ بالحسنین

و بلغہ ما ینبغی" الخ

(۱۱) **نصاب الاحتساب**، مولفہ عمر بن محمد بن عوض، کتابت ۸۶۲ھ کاتب کا نام عبد الملک ولد کریم محمد بن راجی محمد بن حسن محمد بھروچی کتاب کے سرورق پر احمد عبد الملک صدیقی کی ۱۰۱۰ھ کی مہر ہے

(۱۲) **نصاب الاحتساب**، عربی متن مع فارسی ترجمہ کے ہے، فارسی ترجمہ کا نام نوریہ ہے مترجم شیخ فتح اللہ معنون بہ نور محمد ہے، یہ کتاب اکبر آباد میں ۱۱۱۱ھ میں ختم ہوئی،

(۱۳) **دستور الاحتساب**، نصاب الاحتساب کا دوسرا ترجمہ ہے، مترجم کا نام خواجہ ابن احمد بن محمود ہے، فارسی ترجمہ سوال و جواب کے پیرایہ میں ہے، مترجم نے دیباچہ میں تحریر کیا ہے، کہ یہ ترجمہ اس نے سلطان مظفر[۵] کی خدمت میں پیش کیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۱۷ھ میں پیش کیا ہوگا، دیباچہ میں ہے کہ

"میگوید بندہ حضرت معبود خواجہ بن احمد محمود کہ امر معروف و نہی از منکر کار انبیا را خدائے تعالیٰ بر امت محمد فرض گردانید از بہر ایشان مضمون مسائل نصاب الاحتساب پارسی ساختہ بحضرت مظفر شاہ گذرانیدم،

خدایا تا جہاں را پادشاہی — مظفر شاہ را دہ تاج شاہی

زعدلش مملکت آباد گرداں — دلش از ہر چہ خواہد شاد گرداں

گلے آراستہ از بوستانش — نگہداری ز تاراج خزانش

ہر آنکہ بخت بد بادے ستیزد — چناں افتد کہ ہرگز بر نخیزد

---

[۵] سلطان مظفر شاہ حلیم بن محمود شاہ سلطان گجرات،

ہمیشہ دولتش معمور بادا — معاندرا بما مقہور بادا

در بطریق سوال در جواب انجامیدم بنام دستور الاحتساب نامیدم و بجائے سوال اگر ترا
پرسند س در ضمن کردم و جواب بگو، ع "نہادم تا ہر یکے از پارسی بہرہ می گردد" الخ
آخر کے ایک دو ورق گم ہیں، کتاب پر احمد آباد کے قاضی القضاۃ قاضی نظام الدین خاں ۱۱۵۲ھ
کی مہر ہے،

(۱۴) **مجموعۃ الاصول**، جزء اول و دوم و سوم اجزء سوم کے دو نسخے ہیں، ایک نسخہ میں
ولد محمد عارف کے قلم کا ۱۰۹۴ھ کا لکھا ہوا ہے، اور دوسرے پر شہنشاہ عالمگیر کے عہد کے مفتی
و قاضی القضاۃ محی الدین بن عبدالوہاب کی مہر اور ان کے دستخط ہیں، دستخط کی عبارت یہ ہے

"صاحبہ و مالکہ شیخ محی الدین ابن المفتی القضاۃ قاضی عبدالوہاب صدیقی قدس اللہ سرہ"

(۱۵) **اشباہ والنظائر**، کتابت ۱۰۲۶ھ کاتب زین بن نجم مصری[۱] نے مولف کی اصل
کتاب سے اس کو نقل کیا ہے، اس کی عبارت یہ ہے،

"نقل ہذہ من نسخۃ المکتوبۃ من کتاب مولفہا الذی بیدہ المبارک زین بن نجم المصری
الحنفی غفر اللہ لہ لجمیع المومنین...... وقد کان الفراغ من کتابۃ ہذہ النسخۃ فی یوم الاول
من شہر رجب المرجب فی التاریخ سبع وعشرین سنۃ الف و احد ستین، ملک میاں
شیخ عبدالوہاب مفتی ولد شیخ احمد ولد قدوۃ المحققین زبدۃ المتقین شیخ الاسلام مولانا
شیخ محمد طاہر الصدیقی المودت المفتی قدس اللہ روحہ العزیز"

[۱] معارف:- زین بن نجم مصری کاتب نہیں بلکہ اصل مصنف ہیں، وہ مشہور حنفی عالم اور الاشباہ والنظائر
فقہ میں ان کی مشہور و معروف تالیف ہے جو چھپ کر شائع ہو چکی، کاتب کی عبارت سے بھی ظاہر ہوتا
ہے کہ اس نے یہ نسخہ مصنف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اصل نسخہ سے نقل کیا ہے،

(۱۶) رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ، مولفہ علامہ صدر الدین محمد بن عبد الرحمٰن الحسینی القرشی العثمانی الشافعی، کتابت ۹۶۹ھ

(۱۷) شرح فتوحات مکیہ المسمی رسالہ فتوحات المکیۃ فی معرفۃ الاسرار المالکیۃ الملکیۃ، نتائج سید شریف شیخ بن عبد اللہ العیدروس قدس سرہ متوفی ۹۹۰ھ، شرح کی جلد اول کے دو جزو ہیں، دونوں کرم خوردہ ہیں، سرورق کئی جگہ سے پھٹ جانے سے پوری عبارت صحیح پڑھی نہیں جاتی، وہ عبارت یہ ہے،

"عارف باللہ محی الدین محمد بن علی بن عربی نفع اللہ بہ وبعلوم ... ... العلیۃ ذوالکرامات ... ... والمقامات السیر مولانا الشریف شیخ عبد اللہ العیدروسی نفع اللہ بہ ... ... اہل بیت النبوی جعفر بن جلال المقصود عالم الشاہی الرضوی"

کتاب پر احمد آباد کے شیخ محمد صالح بن نور الدین صدیقی کی ۱۱۴۹ھ کی مہر ہے، کتاب کے آخر حصہ میں، کتبہ ملوک اہل بیت النبوی جعفر بن جلال الدین محمد مقصود عالم الشاہی الرضوی مرقوم ہے، دوسرے نسخہ کے صلا پر یہ عبارت ہے،

"وکان الفراغ من نساختہ ضحی یوم الخمیس ثانی یوم من ربیع الثانی سنہ اربع وسبعین وتسعما من الہجرۃ النبویہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام بخط اضعف عباد اللہ وافقرہم واحوجہم الی کرمہ وعفوہ محمد بن عون بن محمد بن علی ... ... غفر اللہ لہ ولوالدیہ والمسلمین، آمین، (حاشیہ پر یہ عبارت ہے) بلغ المقابلۃ علی حسن الطاقۃ والامکان علی ـــ السید الشیخ ... ... العارف باللہ سیدی عبد اللہ بن الشیخ العطف شیخ ابن عبد اللہ العیدروس والسید عبد اللہ بن علوی ـــ الملوک ـــ نوسعد اللہ علیہم، جمادی الثانی ۹۸۳ھ، پھر یہ عبارت ہے، ثم تمت مطالعہ ۲۰ ذی القعدہ

کتبہ جعفر بن جلال الدین محمد مقصود عالم الشاہی الرضوی "

(۱۸) عین الوفا فی ترجمۃ الشفاء، یہ کتاب قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض متوفی ۵۴۴ھ کی مشہور سیرۃ النبی کا فارسی ترجمہ ہے، جس کو مترجم ابوبکر بن احمد بھروچی نے خود مصنف کے ایما سے کیا تھا، اس پر قاضی محمد صالح احمد آبادی کی ۱۲۲۹ھ کی مہر ہے،

(۱۹) لطائف شاہیہ (اوراد) مولفہ سید محمد بن سید جلال الشاہی رضوی متوفی ۱۰۴۵ھ یہ کتاب ۶۳ بابوں میں منقسم ہے، جو لطیفہ سے منسوب ہے، مولف رسالہ دیباچہ میں

"، و جمع این لطائف و وظائف تبرکاً بحساب سنین عمر مبارک حضرت خاتم صلی اللہ علیہ وسلم و تیمناً بشمار سالہائے حیات صوری شاہ عالم در شصت و سہ لطیفہ دارد و بہ الاستعانۃ والاستمداد فی العمل والاعتقاد۔ الخ فہرست لطائف، لطیفۂ اولیٰ در یقظہ، دویم در استعداد، سیوم در طہارت، چہارم در لباس، پنجم در ذکر سحر، ششم در استماع اذان، ہفتم در سعی بہ مسجد، ہشتم در نماز فجر، نہم در ورد فجر، دہم در اذکار فاتحہ، یازدہم در دعاے استعانۃ، دوازدہم در ذکر کشف، سیزدہم در قرأت آیات، چہاردہم در اذکاری کہ بعد از فریضہ وارد ست، پانزدہم در اذکار اربع الہیہ، ہفدہم کلمات ثلاث سامیہ، ہژدہم در پنج گنج اول، نوزدہم در پنج گنج آخر، بستم در قرأت سورۂ فاتحہ وغیرہ"

یہ نسخہ خوشخط ہے لیکن چند اوراق گم ہیں، مگر اسی رسالہ کا دوسرا کامل نسخہ راقم الحروف کے جد حضرت قاضی سید احمد حسین بن سید محمد کے قلم خط کا ہے، جو کسی کامل نسخہ کی نقل ہے،

(۲۰) اعمال و اشغال فوائد، مرتبہ سید جعفر بدر عالم بن سید جلال مقصود عالم منقول از نقل بدر عالم، رسالہ کے اخیر ورق پر مقابلہ و تصحیح کردہ شدہ ۱۱۶۵ھ لکھا ہے، اس میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، اور حضرت قطب عالم قدس سرہما کے اقوال و اوراد

کو جمع کیا ہے،

(۲۱) خلاصۃ الارشاد، مولفہ سید نور الدین بن سید عبد اللہ بن محمد نور اللہ، سنہ تالیف ۹۰۵ھ اور سنہ کتابت ۱۰۰۰ھ ہے، اوراد و اشغال شاہیہ میں ہے، ہر ماہ کے نوافل اور اوراد کی تعداد و تعویذات وغیرہ کا ذکر ہے،

(۲۲) تہنیۃ الاسلام بخیر الاکمال و الاتمام، مولفہ سید محمد بن سید جعفر بدر عالم، (مع رسالہ حسن المقصد فی عمل المولد الشیخ جلال الدین سیوطی) یہ چھوٹا سا رسالہ حضور نبی کریم صلعم کی سیرت میں ہے،

(۲۳) سفینۃ السادات، مولفہ سید محمد قاسم بن سید عبد الرحمن بدہ الحسنی بخاری، در ذکر سادات بخاریاں، کتاب کے ۲۳ ابواب ہیں، باب اول سے ہشتم تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اثنا عشر وغیرہ کے نسب اور حالات ہیں، باب نہم میں ابی الحسین کبیر الدین کے حالات ہیں، باب بستوئم سے حضرت ابی عبد اللہ جلال الدین مخدوم جہانیاںؒ کے حالات ہیں، باب سی و دویم میں ابی عبد اللہ جلال الحق والدین محمد حسین بن سراج الدین محمد عابدؒ کے احوال ہیں، خاتمہ میں آپ کے خلافت نامہ کا ذکر ہے، تالیف ۱۰۳۰ھ کتابت ۱۱۸۲ھ۔

(۲۴) صحائف السادات، تین جلدوں میں ہے جنکو صحائف سے منسوب کیا ہے (ضمیمہ اول دوم، سوم) حالات سادات بخاری، بھکری و شیرازی، مولفہ ہاشم بن کمال الدین محمد المشہور بکرار، کتابت ۱۱۱۴ھ

(۲۵) رسالہ شاذلیہ کے دو اوراق، اجازت نامہ از مولانا عبد الحق بن سیف الدین محدث دہلوی، اس میں آپ کے دست مبارک سے حاشیہ میں یہ عبارت تحریر ہے،

"بقدر الوسع والامکان علی ید مولفہ الفقیر المسکین العفو الی اللہ عبد الحق بن

سیف الدین الدہلوی ۔۔ ۔۔۔ البخاری غفر اللہ لہ و لوالدیہ الخ

سید جعفر بن سید مقصود عالم کے ہاتھ کی ۱۱۹۴؁ھ کی تحریر بھی ہے، یہ اوراق پھٹے ہوئے ہیں، اس لئے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ اجازت نامہ کس کے نام ہے،

(۲۶) **شرح منیۃ العارفین**، شارح سید احمد بن سید رفیع الدین بن سید جلال محمد بن سید احمد جعفر شیرازی قدس سرہٗ، (تصوف عربی) کتاب کی ابتدا بسم اللہ کے بعد اسطرح ہوتی ہے،

"الحمد للہ الذی من علی اولیائہ بجنتہ و التعلیم بالوحشۃ عما سواہ برحمتہ ۔۔ ۔۔ ۔۔

اما بعد فیقول العبد الذلیل علی باب الملک الجلیل الملتجی الی المولی الغنی احمد ابن السید رفیع الدین بن سید جلال محمد بن السید احمد جعفر الحسینی المدنی ثم الشیرازی ثم السندی ثم الهندی بصرہ اللہ بعیوب نفسہ وجعل یوم خیرا من امسہ الخ"

یہ تالیف ۹۹۲؁ھ کی اور کتابت ۱۰۲۰؁ھ کی ہے، کتاب کے سرورق پر سید جعفر بن جلال الشاہی الرضوی اور (علامہ) نور الدین بن محمد صالح احمد آبادی کے دستخط بھی ہیں، آپکے صاحبزادے محمد صالح بن نور الدین بن محمد صالح کے دستخط بھی ہیں، اس کی نقل حضرت پیر محمد شاہ احمد آبادی کی درگاہ کے کتب خانہ میں موجود ہے،

(۲۷) **فتوحات احمدی و رفیعی** مولفہ سید احمد بن سید رفیع الدین بن سید جلال ابن سید احمد جعفر شیرازی قدس سرہٗ بخط مؤلف (فارسی) در مناقب حضرت سید احمد جعفر الحسینی الشیرازی و سید رفیع الدین، کتاب کی ابتدا اس طرح ہے،

"الحمد للہ علی انعامہ المبین و الصلوۃ علی نبیہ و حبیبہ سید المرسلین ۔۔ ۔۔ ۔۔

بعد میگوید بندہ ضعیف نحیف خاکسار ۔۔ ۔۔۔ احمد رفیع الدین سید جلال محمد ابن سید السادات صاحب اشرف المقامات السید شاہ احمد جعفر الحسینی الشیرازی بصرہ اللہ

بعیوب نفسہ وجعل یوم خیراً من امسہ آنکہ ایں بندہ طالب آں بود، در قطار مکان اولیاء اللہ

خود را منسلک سازد ولیکن حیثیت مکتب ہیچ نداشت" الخ

کتاب کے سرورق پر محمد صالح شیخ نور الدین صدیقی کی مہر ۱۱۳۰ھ کی اور بیدبا اعفرنا: الٰہی سبحانکی مہر

بھی ہے،

(۲۸) **شجرۂ مبارک**، (عربی) سلسلہ من طبقات الاربع عشر مولفہ سید جلال بن سید رفیع الدین ابن سید جلال محمد بن سید احمد جعفر الحسینی الشیرازی، یہ عربی میں چار پیروں اور چودہ خانوادوں کا شجرہ ہے نمبر (۲۶) (۲۵) (۲۸) کے نسخے راقم الحروف کے خاندانی تبرکات میں سے ہیں جن کا تعلق حضرت سید احمد جعفر الشیرازی احمد آبادی متوفی ۹۴۲ھ سے ہے،

(۲۹) **نور العرفان**، مولفہ شیخ محمد صالح عرف پیر بابا المتخلص بہ عرفان متوفی ۱۱۴۲ھ منقول از کتاب مؤلف، کاتب قاضی سید محمد نور الدین حسین ابن قاضی سید احمد حسین رضوی مرحوم ۱۲۷۰ھ، یہ رسالہ مؤلف نے احمد آباد کے مشہور مدرسہ ہدایت بخش کی تعریف میں ہے، جس کو احمد آباد کے صدر صوبہ نواب اکرم الدین خاں نے ایک لاکھ چوبیس ہزار کے صرف سے علامہ نور الدین صدیقی کے لئے تیار کیا تھا،

(۳۰) **نور المعرفت**، مؤلفہ شاہ محمد ولی المتخلص بہ ولی، یہ رسالہ بھی مؤلف نے مدرسۂ مذکور ہدایت بخش کی تعریف میں لکھا ہے،

(۳۱) **رسالہ نظامیہ**، مؤلفہ قاضی القضاۃ نظام الدین خاں، احمد آبادی، یہ چھوٹا سا رسالہ فارسی میں مؤلف نے مسئلۂ نکاح کی اجرت کے جواز میں لکھا ہے، نقل از رسالہ مؤلف کاتب قاضی سید احمد حسین بن سید محمد رضوی الشیرازی (جد راقم الحروف) سنہ کتابت ۱۲۴۳ھ

(۳۲) **تحفۃ العرفان**، مرتبہ محمد صالح عرف پیر بابا المتخلص بہ عرفان یہ چھوٹا سا رسالہ چہل حدیث کا فارسی ترجمہ ہے، مترجم نے یہ رسالہ شاہزادہ محمد معظم شاہ کی فرمائش سے ترجمہ کیا تھا،

کتب خانہ قاضی سید نور الدین حسین (یعنی محکمہ قضاۃ بھروچ کے کتب خانہ کی کتابیں،

(۳۳) **شرح فتوح الغیب**، شارح کا نام عبد العزیز بن ولی ہے، اس کا خط باریک اور نسخہ نادر ہے جو شارح سے سید جعفر شاہی رضوی کو اور ان سے شارح کے بھانجے احمد فاروقی کو ملا

۳) **تذکرۃ الاعراس** مصنف کا نام معلوم نہیں ربیع الاول سے صفر تک کے نامی بزرگوں کی وفات کی تاریخوں کا مجموعہ ہے، سر ورق پر ۱۱۵۵ھ سید ابو طالب بن سید مشایخ دیوانجی الحسینی چشتی کے دستخط ہیں،

۳) **مخزن الاعراس**، مولفہ شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی، مرتبہ ۱۱۵۵ھ منقول از نقل مولف، مؤلف نے اس مخزن کو چند نامی کتب مثل نفحات الانس، مراۃ الجنان، آداب لطائف البین سیر الاولیار، اخبار الاخیار، گلزار ابرار، سفینۃ الاولیا، طبقات شاہجہانی وغیرہ کے حالات جمع کر کے مرتب کیا ہے، ربیع الاول سے صفر تک کامل ہے،

حکیم سید روح اللہ بھروچی جہانگیری کا بھروچ کا کتب خانہ

حکیم میر روح اللہ بن سید صبغۃ اللہ بھروچی شطاریؒ، بھروچ کے نامور حکیم اور عالم بزرگ تھے، شہنشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے دور میں شاہی طبیب تھے، بھروچ کے باشندے تھے، علامہ حضرت شاہ وجیہ الدینؒ گجراتی سے آپ کو شرف تلمذ وارادت تھا، شہنشاہ جہانگیر اور نور جہاں کے معالج بھی رہے تھے، ان کو انعام میں جاگیریں بھی عطا ہوئی تھیں چنانچہ تھانب، کوکرواڑہ، سورواڑی، اور چار دیگر مواضع آپ کی شاہی عطیہ میں تھے، مآثر رحیمی اور تزک جہانگیری میں آپ کے حالات ہیں، بھروچ میں آپ کا بڑا کتب خانہ تھا جس میں زیادہ تر طب کی کتابیں تھیں، مرور زمانہ اور تقسیم وراثت کی وجہ سے یہ علمی خزانہ منتشر ہو گیا، ان میں کی کچھ بچی کھچی حسب ذیل طب میں نادر ہیں،

(۱) **فوائد الانسان**، مولفہ حکیم میر روح اللہ الحسینی بھروچی (فارسی) ۹۹۰ھ کی تالیف ہے، اور

صنعت توشیح میں منظوم ہے، اس کا تاریخی نام شہنشاہ اکبر نے شدہ اسمش فواید الانسان رکھا، جس سے ۹۹۷ھ سنہ تالیف نکلتا ہے، کتاب ۲۸ ابواب میں منقسم ہے، اس میں ادویہ کے نام ان کے خواص، مفردات مرکبات وغیرہ نظم کئے ہیں، کتاب کی ابتدا اس طرح ہے،

"۔۔۔ فللہ واکبر بخہ حکمت ہمایوں و نعمت گوناگوں است کہ حکیم ذوالجلال ومنعم بے زوال عم نوالہ وجل جلالہٗ از نہ سپہر و ہفت کشور درنظر والا گہر خدایگان داور خدیو داد ۔۔۔۔۔ الخ"

ذیل کی نظم سے کتاب کا نام اور سنہ تالیف وغیرہ کا پتہ چلتا ہے، مؤلف نے عبارت شدہ اسمش فوائد الانسان کو اس طرح نظم میں بیان کیا ہے،

ش	شکر حق گو دوائے از دل وجاں	کہ بنام خدایگان جہاں
د	در حکمت بہ نظم آوردی	درد دیرین خود دوا کردی
ہ	ہر چہ شہ گفت آنچناں گفتی	در مدح و ثنائے شہ سفتی
ا	آفریں شہ کہ آفرینش گفت	تو چہ گوہر توانی از پے سفت
س	سر ہمت کہ پیش کردہ ماست	ہر در شاہ سجدہ را اولی است
م	محنت اینجا رسیدہ و راحت شد	مرہم سینہ جراحت شد
ش	شادمانی کنیم دست زنیم	کلہ فخر بر فلک فگنیم
ف	فکرتم چوں بامر اکبر شاہ	گشت بر نظم این گہر آگاہ
و	وقت خود را سہ سال پروردم	از گہر سہ ہزار آوردم
ا	از غذائے و دوائے خلق جہاں	جمع کردم فواید الانساں
ی	یاور خود چو بخت شہ دیدم	نام آں راز شاہ پرسیدم
د	داد پاسخ کہ مصرع است رواں	شدہ اسمش فوائد الانساں

ا	اسم و تاریخ ہر دو فہمیدم	مصرعہ کاں ز شاہ بشنیدم
ل	لازم آمد کہ سر بسجدہ نہم	داد و شکر و ثنائے شاہ دہم
ا	از خدا عمر و دولتش جویم	ہرچہ گویم دعائے شہ گویم
ن	ناظم این گہر دولے تو	درد بندگی فدائے تو
س	سر زند در بن افادہ نبرد	باری از ننگ استفادہ نبرد
ا	آملش آنکہ بسپرد بجہاں	یادگارے بنام شاہ زماں
ن	نام شہ باد زینت دفتر	ہست تا از دوا بد ھر اثر

(۲) تقویم الابدان، مولفہ و مرتبہ یحیٰی ابن عیسٰی ابن جزلہ، کتابت ۵۸۵ھ بحوالہ نقوش سلیمانی

یہ کتاب بخط عربی شیرۂ خرما سے لکھی ہوئی ہے، اس کی ابتدا اس طرح ہے،

"کتاب تقویم الابدان بمداواۃ الامراض المجتمعۃ فی ثلاثۃ اجناس متشابہۃ والہیۃ و

انفصال الاتصال ذوا سباب کل مرض و علاماتہ و تدبیرہ و ما یکثر فیہ من الامزجۃ والاسنان

والازمنۃ والبلدان ... ..."

(۳) مرحمت نامہ، مصنفہ محمود بن برہان بن محمود بن جلال الحسینی (در راوراد فارسی)

سنہ تالیف ۸۷۰ھ ہے، کتاب ۸ ابواب میں منقسم ہے، جس کو مرحمت سے منسوب کرکے مرحمت نامہ نام

رکھا ہے، ابتدائی عبارت یہ ہے،

"اما بعد بندہ غریب بیچارہ محمود بن برہان بن محمود بن جلال الحسینی جعلہ من المتقین

... ... حضرت مقدسہ ابوی و شیخی و مرشدی قطب الاقطاب بندگی حضرت قطب العالم

و ملازمت بابرکت اعظم خلفاء القطبیہ شرفہم و اکرمہم سیدنا غوث الوری حسن الفقیہ

القطبی الحسینی مدظلہ مستفید و مستفیض بودہ پارہ تبرکات بشمار سنین حسنات صعودی

جلال الحق والشرع والدین مخدوم جہانیاں قدس اللہ سرہ العزیز فی سنہ سبعہ و سبعین و ثمانمایتہ و ہفت و ہشت مرحمت در بیاض آوردہ مرحمت نامہ بر ہاینہ مسمی کردہ الخ"

حکیم روح اللہ مرحوم کے خاندان میں بڑے بڑے نامور اطبا گذرے ہیں جن میں حکیم میر لطف اللہ حسینی، حکیم میر ابوالمکارم، حکیم سید مصطفیٰ، حکیم میر ابوالقاسم اور حکیم میر روح اللہ ثانی قابل ذکر ہیں، موخر الذکر حکیم روح اللہ ثانی نے فن طب میں لذت الحیات نامی فارسی کتاب ۱۱۸۰ھ میں تالیف کی تھی، اس میں زیادہ تر مجرب نسخوں کا ذخیرہ ہے، چنانچہ اس کے دیباچہ میں اسطرح رقمطراز ہیں:

"چنیں گوید کمترین خلق اللہ الکریم اضعف العباد روح اللہ ولد حکیم میر مصطفیٰ اکرم از فرزندان حکمت و حذاقت پناہ . . . . حکیم روح اللہ بھروچی، شاہ جہانگیری نور اللہ مرقدہ . . . بنابرآں ایں حقیر آنچہ تدابیر و نسخہ جات دریں باب از کتب متقدمین و متاخرین من المجربات آنچہ استادی قبلہ گاہی واز دیگر مجربات حکماء ہند کہ رسیدہ است از روئے انتخاب و تراکیب نادر دیدہ در سنہ ۱۱۸۰ھ یکہزار و یکصد و ہشت ہجری مقدسہ در سلک تحریر و تقریر درآوردہ الخ"

مذکورۂ بالا کتابوں میں بھروچ میں حکیم مرحوم کے خاندان اور سے بھروہ کے جاگیردار سید حیدر صاحب بن سردار سید میر صاحب کے کتب خانہ میں؛ اور نمبر ۲ و ۳ سید محمود علی بن سید غلام علی صاحب جاگیردار آمیری و دعڈال کے کتب خانہ میں ہے،

شاہ کمال بھروچی قزوینی کا کتب خانہ بھروچ میں حضرت شاہ کمال الدین بن صفی الدین قزوینی بھروچی قدس سرہ متوفی ۱۰۸۰ھ بڑے پایہ کے بزرگ اور ولی اللہ تھے، حضرت سید محمد گیسو دراز اورنگ آبادی قدس سرہ سے سلسلہ چشتیہ میں آپ کو شرف ارادت حاصل تھا، آپ کی تصانیف کا صحیح پتہ چلانا مشکل ہے، تاہم آپ کی بعض تصنیفت کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا بھی

بڑا کتب خانہ ہوگا، آپ کی دو تصنیفیں قابل ذکر ہیں،

(۲) **رسالہ بازار مصطفیٰ و خریدار خدا**، یہ چھوٹا رسالہ فارسی میں تصوف میں ہے، حضرت شاہ عالم احمد آبادی قدس سرہٗ متوفی ۸۸۰ھ آپ کی ملاقات کے لئے احمد آباد سے بھروچ تشریف لائے تھے اور آپکے یہاں چالیس یوم قیام فرمایا تھا، اور حضرت شاہیہ نے "بازار مصطفیٰ و خریدار خدا کے بارہ میں حضرت شاہیہ کے سوال کے جواب میں یہ رسالہ تالیف فرمایا تھا، جس کا ذکر تذکرۃ الصالحین میں ہے، مولفہٗ منشی عبدالحکیم سورتی (تاریخ سورت) میں مذکور ہے،

(۱) **مظہر الحق فی بیان اباحۃ السماع**، یہ کتاب مذاہب اربعہ کی رو سے سماع کی اباحت میں فارسی میں تالیف کی ہے، دس بابوں میں منقسم ہے، (۱) دربیان مقدمہ دلیل احادیث و اقوال مشایخ کرام (۲) اباحت سماع در مذہب امام اعظمؒ بروایت صریح، (۳) اباحت سماع در مذہب امام شافعیؒ و امام مالکؒ و امام حنبلؒ وغیرہم، یہ کتاب بمبئی جامع مسجد کے کتب خانہ میں ہے،

مولانا اسحٰق بن عبدالوہاب کا کتب خانہ بھروچ میں مولانا اسحاق بن عبدالوہاب قدس سرہٗ متوفی ۱۲۰۲ھ بڑے کامل بزرگ تھے، آپ حضرت فرید شکر گنج کی اولاد سے تھے، احمد آباد کے مشہور عالم مولانا عبدالغنی تلمیذ حضرت علامہ شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی سے آپ کو شرف تلمذ و ارادت حاصل تھا، قلعہ بھروچ موجودہ متصل بیگم باڑی میں آپ کا ایک بڑا عربی مدرسہ اور کتب خانہ تھا، آپ کی عربی تالیف شرب الدخان، تمباکو کی حرمت میں ہے، یہ کتاب ۱۱۴۰ھ میں تالیف ہوئی، جس کا حوالہ مولانا عبدالحئی لکھنوی مرحوم نے اپنی کتاب ترویح الجنان بتشریح شرب الدخان مطبوعہ مصطفائی میں دیا ہے، کتاب کی عبارت بسم اللہ کے بعد یوں ہے،

"الحمد للہ الذی خلق الاشیاء کما شاء بعلمہ وحکمتہ واصل ما شاء لمن شاء بامرہ وحرم ما شاء لمن شاء بنہیہ وارسل الانبیاء لیبلغوا الی الناس،

موضع بھوہ بطور جاگیر آپ کو حکومت کی جانب سے عطا ہوا تھا، جو اب بھی آپ کی درگاہ کے سجادہ نشین سید حیدر صاحب ابن سردار سید پیر صاحب کے قبضہ میں ہے، بھروچ کے دو موضع محمد پورہ اور اسحٰق پورہ آپ کے صاحبزادے مولانا محمد انور اور آپ کے پوتے مولانا اسحٰق ثانی کے نام سے منسوب ہیں، آپ کے داماد ملا محمد علی ۱۰۴۸ھ میں بادشاہ کی جانب سے شہر احمد آباد کے قاضی و مفتی مقرر ہوئے تھے،

آمود ٹھاکر صاحب کا کتب خانہ ۱۷۸۷ء

بھروچ ضلع میں دریائے ڈھاڈھر کے کنارہ سے تھوڑے فاصلہ پر قصبہ آمود واقع ہے، یہاں کے نومسلم گراسیہ ٹھاکر صاحب تھے، جن کا خاندان گجرات میں مولی اسلام کے نام سے مشہور رہا ہے، ان کا بڑا کتب خانہ تھا، اس میں بقول ڈاکٹر ہو (Hove) ۱۷۸۷ء میں تین ہزار فارسی کی خوشخط و منقش چرم کی مجلد کتابیں موجود تھیں، ان کی قیمت اس زمانہ میں چوبیس لاکھ اندازہ کی گئی تھی ڈاکٹر ہو اپنے سفرنامہ میں مورخہ ۴ نومبر ۱۷۸۷ء کے واقعات میں لکھتے ہیں،[1]

"میں مسٹر گرفتھس سے سفری اجازت نامہ حاصل کرنے کے بعد کھمبایت کے ریزیڈنٹ مسٹر ہولفرڈ سے سفارشی خط لیکر مسلح کشتی (Armed boat) میں سوار ہو کر جمبوسر میں علی الصباح پہونچا، وہاں سے دریائے ڈھاڈھر پار کر کے صبح آٹھ بجے کنارے اترا اور آمود کی مسجد کے سامنے اپنا خیمہ ڈالا صبح ۱۰ بجے میں نے راجہ (ٹھاکور) سے ملاقات کی، اُنھوں نے اس ملک کے رواج کے موافق خیر مقدم کرتے ہوئے مجھ سے معانقہ کیا اور اپنے مکان کے قریب ایک جگہ جہاں کتب خانہ ہے لے گئے اور

---

[1] Bombay Government Records
No XVI New Series.

بڑی خوشی سے اپنی کتابیں دکھائیں، اور کہا ان کے والد نے ان کی قیمت ۲۰ لاکھ تخمینہ کی تھی، مگر ان کے نزدیک ان کی قیمت اس سے دگنی ہے، کتب خانہ میں تین ہزار جلدیں ہیں، جن میں فارسی کی مرقش چرم کی خوشخط قلمی کتابیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں الخ"

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان اس گئی گذری حالت میں بھی کتنے علم دوست تھے، اور کتب خانوں پر کتنا خرچ کرتے تھے،

میری محسن کتابیں

دوسرے دور کے رسالہ الندوہ نے ملک کے مشاہیر اصحاب علم و کمال سے ان کتابوں کے نام دریافت کیے تھے، جن کا ان کی ذہنی تعمیر اور تشکیل سیرت میں خاص حصہ رہا ہو، اس کے جوابات موصول ہوئے تھے، وہ الندوہ میں میری محسن کتابیں کے عنوان سے شائع ہوئے تھے، اور بعد میں ان کو کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا تھا، اس میں نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولینا عبید اللہ سندھی، مولانا مناظر احسن گیلانی وغیرہ ہندوستان کے بہت سے اکابر اور اصحاب علم کے مضامین ہیں، جن سے عربی، فارسی، اور انگریزی کی بہت سی اہم کتابوں کی خصوصیات اور متفرق معلومات حاصل ہوتے ہیں، قیمت عہ۔

پچاس سے زیادہ نسخوں کے خریداروں کو معقول کمیشن دیا جائیگا، دار المصنفین اعظم گڈھ سے طلب فرمائیے،

"منیجر"

ادبیات

غزل

از جناب شفیق جونپوری

پھر ایسی پست پہ کیا شوقِ خودنمائی ہو — کہ زندگی بھی جب اپنی نہ ہو پرائی ہو

زہے وہ رات کہ یادِ حبیب آئی ہو — دراز اور بھی عمرِ شبِ جدائی ہو

فلک پہ چاند ہو دربان کو نیند آئی ہو — تمام رات اسی در پہ جبہہ سائی ہو

بچائے کون اسے اے ہوائے امنِ دوست — کہ جس چراغ کو تو خود بجھانے آئی ہو

یہ کیا ستم ہے زمانہ کہے کہ صبر کرو — کسی غریب نے سینے پہ چوٹ کھائی ہو

پھر ایسے خانۂ ویراں میں روشنی معلوم — جلی ہو شمع تو تقدیر مسکرائی ہو

وہ نامراد سہی نامراد کون کہے — ترے سپرد جو اے شانِ کبریائی ہو

مری فغاں سے جگر چاک ہونگے اے بلبل — وہ تو نہیں کہ گلوں نے ہنسی اڑائی ہو

غضب ہے قافلۂ رنگ و بو کا لٹ جانا — کہ جب بہار کی منزل قریب آئی ہو

فلک کے تارے ہوں تلووں کے آبلے پہ نثار — ذرا دلوں میں مذاقِ شکستہ پائی ہو

ہزار ہونگے ہم ایسے نگاہ و دل والے — جہاں میں تو ہو تری شانِ دلربائی ہو

جگا سکیں نہ مجھے بادِ تند کے جھونکے — وہ غم کی چھاؤں میں آنکھوں کو نیند آئی ہو

نگاہیں کھیل رہی ہوں شکستہ قبروں سے
صبا نے گورِ غریباں میں خاک اڑائی ہو

وہ نامراد کہاں داد خواہ ہو یارب
کہ جس کی جان کے پیچھے تری خدائی ہو

نہ چھیڑ بادِ سحر اس غریب غنچے کو
جسے چمن میں جوانی نہ راس آئی ہو

سلام اہلِ نظر اس کلی کی حسرت پہ
بہار میں بھی جو دم بھر نہ مسکرائی ہو

وہیں سے فلسفۂ عشق کا سمجھ آغاز
جہاں خرد نے جنوں سے شکست کھائی ہو

وہ موت بھی بخدا دیکھنے کے قابل ہے
جو اے شباب ترے ساتھ ساتھ آئی ہو

جگہ خود آپ نہ دیں اپنے آستانے پر
قصور وار مقدر کی نارسائی ہو

وہی نگاہ کسی کو تباہ کر ڈالے
وہی نگاہ جو بے مہر ہو ادھر خدائی ہو

شفیق اور شبِ ماہ و نغمۂ لب جو
وہ جانے جس کے چمن میں بہار آئی ہو

غزل

از

جناب اخلاق احمد صاحب قمر بیتی،

جنونِ عشق کے ہاتھوں کہیں رسوا نہ ہو جائے
مجھے ڈر ہے کہ رازِ ضبطِ غم افسانہ ہو جائے

ہماری التجاؤں کا اثر الٹا نہ ہو جائے
کہیں وہ اس سے بڑھ کر اور بے پروا نہ ہو جائے

غرورِ حسن بڑھ کر خود ہی اک پروانہ ہو جائے
ہمارے عشق کا چرچا کہیں اتنا نہ ہو جائے

تلاطم عشق کی دنیا میں اک برپا نہ ہو جائے
ہمارا ذکر بھی افسانۂ فرزانہ ہو جائے

جنونِ عشق بڑھ کر اضطراب افزا نہ ہو جائے
مری دنیائے غم میں حشر پھر برپا نہ ہو جائے

قیامت اور کوئی آج پھر برپا نہ ہو جائے
ہمارے ضبط کی دنیا نہ و بالا نہ ہو جائے

ابھی تو ہوش باقی ہے مجھے جیب و گریباں کا
تمہاری یاد کیفِ نشۂ صہبا نہ ہو جائے

نشاط انگیز ہے کتنی تمناؤں کی دنیا بھی
الٰہی التفاتِ نرگسِ شہلا نہ ہو جائے

تمہارے حسنِ رنگیں کی لیے سرمستیاں توبہ
فضائے دہر بھی پیمانۂ صہبا نہ ہو جائے

نسیم انکو دلِ محزوں کی کیفیت سناتا ہے
کہیں رودادِ غم بھی شکوۂ بیجا نہ ہو جائے

غزل

از مائل خیرآبادی

گلستاں میں لاکھ آئیں انقلاب
مستقل ہے فطرتِ خار و گلاب

ہو کلیمی جذب تو پتھر بھی آب
ہو یقیں محکم تو آتش بھی گلاب

مردِ مومن ہوں مٹا سکتا ہے کون؟
میرے ہی دم سے ہے عالم فیضیاب

دے رہی ہے مجھ کو کیف آور پیام
وہ نظر جس کا فسانہ ہے شراب

گنگناتا ہے کوئی ہر رگ میں یوں
دور بجتا ہو کہیں جیسے رباب

آرہی ہے پھر ہوائے نو بہار
اے چمن والو! نوید انقلاب

کیا ضرورت ہے ہمارے خون کی
پھیکا پھیکا سا ہے کچھ رنگِ گلاب

باغبانی یہ ہے دیکھ اے باغباں
ہے مری نظروں میں کانٹا بھی گلاب

نام کانٹوں کی بدولت ہو گیا
ورنہ تھا اک پھول گلشن میں گلاب

ہو رہا ہے پھر بھی کچھ ہوتا نہیں
ہائے اس دنیائے بیداری کے خواب

چاک دامن پر مرے ہنستا ہے کیا؟
دیکھ تو اپنا گریباں اے گلاب

کیا دلِ مائل کو پھر چھیڑا گیا
کروٹیں لینے لگا ہے انقلاب

مطبوعات جدیدہ

تصوف کی اہمیت:- از جناب وحید احمد صاحب پارلیمنٹری سکریٹری تقطیع چھوٹی، ضخامت ۸۴ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲ پتہ فرید احمد صاحب ۲۰ ہیولاک روڈ لکھنؤ۔

یہ کتاب مصنف نے اس عامیانہ خیال کی تردید میں لکھی ہے کہ تصوف کو اسلام سے علاقہ نہیں ہے اور وہ دوسری قوموں سے ماخوذ ہے، اور یہ دکھایا ہے کہ تصوف اسلام کی روح ہے اور اس کے حامل صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی مقدس جماعت میں موجود تھے، جو دور اول کی خانہ جنگی کے زمانہ میں خانہ نشین ہو گئے تھے، اور یہ جماعت ہر زمانہ میں رہی اور اموی اور عباسی دور کی سیاسی پارٹیوں کے جدال و قتال اور مذہبی فرقوں کی قیل و قال سے جب اسلامی روح کمزور پڑنے لگی تو اسی جماعت نے اسکو بچایا اور اس کو زندہ رکھنے کی تدبیریں اختیار کیں، اور عہد صحابہ سے لیکر حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے زمانہ تک تصوف و صوفیہ کی مختصر تاریخ اور ان کے تعلیمات ... اور احوال پر اجمالی تبصرہ کیا گیا ہے اور ان پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان کے جوابات دیئے ہیں، یعنی تصوف کو مختصر طور سے سمجھنے کے لئے مفید کتاب ہے، البتہ امام ابن تیمیہ اور ابن قیم کو بھی لفین تصوف میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے، ابن تیمیہ احسان کے منکر نہ تھے، بلکہ ان معنوں میں خود صوفی تھے، البتہ تصوف کے بعض مروجہ غیر شرعی طریقوں کے خلاف تھے اور ابن قیم تو بڑے صوفی صافی تھے، تصوف کے معارف و حقائق پر ان کی معرکۃ الآرا اور ضخیم کتاب مدارج السالکین تصوف کی امہات کتب میں ہے، اسی طریقہ سے وحدۃ الوجود اور تصور شیخ وغیرہ کے مسائل کو در حقیقت

نفسِ تصوف سے تعلق نہیں، بلکہ یہ احوال و کیفیات، اور ذوقی و وجدانی معاملات ہیں، جن کو علمی بحث
کی قید میں لانا صحیح نہیں ہے،

فانی:۔ مؤلفہ جناب دیبی پرشاد صاحب سریواستو، ایم اے، منشی کامل، لکچرار ایس کالج
فتحپور، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۵۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ہے،
پتہ:۔ کتابستان الہ آباد،

موجودہ دور کے شاعروں میں شوکت علی خاں مرحوم فانی کے کلام پر جس قدر لکھا گیا ہے
وہ اس زمانہ کے اور کسی شاعر کے حصہ میں نہیں آیا، مصنف نے فانی پر یہ مستقل کتاب لکھی ہے، اسمیں
ان کے سوانح حیات اور ان کے کلام پر مفصل تبصرہ ہے، کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف
صاحبِ ذوق سخن سنج بھی ہیں، اور اردو شاعری پر بھی اُن کی نگاہ ہے، اس کتاب میں انھوں نے فانی
کے کلام پر ذوقی اور فنی دونوں حیثیتوں سے اچھا تبصرہ کیا ہے، اور ان کے کلام کی خصوصیات دکھائی
ہیں، انداز بیان دلکش اور ادیبانہ ہے، اس کتاب کو پڑھکر بے اختیار دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے
کہ اسی زبان کے ساتھ جس پر ایک ہندو کو اتنی قدرت حاصل ہے، اور جس میں وہ ایسی ادیبانہ و
معیاری کتاب لکھ سکتا ہے اجنبی زبان کا برتاؤ کیا جا رہا ہے، اور اس کو مٹانے کی کوشش کی جا رہی
ہے، یہ کتاب اہل ذوق کے مطالعہ کے لائق اور اردو ادب میں اچھا اضافہ ہے،

سلکِ گوہر:۔ میر انشاء اللہ خاں انشاء دہلوی، تقطیع اوسط، ضخامت ۴۰ صفحے،
کاغذ نفیس، قیمت تحریر نہیں، پتہ کتب خانہ ریاست رامپور،

مشہور شاعر انشاء اللہ خاں کی شخصیت بڑی ہمہ گیر اور جدت پسند تھی، ان کو نظم و نثر کی
ہر شاخ پر یکساں قدرت حاصل تھی، ان کی جدت پسندی کے نمونے ان دونوں صنفوں میں
موجود ہیں، سلکِ گوہر بھی ان کی جدت طرازی کا ایک نمونہ ہے، یہ ان کی ایک بے نقط کہانی

ہے، اس کا قلمی نسخہ ریاست رامپور کے کتبخانہ میں ہے مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی نے اسکی تصحیح کرکے شائع کیا ہے، اس قسم کی جدتوں کی حیثیت ذہنی اپج سے زیادہ نہیں ہوتی، سلک گوہر بھی اسی قبیل کی اپج ہے، اس میں نقطہ دار حروف کے علاوہ ٹ، ڈ اور ڑ بھی جن پر اس زمانہ میں ط کے بجائے نقطے لگائے جاتے ہیں استعمال نہیں کئے ہیں، اس سے مصحح کے بقول، عبارت کی سانس درگھٹ گئی ہے، اور کتاب چیستان بن کر رہ گئی ہے، تاہم عبارت کا اجمالی مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے، اور یہ کتاب ایک قدیم ادبی یادگار کی حیثیت سے قابل قدر ہے،

سلک گہر جلد اوّل مولفہ جناب جاوید انصاری تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۸۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۶ عہ پتہ:- جاوید انصاری صاحب برہان پور،

دکن کا علاقہ اردو زبان کا مولد و منشا ہے، اس کے اثر سے اس کے پڑوسی صوبہ متوسط و برار میں بھی ہمیشہ شعر و سخن کا مذاق رہا، جو اب بھی قائم ہے، خصوصاً برہان پور کو تو ایک زمانہ تک اس نواح میں علمی و ادبی مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے، اسی سرزمین کے ایک نوجوان صاحب قلم جاوید انصاری نے صوبہ متوسط و برار کے قدیم شعراء کا یہ تذکرہ مرتب کیا ہے، اس میں بیاسی ۸۲ شعراء کے مختصر حالات اور ان کے کلام کا نمونہ دیا ہے، مؤلف کی یہ ادبی خدمت قابل قدر ہے،

نعت حضور از جناب بہزاد لکھنوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۷ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ۲ پتہ مکتبہ برہان جامع مسجد دہلی،

مصنف کے کلام کی شہرت تعارف سے مستغنی ہے، ان کی نعتیں خصوصیت کے ساتھ زیادہ پرکیف ہوتی ہیں، اس میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز ہیں، نعت حضور جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے ان کی ۴۰ نعتیہ نظموں کا مجموعہ ہے، یہ نعتیں حسن ظاہر اور جمال معنی سے آراستہ اور نہایت مؤثر و دلپذیر ہیں، انمیں شاعر کے اخلاص عقیدت کی روح جھلکتی ہے،

تاریخ سندھ

مؤلفہ مولنا سید ابوظفر صاحب ندوی دسنوی سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ

ہندوستان مین مسلمانون کا پہلا قافلہ سندھ مین اترا تھا، اور اُن کی پہلی حکومت یہین ئم ہوئی تھی اور وہ ایک ہزار سال سے اوپر یہان حکمران رہے، آج بھی سندھ کے رو دیوار سے اُن کے آثار نمایان ہین، لیکن اس کے باوجود اُردو مین اسلامی سندھ ی کوئی مفصّل و محققانہ تاریخ موجود نہین تھی، دار المصنفین نے تاریخ ہندوستان کے سلسلہ مین یہ جامع و محققانہ تاریخ مرتب کرائی ہے، اس مین سندھ کا جغرافیہ، مسلمانون کے حملہ سے پیشتر کے مختصر اور اسلامی فتوحات کے مفصل حالات، خلافتِ راشدہ کے زمانہ سے لے کر آٹھوین صدی ہجری تک سندھ جن جن حکومتون کے ماتحت رہا، اُن کی پوری تاریخ دران تمام دورون کے نظامِ حکومت، علمی و تمدنی حالات اور رفاہ عام کے جو جو کام انجام پائے، ان سب کی پوری تفصیل ہے، مسلمان اس قدیم اسلامی خطہ کی تاریخ فراموش کر چکے تھے، اب پھر اس کو یاد کرنے کی ضرورت ہے، یہ کتاب ایسے وقت مین شائع ہو رہی ہے، جب کہ سندھ کی تاریخ کا ایک نیا باب کھُل رہا ہے، اور وہان ایک نئی حکومت کی بنیادین استوار ہو رہی ہین،

ضخامت: ۴۰۰ صفحے قیمت: چھ روپیے،

"منیجر"

دارالمصنفین کی دو نئی علمی و ادبی کتابیں

اقبالِ کامل

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین، رسالے اور کتابین لکھی گئین لیکن ان سے اُن کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایان نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس مین اُن کے مفصّل سوانح حیات کے علاوہ اُن کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارنامون کے اہم پہلوؤن کی تفصیل کی گئی ہے، اور سوانح حیات کے بعد پہلے اُن کی اردو شاعری پھر فارسی شاعری پر ان کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصّل تبصرہ کیا گیا ہے، اور اُن کے کلام کی تمام ادبی خوبیان دکھلائی گئی ہین، پھر اُن کی شاعری کے اہم موضوعون یعنی فلسفہ خودی، فلسفۂ بیخودی، نظریۂ ملیت تعلیم، سیاست، صنفِ لطیف (یعنی عورت) فنونِ لطیفہ اور نظام اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، مرتبہ مولانا عبد السلام ندوی، ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت: [illegible]

"منیجر"

بزمِ تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہل قلم تھا، ہمایون نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اُٹھا، جہانگیر نے ادب و انشاء کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء اور فضلاء کو سیم و زر مین تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشاپردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، تیموری دور کے آخری بادشاہون نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے عروسِ سخن کے گیسو سنوارے تیموری شہزادون اور شہزادیون نے بھی علم و ادب کی محفلین سجائین، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء نے شاہانہ سرپرستی مین گوناگون کمالات دکھائے، ان سب کی تفصیل مذکورۂ بالا کتاب مین ملاحظہ فرمائیے، مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے۔ قیمت: معہ

"منیجر"

(پرنٹر و پبلشر صدیق احمد)

رجسٹرڈ نمبر ۱۸۱۱ اگست سنہ ۱۹۴۹ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

و

شاہ معین الدین احمد ندوی

قیمت:- چھ روپیے سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

دار المصنفین کے سلسلۂ تاریخ اسلام کو بڑا حسن قبول حاصل ہوا، علمی و تعلیمی اداروں نے خصوصیت کے ساتھ اس کی قدر دانی کی بعض یونیورسٹیوں نے اس کو اسلامی تاریخ کے نصاب میں داخل کر لیا، اس لئے چند برسوں کے اندر تقریباً اس کے سب حصے ختم ہو گئے جن کے دوسرے اڈیشن مزید اصلاح و ترمیم اور اضافوں کے ساتھ چھپ کر تیار ہو گئے ہیں اور بعض زیر طباعت ہیں، اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے،

تاریخ اسلام حصۂ اوّل

(عہد رسالت و خلافت راشدہ)

یعنی آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی، سیاسی تمدنی اور علمی تاریخ، ضخامت ۹۵ صفحے، قیمت: ستے ر

تاریخ اسلام حصۂ دوم

(بنو امیہ)

یعنی اموی سلطنت کی صد سالہ سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ کی تفصیل،

ضخامت ۳۶۳ صفحے،

قیمت سے ر

تاریخ اسلام حصۂ سوم

(بنی عباس اوّل)

یعنی ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ ۷۵۰ء سے ابو اسحاق متقی اللہ ۳۳۳ھ ۹۴۴ء تک دو صدیوں کی سیاسی تاریخ، (زیر طبع)

تاریخ اسلام جلد چہارم

(بنی عباس دوم)

یعنی مستکفی باللہ کے عہد سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ، ضخامت:- ۳۴۲ صفحے

قیمت:- صہ ر

"منیجر"

جلد ۶۴ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۸ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۹ء عدد ۲

مضامین

شذرات — شاہ معین الدین احمد ندوی — ۸۲ - ۸۴

مقالات

حضرت ایوب علیہ السلام — مولانا ابوالجلال ندوی رفیق دار المصنفین — ۸۵ - ۱۰۳

اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے — مولانا عبد السلام ندوی — ۱۰۴ - ۱۲۵

منصورہ کے حکام اور اُن کے سکے — جناب مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی — ۱۲۶ - ۱۳۴

اصلاحاتِ اقبال — جناب محمد بشیر الحق صاحب دیسنوی عظیم آبادی — ۱۳۵ - ۱۵۴

ادبیات

انقلاب — جناب سید محمود حسن صاحب قیصر امروہوی — ۱۵۵ - ۱۵۶

غزل — جناب ڈاکٹر محمد عزیر صاحب لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ — ۱۵۶

مطبوعاتِ جدیدہ — "م" — ۱۵۷ - ۱۶۰

شذرات
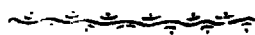
یادش بخیر ٹنڈن جی نے ادھر چند دنون سے کلام مجید کی جانب توجہ کی ہے اور اس کے متعلق ایک تمیز دہلی اور حال مین بلند شہر کی ایک تقریر مین اظہارِ خیال فرمایا ہے جس مین انھون نے مصطفےٰ کمال کی جانب منسوب اس قول کو سراہا ہے، کہ "تیرہ سو سال پرانی کتاب اس زمانہ مین کام نہین دے سکتی"، اور کلام مجید کو بھی ان مذہبی کتابون مین شامل کیا ہی جو انسانون کی بنائی ہوئی ہین جن سے غلطیان ممکن ہین اور کلام مجید کی خوبی کے اعتراف کے باوجود اس کے ان مقامات مین ان کو انسانی ہمدردی کی سچی خوبصورتی مین کمی نظر آتی ہی جہان انکے خیال کے مطابق کافرون سے نفرت کی تبلیغ ہے، (نیشنل ہیرلڈ، ۶ راگست) ان مین سے ہر چیز قابل بحث ہے، اولاً مصطفےٰ کمال کی جانب منسوب قول کی نسبت کی صحت کی کوئی دلیل نہین، اور اگر بالفرض اس کو صحیح مان بھی لیا جائے، تو اسکی حیثیت خرافات سے زیادہ نہین، قرآن کے بارہ مین مصطفےٰ کمال کیا اُن سے بھی بڑے کسی انسان کی رائے کی کیا وقعت ہو سکتی ہی، غالباً ٹنڈن جی کو یہ سُن کر دکھ ہوگا کہ اب انہی مصطفےٰ کمال کے وطن مین حکومت کی جانب سے اسی تیرہ سو سال پرانی کتاب کی تعلیمات کو زندہ کرنے کی کوشش ہو رہی ہی، ٹنڈن جی کے ذاتی خیال سے بحث نہین لیکن ہر مسلمان کا یہ عقیدہ اور ایمان ہی کہ قرآن انسان کی نہین بلکہ خدا کی بنائی ہوئی کتاب ہی، جو اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ مسلمان نہین نفرت پھیلانے کا مفہوم و مقصد بھی بحث طلب ہے،

اسلام اور قرآن مجید کا سب سے بڑا اور بنیادی مقصد توحید کی تعلیم ہی جس مین خدا کی وحدانیت کے اقرار کے ساتھ سارے فضائل اخلاق پر عمل داخل ہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہی کہ مین مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہون، گویا توحید ایک تخم ہی جس مین مکارمِ اخلاق کے سارے برگ و بار پنہان ہین، ان پر عمل کے بغیر توحید کی تکمیل نہین ہوتی،

اس کے مقابلہ مین کفر نام ہی خدا اور اس کے احکام کے انکار، شرک اور اُن سے پیدا شدہ رذائل کا، اور دنیا مین کسی نیکی اور بھلائی کی تعلیم و تبلیغ اس کی ضد کی بُرائی ظاہر کئے بغیر نہین ہوسکتی، جب سچائی، اخلاص، دیانت یا اور اس قبیل کی کسی چیز کی تعلیم دیجائیگی تو جھوٹ، نفاق اور خیانت وغیرہ کی خرابی بھی ظاہر کیجائیگی، اس قسم کی بُرائی یا مذمت سے دنیا کی کوئی تعلیم و تبلیغ بھی خالی نہین ہی اور بُرائی اور اُسمین مبتلا انسان کی مذمت مین کوئی فرق نہین، اگر چوری بُری چیز ہی تو چور کو بُرا کہنے مین کیا قباحت ہی، قرآن نے اس سے زیادہ اور کچھ نہین کیا ہی کہ کفر اور شرک کیساتھ اس پر اڑے رہنے والون کی مذمت کی ہی، اگر اسکو نفرت سے تعبیر کیا جاسکتا ہی تو ایسی نفرت کو دنیا کا کوئی اخلاقی ضابطہ قابلِ اعتراض نہین کہہ سکتا، ورنہ پھر کسی بُرائی کی اصلاح ہی نہین ہوسکتی، اگر نہایت پست سیاسی مقاصد کے لئے انسانون مین نفرت پھیلانا خدمتِ وطن کہا جاسکتا ہی تو دین و ملت اور حق و صداقت اور عالم انسانیت کی فلاح کے لئے بُرے انسانون کے خلاف نفرت پھیلانا کیون بُرا ہے،

یہ تو ہمارا خود ساختہ مفروضہ ہی کہ ایسی نفرت بھی سچی انسانی ہمدردی کی خوبصورتی کے خلاف ہی، بُرائیون مین مبتلا انسانون کی سچی ہمدردی تو یہ ہو کہ اُن کی اصلاح کے لئے اُن بُرائیون کی خرابیان برملا ظاہر کیجائین، اور جو لوگ اس سے باز نہ آئین اُنکی مذمت کیجائے، ورنہ اگر ٹنڈن جی کی مفروضہ انسانی ہمدردی کی خوبصورتی کا لحاظ رکھا جائے تو خرابیون کی اصلاح ہی ممکن نہین ہی، درحقیقت ٹنڈن جی کو کفر و شرک یا کفار و مشرکین کی مذمت اس لئے قابلِ اعتراض نظر آئی اور انھون نے اسکو نفرت سے تعبیر کیا ہی کہ انھون نے کفار و مشرکین سے مراد موجودہ زمانہ کے غیر مسلمون کو لے لیا ہی، جو صحیح نہین ہی، قرآن کی دعوت توحید کے مخاطب تو بلاشبہہ ہر زمانہ کے منکرین خدا اور مشرکین ہین لیکن جن کفار کے خلاف نفرت کی تبلیغ پر اُن کو اعتراض ہی اس سے مراد عرب کے وہ کفار ہین جو اسلام اور مسلمانون کے دشمن اور اُن کے مٹانے کے درپے تھے اور تبلیغ اسلام مین رکاوٹین ڈالتے تھے، اس کے باوجود قرآن نے ان دشمنانِ اسلام کے ساتھ بھی جادۂ اعتدال پر قائم رہنے کا حکم دیا ہی کہ کسی قوم کی دشمنی کے سبب سے انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل پر قائم رہو، اگر وہ صلح و آشتی کے لئے آمادہ ہون تو تم بھی اس کا جواب صلح و آشتی سے دو، اس سے زیادہ انسانی ہمدردی کی سچی خوبصورتی اور کیا ہوسکتی ہے،

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس مسلمانون کا پرانا ادارہ ہی، اور ایک زمانہ مین اُن کی مفید تعلیمی خدمات انجام دے چکا ہی،

لیکن ادھر عرصہ سے بے جان تھا، اب اسکی جدید تنظیم عمل میں آئی ہے اور اسکی جانب سے امداد کے لئے اپیل شائع ہوئی ہے، مسلمانوں کی موجودہ ضروریات کے پیش نظر اس ادارہ کا بقا ضروری ہے اسلئے انکو اسکے لائف ممبر یا معاون خاص و عام بنکر جس کی فیس علی الترتیب ۱۲۵، ایک مشت یا دس اور پانچ روپیے سالانہ ہے اس کی مدد کرنا چاہئے اور ادارہ کا فرض ہے کہ وہ کاغذی تجویزوں اور رزولیشنوں کے بجائے تعلیمی کاموں میں عملی جد و جہد کو کام میں لائے،

اس وقت سب سے زیادہ اہم مسئلہ مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم کا ہے، ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلٹیوں کے پرائمری اسکول خالص "ودیا مندر" ہیں جن کا مقصد ہندو تہذیب و تمدن کا احیا ہے، اس لئے ان کا نصاب، طریقہ تعلیم اور ماحول سب اسی کے مطابق ہے، ان میں مسلمانوں کی ضروریات کا مطلق کوئی لحاظ نہیں، زبان تمامتر ہندی ہے، تاریخ، جغرافیہ اور حساب وغیرہ فنون کے نام تک بدل دیئے گئے ہیں، اس کی ریڈروں میں ہندوؤں کے قصص و حکایات کے علاوہ مسلمانوں کی تاریخ و روایات کا کہیں گذر نہیں، ان کو پڑھکر مسلمان بچوں کا کیا انجام ہوگا، مسلمانوں کے جن مکاتب کی گورنمنٹ مدد کرتی ہے ان میں بھی مذکورہ بالا نصاب پڑھانا ضروری ہے، البتہ نصاب کے علاوہ دوسری کتابیں بھی پڑھائی جاسکتی ہیں لیکن ایسی کتابیں ہر جگہ نہیں ملتیں، اس بارہ میں گورنمنٹ سے کسی قسم کی توقع رکھنا سخت نادانی ہے، زبانی وعدوں کا کوئی اعتبار، اسکی طے شدہ پالیسی کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا، جمعیۃ العلماء نے ابتدائی تعلیم کو اپنے پروگرام میں رکھا ہے، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس جدید تنظیم میں جمعیۃ سے قریب ہوگئی ہے اس لئے ان دونوں کو مل کر اس کام کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہئے اور اس کے لئے پوری تنظیم کے ساتھ عملی جد و جہد کو کام میں لانا چاہئے اگر ابتدائی تعلیم کا مسئلہ حل نہ ہو سکا تو چند پشتوں میں مسلمان مسلمان باقی نہ رہیں گے اس شمع گر کردنی است چارۂ مجنوں کنوں کنید،

حضرت الاستاذ مدظلہ ایک مرتبہ حج بیت اللہ کے شرف سے مشرف ہو چکے ہیں اس سال دوسری مرتبہ مع اہل و عیال حج و زیارت کا ارادہ رکھتے ہیں ان سطور کی اشاعت کے وقت سفر کا آغاز ہو گیا ہوگا، اللہ تعالیٰ حج مبرور عطا فرمائے اور بخیر و عافیت واپس لائے،

مقالات

حضرت ایوب علیہ السلام

از

مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

"مولانا ابو الجلال صاحب ندوی اعلام القرآن کے نام سے جو کتاب لکھ رہے ہین اسکے بعض ٹکڑے معارف مین چھپ چکے ہین، ان کو اہلِ علم نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اسلئے آج اس کی ایک اور قسط ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔"

سورۂ نسار مین چند پیغمبرون کے نام لے کر خدا نے فرمایا کہ ہم نے آپ پر بھی اسی طرح وحی نازل کی ہے جس طرح فلان فلان انبیا پر وحی نازل کی تھی، ان پیغمبرون مین سے ایک حضرت ایوب علیہ السلام ہین، اُن کا ذکر سورۂ انعام مین بھی ان پیغمبرون کے ذکر کے ساتھ وارد ہے جن کی بابت خدا نے فرمایا کہ

"یہ وہ لوگ ہین جن کو خدا نے ہدایت دی تھی، تم بھی اُن کی رہنمائی کی اقتدا کرو"

سورۂ انبیار اور سورہ صاد مین حضرت ایوبؑ کی زندگی کے کچھ واقعات مذکور ہین، ان دونون سورتون کو ملا کر بھی اُن کی زندگی کا پورا حال نہین معلوم ہوتا، قصہ کے اندر واقعات کی خلا ئین تفراتی ہین جن کو روایت سے پر کرنے مین بے حد احتیاط کی ضرورت ہے،

سورۂ صاد مین خدا نے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ کفار جو باتین بولتے ہین اُن پر صبر کرو،

پھر حضرت داؤدؑ وغیرہ چند انبیاء کا جن میں سے ایک حضرت ایوبؑ ہیں، تذکرہ سنا کر یہ بتانے کا حکم دیا کہ

كل من الاخيار — سب کے سب بھلے لوگ تھے،

پھر بُروں اور بھلوں کا انجام بتا کر فرمایا کہ جہنم میں شریر لوگ ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ

مالنا لا نرى رجالا كنا نعدهم — ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہم اُن مردوں کو

من الاشرار اتخذناهم سخريا — نہیں دیکھ رہے ہیں، جن کو ہم اشرار سمجھتے

ام زاغت عنهم الابصار — تھے، کیا واقعی ہمارا قول مذاق ہی تھا یا

ان کو دیکھنے سے ہماری آنکھیں پھر رہی ہیں

اس سے ظاہر ہے کہ سورۂ صاد کی آیتیں اس لئے اُتریں کہ کچھ کفار نے حضرت ایوبؑ وغیرہ کو اشرار اور اہلِ نار میں سے بتایا تھا، ان کفار کو حضرت ایوبؑ کا قصہ معلوم تھا، اس قصہ میں کچھ باتیں قابلِ اصلاح تھیں، قرآن میں خدا نے پورا قصہ دہرانے کی بجائے صرف قابلِ اصلاح اجزاء کی اصلاح پر اکتفا کیا ہے،

بائبل میں ایک کتاب سفرِ ایوب ہے، مفسرین نے قصۂ ایوب میں جو روایتیں نقل کی ہیں، اُن کا بڑا حصہ اسی کتاب سے ماخوذ نظر آتا ہے، اس لئے ہم مفسروں کی روایتوں کے بدلے اسی کتاب کو سامنے رکھ کر اُن کا وہ قصہ معلوم کریں گے جس کی قرآن مجید نے اصلاح کی ہے،

سفرِ ایوب | سفرِ ایوب ۴۲ ابواب کا مجموعہ ہے، اس کتاب کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ پر بہت بڑی مصیبت آئی، اُن کے تین دوست اُن کی عیادت کو آئے، اُن کی آمد کے بعد حضرت ایوبؑ نے اپنی مصیبت کا دکھڑا اُن کو سُنایا، اُن دوستوں کا خیال یہ تھا کہ خدا کا قہر بے سبب نہیں ہو سکتا، ضرور حضرت ایوبؑ سے دانستہ یا نادانستہ خدا کا گناہ سرزد ہوا ہے، یہ احباب اُن کو سمجھانے لگے کہ خدا کی تنبیہ سے اثر لو، اور اپنی بُرائی کو دور کرو، حضرت ایوبؑ کو اپنی بے گناہی کا پورا یقین تھا، ان کا خیال یہ تھا کہ ایسی مصیبتیں بُروں ہی پر نہیں، بلکہ اچھوں پر بھی آتی ہیں، اس پر حضرت ایوبؑ اور اُن کے دوستوں میں بحثیں ہوئیں، بالآخر ان بحثوں کا

فیصلہ خود خدانے یہ فرمایا کہ حضرت ایوبؑ کی باتین ان سے بحث کرنے والون سے زیادہ حق بجانب تھین،

سفر ایوب کو تین حصّون پر تقسیم کیا جاسکتا ہے،

۱- باب ۱ تا ۲ ۔ ۳۱ ۔ حضرت ایوبؑ کے تین دوستون کی حضرت ایوبؑ کے ساتھ بحث اور ۳۸ تا ۴۲ : ۶ خدا کا فیصلہ، یہ حصّہ نظم ہے،

۲- باب ۱ ، باب ۴۲ : ۷ تا ۱۷ یہ حصہ نثر ہے، اس کا مؤلف کوئی اور ہے جس نے کتاب کا مقدمہ اور تتمہ لکھا ہے،

۳- باب ۳۲ تا ۳۷، ایک چوتھے شخص الیہو کا کلام ہے، جس نے حضرت ایوبؑ کو یہ کہنے پر سخت ملامت کی کہ "مین پاک ہون گناہ سے مبرا ہون مجھ مین بدی نہین ہے" اور بڑی بلاغت کے ساتھ اُن کو گناہ گار ثابت کرنے کی کوشش کین یہ حصہ بھی نظم ہے، مگر مقدمہ اور تتمہ لکھنے والے نے اس شخص کا ذکر نہین کیا ہے، اس کو بعد کا اضافہ قرار دیا جاسکتا ہے،

سورہ صاد کے نزول کے پیشتر جن لوگون نے حضرت ایوبؑ کو اشرار مین سے بتایا تھا، وہ الیہو کے کلام پر یقین رکھتے تھے، انہی کی تردید کے لئے خدا نے سورۂ صاد مین فرمایا

"لوگ جو باتین بولتے ہین اس پر صبر کرو ...... (۲ : ۳)

اور ہمارے بندہ ایوب کا ذکر کرو .... (۱۰۴) وہ اچھا بندہ تھا (۴۰،۴)

ترجمۂ اسم | سورۂ صاد مین حضرت ایوبؑ وغیرہ کو اخیار مین سے بتانے کے بعد خدا نے کفار کی بابت جو یہ کہا ہے کہ یہ لوگ باہم جہنم مین ایک دوسرے سے پوچھین گے کہ بات کیا ہے جو ہم کو وہ مرد نہین دکھائی دیتے ہین جن کو ہم اشرار خیال کرتے تھے، اس سے ظاہر ہے کہ کفار آپ کو جہنم کا حقدار بھی بتاتے تھے ان کے اس خیال کی بنیاد بھی ہم کو سفر ایوب مین ملتی ہے، حضرت ایوبؑ کا یہ نام عبرانی لفظ اعیبہ (دشمنی) سے مشتق ہے، اُدیب کے معنی ہین دشمن، چنانچہ سفر ایوب کا مؤلف ایک موقع پر حضرت ایوبؑ کی زبان

پھر حضرت داؤدؑ وغیرہ چند انبیاء کا جن میں سے ایک حضرت ایوبؑ ہیں، تذکرہ سنا کر یہ بتانے کا حکم دیا کہ

وکل من الاخیار — سب کے سب بھلے لوگ تھے،

پھر بُروں اور بھلوں کا انجام بتا کر فرمایا کہ جہنم میں شریر لوگ ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ

ما لنا لا نری رجالا کنا نعدھم	ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہم اُن مردوں کو
من الاشرار اتخذناھم سخریا	نہیں دیکھ رہے ہیں، جن کو ہم اشرار سمجھتے
ام زاغت عنھم الابصار	تھے، کیا واقعی ہمارا قول مذاق ہی تھا یا
	ان کو دیکھنے سے ہماری آنکھیں پھر رہی ہیں

اس سے ظاہر ہے کہ سورۂ صاد کی آیتیں اس لئے اُتریں کہ کچھ کفار نے حضرت ایوبؑ وغیرہ کو اشرار اور اہلِ نار میں سے بتایا تھا، ان کفار کو حضرت ایوبؑ کا قصہ معلوم تھا، اس قصہ میں کچھ باتیں قابلِ اصلاح تھیں، قرآن میں خدا نے پورا قصہ دہرانے کی بجائے صرف قابلِ اصلاح اجزاء کی اصلاح پر اکتفا کیا ہے،

بائبل میں ایک کتاب سفرِ ایوب ہے، مفسرین نے قصہ ایوب میں جو روایتیں نقل کی ہیں، اُن کا بڑا حصہ اسی کتاب سے ماخوذ نظر آتا ہے، اس لئے ہم مفسروں کی روایتوں کے بدلے اسی کتاب کو سامنے رکھ کر اُن کا وہ قصہ معلوم کریں گے جس کی قرآن مجید نے اصلاح کی ہے،

سفرِ ایوب | سفرِ ایوب ۴۲ ابواب کا مجموعہ ہے، اس کتاب کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ پر بپتا پڑی اُن کے تین دوست اُن کی عیادت کو آئے، اُن کی آمد کے بعد حضرت ایوبؑ نے اپنی مصیبت کا دکھڑا اُن کو سنایا، ان دوستوں کا خیال یہ تھا کہ خدا کا قہر بے سبب نہیں ہو سکتا، ضرور حضرت ایوبؑ سے دانستہ یا نادانستہ خدا کا گناہ سرزد ہوا ہے، یہ احباب اُن کو سمجھانے لگے کہ خدا کی تنبیہ سے اثر لو، اور اپنی بُرائی کو دور کرو، حضرت ایوبؑ کو اپنی بے گناہی کا پورا یقین تھا، ان کا خیال یہ تھا کہ ایسی مصیبتیں بُروں ہی پر نہیں، بلکہ اچھوں پر بھی آتی ہیں، اس پر حضرت ایوبؑ اور اُن کے دوستوں میں بحثیں ہوئیں، بالآخر ان بحثوں کا

فیصلہ خود خدا نے یہ فرمایا کہ حضرت ایوبؑ کی باتیں ان سے بحث کرنے والوں سے زیادہ حق بجانب تھیں۔

سفر ایوب کو تین حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے،

۱۔ باب ۱ لغایت ۳۱ ۔ حضرت ایوبؑ کے تین دوستوں کی حضرت ایوبؑ کے ساتھ بحث اور

۳۸:۱ تا ۴۲:۶ خدا کا فیصلہ، یہ حصہ نظم ہے،

۲۔ باب ۱، ۲ باب ۴۲: ۹ تا ۱۷، یہ حصہ نثر ہے، اس کا مؤلف کوئی اور ہے جس نے کتاب کا مقدمہ

اور تتمہ لکھا ہے،

۳۔ باب ۳۲ تا ۳۷، ایک چوتھے شخص الیہو کا کلام ہے، جس نے حضرت ایوبؑ کو یہ کہنے پر سخت

ملامت کی کہ "میں پاک ہوں گناہ سے مبرا ہوں مجھ میں بدی نہیں ہے"، اور بڑی بلاغت کے ساتھ اُن کو

گناہ گار ثابت کرنے کی کوشش کی، یہ حصہ بھی نظم ہے، مگر مقدمہ اور تتمہ لکھنے والے نے اس شخص کا ذکر

نہیں کیا ہے، اس کو بعد کا اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے،

سورہ صاد کے نزول کے پیشتر جن لوگوں نے حضرت ایوبؑ کو اشرار میں سے بتایا تھا، وہ الیہو کے

کلام پر یقین رکھتے تھے، انہی کی تردید کے لئے خدا نے سورۂ صاد میں فرمایا

" لوگ جو باتیں بولتے ہیں اس پر صبر کرو ...... (۲:۲)

اور ہمارے بندہ ایوب کا ذکر کرو .... (۱۴) وہ اچھا بندہ تھا (۲۰۲)

ترجمۂ اسم | سورۂ صاد میں حضرت ایوبؑ وغیرہ کو اخیار میں سے بتانے کے بعد خدا نے کفار کی بابت

جو یہ کہا ہے کہ یہ لوگ باہم جہنم میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ بات کیا ہے جو ہم کو وہ مرد نہیں دکھائی

دیتے ہیں جن کو ہم اشرار خیال کرتے تھے، اس سے ظاہر ہے کہ کفار آپ کو جہنم کا حقدار بھی بتاتے تھے، ان

کے اس خیال کی بنیاد بھی ہم کو سفر ایوب میں ملتی ہے ؛ حضرت ایوبؑ کا یہ نام عبرانی لفظ اییہ (دشمنی)

سے مشتق ہے، اُدیب کے معنی ہیں دشمن، چنانچہ سفر ایوب کا مؤلف ایک موقع پر حضرت ایوبؑ کی زبان

سے کہتا ہے،

لما فنیك تستیر وتحسبنی لاویب — تو اپنا چہرہ کیون چھپاتا ہے، اور مجھ
لك (۱۳-۲۴) — اپنا دشمن جانتا ہے،

اُیُوب اور ایُّوب کے معنی ہین "وہ جس کے ساتھ دشمنی برتی گئی" کفار کا خیال تھا کہ ان کو ایوب اس لئے کہا گیا کہ خدا ان کا دشمن تھا، مگر لفظ ایوب کا ایک مفہوم ستم رسیدہ بھی ہے، قرآن مین ایک جگہ حضرت ایوبؑ کا قول مذکور ہے کہ انی مسنی الضر اس کا عبرانی ترجمہ اتو کی ایوب ہو سکتا ہے، حضرت ایوبؑ کی وجہ تسمیہ یہی ہے،

عقیدۂ اشرار | جن اشرار نے حضرت ایوبؑ کو منجملہ اشرار اور مستحق نار بتایا تھا، ان کے خیال کی ایک بنیاد یہ بھی ہے، کہ سفر ایوب کے مؤلف نے حضرت ایوبؑ کی زبان سے یہ بھی کہا ہے کہ

"اپنا ہاتھ اٹھا اور مجھ سے الگ رہ کہ مین فدا دم لیلون، اس سے پہلے کہ مین صلموت اور تاریکی کے دیس مین جاؤن اس دیس مین جہان تاریکی اور صلموت ہے، اور جہان کی روشنی بھی تاریکی کی سی ہے (ایوب ۱۰: ۲۱ و ۲۲)

صلموت اگر ایک لفظ ہے تو عربی "ظلمات" کا مرادف ہے، ورنہ ظلِ موت (موت کی چھاون) کا مرادف ہے، صلموت سے حضرت ایوبؑ کی مراد عدم آباد ہے، لیکن اللات کی بحث مین ہم بتا چکے ہین کہ مشرکین کے تصور مین ظلمات کا دیس وہی چیز تھا جس کو ہم جہنم کہتے ہین، سفر ایوب کی ان باتون کی بنا پر کفار نے حضرت ایوبؑ کی شان مین گستاخی کی تھی، اس لئے سورۂ صاد مین خدا نے کفار کی باتون کو صبر سے سن کر حضرت ایوبؑ وغیرہ کا ٹھیک ٹھیک ذکر سنانے کا حکم دیا،

قرآن مین خدا نے چونکہ حضرت ایوبؑ کا پورا قصہ نہین بیان کیا ہے، صرف چند مختصر فقرے اس قسم کے نازل فرمائے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے قصہ مین جس قدر قابلِ اصلاح باتین تھیں انہی

کی اصلاح پر خدا نے اکتفا کرکے یہ حکم دیا، ہو کہ حضرت ایوبؑ کا ٹھیک ٹھیک قصہ سنا دو، اس لئے قرآنی آیتون کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اُن کے قصہ کی قدیم شکل سامنے رکھ کر قرآن پر غور کیا جائے،

روایت قدیم سفر ایوب کے اس حصۂ نظم سے جس مین حضرت ایوبؑ اور اُن کے دوستون کی بحث مذکور ہے، حضرت ایوبؑ کی بابت حسب ذیل باتین معلوم ہوتی ہین،

۱- ایک زمانہ مین وہ اپنی قوم کے اندر حاکمانہ شان رکھتے تھے، چنانچہ سفر ایوب کا ناظم اُن کی زبان سے بولتا ہے،

"کاش مین ایسا ہوتا جیسا پچھلی تاریخون[۱] مین تھا (۲۹ : ۲) جب مین اپنے قدم دودھ سے دھوتا تھا، ...... جب مین شہر سے ہو کر پھاٹک کی عدالت گاہ کو جاتا، اور چوک مین اپنی کرسی رکھتا تھا، تو جوان مجھے دیکھ کر چھپ جاتے تھے، بوڑھے کھڑے ہو جاتے تھے، رئیس بولنے سے باز رہتے تھے، اور اپنے ہاتھ اپنے سینون پر رکھتے تھے، امراء چپ ہو جاتے تھے، اور اُن کی زبانین تالو سے لگ جاتی تھین (۲۹ : ۷-۱۰) صداقت میرا لباس تھی عدالت میرا پردہ تھی، انصاف میرا عمامہ تھا، مین اندھون کی آنکھین تھا، لنگڑون کے پاؤن تھا، (۲۹ : ۱۴) مین نے بے انصاف کے داڑھ توڑے اور لوٹ کا مال اس کے دانتون سے نکال لیا (۲۹ - ۱۷) مین اُن کے لئے راہ چنتا تھا، سرداری کرتا تھا، اور لشکرون مین بادشاہ کی طرح رہتا تھا، اس کی طرح جو کہ غمگینون کو تسلی دیتا ہے (۲۹ : ۲۵)

---

[۱] عبرانی لفظ یاریحون بمعنی مہینون، تاریخ کو بعض لوگ مورخ سے اور مورخ کو فارسی لفظ ماہ و روز سے مشتق مانتے ہین، یہ ویسا ہی اشتقاق ہے، جیسا ڈیکوریشن کو دیکھو رے شان بتانا، دراصل لفظ تاریخ قدیم عبرانی لفظ یاریخ تھا،

"مین رحم کے اندر ہی مرکیون نہ گیا، پیٹ سے نکلتے ہی مین نے جان کھو دی ہوتی، (۳: ۱۱)

تاکہ اب تک چپ چاپ پڑا رہتا، سوتا رہتا، آرام کرتا ہوتا، بادشاہون اور مشیران ملک

کے ساتھ جنھون نے اپنے لئے خرابات بنوائے، (۳: ۱۲)

۲۔ پھر حضرت ایوبؑ پر کچھ ایسی افتاد پڑی کہ سفر ایوب کا ناظم حضرت ایوبؑ کی زبان سے کہتا ہو؛

"مین اُن پر ہنستا تھا اگر وہ نڈر نہ ہوتے تھے، میرے چہرے کا نور گرانہ دیتے تھے، (۲۹: ۲۴)

اب تو چھوٹے چھوٹے بچے بھی مجھ سے ٹھٹول کرتے ہین، (۳۰: ۱)

۳۔ یہ حالت اس لئے ہو گئی تھی کہ اُن کی حکومت جاتی رہی چنانچہ ناظم مباحثہ حضرت ایوبؑ کی

زبان سے کہتا ہے،

"زین شہریدون کے ہاتھ مین چھوڑ دی گئی (۹: ۲۴) نئی نئی فوجین مجھ پر چڑھ آئین (۱۰: ۱۷)

خدانے مجھے بے انصافون کے حوالہ کیا، اور بے دینون کے ہاتھ میں ڈال دیا ہو (۱۶: ۱۱)

اس کے تیر اندازون نے مجھے گھیرا (۱۶: ۱۲) اس نے مجھے شکست پر شکست دیکے توڑا، (۱۶: ۱۴)

۴۔ یہ مصیبت تو تھی ہی، اس پر اضافہ یہ ہوا کہ اس نے میرے بھائیون کو مجھ سے دور کیا، میرے

ہمدم بیگانے ہو گئے، میرے رشتہ دار مجھ سے دور ہو گئے، (۱۹: ۱۳) خداوندا تو نے میرا سارا خاندان

برباد کر دیا ہے، (۱۶: ۷)

(۵) حکومت گئی، اقربا بچھڑے، بے دینون کے قبضہ مین گرفتار ہو گئے، ان مصائب پر ایک

چوتھی مصیبت کا اضافہ ہوا، وہ یہ کہ ان کا بدن بگڑ گیا، چنانچہ حضرت ایوبؑ کی زبان سے ناظم کہتا ہو؛

لبش بشری رمه وجیش عوفر	میرا بدن کیڑون سے اور خاک کے ڈھیلون
عوری ماجع دیماهر (۷: ۵)	سے ملتبس ہو، میرا چمڑا سمٹتا ہو اور پھٹتا ہو؛

۱؎ عبرانی حروف بجنسہ مراد مقرر ہے،

۷- ان تمام مصیبتوں پر غم بالائے غم ان کو یہ تھا کہ

لعبدی قراتی ولا یعنہ بفوفی اتحنن	میں نے اپنے چاکر کو پکارا اس نے جواب
لو روحی زارہ لا شتی وحنوتی لبنو بطنی	نہ دیا، میں نے اپنی زبان سے اس کی منت
(۱۹: ۱۷)	کی، میری جان سے میری جورو کو، اور میری
	منت سے میرے پیٹ کے بیٹوں کو نفرت ہو'

یہ ہے حضرت ایوبؑ کے حالات کا خلاصہ جو حضرت ایوبؑ اوران کے دوستوں کی اس گفتگو سے ماخوذ ہے، جسے سفر ایوب کے ناظم نے بیان کیا ہے، شارحین جس نے مقدمہ اور ترجمہ لکھا ہے، اس کا بیان یہ ہے، کہ حضرت ایوبؑ سرزمین عوص کے باشندے تھے، اور بنی قدم میں سب سے زیادہ معزز تھے لیکن ایک دن شیطان چند اور بنی الوہیم کے ساتھ خدا کے دربار میں حاضر ہوا، خدا نے اس کے سامنے تعریف کی کہ دنیا بھر میں ایوب جیسا نام (کامل) یاسر (راستباز) یا ربی الوہیم (خدا ترس) اور سر مرع (متقی) نہیں ہے، شیطان نے ان کو آزمانے کی اجازت مانگی، جو مل گئی، تب اس نے ایوب پر آفتیں نازل کیں

حصہ نظم کے مؤلف کے بیان کے مطابق حضرت ایوبؑ پر دشمنوں نے حملہ کیا تھا، مقدمہ نویس ان حملہ آوروں کو اہل سبا اور کسدی لوگ قرار دے کر ڈاکو بتاتا ہے'

حصہ نظم کے مؤلف کے بیان کے مطابق حضرت ایوبؑ کا بدن بگڑ گیا تھا، اس کی وجہ مقدمہ نویس یہ بتاتا ہے کہ شیطان نے ایوب کو مارا، ایسا کہ تلوے سے چاندی تک اُن کے بدن میں جلتے پھوڑے نکل آئے (۲: ۷)

ناظم کے بیان کے مطابق حضرت ایوبؑ کی بی بی اُن سے نفرت کرنے لگی تھیں، مقدمہ نویس کا بیان ہے کہ اُن کی بی بی نے کہا،

عدک محزیق بتو متک جارک	اب تک تو اپنے دین پر قائم ہے، خدا کو
الوھم وموت	سلام[1] بول اور مرجا (۲: ۹)

---

[1] لفظی ترجمہ تبارک بول محل کلام بتاتا ہے، کہ مراد اس سے ناتا توڑلے،

حضرت ایوبؑ نے اسے یہ کہہ کر ڈانٹ دیا کہ تو ایک بے وقوف عورت کی طرح بولی، کیا ہم خدا کی نعمتوں کو تو قبول کریں اور اس کی بدی کو قبول نہ کریں"،

مقدمہ نویس نے ان مصائب پر جن کا ذکر ناظم نے کیا ہے، دو مصیبتوں کا اور اضافہ کیا ہے اور وہ یہ ہے :-

۱- آسمان سے آگ برسی، سارے نوکر چاکر جل مرے،

۲- آندھی سے گھر گرا، حضرت ایوبؑ کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں دب مریں،

آخر میں نظم نقل کرنے کے بعد تتمہ نویس لکھتا ہے کہ حضرت ایوبؑ اور اُن کے دوستوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی، اس کے بعد خدا نے حضرت ایوبؑ پر نوازش فرمائی، اُن کے سب بھائی بہن اور جان پہچان اُن سے آملے، خدا نے اُن کو پہلے سے زیادہ دولت مند بنا دیا، اور پھر سے اُن کو سات بیٹے اور تین بیٹیاں عطا کیں،

یہ ہے قصۂ ایوب جو ان لوگوں کے پیش نظر رہا ہوگا، جن کے حضرت ایوبؑ وغیرہ کو اسرائیلی کہنے کی بنا پر سورہ صاد کی آیتیں اتریں، اسی قصہ کی بعض باتوں کی خدا نے قرآن میں اصلاح فرمائی ہے،

قرآنی فیصلے | ہم نے ابھی بتایا ہے کہ سفر ایوب کے حصۂ نظم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوبؑ ایک مُلک میں حاکمانہ شان رکھتے تھے، اس کی تصدیق صاف لفظوں میں تو نہیں مگر اشارۃً قرآن مجید بھی کرتا ہے، چنانچہ سورۂ انعام میں حضرت ابراہیمؑ کے ذکر کے بعد خدا نے فرمایا :-

ووھبنا لہ اسحاق ویعقوب کلا	اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا
ھدینا ونوحا ھدینا من قبل و	کئے، ہر ایک کو ہدایت دی، پہلے نوح کو
من ذریتہ داؤد وسلیمان و	ہدایت دی تھی، اور ان کی ذریت میں
ایوب ویوسف وموسیٰ وھارون	سے (۱) داؤد اور سلیمان، اور ایوب اور

وکذٰلک نجزی المحسنین و زکریا	یوسف اور موسیٰ اور ہارون (دیئے) اور
ویحییٰ وعیسیٰ والیاس وکل من	بھلے کام کرنے والون کو ہم یون جزا دیتے
الصالحین ،	ہین اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس
	اور ان مین سے ہر ایک صالح تھا ،
واسمٰعیل والیسع ویونس ولوطا	اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور
وکلاً فضّلنا علی العٰلمین	لوط (دیئے) اور ہر ایک کو سارے جہان
(انعام ۱۰)	پر فضیلت بخشی .

ان آیتون مین حضرت نوح کے علاوہ جن کے نام کے ساتھ (من قبل) کا لفظ بڑھا کر خدا نے اُن کو حضرت ابراہیم ؑ سے قدیم بتایا ہے . باقی تمام افراد حضرت ابراہیم ؑ کے بعد گذرے ، ترتیب ذکر ان کی تاریخی نہین ہے . حضرت نوح ؑ سے پہلے جن دو پیغمبرون کا ذکر کیا ہے . وہ آج یہان بستے تھے اور کل وہان ، اُن کے بعد جن پیغمبرون کے نام ہین ، وہ مستقل شہرون اور بستیون کے باشندے تھے ، ان کو تین گروہون مین تقسیم کیا گیا ہے ،

گروہ اوّل مین سے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ بنی اسرائیل کے مشہور بادشاہ تھے ، اُن کے بادشاہ ہونے کا ذکر بائبل اور قرآن مین بصراحت وارد ہے ، حضرت یوسف ؑ کے باب مین اتنا کہنا کافی ہے ، کہ وہ خدا کا شکر کرتے تھے کہ

"رب آتیتنی من الملک . (یوسف) خدایا تونے مجھے بادشاہی عطا کی ہے ،

حضرت ہارون حضرت موسیٰ ؑ کے وزیر یعنی اُن کے کامون مین اُن کا ہاتھ بٹانے والے تھے ، حضرت موسیٰ کی بابت سفر تثنیہ مین ہے ،

" وہ یسورون مین بادشاہ تھا ، جب قوم کے سردار اکٹھے ، اور اسرائیل کے اسباط

ایک تھے، (تثنیہ ۳۲: ۵)

یسورون بنی اسرائیل کا قدیم لقب ہے (یشعیاہ ۴۴: ۲) اس لفظ کے معنی ہیں راستباز لوگ،
گروہ دوم کے سارے پیغمبر وہ ہیں، جو دوسرے بادشاہوں کے ماتحت محکومانہ زندگی بسر
کرتے تھے،

گروہ سوم میں سے حضرت اسماعیلؑ اور حضرت لوطؑ نہ خود بادشاہ تھے، نہ کسی بادشاہ کی
رعایا، حضرت الیاسؑ اور حضرت الیسعؑ اپنے زمانہ کے بادشاہوں کے مخالف اور ان کے باغی تھے، ان
کی بابت بھی کہا جاسکتا ہے، کہ وہ نہ حاکم تھے اور نہ محکوم، حضرت یونسؑ جس شہر کے باشندوں کی اصلاح
پر مامور ہوئے، اس کے نہ وہ خود بادشاہ تھے، اور نہ وہاں کے بادشاہ کی رعایا تھے، الغرض حضرت
نوحؑ کے بعد جن پیغمبروں کا ذکر ہے، ان کو خدا نے تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے،

۱۔ ملوک وامرا،

۲۔ محکوم رسل

۳۔ ایسے رسل جو نہ حاکم تھے نہ محکوم،

حضرت ایوبؑ کا ذکر گروہ اول میں ہے، اس لئے ہم ان آیتوں کو ایوب باب ۲۹ کے مضمون
کی تصدیق باور کرتے ہیں،

خاندان ایوب | سورۂ انعام کی ان آیتوں میں حضرت نوحؑ کے ذکر کے بعد جن انبیاء کے نام ہیں
اُن میں سے حضرت لوطؑ حضرت ایوبؑ اور حضرت یونسؑ کے علاوہ سب کے سب بنی ابراہیم میں سے
ہیں، خدا نے حضرت نوحؑ کے نام کے بعد اُن کے ذکر سے پہلے "ومن ذریتہ" اس لئے بڑھایا ہے کہ
کہ سب کو ذریت ابراہیم نہ سمجھ لیا جائے، تاہم سب کے سب حضرت ابراہیم کے لئے بمنزلہ ذریت ہو گئے تھے،
کیونکہ ان سب کا ذکر اس دین کی تفضیل کے طور پر آیا ہے، جس سے خدا نے حضرت ابراہیم کو نوازا تھا،

حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے، اس لئے وہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے بمنزلہ ذریت تھے، سورۂ بقرہ میں ایک جگہ (   ) فرزندان یعقوب کی زبان سے آبائے یعقوب میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ کے ساتھ حضرت اسماعیلؑ کا ذکر بھی آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان دنوں کے محاورہ کے مطابق آباء میں عمام بھی داخل تھے، جس طرح حضرت اسماعیلؑ کا شمار آبائے یعقوب میں رہا تھا، اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کو بھی آبائے لوط میں شمار کیا جا سکتا ہے، حضرت ایوبؑ اور حضرت یونسؑ کا نسب بحث طلب ہے، لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ یہ دونوں بھی اگر حضرت ابراہیمؑ کی اولاد نہیں تو قرابتمند بمنزلۂ اولاد ضرور تھے،

حاکم نے حضرت سمرہ بن جندبؓ سے کعب بن مالک کے ایک قول کی تخریج کی ہے، جس میں حضرت ایوبؑ کے والد بزرگوار کا نام اموص وارد ہے، اس کے بعد محمد بن اسحاق کا ایک قول نقل کیا ہے، کہ ان کو وہب بن منبہ کا ارشاد ایک غیر متہم کے توسط سے معلوم ہوا، کہ وہ تھے ایوب بن اموص ابن زارح بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم (ج ۲ ص ۵۸۱) طبری نے بھی ابن اسحاق کے اس قول کو نقل کیا ہے، مگر طبری میں اموص کی بجائے موص چھپا ہے، (   ) اموص اصل میں موص تھا، یہ نام عوص کی تصحیف ہے، حضرت ایوبؑ کو ابن عوص کہا جاتا تھا، لیکن عوص اُن کے باپ کا نام نہ تھا، بلکہ سفر ایوب میں ہے کہ وہ سرزمین عوص کے باشندے تھے، (۱:۱) پرانے زمانہ میں ایک مقام کو باشندے کو اس مقام کا فرزند کہا جاتا تھا، چنانچہ سفر ایوب میں باشندگان قدم کے معنی میں بنی قدم کا لفظ آیا ہے، (۱:۳) اس کی اور مثالیں بھی ہیں، حضرت ایوب کو باشندہ عوص ہونے کی وجہ سے ابن عوص کہا جاتا تھا، اس لئے نسب نامہ سے یہ نام حذف کر دینا چاہئے، طبری نے ابن اسحاق کا قول نقل کرنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ ابن اسحاق کے علاوہ دوسری روایات میں موص کے باپ کا نام زارح بن عیص کی بجائے رعویل ابن عیص ہے، توراۃ میں زارح کو رعوایل کا اور ان کو عیسو کا بیٹا بتایا گیا ہے، اس لئے ہم یقین کرنے میں

کہ وہب بن منبہ نے ایوب بن موص کو زارح بن رعوائل بن عیص کا بیٹا بتایا تھا، موص کا نام حذف کرنے کے بعد حضرت ایوبؑ کا پورا نسب نامہ یون بن جاتا ہے کہ

ایوب بن زارح بن رعوائل بن عیسو،

اس نسب نامہ کو صحیح مان لینے کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام توراتی یوبب بن زارح (تکوین ۳۶: ۳۳) یا اُن کے حقیقی بھائی تھے، فارسٹر نے ایک سریانی تفسیر کے عربی ترجمہ کا حوالہ دیکر حضرت ایوبؑ کو یوبب قرار دیا ہے، یوبب بن زارح ان آٹھ بادشاہون مین سے دوسرے بادشاہ تھے جنھون نے ادوم کے علاقہ مین بنی اسرائیل کے درمیان کسی بادشاہ کے برپا ہونے سے پہلے حکومت کی تھی (تکوین ۳۶: ۳۱)

اس نسب نامہ کی صحت کی صورت مین جس کے غلط ہونے کی کوئی وجہ نہین ہے، حضرت ایوبؑ صرف آلِ اسحاق سے تھے، بلکہ آلِ اسماعیل سے بھی تھے، کیونکہ رعوائل کی ماں کا نام بشامہ تھا، (تکوین ۳۶: ۱۱) اور یہ حضرت اسماعیلؑ کی بیٹی تھین (تکوین ۳۶: ۳)

طبری نے لکھا ہے کہ

"بعض کا قول ہے کہ وہ تھے ایوب بن موص رعوائل اور ان کے باپ ان میں سے تھے جو حضرت ابراہیمؑ پر اس دن ایمان لائے تھے، جس دن اُن کو نمرود نے آگ میں ڈالا تھا" (طبری)

یہ قول ہمارے نزدیک دو وجہون سے ناقابلِ قبول ہے، ایک تو یہ ہے کہ اس قول کے مطابق حضرت ایوبؑ الیفز تیمانی کے معاصر نہین ثابت ہوتے جن کا ذکر سفر ایوب مین ہے، دوسری یہ ہے کہ اس قول کے مطابق وہ حضرت ابراہیمؑ کی ذریت یا قرابت دار بمنزلہ ذریت نہین ثابت ہوتے، حالانکہ آیاتِ انعام مین اس کی طرف صریح اشارہ ہے کہ وہ حضرت یعقوبؑ جیسے نہین تو حضرت لوطؑ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قرابت مند ضرور تھے،

طبری نے ایک قول غیاث بن ابراہیم کا نقل کیا ہے کہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی ماں لوط کی بیٹی تھین اور ان کی جورو لیاہ بنت یعقوب تھین،

یہ قول بھی قابل تردید ہے، اس قول کے مطابق حضرت ایوبؑ الیفز تیمانی سے صدیون قبل کے آدمی ثابت ہوتے ہین، علاوہ بریں تورات کے مطابق لیاہ حضرت یعقوبؑ کی بی بی حضرت یہوداہ کی ماں اور حضرت یوسفؑ کی خالہ تھین، اور حضرت لوطؑ کے دو ہی نواسے تھے، مواب اور عمون،

حضرت ایوبؑ کا زمانہ | صحیح نسب نامہ وہی ہے جو وہب بن منبہ نے بیان کیا اس نسب نامہ کے مطابق حضرت ایوبؑ اور الیفز تیمانی ہم عصر ثابت ہو سکتے ہین، دونون کا نسب نامہ حسب ذیل ہے،

ابراہیم ۲۱۰۰ق م

اسماعیل ۲۰۰۰ق م ——— اسحاق ۲۰۰۰ق م

بشامہ زوجہ عیسو ——— یعقوب ۱۹۵۰ق م

رعوایل | الیفز | یہوداہ | یوسف ۱۷۹۰ق م

زارح | تیمن | فارض | افرائیم قبل ۱۷۰۰ق م

ایوب | الیفز | حصرون

رام
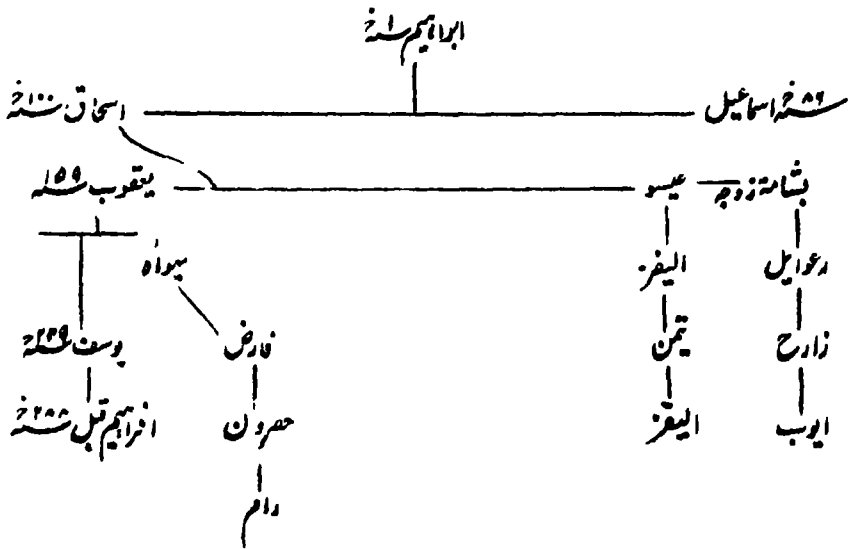
محمد بن جریر طبری نے تاریخ الرسل والملوک مین حضرت ایوبؑ اور حضرت شعیبؑ کا ذکر حضرت یوسفؑ سے پہلے کیا ہے، اور لکھا ہے،

"ہم نے ان کی خبر اور قصہ کو یوسف علیہ السلام کی خبر اور قصہ پر پہلے اسلئے بیان کیا ہے کہ ذکر کیا جاتا ہے، وہ حضرت یعقوب والد یوسف کے زمانہ مین تھے،

حاکم نے مستدرک مین لکھا ہے کہ لوگون نے حضرت ایوبؑ کے زمانہ بعثت مین اختلاف کیا ہے

وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ وہ فرزندان ابراہیم سے تھے، یوسف کے بعد...... محمد بن جریر نے ذکر کیا کہ وہ شعیب کے پہلے تھے، ابوبکر بن ابی خیثمہ نے اس بات کو ترجیح دیا ہے کہ ان کا زمانہ حضرت سلیمانؑ کے بعد تھا،

ہمارے نزدیک مرجح قول وہب بن منبہ کا ہے، ابوبکر بن ابی خیثمہ کے قول کی بنیاد یہ ہے کہ انعام، انبیاء، اور ص میں حضرت ایوب کا ذکر حضرت سلیمانؑ کے بعد آیا ہے، اس لئے اکثر لوگ حضرت سلیمانؑ کے بعد اُن کے خیال اور ذکر کے عادی تھے، لیکن ان سورتوں میں انبیاء کا ذکر تاریخی ترتیب سے نہیں آیا ہے؛

انعام کی آیتوں کے بارے میں بتایا جا چکا کہ خدا نے ترتیب ذکر میں اُن کی نوعیتوں کا لحاظ رکھا ہے اور اُن کو چار مجموعوں میں تقسیم کیا، مجموعۂ اول میں دو پیغمبر ہیں جو یک مقامی نہ تھے، مجموعۂ دوم میں وہ انبیاء مذکور ہیں، جو ملوک یا امراء تھے، اس مجموعہ کی ترتیب اس حقیقت پر مبنی ہے جس کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ ان کو حضرت ابراہیم کے حق میں جزائے احسان بتایا ہے، اور وہ حقیقت میں ان کا ملوک ہونا ہے، ترتیب میں اُن کے حاکمانہ اقتدار کے پیمانوں کا لحاظ ہے، مجموعۂ سوم میں صالحیت کے لحاظ سے اور مجموعہ چہارم میں سارے جہان پر فضیلت کی ترتیب مرعی رکھ کر حضرت الیاسؑ، اور حضرت لوطؑ کے تاریخی مقامات بدل دیئے،

سورۂ انبیاء میں انبیاء کے محامد مذکور ہیں، اور ترتیب میں محامد کا لحاظ رکھا گیا ہے؛

سورۂ صاد کی بابت بتایا گیا ہے، کہ کفار کے چند انبیاء کو اشرار کہنے کی بناپر اسی سورہ میں اُن کے تذکرے آئے، اس سورہ میں ۹ انبیاء کا ذکر ہے،

۱۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت ایوب کے قصوں میں سے چند واقعات دہرائے گئے ہیں

۲۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی بابت قصہ سُنائے بغیر اُن کو برگزیدہ اخیار میں سے بتایا، اس جگہ اتفاق کی بات یہ ہے کہ برگزیدگی کی ترتیب اور تاریخی ترتیب ایک ہے؛

۳۔ حضرت اسماعیلؑ حضرت الیسعؑ اور حضرت ذوالکفل برگزیدہ اخیار" کہنے کی جگہ صرف انبیا کہا کیونکہ مجموعۂ دوم کے انبیاء کا درجہ ان سے بلند تھا، اس مجموعہ کی ترتیب میں بھی ان انبیا کے مدارج خیر و خوبی کا لحاظ ہے اتفاق کی بات ہے کہ تاریخی ترتیب بھی یہی ہے۔

مجموعۂ اول کی ترتیب میں کفار کے اقوال کی ترتیب کا لحاظ کیا گیا ہے، اور جس پر جتنا زیادہ سخت اعتراض تھا اتنا ہی قبل اس کا ذکر کیا گیا ہے، حضرت داؤدؑ پر قصہ اوریا کی بنا پر اخلاقی اتہام کیا جاتا تھا جس کی قرآن کریم نے اپنے طرز بیان سے اصلاح کی ہے، حضرت سلیمانؑ پر جیسا کہ سورۂ بقر کی آیت وما کفر سلیمان، سے ظاہر ہے کہ کفر کا الزام تھا، حضرت ایوبؑ کو جس دلیل سے شریر کیا جاتا تھا وہ یہ تھی،

"خدا سچے آدمیوں کو رد نہیں کرتا (ایوب ۸: ۲۰) تو نے میرے سنتے ہوئے کہا میں نے تیری آواز سنی جو یہ باتیں کہتی تھیں کہ میں پاک ہوں، گناہ سے بری ہوں، صاف ہوں مجھ میں بدی نہیں، (ایوب ۳۳: ۹) کیا کوئی شخص اپنی زاد و گوئی سے بے گناہ ٹھہرے گا، (۱۱: ۲) خیال کر کیا کوئی بے گناہ ہوتے ہوئے ہلاک ہوا ہے، صادق کہاں مارے گئے، (۴: ۷)

ان پر کوئی متعین اعتراض نہ تھا، صرف اُن کے مصائب کو اس بات کی دلیل قرار دیا جاتا تھا کہ ضرور اُن سے کوئی خطا ہوئی ہے، اس لئے اعتراض کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت ایوبؑ کا ذکر حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے بعد آیا ہے، حضرت ایوبؑ الضغر بتمانی کے معاصر تھے جو حضرت سلیمانؑ کے مورث اعلیٰ رام کے ہم پشت تھے جن کا زمانہ حضرت موسیٰؑ سے بہت پہلے گذرا ہے،

جن لوگوں نے حضرت ایوبؑ کو حضرت یوسفؑ سے قرار دیا ہے، ان کے قول کی بنیاد وہ روایتیں ہیں جن کو ہم مسترد کر چکے ہیں، حضرت ایوبؑ کا ذکر انعام، انبیاء، ص کے علاوہ سورہ نسا میں بھی ہے

جس کے تذکرہ سے ہم نے اس مضمون کی ابتدا کی ہے، اس آیت میں بھی کئی انبیاء کے نام ہیں، اس کی ترتیب ذکر پر بھی غور کر لینا ضروری ہے،

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح	ہم نے تم پر وحی اتاری جس طرح نوح
والنبیین من بعدہ واوحینا الی	اور ان کے بعد کے پیغمبروں اور ابراہیم
ابراھیم واسمٰعیل واسحاق	اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب
ویعقوب والاسباط وعیسٰی	اور اسباط، اور عیسٰی اور ایوب اور یونس
وایوب ویونس وھارون و	اور ہارون اور سلیمان پر وحی اتاری تھی
سلیمان وآتینا داؤد زبوراہ	اور داؤد کو زبور دیا تھا، نیز چند رسولوں
ورسلا قد قصصناھم علیک	کو جن کے قصے ہم نے تم کو سنائے، اور
من قبل ورسلا لم نقصصھم	کچھ رسولوں کے قصے ہم نے تم کو نہیں
علیک وکلم اللہ موسیٰ تکلیما	سنائے، اور اللہ نے موسیٰ کے ساتھ[1]

اس آیت میں چند کے سوا باقی انبیا کے نام تاریخی ترتیب سے ہیں، اصل موضوع یہ بتانا ہے کہ آپ پر بھی خدا نے انہی طرق سے وحی اتاری جن طرق سے ان انبیا پر اتاری، حضرت موسیٰ کا ذکر تاریخی ترتیب کے مطابق حضرت ہارونؑ کے قریب ہونا چاہئے، لیکن ان کا ذکر موخر کر دیا، وجہ تاخیر نوعیت وحی کی اہمیت ہے اس اہمیت کو سمجھنے کے لئے ہم کو توراۃ پر نظر کرنی چاہئے، سفر عدد کے مولف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مریمؑ اور حضرت ہارونؑ نے کہا کیا خداوند نے موسیٰ ہی سے باتیں کی ہیں، اور ہم سے نہیں کی ہیں؟ خدا نے یہ بات سنی اور فرمایا کہ اگر تم میں کوئی نبی ہو تو

بھراہ الا یدا تودع بحلوم ادبر بو	رویا میں اس پر نمودار ہوتا ہوں خواب
لا کین عبدی موسیٰ لکل شیئی	میں اس سے بولتا ہوں، لیکن میرا بندہ

[1] لفظی ترجمہ ایسا نہیں ہے،

نشن هوا- فی ال فی اُذ بر بود
م اله وكلا بجيل وت وتمونت
يهوه ييط (عدد ۱۲: ۶ تا ۸)

موسیٰ میرے سارے گھرانے مین منہ
سے منہ تک اس سے باتین کرتا ہون،
نیز رویا مین مگر رمز و کنایہ مین نہین اور
وہ خدا کی شبیہ دیکھتا ہے،

قرآن کریم نے ایک دوسرے موقع پر شبیہ دیکھنے کے قصہ کی تردید کی ہے، جو جامع عدد کا شارحانہ اضافہ ہے، جن لوگون کے قول کی بدولت یہ توراتی آیت اُتری تھی، ان مین ہم حضرت ہارونؑ کو باور نہین کرتے لیکن جس قول کی وجہ سے یہ آیت اُتری تھی، اسمین حضرت ہارونؑ کا لفظاً نہین معناً ذکر ضرور تھا، چونکہ حضرت ہارونؑ پر جس طریق سے وحی اترتی تھی، وہ اس طریق سے مختلف تھی جس سے حضرت موسیٰؑ پر اترتی تھی، اس لئے حضرت موسیٰؑ کے ذکر کو اُن کے طریق وحی کے اوضح ہونے کی بنا پر حضرت ہارون کے قریب سے ہٹا دیا، اور اہمیت کا خیال کرکے اسے موخر کر دیا۔

حضرت ہارونؑ پر جس طریقہ سے وحی اترتی تھی، اس کا توراتی نام حیدوت ہے، جس کا لغوی ترجمہ "رمز" یا اشارہ ہے، قرآن مین حضرت زکریاؑ کی بابت مذکور ہے کہ خدا نے جب اُن کو یحییٰ کی بشارت دی تو انھون نے درخواست کی کہ اے میرے رب! میرے لئے ایک نشان مقرر کردے، خدا نے فرمایا،

آیتک الا تکلم الناس ثلاثة ایام الا رمزا، (عمران - ۴)

اس کے بعد انھون نے بطریق رمز اپنے لوگون کو حکم دیا کہ

سبحوا بکرۃ وعشیا۔ (غ - مریم)

اس امر بطریق رمز کا ذکر خدا نے ایک موقع پر یون فرمایا ہے کہ

فاوحیٰ الیھم (ع ا - مریم)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی اصطلاح مین اوحی کا مطلب وہی ہے جو توراتی بولی مین

وَیدا پر بچیں وت" کا لفظ ادا کرتا ہے،

انبیا پر عالم رویا اور عالم بیداری دونوں میں تین طریقوں سے وحی اترتی ہے،

۱۔ کبھی ایسا ہوتا... کہ وہ نہ آواز سنتے نہ تحریر دیکھتے بلکہ پُرسرار طریقہ پر کلام الٰہی اُن کے دل مین اترجاتا، یہی وحی ہے،

۲۔ کبھی وہ کانون سے کلام سنتے پھر کچھ عرض کرتے، اور اس کا جواب پاتے، یہ ہے تکلّم من ورآء حجاب ہے،

۳۔ کبھی عالم رویا یا عالم بیداری مین اُن کو زُبر (مٹی، پتھر یا دھات کی لوحون پر لکھی ہوئی عبارتین نظر آتی تھین، اس طریق وحی کا نام آیتاے زبور" ہے، حضرت داؤدؑ کا نام تاریخی ترتیب کے مطابق حضرت سلیمانؑ سے قبل ہونا چاہئے تھا لیکن چونکہ یہ طریق وحی جیدوت سے افضل اور تکلّم سے فروتر تھا، اس لئے ان کا نام سلیمان و موسیٰ کے درمیان رکھا گیا،

حضرت یونسؑ کا نام حضرت سلیمانؑ کے بعد ہونا چاہئے تھا لیکن اُن کا نام حضرت ایوبؑ کے بعد ہے، یہ تقریباً حضرت ایوبؑ کے ہم قسمت تھے، انھون نے بھی اپنے دکھ مین حضرت ایوبؑ کی طرح خدا کو پکارا تھا۔ دونون کی پکار مین جو فرق تھا، اس کا لحاظ کرکے حضرت یونسؑ کا نام حضرت ایوبؑ کے بعد رکھا، کیونکہ دونون کے صبر و عزم مین ایسا ہی فرق تھا، حضرت عیسیٰؑ کا نام سب کے آخر مین ہونا چاہئے تھا، مگر یہ بھی حضرت ایوبؑ کے ہم قسمت تھے، حضرت ایوبؑ کو بے دینون کے حوالہ کیا گیا تھا (ایوب ۱۶: ۱۱) حضرت عیسیٰؑ پر بھی کچھ ایسی ہی گذری، صبر و رضا مین حضرت مسیح کا درجہ حضرت ایوب سے اس لئے بلند تھا کہ وہ دشمن سے محبت رکھتے تھے، ان کے درجۂ صبر کا لحاظ کرکے خدا نے ان کا ذکر حضرت ایوبؑ سے مقدم کیا، غالباً حضرت عیسیٰؑ حضرت ایوبؑ اور حضرت یونسؑ پر جس طرح وحی اترتی تھی وہ طریق بھی بہت زیادہ یکسان تھا،

حضرت عیسیٰ اور حضرت یونس کے ناموں کی تاریخی جگہیں بدلنے کی وجہ ظاہر ہے، حضرت ایوب کا نام جس جگہ ہے، وہ ان کی تاریخی جگہ ہے، وہ اسباط یعنی فرزندان یعقوب کے بعد اور حضرت ہارون سے پہلے گذرے، وہب بن منبہ کے قول کے مطابق یہی ان کا تاریخی مقام ہے،

ہم نے حضرت ایوب اور اُن کے دوست الیفز کا جو شجرہ دیا ہے، اس میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کے سنین پیدائش بھی دیئے ہیں، جناب عقروب اور افرائیم بن یوسف ۲۳۱ خلیل سے پہلے پیدا ہو چکے تھے، تقریباً یہی زمانہ ولادت حضرت ایوب کا فرض کیا جا سکتا ہے، وہ اسباط کے بعد مبعوث ہوئے، اسباط میں سے ایک حضرت یوسف تھے جنھوں نے ۱۱۰ برس کی عمر میں وفات پائی، ان کا سال وفات ۳۵۵ خلیل ہے، اسی سال کو حضرت ایوب کا سال بعثت قرار دیا جائے، تو چونکہ اُن کی عمر ۱۴۰ برس بتائی جاتی ہے (ایوب ۴۲) جس میں سے ۷۰ برس پہلے گذر چکے ہوں گے، اس لئے حضرت ایوب کا زمانہ ۳۵۵ خلیل تا ۴۲۵ خلیل قرار دیا جا سکتا ہے، اُن کی وفات کا زمانہ ولادت موسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ۲۰۰ برس پہلے فرض کیا جا سکتا ہے، سفر ایوب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب پر جن ایام میں آفتیں نازل ہوئیں، اس وقت تک وہ وحی والہام سے مشرف نہیں ہوئے تھے، خدا نے ان کو وحی والہام سے اس وقت نوازا جب وہ امتحان و آزمایش میں پورے اترلیے،

اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے
رفاہ عام کے کام

از

مولانا عبد السّلام صاحب ندوی

"مسلمانون نے اپنے عہد حکومت مین ہندوستان کو تمدنی حیثیت سے جس قدر ترقی دی، اور اس صحرا کو جس طرح گلستان بنایا، اس کے آثار و مظاہر سے اگرچہ ہندوستان کا کوئی حصہ اور ہندوستانی تمدن کی کوئی شاخ بھی خالی نہین ہے، پھر بھی اس دور کے بہت سے تمدنی کارنامے صرف تاریخ کے صفحات مین ملتے ہین، اگرچہ علامہ شبلی اور بعض دوسرے اہل علم و اصحاب قلم نے اردو اور انگریزی مین اس کے مختلف پہلوؤن پر مضامین اور کتابین لکھی ہین، لیکن اس موضوع پر اب تک کوئی جامع کتاب نہین لکھی گئی ہے، اور ابھی اس کے بہت سے رُخ نگاہون کے سامنے نہین آئے ہین، دارالمصنفین مین تاریخ ہند کے سلسلہ مین ایک جلد ہندوستان مین اسلامی تمدن کی تاریخ پر بھی لکھی جارہی ہے، اس مین ان سب کی پوری تفصیل ہوگی، آج جب کہ ہندوستان کے پرانے تمدن کے زندہ کرنے کا شور ہے، اس کتاب کے جستہ جستہ ٹکڑے پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس نمبر مین اس کی پہلی قسط شائع کیجاتی ہے۔ "م"

تمدن کے ضروری اجزار مین چند چیزین ایسی ہین، جن سے تمام مخلوق یکسان طور پر فائدہ اٹھاتی ہو،

اور اس مین امیر و غریب، ہندو اور مسلمان کی کوئی تفریق نہین ہوتی، انھی چیزون کو رفاہِ عام سے تعلق ہوتا ہے، اور مسلمانون نے اپنے دورِ حکومت مین رعایا کے آرام و آسایش کے لئے ہندوستان مین نہایت وسیع پیمانے پر تمدن کے ان ضروری اجزاء کو ترقی دی، چنانچہ ان سب کی تفصیل یہ ہے:

شفاخانہ اسلامی عہدِ حکومت مین سب سے پہلے فیروز شاہ تغلق نے جو ۷۵۲ھ مین تختِ سلطنت پر بیٹھا تھا، ایک بہت بڑا شفاخانہ جس کو صحت خانہ بھی کہتے تھے، قائم کیا، اور اس مین بہت سے طبیب، جراح اور کحال مقرر کئے، مریضون کی دوا اور غذا کا انتظام کیا، اور شفاخانے کے مصارف کے لئے بہت سے دیہات وقف کئے،[1]

تاریخ فیروز شاہی مین صرف اسی ایک شفاخانہ کا حال لکھا ہے، لیکن تاریخ فرشتہ مین ہے کہ فیروز شاہ نے پانچ شفاخانے قائم کئے تھے،[2]

اس کے بعد سلطان علاؤ الدین بن سلطان احمد شاہ بہمنی المتوفی ۸۶۵ھ نے احمد آباد بیدر مین ایک نہایت عمدہ شفاخانہ قائم کیا اور مریضون کی دوا و غذا کے مصارف کے لئے اس پر چند گاؤن وقف کئے،[3]

تاریخ دکن مین لکھا ہے کہ سلطان علاء الدین پہلا شخص تھا جس نے دکن کے شہرون مین شفاخانے قائم کئے، اور اطباء کی تنخواہ اور دوا کے مصارف کا انتظام سرکاری خزانہ سے کیا،[4]

اسی صدی مین سلطان محمود خلجی نے جو ۸۳۹ھ مین یعنی سلطان علاء الدین کی تخت نشینی کے چند ہی سال بعد مالوہ کے تختِ سلطنت پر بیٹھا تھا، ۸۴۹ھ مین شادی آباد مین ایک شفاخانہ قائم کیا، اور دوا اور دوسرے ضروری سامان کے لئے اس پر چند گاؤن وقف کئے، اور حکیم مولانا

---

[1] تاریخ فیروز شاہی حصہ دوم از ص ۳۵۲ تا ص ۳۵۹ [2] فرشتہ جلد اول ص ۱۵۱ [3] ایضاً جلد اول ص ۳۴۳ [4] تاریخ دکن ص ۸۰،

غسل افتہ کو مریضون اور مجنونون کے علاج و نگرانی کے لئے مقرر کیا[۱]،

ان بادشاہون کے بعد سلاطین تیموریہ مین سب سے پہلے جہانگیر نے شفاخانون کے قیام کی طرف توجہ کی، اور اپنی تخت نشینی کے ساتھ ہی جو احکام جاری کئے، ان مین نوان حکم یہ تھا،

" نہم در شہرہاے کلان دار الشفاہا ساختہ اطبا بجہت معالجہ بیماران تعین نمایند وانچہ صرف وخرچ می شدہ باشد از سرکار خالصہ شریفہ می دادہ باشند"[۲]

اس کے علاوہ دور اکبری و جہانگیری مین ایک مشہور طبیب حکیم علی تھے، جو ذاتی طور پر تقریباً ۶ ہزار سالانہ کی دوائین مستحقین کو تقسیم کرتے تھے[۳]،

جہانگیر کے بعد شاہجہان کا دور حکومت شروع ہوا تو گو اُس نے خود کوئی جدید شفاخانہ نہین قائم کیا، لیکن امراے شاہجہانی مین وزیر خان نے جو سات سال سے زیادہ مدت تک پنجاب کے صوبہ دار رہے، اپنی یادگار مین جو آثار خیر چھوڑے، ان مین شفاخانے بھی تھے[۴]،

عالمگیر کے زمانہ مین بھی متعدد شفاخانے قائم تھے، اگرچہ تاریخون مین اس کا مفصل حال نہ کور نہین ہے، تاہم جابجا ضمنی طور پر ان کا تذکرہ آجاتا ہے، مثلاً مرآۃ احمدی مین ایک موقع پر لکھا ہے،

" ویک ہزار و پانصدو ہشتاد روپیہ بموجب برآورد بنابر ترمیم مدرسہ، مسجد و حمام و دار الشفاے بنا کردہ سیف خان تنخواہ گردید"[۵]،

اسی کتاب مین ایک دوسرے موقع پر لکھا ہے،

" وخدمت دار الشفاے بلدہ از تغیر حکیم محمد تقی شیرازی بحکیم رضی الدین مقرر گشت"[۶]

---

[۱] فرشتہ جلد دوم ص ۴۸۰ [۲] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۵ [۳] مآثر الامراء حصہ اول ص ۵۶۳، ۵۶۴ [۴] ایضاً حصہ سوم ص ۹۳۶ - [۵] مرآت احمدی جلد اول ص ۳۰۹ [۶] ص ۳۶۵،

عالمگیر کو چونکہ بہ خاص خیال تھا کہ تمام سرکاری کام نہایت دیانت اور ایمانداری کے ساتھ انجام پائین، اس لئے اُس نے ایک بار ایک سوانح نگار اور شفاخانے کے ایک طبیب کو جو ان اوصاف سے معرا تھے، برطرف کر دیا، ملا اسعد اللہ نے جو بندر سورت مین رہتے تھے، اور عالمگیر کو اُن کے ساتھ اس قدر عقیدت تھی کہ وہ جن لوگون کی سفارش کرتے تھے، اُن کو ضرور قبول کرتا تھا، اور خود اپنے ہاتھ سے ان کے خطوط کا جواب لکھتا تھا، ان دونون کی بحالی کی سفارش کی، اور عالمگیر نے ان کی سفارش سے اُن کو بحال کر دیا تاہم اس کی عقیدت مین بہت کچھ فرق آگیا، پہلے اُن کے خطوط کا جواب خود اپنے ہاتھ سے لکھا کرتا تھا، لیکن اس معاملہ مین اہلکارون سے خط لکھوایا کہ آپ جیسے فاضل فقیر اور پرہیزگار کو صرف فقراء و علماء کی سفارش کرنی چاہئے، یہ ظالم لوگ ہین، اور ظالمون کی اعانت ممنوع ہے، بہرحال اس دن سے اُن کے خطوط کا جواب اپنے ہاتھ سے لکھنا کم کر دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کو اور تمام محکمون کی طرح شفاخانون کے انتظام کا کس قدر خیال تھا،[1]

سرائے اسلامی دور حکومت مین سب سے پہلے سلطان محمد تغلق شاہ کے زمانہ مین جو ۷۲۵ھ مین تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، سرایون کا پتہ چلتا ہے، جب اس کے عہد مین فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، تو اس نے ایک ایسے شہر کو دارالسلطنت بنانا چاہا، جو دائرے کے ساتھ مرکز کی نسبت رکھتا ہو، تاکہ وہان ممالک محروسہ کی تمام بُری بھلی خبرین یکسان طور پر پہنچتی رہین، اور اگر کوئی حادثہ یا کوئی مرض پیدا ہو جائے، تو اس کا تدارک و علاج آسانی کے ساتھ کیا جا سکے، راجہ بکرماجیت نے اوجین کو جو وسط ہند مین واقع ہے، اسی غرض سے اپنا دارالسلطنت بنایا تھا، اور سلطان محمد تغلق شاہ

---

[1] خافی خان جلد دوم ص ۱۱۴ و ۶۰۵،

فضل اللہ کو مریضون اور مجنونون کے علاج ونگرانی کے لئے مقرر کیا،[۵۱]

ان بادشاہون کے بعد سلاطین تیموریہ مین سب سے پہلے جہانگیر نے شفاخانون کے قیام کی طرف توجہ کی، اور اپنی تخت نشینی کے ساتھ ہی جو احکام جاری کئے، ان مین نوان حکم یہ تھا،

"نہم در شہرہاے کلان دار الشفاہا ساختہ اطبا بجہت معالجہ بیماران تعین نمایند وانچہ صرف وخرچ می شدہ باشد از سرکار خالصہ شریفہ می دادہ باشند"[۵۲]

اس کے علاوہ دور اکبری وجہانگیری مین ایک مشہور طبیب حکیم علی تھے، جو ذاتی طور پر تقریباً ۶ ہزار سالانہ کی دوائین مستحقین کو تقسیم کرتے تھے،[۵۳]

جہانگیر کے بعد شاہجہان کا دور حکومت شروع ہوا تو گو اُس نے خود کوئی جدید شفاخانہ نہین قائم کیا لیکن امراے شاہجہانی مین وزیر خان نے جو سات سال سے زیادہ مدت تک پنجاب کے صوبہ دار رہے، اپنی یادگار مین جو آثار خیر چھوڑے، ان مین شفاخانے بھی تھے،[۵۴]

عالمگیر کے زمانہ مین بھی متعدد شفاخانے قائم تھے، اگرچہ تاریخون مین اس کا مفصل حال مذکور نہین ہے تاہم جابجا ضمنی طور پر ان کا تذکرہ آجاتا ہے، مثلاً مراۃ احمدی مین ایک موقع پر لکھا ہے،

"ویک ہزار وپانصد وہشتاد روپیہ بموجب برآورد بنا بر ترمیم مدرسہ، مسجد وحمام ودار الشفاے بنا کردہ سیف خان تنخواہ گردید"[۵۵]

اسی کتاب مین ایک دوسرے موقع پر لکھا ہے،

"وخدمت دار الشفاے بلدہ از تغیر حکیم محمد تقی شیرازی بحکیم رضی الدین مقرر گشت"[۵۶]

---

[۵۱] فرشتہ جلد دوم ص ۴۴۰ [۵۲] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۵ [۵۳] مآثر الامرا حصہ اول ص ۵۶۳ [۵۴] ایضاً حصہ سوم ص ۹۳۶ [۵۵] مراۃ احمدی جلد اول ص ۳۰۹ [۵۶] ایضاً ص ۳۰۵،

عالمگیر کو چونکہ یہ خاص خیال تھا کہ تمام سرکاری کام نہایت دیانت اور ایمانداری کے ساتھ انجام پائین، اس لئے اُس نے ایک بار ایک سوانح نگار اور شفاخانے کے ایک طبیب کو جو ان اوصاف سے معرا تھے، برطرف کردیا، ملا اسعد اللہ نے جو بلند سورت مین رہتے تھے، اور عالمگیر کو اُن کے ساتھ اس قدر عقیدت تھی کہ وہ جن لوگون کی سفارش کرتے تھے، اُن کو ضرور قبول کرتا تھا، اور خود اپنے ہاتھ سے ان کے خطوط کا جواب لکھتا تھا، ان دونون کی بحالی کی سفارش کی، اور عالمگیر نے ان کی سفارش سے اُن کو بحال کردیا تاہم اس کی عقیدت مین بہت کچھ فرق آگیا، پہلے اُن کے خطوط کا جواب خود اپنے ہاتھ سے لکھا کرتا تھا لیکن اس معاملہ مین اہلکارون سے خط لکھوایا کہ آپ جیسے فاضل فقیر اور پرہیزگار کو صرف فقرا، وعلما، کی سفارش کرنی چاہئے، یہ ظالم لوگ ہین، اور ظالمون کی اعانت ممنوع ہے، بہرحال اس دن سے اُن کے خطوط کا جواب اپنے ہاتھ سے لکھنا کم کردیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کو اور تمام محکمون کی طرح شفاخانون کے انتظام کا کس قدر خیال تھا، [۵]

سرائے اسلامی دورِ حکومت مین سب سے پہلے سلطان محمد تغلق شاہ کے زمانہ مین جو ۷۲۵ھ مین تختِ سلطنت پر بیٹھا تھا، سرایون کا پتہ چلتا ہے، جب اس کے عہد مین فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، تو اس نے ایک ایسے شہر کو دارالسلطنت بنانا چاہا، جو دائرے کے ساتھ مرکز کی نسبت رکھتا ہو، تاکہ وہان ممالک محروسہ کی تمام بُری بھلی خبرین یکسان طور پر پہنچتی رہین، اور اگر کوئی حادثہ یا کوئی مرض پیدا ہو جائے، تو اس کا تدارک و علاج آسانی کے ساتھ کیا جاسکے، راجہ بکرماجیت نے اوجین کو جو وسط ہند مین واقع ہے، اسی غرض سے اپنا دارالسلطنت بنایا تھا، اور سلطان محمد تغلق شاہ

---

[۵] خافی خان جلد دوم ص ۵۰۰-۵۰۱

کو بھی اس کے ارکان دولت نے یہی مشورہ دیا لیکن بعض لوگون نے اس مقصد کے لئے دیوگر کا انتخاب کیا، اور بادشاہ نے بھی اسی راے کو پسند کیا، اور حکم دیا کہ دلی کے تمام لوگ دیوگر مین جاکر آباد ہو جائین، اب دیوگر کا نام دولت آباد قرار پایا، اور دلی اور دولت آباد کے درمیان ہر منزل مین سرائین بنائی گئین اور راستون کے کنارے سایہ دار درخت نصب کئے گئے، تاکہ مسافرون کو آمد و رفت مین آسانی ہو[۱]

اس کے بعد سلطان محمود بیگڈہ نے گجرات مین مسافرون کی آرام و آسایش کے لئے نہایت کثرت سے عمدہ عمدہ سرائین بنوائین[۲] اسی صدی مین سکندر لودی نے جو ۸۹۴ھ مین تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، ان تمام مقامات مین جہان ہندو اشنان یعنی غسل کرتے تھے، سراے، مسجد، مدرسہ اور بازار بنوائے[۳]

سکندر لودی کے بعد شیر شاہ المتوفی ۹۵۲ھ نے دہلی سے لاہور تک دو دو کوس کے فاصلے پر سرائین بنوائین، اور حکم دیا کہ ان مین مسافرون کو کھانا دیا جائے[۴]

خافی خان لکھتا ہے کہ

"در سراہا طعام پختہ و خام براے مسافرین و مترددین مسلمین و ہنود قرار دادہ جہت پختن آن غلامان و نوکران نگاہ داشتہ بود گویند آتش پزان سراہاے ہند کہ بھٹیارہ و بھٹیاری زبان زد مردم ہند گردیدہ اند از اولاد بہامانہا ماندہ اند، و مقرر نمودن اسپان سرکار در سراہا براے زود رسیدن اخبار مختلفہ روزگار بدیار بطریق ڈاک از اختراع اوست[۵]"

تاریخ فرشتہ مین ہے کہ شیر شاہ نے بنگالہ سنارگانون سے آب سندہ تک جس کی درمیانی مسافت

---

۱ فرشتہ جلد اول ص ۱۳۶ ۲ مرآت سکندری ص ۵۔ ۳ فرشتہ جلد اول ص ۱۸۶ ۴ ایضاً جلد دوم ص ۲۲۶
۵ خافی خان حصہ اول ص ۱۰۳،

ڈیڑھ ہزار کوس کی ہے، کوس کوس بھر کے فاصلے پر سرائین بنوائین، اور ہر سرائے مین مسلمانون اور ہندوؤن کے لئے کھانے کا انتظام کیا، اور راستہ مین دو طرفہ پھل دار درخت مثلاً جامن اور کھرنی وغیرہ نصب کرائے، اسی طرح آگرہ سے منڈو تک جس کی مسافت تین سو کوس کی ہے، سرائین اور مسجدین بنوائین، اور راستہ مین میوہ دار درخت لگوائے[1] اس حساب سے بنگال اور سندھ کے راستہ مین ڈیڑھ ہزار اور آگرہ سے منڈو تک تین سو سرائین تعمیر ہوئین،

شیرشاہ کی وفات کے بعد جب سلیم شاہ اس کا جانشین ہوا، تو اس نے بنگال کے راستہ مین شیرشاہ کی بنوائی ہوئی ہر دو سراؤن کے درمیان ایک اور سرائے کا اضافہ کیا، اور ہر سرائے مین شیرشاہ کی طرح مسافرون کے لئے کھانا مقرر کیا، چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے،

از نیلاب تا بنگالہ درمیان سراہائے شیرشاہ یک سرائے دیگر آبادان ساخت و در ہر سرا طعام پختہ و خام بطریق شیرشاہ جہت مسافران خواہ فقیر خواہ غنی مقرر کردہ بود[2]

خافی خان لکھتا ہے:-

"مابین دو سرا از سراہائے شیرشاہ سرائے دیگر ساختہ بدستور پدر طعام پختہ و خام مقرر نمودہ بود[3]"

اس کے بعد اکبر کا دورِ سلطنت شروع ہوا، تو اس نے جابجا نہایت کثرت سے سرائین بنوائین، ابوالفضل آئین اکبری مین لکھتا ہے،

"و سراہا کہ سرمایۂ آسودگی جہان نوردان، آسایش جائے غریبان کم مایہ است جابجا ساختہ گردد[4]"

---

[1] فرشتہ جلد اول ص ۲۲۰ [2] ایضاً جلد اول ص ۲۳۲ [3] خافی خان حصہ اول ص ۱۰۷ [4] آئین اکبری جلد اول ص ۱۱۵،

اکبر کے علاوہ اس کے عہد حکومت مین اس کے امرا، و متوسلین مین بھی بعض لوگون نے سرائین بنوائین، چنانچہ امرائے اکبری مین ایک شخص شیخ عبدالرحیم لکھنوی تھے جنھون نے ایک عورت کو جس کا نام کشنا تھا، گھر مین ڈال لیا تھا جب اُن کا انتقال ہوگیا، تو اس عورت نے بہت سے پُر تکلف مکانات، باغ، سرا، اور تالاب بنوائے، اور جس باغ مین شیخ موصوف دفن تھے، اس کے اردگرد کے گاؤن کو لگان پر لیکر اس باغ کی رونق بڑھاتی رہی، اور پنج ہزاری منصبدارون سے لے کر سپاہی تک جب اس راستہ سے گذرتے تھے، تو حسب حیثیت ان کو پُر تکلف دعوت دیتی تھی، صاحب مآثرالامرا، ان واقعات کو لکھ کر لکھتے ہین،

شیوۂ مرضیہ را از دست نداد تا شصت سال کم وبیش احیاے نام شوہر خود نمود

ع نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد[۵۱]

امراے اکبری مین ایک اور شخص صادق محمد خان ہروی تھے جنھون نے دھولپور مین جو آگرہ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے، توطن اختیار کر لیا تھا، اور اس مین ایک سرائے ایک عمارت اور ایک مقبرہ بنوایا تھا، اور اس کے اردگرد کے دیہات آباد کئے تھے،[۵۲]

اکبر کے بعد جہانگیر کا دور حکومت آیا، تو اُس نے اپنے جلوس کے ساتھ ہی جو احکام جاری کئے، ان مین تیسرا حکم یہ تھا، کہ جو لوگ لاوارث مرجائین، اُن کے مال و جائداد سے سرکاری طور پر مسجدین اور سرائین بنوائی جائین، ٹوٹے ہوے پلون کی مرمت کیجائے، اور تالاب اور کنوئین کھدوائے جائین، انھی مین دوسرا حکم یہ تھا کہ جن راستون مین چوری اور راہزنی واقع ہوتی ہو، اور وہ آبادی سے دور ہون، وہان اطراف وجوانب کے جاگیردار سرائے مسجد اور کنوئین تیار کرائین، تاکہ وہان آبادی قائم ہو جائے، اور کچھ لوگ ان سرایون مین جاکر آباد ہو جائین،[۵۳]

---

۵۱ مآثرالامرا، حصہ دوم ص ۵۹۵ ۵۲ ایضاً ص ۲۹، ۵۳ تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۵،

جہانگیر کے زمانہ میں اس کے امراے سلطنت نے بھی متعدد سرائیں بنوائیں، چنانچہ امراے جہانگیری میں سعید خان چغتا جو پنجاب کے صوبہ دار تھے، خواجہ سراؤں کے بڑے شیدائی تھے، اور ایک ہزار سے زیادہ خواجہ سرا جمع کر رکھے تھے، جن میں دو خواجہ سرا یعنی اختیار خان اور اعتبار خان اُن کے سب سے زیادہ معتمد تھے، اور اُن میں اختیار خان نے پٹنہ اور بہار میں پل اور سراے بنوائی تھی[1]، امراے جہانگیری میں ایک اور بزرگ شیخ فرید مرتضیٰ خان بخاری تھے، جنھوں نے بہ کثرت سرائیں بنوائی تھیں، مآثر الامرا میں ہے،

"رباط و سرا بسیار بنا گذاشتہ"[2]

ایک اور امیر اللہ وردی خان تھے، جن کو جہانگیر نے معتقد خانی کا خطاب دیا تھا، اور قراول بیگی کی خدمت پر مامور تھے، اور سیر و شکار میں ہمیشہ جہانگیر کے ساتھ رہتے تھے، انھوں نے دلی میں ایک باغ اور ایک سراے بنوائی تھی[3]،

شاہ جہان کے زمانہ میں اکبر و جہانگیر کے دورِ حکومت کی طرح اس کے امراے سلطنت نے بھی بہت سی سرائیں بنوائیں، چنانچہ اعظم خان نے اسلام آباد متھرا میں ایک سراے بنوائی[4]، خان دوران نصرت جنگ نے سرونج سے برہان پور تک دس دس کوس کے فاصلہ پر[5]، اور قلیج خان تورانی نے لاہور سے ملتان تک بہ کثرت سرائیں بنوائیں[6]،

ان تمام سراؤں کے باوجود ہندوستان کے بہت سے راستے سراؤں سے خالی تھے، بالخصوص اورنگ آباد سے اکبر آباد تک اور لاہور سے کابل تک کے راستے میں مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی تھی، اس لئے جب عالمگیر کا دورِ حکومت آیا، تو اُس نے عام حکم دیا، کہ جن راستوں میں سراے اور

---

[1] مآثر الامرا جلد دوم ص ۴۰۰ - [2] ایضاً ص ۶۳۹ [3] ایضاً حصہ اول ص ۲۱۵ [4] ایضاً ص ۱۷۹، [5] ایضاً ۰۵، [6] ، حصہ سوم ص ۹۵،

رباط نہ ہون، ان مین خاص سرکاری خزانے سے پختہ اور وسیع سرائین جو بازار، مسجد، پختہ کنوئین اور حمام پر مشتمل ہون بنوائی جائین، اور ہر مرحلے مین منزل گاہین تیار کرائی جائین، جہان مسافر اتر کر اپنے مال واسباب کو حفاظت کے ساتھ رکھ سکین، اسی کے ساتھ یہ بھی حکم ہوا، کہ جو پرانی سرائین مرمت طلب ہون اُن کی مرمت کرائی جائے[1]،

امرائے عالمگیری مین بھی بعض لوگون نے سرائے بنوائی، چنانچہ ایرج خان نے ایلچپور کے قریب ایک سرائے بنوائی، اور ایک گاؤن آباد کیا[2]،

عالمگیر کے بعد بھی بہت سی سرائین تعمیر ہوئین، چنانچہ شاہ عالم کے زمانہ مین اُن کے وزیر خانخانان نے چاہا کہ ہر شہر مین اُن کے نام سے ایک سرا، ایک مسجد اور ایک خانقاہ تعمیر ہو، اور اس غرض سے جابجا صوبہ دارون کے نام احکام بھی پہنچ گئے، اور ساتھ ساتھ روپیہ بھی روانہ کیا گیا، اور وسیع پیمانہ پر کام بھی شروع ہو گیا، لیکن اُن کے انتقال سے اس کی تکمیل نہ ہو سکی[3]،

محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ مین امین الدین خان سنبھلی نے اپنے وطن سنبھل مین ایک نہایت عمدہ سرائے بنوائی[4] حسین علی خان نے بھی جو ساداتِ بارہہ مین تھے، اپنے وطن مین ایک سرائے بنوائی، خافی خان لکھتا ہے،

"و در وطن بارہہ نیز بنا سے سرا و پل و دیگر بناہاے عاقبت بخیر گذاشتہ[5]"

اسی عہد مین نواب آصف جاہ نے جو ۳۰ سال تک دکن کے چھ صوبون کے حاکم رہ چکے تھے ایک کاروان سرا بنوایا، ماثر الامرا مین ہے،

"و مسجد و کاروان سرا و دولت خانہ و پل تعمیر نمود[6]"

---

[1] عالمگیر نامہ ص ۱۰۸۸، [2] ماثر الامرا حصہ اول ص ۲۰۱، [3] خافی خان جلد دوم ص ۶۶۵، ۶۶۶، [4] ماثر الامرا حصہ اول ص ۳۵۰، [5] بقیہ خافی خان ص ۹۴۲ [6] ماثر الامرا حصہ سوم ص ۸۸۲،

مہمان خانے سرائین اکثر راستون مین قائم کی جاتی تھین، اور اُن کے ساتھ ساتھ مسجد، بازار، کنوئین اور حمام بھی تیار کرائے جاتے تھے، بلکہ بعض سرایون کے متصل دیہات بھی آباد کرائے جاتے تھے تاکہ مسافرون کی ضروریات کے تمام سامان آسانی کے ساتھ میسر آسکیں، لیکن مہمان خانے سرایون سے مختلف ہوتے تھے، اور وہ راستون کے بجائے شہرون مین قائم کئے جاتے تھے، اور ان مین مسافر مستقلاً قیام کرسکتے تھے، لیکن ہمارے مورخین نے ان کا ذکر مہمان خانے کے نام سے نہین کیا ہے، کیونکہ اس زمانہ مین یہ کام رباطون اور خانقاہون سے لیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ تاریخون مین سرایون کے ساتھ ساتھ جابجا رباطا کا ذکر بھی آتا ہے، مثلاً

"رباطا و سرا بسیار بنا گذاشتہ"[۱]

اس قسم کی ۱۲۰ خانقاہین فیروز شاہ نے دہلی اور فیروزآباد مین اس غرض سے قائم کی تھین کہ جو مسافر یہان آئین، وہ ہر خانقاہ مین تین روز تک جو مہمانی کی شرعی مدت ہے، قیام کرسکین، اور اس طرح ۱۲۰ خانقاہون مین تین تین روز قیام کرکے سال بھر کی پوری مدت بسر کرسکین، کیونکہ سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہین، اور وہ ۱۲۰ خانقاہون کے سہ روزہ قیام سے پورے ہو جاتے ہین،

ان تمام مہمان خانون کے متولی وعہدہ دار سُنی ہوتے تھے، اور ان کے مصارف سرکاری خزانہ سے ادا ہوتے تھے، تاریخ فیروزشاہی مین ہے،

"وخانقاہا و رباطہا برائے صادر و وارد بناکردہ و در شہر دہلی و فیروزآباد صد و بست خانقاہ برائے آسایش بندگان الہٰ آوردہ بدین نیت کہ چون مسافران از اطراف واکناف جہان درین مکان بیایند، در ہر خانقاہ کسان سہ روز مہمان باشند، و در

---

[۱] ماثر الامراء جلد دوم ص ۶۳۹،

ہر خانقاہ سلطان فیروز شاہ متولیان شیخی و عہدہ داران سنی تعیین کردہ و خرچ خانقاہا نقد از خزانہ رہانیدہ[۵۱]

معلوم ہوتا ہے کہ مہمانون کے مستقل قیام سے بعض اوقات یہ خانقاہین مستقل آبادی کی صورت اختیار کر لیتی تھین، اگرچہ تاریخون مین اس کی کوئی تصریح نہین ہے، تاہم ہمارے ضلع اعظم گڈھ مین ایک موضع خانقاہ کے نام سے موسوم ہے اور غالبًا وہ اسی طرح آباد ہوا ہے،

لنگر خانے فرمانروایانِ اسلام نے ہندوستان مین فقیرون اور محتاجون کی اعانت وامداد کے لئے مالوہ مین لنگر خانے قائم کئے تھے، جہان سے اُن کو خام غلہ یا پکا پکایا کھانا ملتا تھا، چنانچہ سلطان محمود خلجی نے بہت سے لنگر خانے قائم کئے تھے جن سے فقراء و مساکین کو غلہ اور کھانا ملتا تھا،[۵۲]

علاء الدین سید حسین شریف مکی المتوفی ۹۲۷ھ نے بنگال مین بکثرت لنگر خانے قائم کئے تھے، اور بعض لنگر خانون پر متعدد گاؤن وقف کئے تھے، ریاض السلاطین مین ہے،

"و مساجد و لنگر خانہ در ہر سرکار جابجا تعمیر و مقرر ساختہ، فقراء و عزلت گزینان را املاک بسیار عنایت فرمود و بجہت خرچ لنگر خانہ قدوۃ المشائخ شیخ نور قطب العالم قدس اللہ سرہ، مواضع متعددہ تعیین فرمود و آثار خیرا و درین ملک مشہور افواہ خواص و عام است"[۵۳]

اس کے بعد جہانگیر نے تمام بڑے بڑے شہرون مثلاً احمد آباد، الہ آباد، لاہور، آگرہ اور دہلی وغیرہ بلکہ تمام ممالکِ محروسہ مین فقراء کے لئے غلہ خانے قائم کئے،[۵۴] جن سے فقیرون، مجاورون، اور مسافرون کو درویشانہ کھانا ملتا تھا،

---

۵۱ تاریخ فیروز شاہی حصہ دوم ص ۳۰۳ ۵۲ فرشتہ حصہ دوم ص ۲۴۴ "در ہر جا نمود لنگر طعام جاری داشت" ص ۳۶۲ و ۳۶۳

۵۳ ریاض السلاطین ص ۱۳۵، ۱۳۶ ۵۴ تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۳۲- و ۱۰۰،

یہ لنگر خانے تو مستقل تھے لیکن قحط کے زمانہ مین تمام شہرون بلکہ قصبون مین ان کے علاوہ عارضی لنگر خانے قائم کردیئے جاتے تھے، اور اُن سے قحط زدہ لوگون کو بڑی مدد ملتی تھی، چنانچہ ایک بار سلطان بہادر گجراتی کے زمانہ مین جو ۹۳۲ھ مین تخت نشین ہوا تھا، گجرات مین سخت قحط رونما ہوا، تو اس نے فقرا، و مساکین کی امداد و اعانت کے لئے ہر شہر مین متعدد لنگر خانے قائم کئے، اور اس کے ساتھ حکم دیا کہ جو شخص اُسکی سواری کیوقت سوال کرے، اس کو ایک مظفری دیجائے، اور اس غرض سے اس زمانہ مین چوگان بازی کے لئے دوبار سوار ہوتا تھا، تاکہ مستحقین کو اس فیاضی سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملے، فرشتہ اس واقعہ کو لکھ کر لکھتا ہے،

"در ترفیہ احوال برایا کوشش می نمود، تا دران مدت در بلاد گجرات رونق در رواج تازہ پدید آمد"[۱]

ایک بار شاہجہان کے زمانہ مین دکن اور گجرات مین سخت قحط پڑا، تو اس نے برہانپور، احمد آباد اور سورت مین بکثرت لنگر خانے جاری کئے، اور اس کے ساتھ یہ حکم دیا کہ خاص برہانپور مین جہان ان کا قیام تھا، ہر دوشنبہ کو جو شاہ جہان کے جلوس کا دن تھا، اور اس وجہ سے ایام ہفتہ مین ممتاز شمار کیا جاتا تھا، پانچ ہزار روپیہ مستحقین کو دیا جائے، چنانچہ اس حساب سے ۲۰ ہزار روپئے ماہوار کے حساب سے مستحقین کو پانچ مہینہ مین ایک لاکھ روپئے تقسیم کئے گئے، چونکہ احمد آباد مین قحط کا اثر اور مقامات سے زیادہ تھا، اس لئے اس صوبہ کے ناظمون کو حکم ہوا کہ قحط زدہ لوگون کو مزید پچاس ہزار روپیے بھی دیئے جائین، اس کے علاوہ دوسال کے لئے ستر لاکھ روپئے مالگذاری مین سے معاف کردیئے[۲]

اس زمانہ مین بعض امرا نے بھی شاہ جہان کی تقلید مین لنگر خانہ جاری کیا، چنانچہ صاحب مآثر الامرا میر جملہ کے حال مین لکھتے ہین،

---

[۱] فرشتہ حصہ دوم ص ۲۱۵ [۲] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۳۶۳، ۳۶۴ [۳] مآثر الامرا حصہ سوم ص ۵۳۱

دران ہنگام میر جملہ نادر بسخاوت برآوردہ، شب و روز در پر ہاتپور لنگر طعام جاری داشت[۱]۔

ایک بار کشمیر میں سخت سیلاب آیا، اور تمام فصل برباد ہو گئی، بلکہ غلہ کے پرانے ذخیرے بھی ضائع ہو گئے، ۳۰ ہزار قحط زدہ لوگ دارالسلطنت میں آکر فریادی ہوئے، تو شاہجہان نے اُن کو ایک لاکھ روپئے دیئے، اور حکم دیا کہ ان غریبوں کے لئے دو تین جگہ لنگر خانے قائم کئے جائیں، ان کے علاوہ مزید ۳۰ ہزار روپئے کشمیر کے مستحقین کو عطا فرمائے، اور تربیت خان کو اُن کی ہمدردی و نگرانی کے لئے مقرر کیا، لیکن چونکہ اُن سے یہ کام بن نہ آیا، اس لئے ظفر خان کو کشمیر کا صوبہ دار مقرر کیا، اور ۲۰ ہزار روپئے اور مستحقین کشمیر کو دیئے[۲]، اس کے بعد ظفر خان کی عرضداشت سے معلوم ہوا کہ اس ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی امداد سے قحط کا اثر تو بالکل زائل ہو گیا، اور قحط کے دن عید اور نوروز کے دن سے بدل گئے، لیکن مویشیون کے خریدنے اور تخم ریزی کے لئے اگر ۳۰ ہزار روپئے اور دلوائے جائیں، تو ویران شدہ مواضع بالکل آباد ہو جائیں، شاہجہان نے فوراً یہ درخواست منظور کر لی[۳]،

ایک بار پنجاب میں اس قدر سخت قحط پڑا کہ لوگوں نے اپنے لڑکوں کو فروخت کر دیا، بلکہ ذبح کر کے کھا گئے، شاہجہان کو اطلاع ہوئی تو حکم دیا کہ دس مقامات پر دس لنگر خانے جاری کئے جائیں، اور ہر لنگر خانہ پر روزانہ دو سو روپیہ صرف کیا جائے، چنانچہ دو ہزار روپیہ روزانہ کے صرف سے یہ لنگر خانے جاری ہو گئے[۴] پچاس ہزار روپئے نادار لوگوں کو تقسیم کئے گئے، اور حکم ہوا کہ جس شخص نے اپنے لڑکے کو فروخت کیا ہو، اگر وہ اس کا پتہ چلا سکے تو خزانۂ شاہی سے اس کی قیمت واپس کر دی جائے، اور لڑکا اس کے ماں باپ کے حوالہ کر دیا جائے[۵]،

محتاجوں کی امداد مختلف طریقوں سے قحط کے ساتھ جنگ و جدل، فتنہ و فساد اور فوجوں کی آمد و رفت کا جو سلسلہ جاری رہتا تھا، اس کی وجہ سے بعض اوقات سخت گرانی پیدا ہو جاتی تھی، اور لوگ سخت

---

[۱] مآثر الامراء حصہ سوم ص ۶۱۶ [۲] خافی خان حصہ اوّل ص ۵۰۷ [۳] ایضاً ص ۵۱۵ [۴] ایضاً ص ۶۲۰،

مفلوک الحال ہوجاتے تھے، ایک بار عالمگیر کے عہدِ حکومت مین ان تمام اسباب نے لوگون کو اس قدر مفلوک الحال بنا دیا، کہ اکثر پرگنے ویران ہو گئے، اور دارالسلطنت مین محتاجون کا اس قدر ہجوم ہوا کہ راستے بند ہو گئے۔ عالمگیر کو اس کا حال معلوم ہوا تو حکم دیا، کہ علاوہ مستقل غلہ خانون کے شہر مین دس لنگر خانے اور جاری کئے جائین، اور تمام امرا بھی حسب دستور لنگر خانے جاری کرین، ان کے علاوہ دارالسلطنت کے اطراف اور مزارون کے آس پاس ۱۲ غلہ خانے قائم کئے جائین، اس کے ساتھ غلون کی فراہمی کے لئے محصول کی معافی کے احکام صادر کئے[۵۱]

عالمگیر کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا، چنانچہ محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ مین امیرالامراء سید حسین علی خان المتوفی ۱۱۳۲ھ نے بہت سے غلہ خانے قائم کئے، چنانچہ صاحب مآثر الامراء اُن کے تذکرہ مین لکھتے ہین :-

"در ہمت و مروت یکتا و فور طعام و کثرت اطعام سرکار او مشہور است اجراے بلغور خانہا از غلہ خام و پختہ و احداثِ مجلس یازدہم و دوازدہم ہر ماہ در بلاد عظیمہ دکن نمودہ کہ تاحال جاری است"[۵۲]

لنگر خانون کے علاوہ فرمانروایانِ اسلام نے اہلِ حاجت کی اعانت و امداد کے سیکڑون طریقے اختیار کر رکھے تھے، مثلاً سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ مین جو ۶۶۳ھ مین تخت نشین ہوا تھا، ملک الامراء فخرالدین کوتوال ایک نہایت فیاض اور عالی حوصلہ امیر تھے، اُن کا دستور یہ تھا کہ جو لباس ایک بار زیب تن کر لیتے تھے، اس کو دوبارہ نہین پہنتے تھے، بلکہ صدقہ و خیرات کر دیتے تھے، اسی طرح بستر اور پلنگ اور فرش و فروش وغیرہ ہمیشہ نئے استعمال کرتے تھے، اور جو سرمایہ اس طرح جمع ہوتا تھا اس کو تیمون اور مستحق لوگون کی لڑکیون کی شادی کے مصارف مین صرف کرتے تھے، تاریخ فیروز شاہی

---

[۵۱] خافی خان حصہ دوم ص ۱۲۴، ۱۲۵ [۵۲] مآثر الامراء جلد اول ص ۳۲۰۔

مین لکھا ہے کہ اس طرح وہ ہر سال ایک ہزار نادار لڑکیون کی شادی کا سامان کرتے تھے،[۱]

اس کے بعد فیروز شاہ تغلق نے نادار لڑکیون کی نکاح کے لئے ایک مستقل محکمہ قائم کیا، اور اس مین متدین اور ایماندار عہدہ دار مقرر کئے، اور حکم دیا کہ جن نادار اشخاص کے یہان بالغہ لڑکیان ہون وہ اس محکمہ مین آکر اس کی اطلاع دین، اور اس محکمہ کے عہدہ دار اس کی پوری تحقیق کرکے ہر شخص کو اس کی حالت کے مناسب مالی امداد دین،

اس مالی امداد کے تین درجے مقرر کئے گئے تھے،

درجہ اول	پچاس تنکہ نقرئی،
درجہ دوم	تیس تنکہ نقرئی،
درجہ سوم	پچیس تنکہ نقرئی،

چنانچہ اس محکمہ کے قائم ہوجانے کے بعد ہزارون محتاج مسلمانون اور بیوہ عورتون نے اپنی اپنی لڑکیون کے نام درج رجسٹر کرائے، اور مالی امداد حاصل کی،[۲]

فیروز شاہ کے بعد دور اکبری مین شیخ فرید مرتضیٰ خان بخاری نے گجرات مین سادات کے تمام ذکور و اناث کی فہرست مرتب کی، اور اُن کے لڑکون کی شادی کا سامان اپنی سرکار سے کیا، یہان تک کہ حاملہ عورتون کو روپیہ دیا کہ وہ اس کو امانۃً رکھین، اور جب بچے پیدا ہون تو اُن کی شادی مین صرف کرین،[۳]

شاہجہان کا معمول یہ تھا کہ روزانہ قیلولہ اور نماز ظہر سے فارغ ہونے کے بعد نقد و جنس اراضی مزروعہ، اور تقرر وظیفہ کے ذریعہ سے بے شوہر اور بوڑھی عورتون کی حاجت روائی کرتا تھا، کنواری اور بیوہ عورتین جن کے ساتھ غربت و افلاس کی وجہ سے کوئی شخص نکاح کرنا پسند نہین کرتا تھا،

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی جلد اول ص ۱۱۱، [۲] ایضاً حصہ دوم ص ۳۴۹ [۳] مآثر الامراء جلد دوم ص ۴۳۹،

ستی النسا خانم کے ذریعہ سے روزانہ اس کی خدمت مین پیش ہوتی تھین، اور وہ اُن کے نکاح کا سامان کرتا تھا، اور زیور اور لباس وغیرہ سب کچھ دیتا تھا، اور اکثر اوقات جو لوگ اس خدمت پر مامور تھے وہ خود شاہجہان کے حکم سے اُن کے اقران و امثال سے اُن کا نکاح کرا دیتے تھے، اور اس کار خیر مین روزانہ کافی روپیہ صرف ہوتا تھا، چنانچہ محمد صالح کنبوہ عمل صالح مین لکھتا ہے،

"چنانچہ مبلغہاے گرانمند، ہر روزہ باین رہگذر کہ ہمین طریق خیرات وجاری مبرات است صرف می شود[1]"

نادار لڑکیون کے علاوہ، بوڑھے، یتیم، اندھے، اپاہج، بیوہ عورتین، اور جسمانی عیوب رکھنے والے لوگ اعانت و امداد کے محتاج ہوتے ہین، اور فرمانروایان اسلام کا فیض عام ان تمام لوگون کو شامل تھا، تاریخ فیروز شاہی مین فیروز شاہ تغلق کی نسبت لکھا ہے،

"وصدقات خداوند عالم بر پیران وزالان و بیوگان و یتیمان و کوران و معیوبان و جاے ماندگان علی الدوام والاستمرار میرسد[2]"

فیروز شاہ کے بعد سلطان محمود شاہ بہمنی نے گلبرگہ، بیدر، قندھار، ایلچپور، دولت آباد، جیول، و ابل، اور دوسرے بڑے بڑے شہرون اور قصبون مین یتیمون کی تعلیم کا خاص انتظام کیا، اور اندھون کے مشاہرے مقرر کئے، اور اس مین اس قدر فیاضی سے کام لیا کہ لوگ قصداً آنکھین پھوڑ پھوڑ کر اندھے بنتے تھے، اور ماہوار تنخواہ لیتے تھے[3]،

سلطان محمود کے بعد سکندر لودی نے فقرا و مستحقین کی امداد و اعانت کا خاص نظام قائم کیا، اور حکم دیا کہ سال مین دو بار تمام ملک کے فقرا و مستحقین کے نام کی فہرست اس کی خدمت مین پیش کی جائے، چنانچہ جب یہ فہرست پیش کی جاتی تھی، تو ہر شخص کی حالت و حیثیت کے مطابق اس کے پاس

---

[1] عمل صالح جلد اول ص ۲۴۹ [2] فیروز شاہی جلد اول ص ۱۵ [3] فرشتہ جلد اول ص ۳۰۲،

ششماہی کی رقم روانہ کر دیتا تھا، اس کے ساتھ جاڑون مین اُن کو شال اور کپڑے دیتا تھا، ہفتے مین جمعہ کے روز فقرائے شہر کو جمعگی کے نام سے بھی ایک رقم مرحمت کرتا تھا، اور روزانہ مختلف مقامات پر خام غلہ اور پکا پکایا کھانا تیار کرا کے شہر مین تقسیم کرواتا تھا، اور کوئی سال ایسا نہین گذرتا تھا کہ فتوحات اور کامیابی کے بہانہ سے فقیرون کو چند بار معقول رقمین نہ دیتا ہو، ذاتی فیاضیون کے علاوہ اہلِ دولت اور اربابِ جاہ مین سے جو لوگ فقیرون اور مسکینون کے لئے وظائف مقرر کرتے تھے، اُن کو نہایت معزز سمجھتا تھا، اور اس اعزاز کے حاصل کرنے کے لئے بہت سے لوگ مستحقین کو حسب وسعت کے مطابق مال و دولت دیتے تھے[1]،

سکندر لودی کے بعد اس کا بیٹا سلطان ابراہیم لودی اس کا جانشین ہوا، اور اس معاملے مین اوس نے بھی اپنے باپ کی روش کو قائم رکھا' چنانچہ تاریخ فرشتہ مین ہے،

"و نیز بر فقراء و مساکین ابواب خیرات و مبرات کشادہ وظائف مقرر فرمودہ ادارات ائمہ رازیادہ کردہ بگوشہ نشینان و متوکلان فتوح و نذور فرستادہ[2]،

سلطان ابراہیم لودی کے بعد سلطان محمود خان ثانی نے جو ۹۴۳ھ مین گجرات کے تختِ سلطنت پر بیٹھا تھا، فقیرون اور محتاجون کی خبرگیری کے لئے بہت سے مکانات بنوائے، اور وہان اس غرض سے ملازم مقرر کئے، کہ فقیرون اور محتاجون کے رنج و راحت سے باخبر رہ کر اُن کی ضروریات کے سامان تیار رکھین، اکثر اوقات ایسا ہوتا تھا کہ جو غذا اس کو پسند آتی تھی، اس کی نسبت پوچھتا تھا کہ فقیرون کو بھی اس قسم کی غذائین میسر آتی ہین، حاضرین جواب دیتے تھے کہ بھلا ان غریبون کو اس کا مقدور کہان؟ اس کے بعد حکم دیتا تھا کہ اس قسم کی غذا نہایت عمدہ طریقہ پر پکوا کر فقرار کے پاس بھیجی جائے، جو نیک لوگ مسجدون اور مدرسون مین قیام رکھتے تھے، اُن کو جاڑون مین نہایت عمدہ قبائین، اور

---

[1] فرشتہ جلد اول ص ۱۰۶، [2] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۰۹،

لحاف انعام دیتا تھا، چونکہ بعض قلاش لوگ ان کو فروخت کرڈالتے تھے، اس لئے حکم دیا کہ ایسے لحاف بنوائے جائین جن کو ایک جماعت اوڑھ سکے، اور سب کے سب اوس کے فروخت کرنے پر متفق نہ ہون، راتون کو تمام گلیون اور بازارون مین بہت سی لکڑیان جلوا تا تھا تاکہ جاڑون مین بے سروسامان لوگ آگ تاپ سکین، معمول تھا کہ تمام موسمی میوے پہلے فقیرون کے پاس بھیجے جاتے تھے، اس کے بعد شاہی محل مین آتے تھے،[1]

سلطان محمود خان ثانی کے بعد امرائے اکبری مین شیخ فرید بخاری نے اس معاملے مین نہایت فیاضی سے کام لیا، اور اپنا یہ خاص معمول کر لیا کہ جب دربار کو جاتے تھے، تو راستے مین فقراء کو قبا کمل چادر اور جوتے تقسیم کرتے جاتے تھے،[2]

اس کے بعد جہانگیر نے موسم سرما مین فقرائے کشمیر کے لباس کا خاص انتظام کیا، چنانچہ جب اسکو اطلاع دیگئی کہ فقرائے کشمیر جاڑون کے موسم مین سخت تکلیف برداشت کرتے ہین، تو اس نے حکم دیا کہ صوبہ کشمیر کا ایک گاؤن جس کی مالگذاری تین چار ہزار روپیہ ہو، ملا طالب اصفہانی کے حوالہ کیا جائے تاکہ اس سے فقراء کے لباس اور مسجدون مین پانی گرم کرنے کا انتظام کرین،[3]

عالمگیر کا دور حکومت آیا تو اس کے سامنے سلطان محمود کی نظیر تھی، اس لئے اوس نے عام حکم دیا کہ جاڑون کے موسم مین ہر سال ڈیڑھ ہزار قبا اور ڈیڑھ ہزار کمل صوبہ احمد آباد کے فقراء و مساکین کو بطور خیرات کے دیئے جائین، اور اس پر تین ہزار روپیہ صرف کیا جائے، اس حساب سے فی قبا ڈیڑھ روپیہ اور فی کمل آٹھ آنے پڑتے تھے،[4] جس سے ہم اس زمانے مین کپڑون کی ارزانی کا بھی اندازہ کر سکتے ہین، عالمگیر ہی کے زمانہ مین نواب معظم خان خان خانان المتوفی ۱۱۲۰ھ کے بعد

---

[1] مرآت احمدی جلد اول ص ۹۱۔ [2] مآثر الامراء حصہ دوم ص ۶۳۹ [3] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۳۵۲ [4] مرآت احمدی جلد اول ص ۳۵۶۔

نواب امیرالامرا شایستہ خان ممالک بنگالہ کے صوبہ دار مقرر ہوئے، اور شرفا اور غربا کی بیواؤں کی خاص طور پر پرورش کی اور دیہات اور زمینیں معافی میں دے کر ان کو صاحب جائداد بنا دیا، ریاض السلاطین میں ہے :-

"بیوہا ے شرفا و بیچارہ ہا ے عجزہ را دیہات و زمینہا معاف کردہ مالک املاک ساخت"[۵۱]

سلاطین تیموریہ کے یہاں فقرا و مستحقین کی اعانت کی ایک مستقل صورت یہ تھی کہ سال میں دوبار یعنی شمسی اور قمری دونوں سنون کے حساب سے اپنی سالگرہ کا جشن مناتے تھے، اور اس موقع پر زر و گوہر اور دوسری قیمتی اشیاء سے اپنا وزن کراتے تھے، اور ان تمام چیزوں کو خیرات کر دیتے تھے، جہانگیر تزک میں لکھتا ہے:

"دو مرتبہ خود را بہ طلا و نقرہ و سائر فلزات و از قسم ابریشم و پارچہ و از اقسام حبوبات وغیرہ وزن می کنم یک مرتبہ در سر سال شمسی و یک مرتبہ در سر سال قمری وزر این وزن را بہ تحویلداران علحدہ می سپارم کہ بہ فقرا و ارباب احتیاج رسانند"[۵۲]

یہ طریقہ اکبر کے زمانہ سے شروع ہوا، اور عالمگیر کے زمانہ تک قائم رہا۔ چنانچہ اس دور کے تمام مورخین اس جشن کا ذکر مزے لے لے کر کرتے ہیں، عبدالحمید لاہوری بادشاہ نامہ میں لکھتا ہے :

"چون صدقات در دفع مضار بدنی و جانی و جلب منافع روحانی و جسمانی باتفاق اصحاب ملل و نحل و اطباق ارباب دین و دول، نتائج و آثار دارد، حضرت عرش آشیانی آئین وزن وزن اختیار نمودہ ذات مقدس خویشتن را دو مرتبہ یکے بعد از انقضائے سال شمسی و دیگر پس از انتہائے سنہ قمری وزن می فرمودند، لیکن در وزن شمسی دوازدہ بار نخستین بار بہ طلا و یازدہ بار بدیگر اشیاء، و در وزن قمری ہشت بار اولین بار بہ نقرہ و ہفت بار باشیائے دیگر وزن فرزندان کامگار یکبار باعتبار سال شمسی بوقوع می آید و وجوہ وزن در مصارف تصدق

---

[۵۱] ریاض السلاطین ص ۲۲۲ [۵۲] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۰۸،

صرف می شد، وحضرت جنت مکانی پیروی حضرت عرش آشیانی نمودہ ہر سال این رسم منفعت وسم را بعمل می آوردند از آنجا کہ این کار بمیمنت آثار سبب روائی حاجات نیازمندان است، حضرت جہانبانی دو مرتبہ شخص اکمل خود را وزن می فرمایند واز حزو فی جود گستری در ہر مرتبہ وزن طلا ونقرہ مقرر نمودہ اند، در وزن شمسی نخستین بار بطلا و دوم بار بہ نقرہ ودہ بار باجناس دیگر و در وزن قمری اولین بار بطلا و دیگر بار بہ نقرہ وشش بار بہ دیگر اجناس و بادشاہزادہ ہائے سعادت پژوہ را یک مرتبہ برمی سنجند،[۱]

متفرق صدقات وخیرات کی اس قدر کثرت تھی کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے، تو ایک مستقل کتاب لکھنی پڑے گی، اس لئے ہم صرف تزک جہانگیری سے چند واقعات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، جہانگیر لکھتا ہے:۔

"میں نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ راتوں کو ارباب استحقاق اور درویش میرے سامنے پیش کئے جائیں، تاکہ ہر ایک کی حالت کو دیکھ کر زمین، روپیہ نقد، پوشاک اُن کو مرحمت کروں[۲]"

چونکہ میں نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے، کہ جو درویش اور ارباب حاجت میری درگاہ میں جمع ہوں ان کو دو پہر رات گذر جانے کے بعد میرے سامنے پیش کریں، اس لئے میں نے اس سال اسی طریقہ پر اپنے سامنے اور اپنے ہاتھ سے ۵۵ ہزار روپیہ ایک لاکھ نوے ہزار بیگہ زمین، چودہ گانوں، ۲۶ ہل، اور ہزار کھلیان دھان درویشوں کو دیئے[۳]

یہ فیاضیاں صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہ تھیں، بلکہ اُن سے ہندو بھی یکساں طور پر متمتع ہوتے تھے، چنانچہ جہانگیر ایک موقع پر لکھتا ہے،

"میں نے شیخ فضل اللہ اور راجہ دھیر دھر کو روپے دیئے، کہ راستہ میں فقیروں، اور

---

[۱] بادشاہ نامہ عبدالحمید لاہوری جلد اول ص ۲۴۴ [۲] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۵ [۳] ر صفحہ ۱۳۰،

برہمنوں کو دیں،[۵۱]

دوسرے موقع پر لکھتا ہے،

ہردوار ہندوؤں کی ایک مسلّم تبرک گاہ ہے، اور بہت سے برہمن اور تجرد پسند لوگ اس جگہ عزلت گزین ہوکر اپنے دین کے اصول کے مطابق خدا پرستی کرتے ہیں، میں نے ہر ایک کو اُن کے استحقاق کے موافق نقد و جنس بطور صدقہ کے دیئے،[۵۲]"

شاہجہان کے زمانہ میں صدقات و خیرات کی مذہبی حیثیت زیادہ نمایاں نظر آتی ہے، چنانچہ محمد صالح کنبوہ لکھتا ہے،

"ضعیفوں، اپاہجوں یتیموں، بوڑھی عورتوں، بوڑھے سپاہیوں کو روزانہ جو کچھ ملتا ہے اُس اور خزانۂ عامرہ سے جو کچھ تمام دنیا کے حاجت مندوں کو بطور انعام کے دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ میں از روئے تخمین و قیاس کے کہہ سکتا ہوں کہ ولایت ہندوستان کا عشر جو ایران اور توران کے خراج کے برابر ہے، علما، صلحا، ارباب عمائم اصحاب سعادت اور ائمہ کی جاگیر و وظائف کیلئے مقرر ہے۔ اس کے علاوہ اس ماہ مبارک رمضان میں موسوی خان صدر الصدور کو از سرِ نو تاکیدی حکم دیا گیا کہ ہمیشہ فقرا، مساکین اور ارباب استحقاق کو خدمت میں پیش کرتے رہیں کہ اگر کوئی پریشان روزگار بدقسمتی سے ہماری فیاضی سے محروم رہ گیا ہو، تو اس کی حالت کے مطابق نقد روزینہ یا سالیانہ گاؤں اور کھیت بطور مدد معاش کے دیا جائے، اس مہینہ میں خصوصًا اور ہر سال کے رمضان میں عمومًا جمعرات کو پریشان حال حاجت مندوں کو باری باری درگاہ والا میں حاضر کرکے ۳۰ ہزار روپیہ عطا کریں، اسی طرح مولود مسعود کے زمانہ میں ۱۲ ہزار روپیہ شب برات اور نیز شب معراج میں بھی اسی قدر روپیہ ارباب استحقاق

---

[۵۱] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۰۰، [۵۲] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۴۴۳،

پر خیرات کیا جائے، [۵۱]

سلاطین کے ساتھ اگر امرا و اعیان دولت کی فیاضیوں کے واقعات لکھے جائیں تو یہ داستان اور طویل ہو جائے گی، اس لئے ہم صرف ایک واقعہ کے لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں، صاحب مآثر الامرا شیخ فرید بخاری کے تذکرے میں لکھتے ہیں،

"شجاعت را با سخاوت جمع نمودہ بخشش عام او در فیض بر روے خلق باز کردہ ہر کہ با در سید چہرۂ ناکامی در آئینہ خیال ندیدے تا رسیدن دربار قبا و کمل دچادر دپا افزار بدرویشان رہ گذرے قسمت می شد، و ریزگی اشرفی و روپیہ بدست خود می داد، روزے درویشے ہفت مرتبہ از شیخ گرفت نوبت ہشتم آہستہ بدو گفت کہ آنچہ ہفت مرتبہ گرفتۂ مخفی دار تا درویشان از تو نستانند با اہل خانقاہ و ارباب توکل و احتیاج و بیوہ زنان در یومیہ تا سالانہ مقرر داشتہ درحضور و غیبت او نسد و پروانگی، مجددی رسید در جاگیرش بیشتر مددمعاش بود اطفال آنہا (کہ در نوکری او مردہ بودند) درخور ہر کدام در ماہہ مقرر کردہ مثل فرزندان در کنار و بغل شیخ بازی می کردند و معلم نگاہ داشتہ تربیت می نمود، اما بیاد فروش و کلاونت نمی داد" [۵۲] (باقی)

---

[۵۱] عمل صالح جلد اول ص ۲۰۸ و ۲۰۹، [۵۲] مآثر الامرا حصہ دوم ص ۶۳۹،

شعر الہند جلد اول

جس میں قدما کے دور سے لے کر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے،

قیمت :- للعہ

"منیجر"

برہمنون کو دیں؛[۱]

دوسرے موقع پر لکھتا ہے،

"ہردوار ہندوؤن کی ایک مسلّم تبرت گاہ ہے، اور بہت سے برہمن اور تجرد پسند لوگ اس جگہ عزلت گزین ہو کر اپنے دین کے اصول کے مطابق خدا پرستی کرتے ہین، ہین نے ہر ایک کو اُن کے استحقاق کے موافق نقد و جنس بطور صدقہ کے دیئے؛[۲]"

شاہ جہان کے زمانہ مین صدقات و خیرات کی مذہبی حیثیت زیادہ نمایان نظر آتی ہے، چنانچہ محمد صالح کنبوہ لکھتا ہے،

"ضعیفون، اپاہجون، یتیمون، بوڑھی عورتون، بوڑھے سپاہیون کو روزانہ جو کچھ ملتا ہے، اور خزانۂ عامرہ سے جو کچھ تمام دنیا کے حاجت مندون کو بطور انعام کے دیا جاتا ہے، یہانتک کہ مین از روے تخمین و قیاس کے کہہ سکتا ہون کہ ولایت ہندوستان کا عشر جو ایران اور توران کے خراج کے برابر ہے؛ علما، صلحا، ارباب عمائم، اصحاب سعادت اور ائمہ کی جاگیر و وظائف کیلئے مقرر ہے، اس کے علاوہ اس ماہ مبارک رمضان مین موسوی خان صدر الصدور کو از سر نو تاکیدی حکم دیا گیا کہ ہمیشہ فقرا، مساکین اور ارباب استحقاق کو خدمت مین پیش کرتے رہین کہ اگر کوئی پریشان روزگار بدقسمتی سے ہماری فیاضی سے محروم رہ گیا ہو، تو اس کی حالت کے مطابق نقد روز یا نہ سالیانہ گانون اور کھیت بطور مدد معاش کے دیا جائے، اس مہینہ مین خصوصًا اور ہر سال کے رمضان مین عمومًا جمعرات کو پریشان حال حاجت مندون کو باری باری درگاہ والا مین حاضر کرکے ۳۰ ہزار روپیہ عطا کرین، اسی طرح مولود مسعود کے زمانہ مین ۱۲ ہزار روپیہ شب برات اور نیز شب معراج مین بھی اسی قدر روپیہ ارباب استحقاق

---

[۱] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۰۰، [۲] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۴۲،

پر خیرات کیا جائے،[۵۱]

سلاطین کے ساتھ اگر امراء و اعیان دولت کی فیاضیوں کے واقعات لکھے جائیں تو یہ داستان اور طویل ہو جائے گی، اس لئے ہم صرف ایک واقعہ کے لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں، صاحب مآثر الامراء شیخ فرید بخاری کے تذکرے میں لکھتے ہیں،

"شجاعت را با سخاوت جمع نمودہ بخشش عام او و فیض بردست خلق باز کردہ ہر کہ با و رسیدے چہرۂ ناکامی در آئینہ خیال ندیدے تا رسیدن در بار قبا و کمل و چادر و پا افزار بدرویشان رہ گذرے قسمت می شد، و ریزگی اشرفی و روپیہ بدست خودمی داد، روزے درویشے ہفت مرتبہ از شیخ گرفت نوبت ہشتم آہستہ بدو گفت کہ آنچہ ہفت مرتبہ گرفتہ بخشی دار تا درویشان از تو نستانند باہل خانقاہ و ارباب توکل و احتیاج وبیوہ زنان در یومیہ تا سالانہ مقرر داشتہ در حضور و غیبت او سند پروانگی، مجددی رسید در جاگیرش بیشتر مدد معاش بود اطفال آنہا (کہ در نوکری او مردہ بودند) درخور ہر کدام در ماہہ مقرر کردہ مثل فرزندان در کنار و بغل شیخ بازی می کردند و معلم نگاہ داشتہ تربیت می نمود، اما بیاد فروش و کلاونت نمی داد"[۵۲] (باقی)

[۵۱] عمل صالح جلد اول ص ۲۰۸ و ۲۰۹، [۵۲] مآثر الامراء حصہ دوم ص ۶۳۹،

شعر الہند جلد اول

جس میں قدما کے دور سے لے کر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے،

قیمت :- للعہ

"منیجر"

منصورہ کے حکام اور اُن کے سکے

از جناب مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی مصنف تاریخ سندھ

سندھ سنہ ۹۵ھ میں مکمل طور پر فتح ہو گیا تھا، لیکن حجاج بن یوسف ثقفی کی موت اور محمد بن قاسم کی گرفتاری نے ملک میں بدنظمی پیدا کر دی، پھر یزید بن ابی کبشہ والی سندھ کی اچانک موت نے نظام حکومت کو اور زیادہ ابتر کر دیا، پورے سندھ میں بغاوت پھوٹ پڑی، اور مختلف مقامات پر سندھیوں نے دوبارہ قبضہ کر لیا، ادھر خود عربوں میں نااتفاقی پھیلی ہوئی تھی، جس سے سندھ میں بدامنی کو اور زیادہ تقویت پہنچی، دمشق کے اموی خلیفہ کی طرف سے متعدد والی (حاکم) بھیجے گئے، لیکن نہ تو سندھیوں نے اطاعت قبول کی، اور نہ مقبوضات واپس ہوئے،

سنہ ۱۰۷ھ میں جنید بن عبد الرحمن سندھ کا حاکم ہوا، یہ ایک بڑا مدبر حاکم تھا، اس نے تمام سندھ پر دوبارہ قبضہ کر کے امن وامان قائم کر دیا، سنہ ۱۱۱ھ میں تمیم بن زید حاکم ہوا، اس میں حکومت کا مادہ نہیں تھا، اس لیے لوگ اس سے ناراض ہو گئے، یہ اپنے حریف سے خوفزدہ ہو کر سندھ سے بھاگا لیکن راستہ میں وفات پا گیا، اس سے پھر سندھ میں بدامنی پھیل گئی، اس کے بعد حکم بن عوانہ سندھ کا حاکم ہوا، جو بیحد سست اور کاہل آدمی تھا، لیکن خوش قسمتی سے فاتح سندھ محمد بن قاسم کے لڑکے "عمر بن محمد" کو ساتھ لیتا آیا تھا جو حکومت کے لیے نہایت موزوں تھا، سندھیوں کی بغاوت اور یورش کے سبب عربوں نے

تمام اہم مرکز خالی کر دیے تھے۔ اور سندھیوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا، اس لیے اس کی ضرورت محسوس ہوئی، کہ عربوں کے لیے کوئی ایسا مضبوط شہر آباد کیا جائے کہ غنیم کے حملے کے وقت پناہ کا کام دے سکے، اس لیے حکم والی سندھ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دریائے سندھ کے دہانہ پر مشرق جانب ایک شہر آباد کیا اور ہر طرح اس کو مضبوط بنایا، اور اس کا نام "محفوظہ" رکھا،

منصورہ کی آبادی جب محفوظہ کے قلعہ میں تمام عرب محفوظ اور مطمئن ہو گئے، تو سندھ کے حاکم حکم بن عوانہ نے عمر بن محمد ثقفی کو فوج دیکر اطراف میں روانہ کیا جس نے ہر جگہ امن وامان قائم کر دیا، اور باغیوں کو زیر کر کے مطیع بنایا، عمر ثقفی نے جب سندھ میں دوبارہ اقتدار قائم کر دیا اور پایہ تخت کو واپس آنے لگا تو ان فتوحات کی یادگار کے طور پر دریائے سندھ کے دہانے کے قریب ایک جزیرہ نما میں ایک شہر آباد کیا، اور اس کا نام "منصورہ" رکھا، جو آگے چل کر سندھ کا پایۂ تخت قرار پایا۔

حکم کے انتقال پر عمر بن محمد بن قاسم ثقفی سندھ کا حاکم ہوا، اس کے بعد یزید بن عرار کا تقرر ہوا یہ دونوں لائق حاکم تھے، لیکن اسی زمانہ میں بنی عباس نے بنی امیہ کا خاتمہ کر کے اپنی سلطنت قائم کر لی، اور سندھ میں اپنا گورنر (ناظم) بھیجا،

انقلاب سلطنت کے زمانہ میں منصور بن جمہور کلبی پایۂ تخت منصورہ پر قبضہ کر کے سندھ کا حاکم بن گیا تھا، عباسی حاکم موسیٰ بن کعب نے اس کو یہاں سے نکال دیا، اور عرصہ تک حکمرانی کی، پھر بغداد واپس جاتے وقت اپنے لڑکے کو قائم مقام بنا گیا، بغداد پہنچ کر اس کا انتقال ہو گیا، تو ایک لائق گورنر عمر بن حفص بھیجا گیا، جو اپنی شجاعت اور تدبر کے سبب "ہزار مرد" کہلاتا تھا، اس نے سندھ میں بہترین حکومت کی، سنہ ۱۵۱ھ میں افریقہ تبدیل کر دیا گیا، اس کے بعد یکے بعد دیگرے مختلف والی آتے اور منصورہ میں قیام کرتے رہے، یہ سلسلہ سنہ ۲۶۴ھ تک برابر قائم رہا۔

اس عرصہ میں سندھی تو اپنی قسمت پر شاکر ہو کر خاموش ہو گئے، البتہ کبھی کبھی جاٹ اٹھ کھڑے ہوتے

مگر خود عربوں میں نااتفاقی بڑھ گئی، اس کا انجام یہ ہوا کہ جو والی آتا، وہ اگر کافی طاقتور نہ ہوتا، تو وہ یا قتل ہو جاتا، یا معزول ہو کر واپس چلا جاتا،

بنو ہاشم کی سازش اموی حکومت کے قیام کے بعد سے بنو ہاشم برابر اس کی کوشش کرتے رہے کہ سلطنت میں انقلاب برپا کرکے خود قابض ہو جائیں، اس سلسلہ میں ان کے متعدد امام حکومت کے مقابلہ میں اٹھے اور آخر کامیاب ہو گئے، لیکن اس وقت حکومت ان کے بجائے بنی عباس کی ۔۔۔۔ قائم ہو گئی، اسلئے بنی ہاشم عباسیوں کے خلاف انقلابی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے، مگر ان کو کامیابی نہیں ہوئی، اس وقت انھوں نے اس کی کوشش کی کہ یمنیوں اور حجازیوں (قحطانی اور نزاری) میں نسلی تفوق اور عصبیت کا جھگڑا پیدا کرکے دونوں میں تفریق اور نفرت کا بیج بو کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے، چنانچہ انھوں نے اپنے مبلغین بھیجکر اس کی تبلیغ کی، اور پھر ہر جگہ یمنی اور حجازیوں کا جھگڑا شروع ہو گیا، سندھ بھی اس سے محفوظ نہ رہا، یہاں بھی اس تنازعہ نے آپس میں نفاق اور فساد پھیلا دیا، جس والی میں ذرا کمزوری دیکھتے اس کو دبانے کی کوشش کرتے، یہاں تک کہ والی یا معزول ہو کر چلا جاتا یا مفسد اس کو قتل کر دیتے۔

سندھ میں حجازیوں کا پلہ بھاری تھا، اور وہ بڑے طاقتور ہو گئے تھے، ۲۳۳ھ میں جب ہارون ابن ابی خالد ناظم سندھ پہنچا تو اس نے سندھ کا حال اچھا نہیں دیکھا، حجازیوں کی طاقت بہت بڑھی ہوئی تھی، عمر بن عبد العزیز ان کا سردار تھا، یہ بڑا ہوشیار اور مدبر تھا، اس کی شخصیت اس قدر بلند ہو گئی تھی کہ سندھ کا حاکم اس سے دبنے لگا تھا، چنانچہ سابق گورنر (حاکم) جب تک سندھ میں رہا، حجازیوں سے اس نے کوئی تعرض نہیں کیا، اور عمر بن عبد العزیز ہباری کو ہمیشہ ملائے رکھا، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ہارون بن خالد حاکم سندھ نے اس پالیسی پر عمل نہیں کیا، جس سے اختلافات بڑھتے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ۲۴۰ھ میں ہارون قتل کر دیا گیا،

عمر بن عبد العزیز نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر شہر منصورہ پر قبضہ کر لیا، اور خلیفہ متوکل کو ایک عرضداشت

بغداد روانہ کی، جس میں والی سندھ پر بد انتظامی کا اتہام لگا کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا، اور یہ درخواست کی کہ اگر سندھ کی حکومت اس کے سپرد کر دی جائے، تو وہ اس کا بہترین انتظام کرے گا، کیونکہ وہ یہاں کے حالات سے بخوبی واقف ہے،

اس وقت خلافت بغداد میں بڑا خلفشار تھا، ہر صوبہ سے پریشان کن خبریں اس کو مل رہی تھیں، اس لیے خلیفہ متوکل نے عمر کی درخواست منظور کر لی، اور صوبہ سندھ کی حکومت کی سند اس کو بھیجدی، اور عمر نے اسی وقت سے خلیفہ کی برائے نام اطاعت کے ساتھ خود مختارانہ حکومت شروع کر دی، اس طرح سلطنت منصورہ قائم ہوئی اور عمر کے خاندان میں چوتھی صدی ہجری کے آخر تک حکومت رہی،

خاندان ہباری کی حکومت | قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنی اسد میں ایک شخص ہبار بن اسود تھا، جو شیعہ میں مسلمان ہوا تھا، اسکی اولاد میں سے ایک شخص منذر بن زبیر، سندھ کے والی "حکم بن عوانہ" متوفی ۱۲۱ھ کے ساتھ سندھ پہنچا، اور یہاں متوطن ہوگیا، عمر بن عبد العزیز اسی کا پوتا تھا، اس کا نسب نامہ یہ ہے: عمر بن عبد العزیز ابن منذر بن زبیر بن عبد الرحمن بن ہبار بن اسود،

یہ خاندان اموی اور عباسی دونوں عہد میں سلطنت کے کاموں میں شریک رہا،[۵] اور آہستہ آہستہ تجاری قبیلہ کا سردار بن گیا، سنہ ۲۴۰ھ میں جب وہ سندھ کا والی ہوا تو اس نے سندھ کے زیریں حصہ پر بھی قبضہ کر لیا، گو اس نے پایہ تخت منصورہ پر بھی قبضہ قائم رکھا، مگر وہ خود اپنے مقام "بانیہ" ہی میں رہتا تھا، جو منصورہ سے تھوڑے فاصلہ پر جنوب جانب تھا،[۲] جب اس کو ایک گونہ اطمینان ہوگیا تو پھر اس نے پورے سندھ کو اپنا باجگذار بنا لیا، گو عمر بن عبد العزیز اندرونی طور پر خود مختار رہا، لیکن خطبہ عباسی خلیفہ کا پڑھتا رہا،

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ عمر بن عبد العزیز نے کب تک حکومت کی، اور اس کا طرز جہانبانی کیسا تھا، لیکن مشرقی ممالک میں باوجود متعدد انقلاب کے عمر بن عبد العزیز کا اپنی جگہ قائم رہنا اس کے تدبر اور لیاقت

---

[۵] ابن خلدون ج ۲ ص ۳۲۷ مصر، [۲] سفرنامہ ابن حوقل ذکر سندھ،

کی بڑی دلیل ہے، اس لیے یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ساری عمر نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ سندھ پر حکومت کی، اور چونکہ سنہ ۲۲۰ھ میں اس کا لڑکا عبداللہ تخت حکومت پر نظر آتا ہے اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ اسی سنہ یا اس سے کچھ قبل عمر بن عبدالعزیز وفات پا گیا،

عبداللہ بن عمر ہباری | عبداللہ بن عمر ہباری غالباً سنہ ۲۲۰ھ میں تخت نشین ہوا[1]، اس نے ایک منظم سلطنت اپنے باپ سے ورثہ پائی تھی، اس لیے خیال گذرتا ہے کہ وہ آرام پسند ہوگا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سنہ ۲۷۰ھ میں ہنوز کے ایک آزاد کردہ غلام "ابو الصمہ" کے لڑکے صمہ نے جو تیسری صدی کے شروع میں عباسی والی سندھ عمر بن حفص ہزار مرد کے ساتھ سندھ آیا تھا، بغاوت کر کے منصورہ پر قبضہ کر لیا[2]، اور عبداللہ چونکہ خود بانیہ میں رہتا تھا، اس لیے غالباً محفوظ رہا، لیکن کچھ دنوں کے بعد عبداللہ نے پھر منصورہ واپس لے لیا، اور غالباً اسی وقت سے بجائے بانیہ کے پایۂ تخت منصورہ میں رہنا شروع کیا

پایۂ تخت منصورہ | منصورہ جب سے آباد ہوا اس وقت سے سندھ کا پایۂ تخت رہا، اس کی قدیم ترین شہادت بلاذری متوفی سنہ ۲۷۹ھ سے ملتی ہے، جس نے لکھا ہے کہ یہ وہی شہر ہے جہاں آج کل حکام ٹھہرتے ہیں، اس کا طول مغرب سے ۹۶ درجہ اور عرض بلد جنوب سے ۲۲ درجہ ہے[3]، ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہ شہر دریائے سندھ کے کنارے ایک ایسی جگہ پر آباد ہے کہ دریا کی ایک شاخ نے نکل کر اس کو جزیرہ بنا دیا ہے، خوش قسمتی سے ابن حوقل کا وہ نقشہ بھی موجود ہے، جو اس نے اپنے زمانہ کے سندھ کا تیار کیا تھا، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے سندھ پنجاب کی طرف سے چل کر جہاں سمندر میں گرتا ہے، اس مقام سے تھوڑی دور پیچھے، موجودہ حیدرآباد سے جنوب کی جانب خشکی کی سمت ایک جگہ دریا کی ایک شاخ نکلتی ہے جو پھر گھوم کر دریا میں مل جاتی ہے، اس طرح بیچ میں اس شاخ کے حصار سے تھوڑی سی زمین جزیرہ کی صورت میں بن گئی ہے، اسی میں یہ شہر آباد ہوا، جو ہر طرف سے پانی سے گھرے ہونے کی وجہ سے بیرونی حملہ آوروں سے

---

[1] [illegible] [2] بلاذری ص ۴۴۴ [3] ایضاً ص ۴۴۴

محفوظ تھا، یہ اسی قسم کا مقام تھا جیسا کہ میسور میں کاویری ندی گھوم جانے سے سرنگا پٹم نکل آیا ہے، پرانے زمانے کے فن جنگ کے لحاظ سے اس قسم کے مقامات بہت محفوظ خیال کیے جاتے تھے، منصورہ غیاث الدین بلبن کے عہد ۶۴۳ھ تک موجود تھا،[1]

یہ شہر برہمن آباد سے دو فرسخ (دو میل) پر تھا، اور غالباً اس کے آباد ہوتے ہی برہمن آباد کی رونق جاتی رہی، آئین اکبری میں اس کا نام "بکر یا بھکر" لکھا ہے[2] جو کسی طرح صحیح نہیں، کیونکہ آج بھکر ضلع سکھر میں واقع ہے، یہ ایک جزیرہ ہے، جہاں قدیم قلعہ اب تک موجود ہے، حالانکہ منصورہ اور برہمن آباد ابو الفضل کے زمانہ سے کئی سو برس قبل زلزلہ سے تباہ ہو چکے تھے،

عمر بن عبد اللہ بن عمر ہباری بن عبد العزیز | یہ عمر بن عبد اللہ عمر بن عبد العزیز کا پوتا ہے، اس کے باپ کی تاریخ وفات کسی کتاب میں نظر نہیں گذری لیکن ۳۰۳ھ میں ہم اس کو تخت نشین دیکھتے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے قبل عبد اللہ کا انتقال ہو چکا تھا، اس کی کنیت ابو المنذر ہے، تخت نشینی کے بعد یہ بڑا لائق ثابت ہوا، اس نے ملک میں امن و امان کے قیام کے ساتھ بڑا رعب قائم کر لیا، بڑی شان و شوکت سے سلطنت کرتا تھا، اس کا ایک وزیر بھی تھا جس کا نام ریاح تھا، اور اس کے دو لڑکے محمد اور علی تھے، ارکین سلطنت میں ایک شخص "حمزہ" نامی بڑا با اثر اور غالباً امیر الامراء کے عہدہ پر فائز تھا، یہاں سادات کی ایک بڑی جماعت رہتی تھی جو عمر بن علی و محمد بن علی کی طرف منسوب تھی، ایک قاضی بھی رہتا تھا، جو آل ابی الشوارب کے خاندان سے تھا،[3] عربی تاریخوں اور سفرناموں سے ہباری خاندان کے صرف تین ہی حکام کے نام معلوم ہوئے، باقی نام آج تک پردۂ خفا میں تھے، لیکن خوش قسمتی سے حال ہی میں سندھ اور مارواڑ کی سرحد سے چھ ہزار پانچسو پچاسی (۶۵۸۵) سکے "ہباری" خاندان کے برآمد ہوئے ہیں، یہ کل چاندی کے اور چھوٹے چھوٹے ہیں، لیکن ان پر یا تو سنہ ہے ہی نہیں ہے، یا پڑھے نہیں جا سکے،

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۰۹ کلکتہ [2] آئین اکبری ج ۲ ص ۴۰ [3] مروج الذہب مسعودی ص ۷۷، سوتا ص ۳۸۰ ج اول لیڈن،

یہ سب فی الحال جودھپور کے عجائب خانے مین ہین، سکے کے پڑھنے والے نے ان کی جو فہرست شائع کی ہے، اس مین عبداللہ بن عمر کا نام پہلے درج کیا ہے، اور اس کے باپ عمر بن عبدالعزیز کا نام دوسرے نمبر پر دیا ہے، جو صحیح نہین ہے، اس لیے مندرجۂ ذیل فہرست مین عمر کا نام پہلے اور اس کے ولیعہد لڑکے عبداللہ کا نام بعد کو دوسرے نمبر پر دیا ہے،

نمبر	رخ اول	رخ ثانی	سنہ	
۱	اللہ، محمد رسول اللہ عمر	یا اللہ ولی عبداللہ وناصر	سنہ ۲۴۰ھ	ہباری خاندان کا پہلا حاکم عمر بن عبدالعزیز، عبداللہ اور ناصر اس کے دونون لڑکے ولی عہد ہین، عام تاریخون مین اس کا سنہ ملتا ہے،
۲	لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ	محمد رسول اللہ الامیر عبداللہ	سنہ ۲۷۰ھ	یہ عمر بن عبدالعزیز کا لڑکا ہے، بزرگ بن شہریار نے اپنی کتاب عجائب الہند مین اس کا ذکر کیا ہے، اس نے اپنے سکے مین کسی ولیعہد کا نام درج نہین کیا، حالانکہ اس کا لڑکا عمر موجود تھا،
۳	اللہ محمد رسول اللہ عمر	یا اللہ بنو عمرو یہ النصر	سنہ ۳۰۳ھ	اسکی کنیت ابوالمنذر ہے، مسعودی نے اس کا ذکر کیا ہے، اور "النصر" غالباً عبداللہ کے بھائی کا لڑکا ہے، اور اسکے لڑکے کا نام محمد اور علی ہے،
۴	اللہ محمد رسول اللہ محمد	یا اللہ بنو محمد وناصر	سنہ ۳۴۰ھ	نمبر ۳ کے انہی سلسلون کی تائید تاریخون سے ہوتی ہے اور نمبر ۵ سے مین کچھ نہین کہہ سکتا کہ یہی ترتیب ہے یا مرتب فہرست نے مقدم موخر کر دیا ہے، جیسا کہ نمبر ۱ و نمبر ۲ مین کیا ہے، اور یہ بھی معلوم نہین کہ علی نمبر ۵، محمد نمبر ۴ کا بھائی ہے یا لڑکا ہے، البتہ ولی عہدی کا سلسلہ صحیح نظر آتا ہے، کیونکہ عربی دستور کے مطابق دادا اور پوتے کا ایک نام ہوتا ہے۔
۵	اللہ محمد رسول اللہ علی	یا اللہ بنو علی ولیہ النصر	سنہ ۳۶۷ھ	نمبر ۵ و نمبر ۶ کے سنہ مین نے قیاس سے تحریر کر دیے ہین، اصطخری، ابن حوقل اور بشاری کے بیان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ خاندان ہباری کی سلطنت موجود تھی،
۶	اللہ محمد رسول اللہ عبدالرحمن	یا اللہ بنو عبدالرحمن وناصر	سنہ ۳۷۵ھ	غالباً یہ آخری بادشاہ ہے اسکے بعد سلطنت ختم ہوگئی،

۷	اللہ محمد رسول اللہ محمد	یا اللہ نصر محمد، وناصر	غالباً یہ آخری بادشاہ ہے، متعدد دعویداروں کی خانہ جنگی نے سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

بشاری مقدسی نے لکھا ہے کہ جب میں شیراز میں تھا تو ایک باغی کے مقابلہ میں عضد الدولہ (بویہ) کے لڑکے سے منصورہ کا حاکم مدد مانگنے آیا تھا، عضد الدولہ کی وفات ۳۷۲ھ میں ہوئی ہے، اس لیے ۳۷۰ھ سے لیکر ۳۷۲ھ کے اندر منصورہ کا یہ وفد شیراز گیا ہوگا، اور میرا خیال ہے کہ منصورہ کا وفد ناکام واپس آیا، اور باغیوں نے کچھ حصہ ملک کا دبا لیا، عبد الرحمٰن بن علی (م ۶) کے بعد اس کا لڑکا محمد تخت نشین ہوا لیکن نصر، محمد اور ناصر اس کے تین دعویدار پیدا ہو گئے، اور ان سب کی خانہ جنگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے باپ کے زمانہ کے کسی پرانے حریف نے منصورہ پر قبضہ کر کے اس خاندان "ہباری قریشی" کا خاتمہ کر دیا،

یہ باغی حریف کون تھا ؟ میرا خیال ہے کہ خفیف کا خاندان (اسماعیلی) تھا، اور چونکہ آل بویہ (عضد الدولہ) فاطمی خلفاء کے طرفدار تھے، اس لیے انھوں نے منصورہ کے حاکم کو قطعاً مدد نہیں دی، بلکہ اس نے یا تو حریف کو فائدہ اٹھانے کا پورا موقع دیا، یا دونوں میں مفتوحہ ملک کو تقسیم کر کے صلح کرا دی،

ان باغیوں کے اسماعیلی ہونے کا یقین اس لیے ہوتا ہے کہ اس عہد میں تمام سندھ، ملتان، اور مکران میں اسماعیلی چھا گئے تھے۔ اور ان تینوں سلطنتوں کے زوال پذیر ہونے کے باعث اسماعیلیوں کا زور بہت بڑھ گیا تھا، چنانچہ بشاری مقدسی کے عہد ۳۷۵ھ میں ملتان پر ان کا قبضہ ہو چکا تھا، اور حلم بن شیبان (عرب) اس پر قابض تھا، اسی طرح مکران کا علاقہ بھی اسی عہد میں بنو فاطمہ کے زیر اثر آ چکا تھا، اور سندھ یعنی منصورہ کے دو ضلعوں قنبلی اور ارمائیل کو بھی حاکم مکران نے دبا لیا تھا، ممکن ہے اسی زمانہ میں خفیف کے خاندان نے بھی بغاوت کر کے ملک کا کچھ حصہ دبا لیا ہو، اور شاید اسی

کی واپسی کے لیے حاکم منصورہ شیراز و فدلے گیا ہو،

غرض اس عہد میں منصورہ شمال مشرق، اور جنوب مغرب دونوں سمتوں سے بنو فاطمہ مصر کے حاکموں میں گھر گیا تھا عبدالرحمٰن (۱۰۲) اور اس کے لڑکے محمد (ث)، نے بمشکل بیس پچیس برس تک منصورہ کے تخت کو سنبھالے رکھا، پھر جس طرح اسپین کے آخری خلیفہ ابوعبداللہ نے اپنے چچا سے خانہ جنگی کرکے اپنی سلطنت کھودی، اسی طرح محمد نے اپنے چچازاد بھائیوں سے لڑکر سلطنت کا خاتمہ کر دیا ہوگا، خفیف کے خاندان نے اس موقع سے یقیناً فائدہ اٹھایا ہوگا، خصوصاً ۳۹۶ھ میں جب ملتان پر محمود غزنوی کا قبضہ ہوگیا، تو اس شکست خوردہ لشکر نے خفیف کی ماتحتی میں منصورہ پر فتح کرلیا ہوگا۔

اوپر کے بیان سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ منصورہ کی حکومت ۴۰۶ھ میں ختم ہوئی، اور ۴۱۶ھ میں محمود غزنوی نے منصورہ پر قبضہ کرکے خفیف کے خاندان کا خاتمہ کر دیا، جسکے بعد سومرہ خاندان برسرعروج آیا، مرتب فہرست نے ہباری خاندان کے جو نام تحریر کیے ہیں، اس میں ایک بات قابل غور ہے کہ سکے کے دوسرے جانب بنو عمرویہ یا بنو علی ویہ" تحریر ہے، یہ لفظ "ویہ" کیا ہے؟ فارسی میں "سیبویہ" ایک مشہور لفظ ہے، جو ایک بڑے نحوی کا نام تھا، جسکے معنی "سیب کی طرح" کے ہیں، لیکن یہاں یہ معنی بنتے نہیں، اس لیے میرا گمان ہے کہ یہ لفظ صحیح نہیں پڑھا گیا، دراصل یہ لفظ "ولی" ہوگا۔ جو "ل" اور "ی" کے گھس جانے سے "ویہ" کی شکل نظر آتا ہے۔

دوسری بات قابل ذکر یہ ہے کہ آج تک کسی مسلمان حکمران خاندان کی تاریخ میں یہ نظر نہیں آتا کہ اس کے فرمانروا کے ساتھ ابتدا سے آخر تک چچازاد خاندان بحیثیت ولی عہد شریک سلطنت رہا ہو، درآنحالیکہ حکمران کا لڑکا بحیثیت ولی عہد کے بھی موجود ہو، بنو فاطمہ کے ایک سکہ میں البتہ مستنصر باللہ کے لڑکے قاسم ولی عہد اور الحافظ کا نگران ہونے کی حیثیت سے نام موجود ہے، دوسرا سکہ "فیروز شاہ تغلق دہلی" کا نظر سے گذرا جس میں فتح خان ولی عہد کا نام بھی ساتھ ساتھ ہے، اس لیے اگر میں نے صحیح سمجھا ہے تو کم از کم ہندوستان میں یہ پہلا عرب خاندان ہے جو چچا بھتیجوں کی شرکت سے سلطنت کا انتظام کرتا تھا، اور جس کی دوسری مثال ملنی مشکل ہے،

اصلاحاتِ اقبال

از جناب محمد بشیر الحق صاحب دسنوی عظیم آبادی

مین ۱۹۴۵ء کی گرمیون مین کتب خانۂ الاصلاح دسنہ (ضلع پٹنہ) مین منشی ونایک پرشاد طالب بنارسی کا کلام رسالۂ "خدنگ نظر" لکھنؤ ماہ مئی ۱۹۰۲ء مین تلاش کررہا تھا کہ اتفاقیہ اقبال کی نظم "آفتاب سحر" پر نظر پڑی جو رسالۂ مذکور مین درج تھی، اس نظم کو "بانگ درا" مین تلاش کیا تو "آفتاب صبح" کے عنوان سے ملی؛ جب دونون نظمون کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ جو نظم "بانگ درا" مین درج ہے وہ ترمیم و اصلاح کے بعد شائع ہوئی ہے، اس سے مجھے خیال ہوا کہ "بانگ درا" کی اشاعت سے پہلے جو غزلین یا نظمین اخبار زمیندار و رسالہ مخزن لاہور وغیرہ مین شائع ہوئی ہین ان سب مین نظر ثانی کے وقت ترمیم و تنسیخ کے بعد علامہ اقبال نے ان کو بانگ درا مین شامل کیا ہوگا،

کتب خانہ الاصلاح مین رسالہ مخزن سلسلہ قدیم کی مکمل جلدون کے علاوہ دوسرے مشہور رسائل کی بھی مکمل و نامکمل جلدین محفوظ ہین، مین نے سب سے پہلے رسالہ مخزن کی کل جلدون کو دیکھا تو بانگ درا کی درج شدہ نظمون کا بہت بڑا حصہ مخزن ہی کے اوراق مین بکھرا ہوا ملا، ان کا مقابلہ بانگ درا مین شائع شدہ غزلون اور نظمون سے کیا تو ان دونون مین بڑا فرق نظر آیا، چنانچہ ان ترمیمون اور اصلاحون کو نوٹ کرتا گیا، اس تلاش و جستجو کا حوصلہ بڑھا اور دوسرے رسائل و کتب کی ورق گردانی سے اور بہت سی غزلین اور نظمین دستیاب ہوئین جو "اصلاحات اقبال" کے نام سے ہدیۂ ناظرین ہین،

"اصلاحات اقبال" کی اشاعت سے یہ فائدہ ہوگا کہ اس سے کلام اقبال کا تدریجی ارتقار سامنے آجائیگا،

اور یہ معلوم ہوگا کہ علامہ کو منزلِ مقصود تک پہنچنے میں کتنے دشوار گذار راستے طے کرنے پڑے، اور پہلے ان کے کلام میں کیا کیا خامیاں تھیں جن کو انھوں نے نظرِ ثانی میں دور کیا، جس سے ان کا کلام کہاں سے کہاں پہنچ گیا،

اس کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ بانگ درا میں غزل یا نظم کا جو عنوان ہے پہلے اس کو جلی حرفوں میں دیا گیا ہے اور اس کے نیچے حوالے درج کرکے اصل اور اصلاحات کو بالمقابل کالموں میں تقسیم کر دیا ہے، اصل پرانا کلام پہلے کالم میں ہے اور اصلاح شدہ دوسرے میں، اگر کسی شعر یا بند کے صرف ایک مصرع میں اصلاح ہے تو سیاق کلام کو سمجھنے کے لیے پورا شعر اور پورا بند نقل کر دیا گیا ہے، اور جس مصرع میں اصلاح ہے اس کے مقابل میں اصلاح دکھا دی گئی ہے، اور بقیہ مصرعوں کے سامنے صرف نقطے دیدیے گئے ہیں

ہمالہ

(۱)

رسالہ مخزن، لاہور، ماہ اپریل ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۳
(۱)	(۱)
اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستان	...
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسمان	...
تجھ پہ کچھ ظاہر نہیں دیرینہ روزی کے نشان	تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشان
نوجوان ہے دورۂ شام و سحر کے درمیان	تو جوان ہے گردشِ شام و سحر کے درمیان
تیری ہستی پر نہیں بادِ تغیر کا اثر	ایک جلوہ تھا کلیمِ طورِ سینا کے لیے
خندہ زن ہے تیری شوکت گردشِ ایام پر	تو تجلی ہے سراپا چشمِ بینا کے لیے
(۲)	(۲)
امتحانِ دیدۂ ظاہر میں کوہستان ہے تو	
پاسبان اپنا ہے تو دیوارِ ہندوستان ہے تو	...

رسالہ مخزن لاہور ماہ اپریل ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۲
سوئے خلوتگاہِ دل دامن کشِ انساں ہے تو	مطلعِ اول فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تو
مطلعِ اول فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تو	سوئے خلوتگاہِ دل دامن کشِ انساں ہے تو
برف نے باندھی ہے دستارِ فضیلت تیرے سر	...
خندہ زن ہے جو کلاہِ مہرِ عالمتاب پر	...
(۳)	(۳)
سلسلہ تیرا ہے یا بحرِ بلندی موج زن	تیری عمرِ رفتہ کی اک آن ہے عہدِ کہن
رقص کرتی ہے مزے سے جس پہ سورج کی کرن	وادیوں میں ہیں تری کالی گھٹائیں خیمہ زن
تیری ہر چوٹی کا دامانِ فلک میں ہے وطن	چوٹیاں تیری ثریا سے ہیں سرگرمِ سخن
چشمۂ دامن میں رہتی ہے مگر یہ تو گگن	تو زمیں پر اور پہنائے فلک تیرا وطن
چشمۂ دامن ہے یا آئینۂ سیال ہے	چشمۂ دامن ترا آئینۂ سیال ہے
دامنِ موجِ ہوا جس کے لیے رومال ہے	...
(۴)	(۴)
ابر کے ہاتھوں میں رہوارِ ہوا کے واسطے	...
تازیانہ دے دیا برقِ سرِ کہسار نے	...
اے ہمالہ کوئی بازی گاہ ہے تو بھی جسے	...
دستِ قدرت نے بنایا ہے عناصر کے لیے	...
ہائے کیا جوشِ مسرت میں چلا جاتا ہے ابر	ہائے کیا فرطِ طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر
فیل بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر	...

رسالہ مخزن، لاہور ماہ اپریل ۱۹۰۱ء

(۵)

جنبش موج نسیم صبح گہوارہ بنی
جھومتی ہے کیا مزے لے لے کے ہر گل کی کلی
یون زبان برگ سے کہتی ہے اسکی خامشی
دست گلچین کی جھٹک مین نے نہین دیکھی کبھی
کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا
کنج خلوت خانۂ قدرت ہے کاشانہ مرا

بانگ درا صفحہ ۳

(۵)

جھومتی ہے نشۂ ہستی مین ہر گل کی کلی
یون زبان برگ سے گویا ہے اس کی خامشی

رسالہ مخزن

(۶)

نہر چلتی ہے سرود خامشی گاتی ہوئی
آئینہ سا شاہد قدرت کو دکھلاتی ہوئی
کوثر و تسنیم کی مانند لہراتی ہوئی
ناز کرتی ہے فراز راہ سے جاتی ہوئی
چھیڑتا جا اس عراق دل نشین کے ساز کو
اے مسافر! دل سمجھتا ہے تری آواز کو

بانگ درا

(۶)

آتی ہے ندی فراز کوہ سے گاتی ہوئی
کوثر و تسنیم کی موجون کو شرماتی ہوئی
آئینہ سا شاہد قدرت کو دکھلاتی ہوئی
سنگ رہ سے گاہ بچتی گاہ ٹکراتی ہوئی
چھیڑتی جا اس عراق دل نشین کے ساز کو
اے مسافر! دل سمجھتا ہے تری آواز کو

گل رنگین

(۲)

رسالہ مخزن، لاہور ماہ مئی ۱۹۰۱ء

(۱)

تو شناسائے خراش عقدۂ مشکل نہین
واقف افسردگیہائے طپید دل نہین

بانگ درا صفحہ ۶

(۱)

اے گل رنگین ترے پہلو مین شاید دل نہین
...

رسالہ مخزن لاہور ماہ مئی ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۶
زیب محفل ہے شریک شورش محفل نہین	...
کیون یہ تسکینِ خموشی نزا مجھے حاصل نہین	یہ فراغت بزم ہستی مین مجھے حاصل نہین
سوز بانون پر بھی خاموشی تجھے منظور ہے	اس چمن مین مین سراپا سوز و ساز آرزو
راز وہ کیا ہے ترے سینہ مین جو مستور ہے	اور تیری زندگانی بے گداز آرزو
(۲)	(۲)
توڑ لینا شاخ سے تجھ کو مرا آئین نہین	
یہ نظر غیر از نگاہ چشم صورت بین نہین	
آہ! یہ دست جفا جو اے گل رنگین نہین	
کس طرح تجھ کو یہ سمجھاؤن کہ مین گلچین نہین	
آشنائے سوزِ فریاد دلِ مہجور ہون	کام مجھکو دیدۂ حکمت کے الجھیڑون سے کیا
پھول ہون مین بھی مگر اپنے چمن سے دور ہون	دیدۂ بلبل سے مین کرتا ہون نظارہ ترا
(۳)	(۳)
آہ اے گل تجھ مین بھی جوہر وہی مستور ہے	سوز بانون پر بھی خاموشی تجھے منظور ہے
جو دلِ انسان مین مضمر مثل موجِ نور ہے	راز وہ کیا ہے ترے سینہ مین جو مستور ہے
میری صورت تو بھی اک برگ ریاض طور ہے	
ہائے پھر مجھ سے جدائی کیون تجھے منظور ہے	مین چمن سے دور ہون تو بھی چمن سے دور ہے
دل مین کچھ آتا ہے لیکن منہ سے کہہ سکتا نہین	مطمئن ہے تو پریشان مثلِ بو رہتا ہون مین
اور تکلیفِ خموشی کو بھی سہہ سکتا نہین	زخمی شمشیر ذوقِ جستجو رہتا ہون مین

رسالہ مخزن لاہور ماہ مئی ۱۹۰۱ء

(۴)

یہ پریشانی مگر جمعیتِ عرفان نہ ہو
یہ حنا بندِ کفِ محبوبۂ ایمان نہ ہو
یہ خزاں اپنی بہارِ گلشنِ رضوان نہ ہو
یہ جگر سوزی چراغِ خانۂ انسان نہ ہو
ہے یہ تاریکی مگر اک شمعِ دل افروز ہے
توسنِ ادراکِ انسان کو خرام آموز ہے

بانگ درا صفحہ ۶

(۴)

یہ پریشانی مری سامانِ جمعیت نہ ہو
یہ جگر سوزی چراغِ خانۂ حکمت نہ ہو
ناتوانی ہی مری سرمایۂ قوت نہ ہو
رشکِ جامِ جم مرا آئینۂ حیرت نہ ہو
یہ تلاشِ متصل شمعِ جہاں افروز ہے

...

عہد طفلی

(۳)

رسالہ مخزن ماہ جولائی ۱۹۰۱ء

(۱)

تھے دیارِ نو زمین و آسمان میرے لیے
وسعتِ آغوشِ مادر اک جہان میرے لیے
تھی ہر اک جنبش نشانِ لطفِ جان میرے لیے
خالی از مفہوم خود میری زبان میرے لیے
درد اس عالم میں جب کوئی رلاتا تھا مجھے
شورشِ زنجیرِ در میں لطف آتا تھا مجھے

بانگ درا صفحہ ۸

(۱)

حرفِ بے مطلب تھی خود میری زباں میرے لیے
دردِ طفلی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے

رسالہ مخزن لاہور ماہ ستمبر ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۹
دفن تجھ میں کوئی فخرِ روزگار ایسا بھی ہے؟	-
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے؟	-

ابرِ کوہسار

(۵)

رسالہ مخزن لاہور ماہ نومبر ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۱۱
(۱)	(۱)
ہے بلندی سے فلک بوس نشیمن میرا	
سرِ کوہسار پہ دیکھے کوئی جوبن میرا	ابرِ کہسار ہوں گل پاش ہے دامن میرا
غیرتِ تختۂ گلزار ہے مسکن میرا	کبھی صحرا کبھی گلزار ہے مسکن میرا
کہ گل افشاں ہے سرِ گوشۂ دامن میرا	شہر و ویرانہ مرا، بحر مرا، بن میرا
کسی وادی میں جو منظور ہو سونا مجھکو	
سبزۂ کوہ ہے مخمل کا بچھونا مجھکو	
(۲)	(۳)
مجھ کو قدرت نے سکھایا ہے دُر افشاں ہونا	. . . .
ناقۂ شاہدِ رحمت کا حدی خواں ہونا	. . . .
غم زدائے دلِ افسردۂ دہقاں ہونا	. . . .
سبزیٔ بختِ جوانانِ گلستاں ہونا	رونقِ بزمِ جوانانِ گلستاں ہونا
بن کے گیسوئے رخِ ہستی پہ بکھر جاتا ہوں	-
شانۂ موجۂ صرصر سے سنور جاتا ہوں	-

رسالہ مخزن لاہور ماہ نومبر ۱۹۰۱ء

(۳)

دور سے دیدۂ امید کو ترساتا ہون

جب افق پر کبھی چپکے سے چمک جاتا ہون

سیر کرتا ہوا جس دم لبِ جو آتا ہون

بالیان نہر کو گرداب کی پہناتا ہون

ولگی کوہ کے چشمون سے مجھے جاتی ہے

زندگی اپنی اسی طرح گذر جاتی ہے

بانگ درا صفحہ ۱۱

(۳)

کسی بستی سے جو خاموش گذر جاتا ہون

سبزۂ مزرعِ نوخیز کی امید ہون مین

زادۂ بحر ہون، پروردۂ خورشید ہون مین

پرندے کی فریاد

(۶)

رسالہ مخزن لاہور ماہ فروری ۱۹۰۷ء

(۱)

(۱) آتا ہے یاد مجھکو گذرا ہوا زمانہ

وہ جھاڑیان چمن کی وہ میرا آشیانہ

(۲) آزادیان کہان وہ اب اپنے گھونسلے کی

اپنی خوشی سے جانا اپنی خوشی سے آنا

(۳) لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم

شبنم کا صبح آکر پھولون کا منہ دھلانا

(۴) آتی نہین صدائین انکی مرے قفس مین

ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس مین

بانگ درا صفحہ ۲۳

(۱)

(۱) آتا ہے یاد مجھکو گذرا ہوا زمانا

وہ باغ کی بہارین وہ سب کا چہچہانا

(۲)

اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا

(۳)

شبنم کے آنسوؤن پر کلیون کا مسکرانا

(۴) آتی نہین صدائین اسکی مرے قفس مین

رسالہ مخزن لاہور ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۸
(۲)	(۲)
تکتے رہنا ہائے! وہ پہروں تلک سوئے قمر	.
وہ پھٹے بادل میں بے آواز پا اس کا سفر	.
پوچھنا رہ رہ کے اس کے کوہ و صحرا کی خبر	.
اور وہ حیرت دروغ مصلحت آمیز پہ	.
آنکھ وقف دید تھی لب مائل گفتار تھا	.
دل مرا جام شراب ذوق استفسار تھا	دل نہ تھا میرا سراپا ذوق استفسار تھا

مرزا غالب

(۴)

رسالہ مخزن لاہور ماہ ستمبر سنہ ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۹
(۱)	(۱)
فکر انسان کو تری ہستی سے یہ روشن ہوا	فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پر مرغ تصور کی رسائی تا کجا	ہے پر مرغ تخیل کی رسائی تا کجا
روح تھا تو اور تھی بزم سخن پیکر ترا	تھا سراپا روح تو بزم سخن پیکر تیرا
زیب محفل بھی رہا محفل سے پنہاں بھی رہا	.
دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے	.
صورت روح رواں ہر شے میں جو مستور ہے	بن کے سوز زندگی ہر شے میں جو مستور ہے

رسالہ مخزن لاہور ماہ ستمبر ۱۹۰۱ء

(۲)

معجز کلکِ تصور ہے و یا دیوان ہے یہ
یا کوئی تفسیر رمزِ فطرتِ انسان ہے یہ
بارشِ موسیٰ کلامی ہاے ہندستان ہے یہ
نورِ معنی سے دل افروزِ سخنداناں ہے یہ
نقش فریادی ہے تیری شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

(۳)

لطفِ گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں
ہو تصور کا نہ جب تک فکرِ کامل ہم نشیں
ہائے! اب کیا ہو گئی ہندوستاں کی سرزمیں!
آہ! اے نظارہ آموزِ نگاہِ نکتہ بیں!
گیسوئے اُردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ جویندۂ دل سوزیِ پروانہ ہے

(۴)

اے جہان آباد اے گہوارۂ علم و ہنر
ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در
ترے ہر ذرہ میں خوابیدہ ہیں شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر

بانگ درا صفحہ ۹

(۲)

محفلِ ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوتِ کوہسار
تیرے فردوسِ تخیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشتِ فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار
زندگی مضمر ہے تیری شوخیِ تحریر میں
تابِ گویائی سے جنبش ہے لبِ تصویر میں

(۳)

ہو تخیل کا نہ جب تک فکرِ کامل ہم نشیں
شمع یہ سودائیِ دل سوزیِ پروانہ ہے

(۴)

ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر

رسالہ مخزن لاہور ماہ مئی ۱۹۰۲ء | بانگ درا صفحہ ۲۸

۵۔ علم کی انتہا ہے بے چینی
اس مرض کی مگر دوا ہون مین

۵۔ علم کی انتہا ہے بے تابی
...

۶۔ تو ہے وابستۂ زمان ومکان
اور اس قید سے رہا ہون مین

۶۔ تو زمان ومکان سے رشتہ بپا
طائرہ سدرہ آشنا ہون مین

شمع

(۱۰)

رسالہ مخزن ماہ دسمبر ۱۹۰۲ء | بانگ درا صفحہ ۳۲

۱۔ تیری طرح سے مین بھی ہون اے شمع دردمند
فریاد درگرہ صفتِ دانۂ سپند

۱۔ بزمِ جہان مین مین بھی ہون اے شمع دردمند

۲۔ توجل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہین
دانائے بیقراریٔ محشر اثر نہین

۲۔ . . . . .
بینا ہے اور سوز درون پر نظر نہین

۳ یہ امتیاز رفعت وپستی اسی سے ہے
خوشبو ہے گل مین بادہ مین مستی اسی سے ہے

۳۔ . . . . .
گل مین مہک شراب مین مستی اسی سے ہے

۴۔ بستان وبلبل وگل وبو ہے یہ آگہی
اصلِ نظارۂ من وتو ہے یہ آگہی

۴۔ . . . . .
اصلِ کشاکشِ من وتو ہے یہ آگہی

ایک آرزو

(۱۱)

رسالہ مخزن ماہ دسمبر ۱۹۰۲ء | بانگ درا صفحہ ۳۵

۱۔ آزاد فکر سے ہون عزلت مین دن گذارون
دنیا کے غم کا کانٹا دل سے نکل گیا ہو

۱۔ . . . . .
دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو

آفتابِ صبح

(۱۲)

رسالہ خدنگ نظر لکھنؤ ماہ مئی ۱۹۰۲ء	بانگ درا صفحہ ۳۷
"آفتابِ سحر"	
(۱)	(۱)
شورش مے خانۂ انساں سے بالاتر ہے تو	...
زینتِ بزمِ ملک ہو جس سے وہ ساغر ہے تو	زینتِ بزمِ فلک ہو جس سے وہ ساغر ہے تو
ہو درِ گوشِ عروسِ صبح وہ گوہر ہے تو	...
جس پہ رخسارِ افق نازاں ہو وہ زیور ہے تو	جس پہ سیمائے افق نازاں ہو وہ زیور ہے تو
تو وہ مطلع ہے سرِ دیوانِ عالم کے لیے	صفحۂ ایام سے داغِ مدادِ شب مٹا
خامۂ قدرت نے آبِ زر سے لکھا ہے جسے	آسماں سے نقشِ باطل کی طرح کوکب مٹا
(۲)	(۲)
بستۂ رنگِ خصوصیت نہ ہو میری زباں	...
نوعِ انساں قوم ہو میری وطن میرا جہاں	...
دیدۂ باطن پہ رازِ نظمِ قدرت ہو عیاں	...
ہو شناسائے فلک شمعِ تصور کا دھواں	ہو شناسائے فلک شمعِ تخیل کا دھواں
عقدۂ اضداد کی کاوش نہ تڑپائے مجھے	...
حسنِ عشق انگیز ہر شے میں نظر آئے مجھے!	...
(۳)	(۳)
تو اگر زحمت کشِ ہنگامۂ عالم نہیں	...
یہ فضیلت کا نشاں اے نیرِ اعظم نہیں	...

خفتگانِ خاک سے استفسار

(۷)

رسالہ مخزن لاہور ماہ فروری ۱۹۰۲ء	بانگ درا صفحہ ۲۴
(۱) رنگِ خاموشی میں ہے ڈوبی ہوئی موجِ ہوا	(۱) غوطہ زن دریائے خاموشی میں ہے موجِ ہوا
ہاں مگر اک دور سے آتی ہے آوازِ درا	...
(۲) اے مئے غفلت کے پڑانو! کہاں رہتے ہو تم	(۲) اے مئے غفلت کے سرشارو! کہاں رہتے ہو تم
کچھ کہو اُس دیس کی آخر جہاں رہتے ہو تم	...
(۳) دل میں ہوتے ہیں اسی صورت سے پیدا ولولے؟	(۳) آدمی واں بھی حصارِ غم میں ہے محصور کیا؟
اس ولایت میں بھی کیا مجبور رکھتے ہیں اسے؟	اُس ولایت میں بھی ہے انسان کا دل مجبور کیا؟
(۴) خرمنِ دہقان کو ہے بجلی کا ڈر ایسا ہی کیا؟	(۴) کیا وہاں بجلی بھی ہے دہقان بھی ہے خرمن بھی ہے؟
اُس جہان میں ہے تبسم پر خطر ایسا ہی کیا؟	قافلے والے بھی ہیں؟ اندیشۂ رہزن بھی ہے؟
(۵) فکر اینٹوں کی وہاں بھی ہے مکان کے واسطے؟	(۵) تنکے چنتے ہیں وہاں بھی آشیاں کے واسطے؟
تنکے چنتے ہیں وہاں بھی آشیاں کے واسطے؟	خشت و گل کی فکر ہوتی ہے مکاں کے واسطے؟
(۶) باغ ہے جنت و یا اک منزلِ آرام ہے؟	(۶) باغ ہے فردوس یا اک منزلِ آرام ہے؟
یا رخِ بے پردۂ حسنِ ازل کا نام ہے؟	...
(۷) کیا عوض رفتار کے اس دیس میں پرواز ہے؟	(۷) ...
موت کہتا ہے جسے انسان وہ کیا راز ہے؟	موت کہتے ہیں جسے اہلِ زمیں کیا راز ہے؟
(۸) کیا دلِ انسان کو واں بھی ذوقِ استفہام ہے؟	(۸) جستجو میں ہے وہاں بھی روح کو آرام کیا؟
کیا وہاں بھی جستجو میں روح کو آرام ہے؟	وہاں بھی انسان ہے قتیلِ ذوقِ استفہام کیا؟

شمع و پروانہ

(۸)

کلیات اقبال صفحہ ۱۴۰	بانگ درا صفحہ ۲۷
۱۔ پروانہ تجھ کو کرتا ہے اے شمع پیار کیوں؟	۱۔ پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمع پیار کیوں؟
کرتا ہے اپنی جانکو تجھ پر نثار کیوں ؟	یہ جان بیقرار ہے تجھ پر نثار کیوں؟
۲۔ کیوں بیقرار کرتی ہے تیری ادا اسے ؟	۲۔ سیماب وار رکھتی ہے تیری ادا اسے؟
آدابِ عشق تونے سکھائے ہیں کیا اسے؟	...

عقل و دل

(۹)

رسالہ مخزن لاہور ماہ مئی ۱۹۰۲ء	بانگ درا صفحہ ۲۸

(خطِ منظوم مندرجہ مخزن کا ڈسٹرکٹا)

۱۔ ہوں زمیں پر، گذر فلک پہ مری	۱۔ ہوں زمیں پر، گذر فلک پہ مرا
دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں	...
۲۔ رہبری دہر میں ہے کام مرا	۲۔ کام دنیا میں رہبری ہے مرا
رشکِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں	مثلِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں
۳۔ دل نے سن کر کہا کہ سب سچ ہے	۳۔ دل نے سنکر کہا یہ سب سچ ہے
پر مجھے بھی تو دیکھ، کیا ہوں میں	.....
۴۔ ہے تجھے واسطہ مظاہر سے	۴۔ .....
اور باطن کو دیکھتا ہوں میں	اور باطن سے آشنا ہوں میں

رسالہ مخزن ماہ جنوری ۱۹۰۳ء	بانگ درا صفحہ ۴۴
۴۔ نور کے واسطے محتاج ہے ہستی میری	۴۔ نور خورشید کی محتاج ہے ہستی تیری
اور بے منت خورشید چمک ہے تیری	

پیام صبح
(۱۶)

کلیات اقبال صفحہ ۱۲۱	بانگ درا صفحہ ۴۷
۱۔ صدا دی اس طرح دیوار گلشن پر کھڑی ہو کر	۱۔ پکاری اس طرح دیوار گلشن پر کھڑے ہو کر
چٹک او غنچۂ گل تو موذن ہے گلستاں کا	...
۲۔ گئی گور غریباں کو جو وہ زندوں کی بستی سے	۲۔ سوئے گور غریباں جب گئی زندوں کی بستی سے
تو یوں بولی نظارہ دیکھ کر شہر خموشاں کا	.....

عشق اور موت
(۱۷)

رسالہ مخزن ماہ نومبر ۱۹۰۳ء	بانگ درا صفحہ ۴۸
۱۔ سہانی نمود جہاں کی گھڑی تھی	....
کہ خود ناخوشی مست جام خوشی تھی	تبسم فشاں زندگی کی کلی تھی

زہد اور رندی
(۱۸)

رسالہ مخزن ماہ دسمبر ۱۹۰۳ء	بانگ درا صفحہ ۵۰
۱۔ لیکن یہ سنا اپنے مریدوں سے ہے میں نے	۱۔ ......
بے لوث ہے جوبن نکہت گل اس کی جوانی	بے داغ ہے مانند سحر اس کی جوانی

رخصت اے بزم جہان

(۱۹)

رسالہ مخزن ماہ مارچ ۱۹۰۴ء	بانگ درا صفحہ ۵۶
۱- باغ عالم مین ہے سب کو محفل آرائی پسند	۱- بزم ہستی مین ہے سب کو محفل آرائی پسند
ہے دلِ شاعر کو لیکن کنجِ تنہائی پسند	...

طفل شیر خوار

(۲۰)

رسالہ مخزن ماہ فروری ۱۹۰۴ء	بانگ درا صفحہ ۶۰
۱- تیرا آئینہ تھا آزاد غبار آرزو	۱- ....
وصل ہستی سے چمک اٹھا شرار آرزو	آنکھ کھلتے ہی چمک اٹھا شرار آرزو

نالۂ فراق

(۲۱)

رسالہ مخزن ماہ مئی ۱۹۰۴ء	بانگ درا صفحہ ۷۴
۱- ذرہ میرے دل کا خورشید آشنا ہونے کو تھا	۱- ....
شکستہ آئینہ عالم نما ہونے کو تھا	آئینہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا

چاند

(۲۲)

رسالہ مخزن جولائی ۱۹۰۴ء	بانگ درا صفحہ ۷۶
۱- مین رہِ منزل مین ہون تو بھی رہِ منزل مین ہے	۱- ...
تیری محفل مین ہو جو سنسان میرے دل مین ہے	تیری محفل مین جو خاموشی ہے میرے دل مین ہے
۲- کچھ بھی اے ماہ مبین مین اور ہون تو اور ہے	۲- ...
یعنی مین صیاد ہون جس کا وہ آہو اور ہے	درد جس پہلو مین اٹھتا ہو وہ پہلو اور ہے

رسالۂ خدنگ نظر لکھنؤ ماہ مئی ۱۹۰۲ء	بانگ درا صفحہ ۳۷
ہائے تو اپنی تجلی کا اگر محرم نہین	اپنے حسنِ عالم آرا سے جو تو محرم نہین
ہمسر یک ذرۂ خاکِ درِ آدم نہین	...
نورِ مسجودِ ملک گرمِ تماشا ہی رہا	...
اور تو منت پذیرِ صبحِ فردا ہی رہا	... (۴)
آرزو و نورِ حقیقت کی ہمارے دل مین ہی (۴)	...
لیلیٔ ذوقِ طلب کا گھر اسی محمل مین ہی	...
ہائے کیا لذت کشودِ عقدۂ مشکل مین ہی	کس قدر لذت کشودِ عقدۂ مشکل مین ہے
لطفِ صد مقصد رسی اس سعیٔ بے حاصل مین ہی	لطفِ صد حاصل ہماری سعیٔ بے حاصل مین ہے
دردِ استفہام سے واقف ترا پہلو نہین	...
جستجوے رازِ قدرت کا شناسا تو نہین	...

دردِ عشق (۱۳)

کلیات اقبال صفحہ ۱۴۲	بانگ درا صفحہ ۳
۱۔ خالی تری شراب سے گلشن کا جام ہو	۱۔ خالی شرابِ عشق سے لالے کا جام ہو
پانی کی بوند گریۂ شبنم کا نام ہو	...
۲۔ پوشیدہ کنجِ دل مین کہین راز ہو ترا	۲۔ پنہان درونِ سینہ کہین راز ہو ترا
اشکِ جگر گداز نہ غماز ہو ترا	...
۳۔ ہر دم مئے خیال کی مستی سے چور ہے	۳۔ ہر دل مئے خیال کی مستی سے چور ہے
کچھ اور آجکل کے کلیمون کا طور ہے	...

سیّد کی لوحِ تربت

(۱۴)

رسالہ مخزن ماہ جنوری ۱۹۰۳ء — بانگ درا صفحہ ۴۲

۱۔ ہے خموشی یاں رہینِ لذتِ تقریر دیکھ
دیدہ باطن سے تو اس لوح کی تحریر دیکھ

۱۔ سنگِ تربت ہے مرا گرویدۂ تقریر دیکھ
چشمِ باطن سے ذرا اس لوح کی تحریر دیکھ

۲۔ وصل کے سامان پیدا ہوں تری تقریر سے
دیکھ! کوئی دل نہ دکھ جائے تری تحریر سے

۲۔ وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ! کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے

۳۔ ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامۂ معجز رقم
دل ترا گیتی نما ہو گر مثالِ جامِ جم

۳۔ ...
شیشۂ دل ہو اگر تیرا مثالِ جامِ جم

۴۔ پاک رکھ اپنی زبان تلمیذِ ربانی ہے تو
ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو

۴۔ پاک رکھ اپنی زبان تلمیذِ رحمانی ہے تو
...

انسان اور بزمِ قدرت

(۱۵)

رسالہ مخزن ماہ ستمبر ۱۹۰۳ء — بانگ درا صفحہ ۵۴

۱۔ صبح سورج کو جو چڑھتے ہوئے دیکھا میں نے
بزمِ معمورۂ ہستی سے یہ پوچھا میں نے

۱۔ صبح خورشیدِ درخشاں کو جو دیکھا میں نے
...

۲۔ مہر نے نور کا گہنا تجھے پہنایا ہے
تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے

۲۔ مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے
...

۳۔ صبح اک گیت سراپا ہے تری عظمت کا
زیرِ خورشید نشاں تک بھی نہیں ظلمت کا

۳۔ صبح اک گیت سراپا ہے تری سطوت کا
...

ادبیات

انقلاب

از جناب سید محمود حسن صاحب قیصر امروہوی

اے وقت آ چاہیے کوئی پھر تازہ انقلاب | ہے تیز نبضِ دہر، عناصر میں پیچ و تاب

مائل ہے جبر و ظلم پہ سرہنگِ روزگار | ہر دم ہے قلبِ سینۂ گیتی میں اضطراب

ہے خار چشمِ حق میں یہ دنیائے رنگ و بو | تلوار کی بہار ہے انسان کا خونِ ناب

انکارِ دین بن گیا معیارِ اوجِ فکر | الحاد ہے کتابِ شرافت کا ایک باب

ہر دم نیا نظام ہے دنیا کے سامنے | ہر سانس اک پیام ہے ہر دم اک انقلاب

حبل المتین کو دستِ خرد سے دئے ہوئے

میدانِ ارتقا میں تمدن ہے رخش تاب

عزم و ضمیر، دلکش آہنگ و لعب | تخئیلِ آرزو گنہ اہرمن کا خواب

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ نوائے چنگ | رقص و سرود و مغبچہ و شاہد و شراب

آلودۂ تصورِ عصیاں دماغ و فکر | ہر سانس اک گناہِ کبیرہ کا ارتکاب

بے آگہی بہ نغمہ، ضمیر و حواس [illegible] | رنگین بادہ، سبحہ و سجادہ و کتاب

ارزانیِ متاعِ نظارہ وہ ہر قدم | رقصِ صنم وہ دعوتِ بدمستی و شراب

نذرِ بتاں کئے ہوئے نقدِ متاعِ علم | واعظ عبا کی اوٹ میں پینے لگا شراب

اعلانِ فسق ننگ کا موجب نہین رہا
معمول روز و شب ہے کبائر کا ارتکاب

جسمِ نفاق و شرک پہ اسلام کی قبا
تہذیبِ نو کے جام مین احکام کی شراب

الجھے ہوئے مجاز مین اندیشہ و خرد
افکار پر محیط ہے پندار کا سحاب

تنگ آگئی ہے جور سے دنیائے آب و گل
لبریز ہو چکا ہے ایاغِ شکیب و تاب

بیدار ہو چکا ہے جہان، دیر ہو گئی
اب چاہتی ہے چشمِ زمانہ سکونِ خواب

اے روح بیقرار نہ ہو انتظار کر
بدلا ہی چاہتا ہے سکون سے یہ اضطراب

سمجھے ہوئے ہین جس کو خزان وہ خزان نہین
ترتیبِ نو کا ہے چمنستان کا فتحِ باب

ہر ایک برہمی ہے پیامِ نظامِ نو
یعنی کہ انقلاب کو لازم ہے انقلاب

غزل

از جناب ڈاکٹر محمد عزیز صاحب

سوزِ نہان سے، لذتِ آہ و فغان سے دور
ہم تجھ سے دور ہو کے رہے لطفِ جان سے دور

کیا مرتبہ ہے صاحبِ تسلیم و صبر کا
تجھ سے قریب، دسترسِ آسمان سے دور

کیا طرفہ ماجرا ہے محبت کا ماجرا
سود و زیان عشق ہے سود و زیان سے دور

مقتل سہی وہ کوچہ مگر اہلِ شوق نے
پایا اُسے نہ زندگیِ جاودان سے دور

پھر سجدہ ہائے شوق مین مصروف ہے جبین
پھر وہ نگاہِ لطف ہے شرح و بیان سے دور

قرب و حضورِ دوست بہت دور ہے عزیزؔ
جب تک مقامِ دل نہ ہو دونون جہان سے دور

بلالؓ

(۲۳)

رسالہ مخزن ماہ ستمبر ۱۹۰۴ء	بانگ درا صفحہ ۸۰
۱۔ نظر تھی مثل سلیمان اداشناس تری	۱۔ نظر تھی صورت سلمان اداشناس تری
شراب دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری	...
۲۔ خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا	۲۔ ...
خوشا وہ روز کہ دیدار عام تھا اس کا	خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

جگنو

(۲۴)

رسالہ مخزن ماہ دسمبر ۱۹۰۴ء	بانگ درا صفحہ ۸۳
۱۔ پروانہ اک پتنگا جگنو بھی اک پتنگا	...
وہ روشنی کا جویا یہ روشنی سراپا	وہ روشنی کا طالب یہ روشنی سراپا

صبح کا ستارہ

(۲۵)

رسالہ مخزن ماہ دسمبر ۱۹۰۴ء	بانگ درا صفحہ ۸۵
۱۔ ہے چمکنے مین مزہ حسن کا زیور ہو کر	۱۔ ہے چمکنے مین مزہ حسن کا زیور بنکر
زینت تاج سر بانوے قیصر ہو کر	زینتِ تاج سر بانوے قیصر بنکر
۲۔ لاکھ وہ ضبط کرے پر مین ٹپک ہی جاؤن	۲۔ ...
دل سے مانند مے تند چھلک ہی جاؤن	ساغر دیدۂ پر نم سے چھلک ہی جاؤن

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

(۲۶)

رسالہ مخزن ماہ فروری سنہ ۱۹۰۵ء	بانگ درا صفحہ ۸۷
۱- بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا	۱- .....
نوح نبی کا ٹھیرا آکر جہاں سفینا	نوح نبی کا آکر ٹھیرا جہاں سفینا

نیا شوالہ

(۲۷)

رسالہ مخزن ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۵ء	بانگ درا صفحہ ۸۸
۱- آمل کے غیریت کے پردوں کو پھر اٹھا دیں	۱- آ غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقش دوئی مٹا دیں	...
۲- سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے جی کی بستی	۲- سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں	...
۳- ہے ریت عاشقوں کی تن من نثار کرنا	۳- شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
رونا ستم اٹھانا اور ان کو پیار کرنا	دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

(باقی)

لغاتِ جدیدہ

مطبوعات جدیدہ

مسلمان شاہی خاندان اور اُن کے سلسلے
مترجمہ جناب عبدالرحمٰن خان صاحب سابق وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۴۲۳ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت پانچ روپے، پتہ ادارۂ ادبیات اردو خیریت آباد حیدرآباد دکن۔

مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج میں دنیا کے مختلف حصوں میں بہت سی حکومتیں قائم کیں اور یکے بادیگرے اُن کے بہت سے خانوادے حکمران ہوئے، ان میں سے بڑی بڑی حکومتیں تو عام طور سے معلوم و مشہور ہیں لیکن بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے نام سے بھی لوگ کم واقف ہیں، عربی میں بھی کوئی ایسی جامع کتاب نہیں ہے جس میں چھوٹی بڑی تمام حکومتوں کا استقصا کیا گیا ہو، رزق اللہ منقلوطی مصری کی تاریخ دول الاسلام میں بھی جو انیسویں صدی کے آغاز کی تصنیف اور اس موضوع پر سب سے زیادہ جامع کتاب ہے، بہت سی حکومتوں کے حالات نہیں ہیں، مشہور انگریز مستشرق اسٹینلی لین پول نے جن کو اسلامی تاریخ کے مورخ کی حیثیت سے خاص شہرت حاصل ہے، دی محمڈن ڈائناسٹیز کے نام سے انگریزی میں ایک کتاب لکھی تھی، مذکورۂ کتاب اسی کا ترجمہ ہے اس میں آغاز اسلام سے اٹھارہویں صدی کے آخر تک کے ایک سو اٹھارہ مسلمان حکمران خاندانوں اور اُن کی حکومتوں کا مختصر ذکر ہے، مصنف کا مقصد صرف ان کا نقشہ مرتب کرنا تھا اس لئے اس میں انکے سیاسی حالات نہیں ہیں، بلکہ ہر حکومت کی بقدر تعارف تاریخ اور اُن کے حکمرانوں کی فہرست ہے، اس کتاب کی تالیف کے زمانہ یعنی اٹھارہویں صدی سے اس وقت تک اسلامی دنیا میں جو تغیرات ہوئے ہیں، اور جو پرانی حکومتیں ختم ہو کر اُن کی

نئی حکومتیں قائم ہو گئی ہیں، مترجم نے دیباچہ میں ان کا مختصر تذکرہ کر دیا ہے، اور اب اس کتاب سے خلافتِ راشدہ سے لیکر اس وقت تک کی تمام اسلامی حکومتوں کا نقشہ معلوم ہو جاتا ہے، اس حیثیت سے یہ کتاب قابلِ قدر ہے،

معدنی دباغت از جناب سید امداد علی صاحب دباغ سیلانوی تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۹ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عار بلا جلد عہ، پتہ مصنف مقام مراد ریاست گوالیار سے ملے گی،

جانوروں کی کھال بھی ملک کی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ اور اس کی دباغت ایک معاشی صنعت اور مستقل فن ہے، اردو میں اس فن پر کوئی کتاب نہیں تھی، مصنف نے جو اس فن کے ماہر اور ریاست گوالیار کی لیدر فیکٹری کے منیجر رہ چکے ہیں، اس موضوع پر یہ کتاب لکھی ہے، اس میں فنِ دباغت کی مختصر تاریخ کھالوں کی حفاظت اور ان کی دباغت کے طریقوں، اور اُن سے متعلق جملہ معلومات کو بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور اُن کی عملی تشریح کے لئے بہت سی تصویریں اور نقشے بھی کتاب میں دیدیئے ہیں، اردو میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے، جس میں بڑے کارخانوں کی اعلیٰ دباغت سے لے کر دیہاتوں کے سادہ طریقوں تک کے لئے یکساں مفید معلومات ہیں جو اس فن کے کاریگروں کیلئے نہایت مفید ہیں،

قانون بین الممالک از جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب استاذ قانون بین الممالک جامعہ عثمانیہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۵۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد تین روپیے، پتہ احسان بک ڈپو رسالہ عبد اللہ حیدر آباد دکن،

مصنف کی علمی شہرت تعارف سے مستغنی ہے، عرصہ ہوا انھوں نے قانون بین الممالک اور ان کے اصول ونظریوں یعنی مختلف سلطنتوں کے باہمی تعلقات کے دستور العمل اور اُن سے متعلقہ قوانین پر یہ کتاب لکھی تھی اب مزید ترمیم واضافوں کیساتھ اس کا دوسرا اڈیشن شائع کیا ہے، ہندوستان کی آزادی کے بعد خارجہ تعلقات کی بنا پر اب ہندوستان

مین بھی قانون بین الممالک کی اہمیت بڑھ گئی ہے اور متعدد یونیورسٹیون مین اس کے شعبے قائم ہو گئے ہین، اس لئے اردو مین ایسی کتابون کی ضرورت ہے، طلبہ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہین،

تحقیقی مقالے ازجناب محمد معین الدین صاحب دردائی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۵۶، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ محمد مظفر الدین بی اے پاکستان کتاب گھر پٹنہ،

یہ کتاب اردو زبان وادب سے متعلق مصنف کے چار مقالون کا مجموعہ ہے، پہلے مقالہ مین اردو کی تاریخی اہمیت دکھائی گئی ہے، دوسرے مین اس کی پیدائش اور ترقی کی تاریخ بیان کی گئی ہے، تیسرے مین اردو نثر کی سرگذشت ہے، چوتھے مین دکن کے قدیم مثنوی گو شعراء کا مختصر تذکرہ اور ان کی مثنویون پر تبصرہ ہے، ان مقالون مین اگرچہ کوئی نئی تحقیق نہین ہے، بلکہ پرانے معلومات کو سلیقہ کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے، تاہم اردو زبان وادب کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والون کے اجمالی معلومات کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہے،

حضور انور ازمولانا صبغۃ اللہ صاحب فرنگی محلی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۴ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت قسم اول ۱۲ قسم دوم ایک روپیہ، پتے مکتبہ جامعہ ملیہ وصدیق بک ڈپو امین آباد لکھنؤ، انصاری لائبریری فرنگی محل لکھنؤ، وانوار بک ڈپو بندر روڈ کراچی،

اس کتاب مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سیرت پاک قلمبند کی گئی ہے، مصنف کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ مصر کے ایک اہل قلم احمد تاجی کی کتاب النبی الاعظم کا ترجمہ اور کچھ حصہ خود ان کی تالیف ہے، زبان صاف اور سلیس اور انداز بیان شگفتہ اور بچون کے پڑھانے کے لائق ہے، اگر سوانح نبوی کے ساتھ اسوۂ حسنہ کے کچھ واقعات بھی بڑھا دیئے جاتے، تو کتاب اور زیادہ مفید ہو جاتی،

آئینہ ازجناب حاجی اصطفا خان صاحب مالک کارخانہ عطر اصغر علی ومحمد علی لکھنؤ، تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۳ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ: عابد ننگ لکھنؤ،

مصنف کو فنون لطیفہ سے خاص ذوق ہے، بعض فنون مین ان کی مہارت کل ہند شہرت

رکھتی ہے، شعر و سخن سے بھی اُن کو ذوق ہے، آئینہ اُن کے کلام کا مجموعہ ہے، اس کے شروع مین مصنف کے قلم سے اُن کے مختصر حالات اور جناب نگہت شاہجہانپوری کے قلم سے کلام پر تبصرہ ہے، اصل مجموعہ، حمد، نعت، منقبت، غزلیات، نظمون، رباعیات، قطعات، سہرے، تاریخ وغیرہ سبھی اصناف سخن پر مشتمل ہے، جو مصنف کی قدرتِ کلام کا ثبوت ہے، اور ہر صنف مین مشق سخن کی پختگی نمایان ہے، زبان صاف وشستہ انداز بیان شگفتہ، خیالات مین حسن مذاق کے ساتھ تغزل کی رنگینی، اور جابجا یا وہ معرفت کی چاشنی بھی ہے، نعت ومنقبت اور صوفیانہ مضامین مین اعتدال قائم رکھنا بہت مشکل ہے، اس لئے مصنف سے بھی کہین کہین بے اعتدالی ہوگئی ہے، مجموعی حیثیت سے آئینہ اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

مفتاح العربیہ از جناب مولانا محفوظ الرحمن صاحب پارلیمنٹری سکریٹری تقطیع اوسط، ضخامت ۱۲۰ صفحے، کاغذ معمولی کتابت وطباعت بہتر قیمت عمر، پتہ:- اکلیل پرنٹنگ پریس بہرائچ،

آج کل بڑے بڑے تعلیم یافتہ مسلمان تک کلام مجید کے معنی و مطالب کو نہین سمجھ سکتے، مذہب سے بے توجہی کے علاوہ اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عربی کی باقاعدہ تعلیم مین بڑا وقت صرف ہوتا ہے، اس لئے جن لوگون کو مذہب کا ذوق بھی ہے ان کو بھی عربی کی تعلیم کا وقت نہین ملتا، اس مشکل کو حل کرنے کے خاص طور سے کلام مجید کی تعلیم اور اسکے ترجمہ کی استعداد پیدا کرنے کے لئے بہت سی کتابین لکھی گئی ہین، اور اس سلسلہ مین لکھنؤ کا دار تعلیمات اسلامی بڑا کام کر رہا ہے، مصنف نے بھی جن کو عربی کی تعلیم و تدریس کا وسیع تجربہ ہے اس مقصد کے لئے مفتاح العربیہ لکھی ہے، اس مین صرف ونحو کے ضروری قواعد کو کلام مجید ہی کے الفاظ و فقرون سے سمجھایا گیا ہے اور اسکی مشقین لغات اور کچھ فقرے بھی اسی سے دیئے گئے ہین جس سے بقدر ضرورت عربی کی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ کلام مجید کے ترجمہ کی استعداد بھی پیدا ہوتی جاتی ہے، اور ایک پڑھا لکھا شخص اس کتاب کی مدد سے چند مہینون مین کلام مجید کا معمولی ترجمہ آسانی کیساتھ کرسکتا ہے،

"م"

مؤلفہ مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی سینوی سابق رفیق دارالمصنفین اعظم گڈھ

ہندوستان مین مسلمانون کا پہلا قافلہ سندھ مین اترا تھا، اور اُن کی پہلی حکومت یہین قائم ہوئی تھی، اور وہ ایک ہزار سال سے اوپر یہان حکمران رہے، آج بھی سندھ کے در و دیوار سے اُن کے آثار نمایان ہین، لیکن اس کے باوجود اُردو مین اسلامی سندھ کی کوئی مفصل و محققانہ تاریخ موجود نہین تھی، دارالمصنفین نے تاریخ ہندوستان کے سلسلہ مین یہ جامع و محققانہ تاریخ مرتب کرائی ہے، اس مین سندھ کا جغرافیہ، مسلمانون کے حملہ سے پیشتر کے مختصر اور اسلامی فتوحات کے مفصل حالات، خلافتِ راشدہ کے زمانہ سے لے کر آٹھوین صدی ہجری تک سندھ جن جن حکومتون کے ماتحت رہا، اُن کی پوری تاریخ اور ان تمام دورون کے نظامِ حکومت، علمی و تمدنی حالات، اور رفاہ عام کے جو جو کام انجام پائے، ان سب کی پوری تفصیل ہے، مسلمان اس قدیم اسلامی خطہ کی تاریخ فراموش کر چکے تھے، اب پھر اس کو یاد کرنے کی ضرورت ہے، یہ کتاب ایسے وقت مین شائع ہو رہی ہے، جب کہ سندھ کی تاریخ کا ایک نیا باب کھل رہا ہے، اور وہان ایک نئی حکومت کی بنیادین استوار ہو رہی ہین،

ضخامت: ۴۰۰ صفحے قیمت: چھ روپیے،

"منیجر"

دار المصنفین کی دینی علمی و ادبی ہیں کتابیں

اقبال کامل

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین، رسالے اور کتابین لکھی گئین لیکن ان سے اُن کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایان نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس مین اُن کے مفصّل سوانح حیات کے علاوہ اُن کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارنامون کے اہم پہلوؤن کی تفصیل کی گئی ہے، اور سوانح حیات کے بعد پہلے اُن کی اردو شاعری پھر فارسی شاعری پر ان کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصّل تبصرہ کیا گیا ہے، اور اُن کے کلام کی تمام ادبی خوبیان دکھلائی گئی ہین، پھر اُن کی شاعری کے اہم موضوعون یعنی فلسفہ خودی، فلسفۂ بیخودی، نظریۂ ملت تعلیم، سیاست، صنفِ لطیف (یعنی عورت) فنون لطیفہ اور نظام اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، مرتبہ مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت: [illegible]

"منیجر"

بزم تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہل قلم تھا، ہمایون نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اُٹھا، جہانگیر نے ادب و انشاء کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء اور فضلاء کو سیم و زر مین تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشاء پردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، تیموری دور کے آخری بادشاہون نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے عروسِ سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شہزادون اور شہزادیون نے بھی علم و ادب کی محفلین سجائین، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء نے شاہانہ سرپرستی مین گوناگون کمالات دکھائے، ان سب کی تفصیل مذکورۂ بالا کتاب مین ملاحظہ فرمائیے، مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے، قیمت: [illegible]

"منیجر"

(پرنٹر و پبلشر صدیق احمد)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۱ ستمبر ۱۹۴۹ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

و

شاہ معین الدین احمد ندوی

قیمت:۔ چھ روپیے سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

دار المصنفین کے سلسلۂ تاریخ اسلام کو بڑا حسن قبول حاصل ہوا، علمی و تعلیمی اداروں نے خصوصیت سے اس کی قدر دانی کی بعض یونیورسٹیوں نے اب اس کو اسلامی تاریخ کے نصاب میں داخل کر لیا، اس لئے چند برسوں کے اندر تقریباً اس کے سب حصے ختم ہو گئے جن کے دوسرے اڈیشن مزید اصلاح و ترمیم اور اضافوں کے ساتھ چھپ کر تیار ہو گئے ہیں اور بعض زیر طباعت ہیں، اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے،

تاریخ اسلام حصہ اول

(عہد رسالت و خلافت راشدہ)

یعنی آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ، ضخامت ۴۹۵ صفحے، قیمت: سے

تاریخ اسلام حصہ دوم

(بنو امیہ)

یعنی اموی سلطنت کی صد سالہ سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ کی تفصیل،

ضخامت ۲۶۳ صفحے،

قیمت سے

تاریخ اسلام حصہ سوم

(بنی عباس اول)

یعنی ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ / ۷۵۰ء سے ابو اسحٰق متقی اللہ ۳۳۳ھ / ۹۴۴ء تک دو صدیوں کی سیاسی تاریخ، (زیر طبع)

تاریخ اسلام جلد چہارم

(بنی عباس دوم)

یعنی مستکفی باللہ کے عہد سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ، ضخامت: ۴۳۲ صفحے

قیمت: عہ

"منیجر"

جلد ۶۴ 	ماہ ذیقعدہ ۱۳۶۸ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۹ء 	عدد ۳

مضامین

شذرات	شاہ معین الدین احمد ندوی	۱۶۲-۱۶۴

مقالات

اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے	مولانا عبد السلام ندوی	۱۶۵-۱۸۶
حضرت ایوب علیہ السلام	مولانا ابو الجلال ندوی رفیق دار المصنفین	۱۸۷-۱۹۸
ترکی ادبیات کا نیا رجحان	جناب مولوی محمود علی خان صاحب مولوی فاضل بی اے مہتمم جامعہ احمدیہ بھوپال،	۱۹۹-۲۱۴
اصلاحات اقبال	جناب محمد بشیر الحق صاحب دسنوی	۲۱۵-۲۳۵

ادبیات

غزل	جناب مولوی اقبال احمد صاحب سہیل بی اے	۲۳۶-۲۳۷
مطبوعات جدیدہ	"م"	۲۳۸-۲۴۰

شذرات

زبان کے بارہ مین گو ابھی دستور ساز اسمبلی مین آخری فیصلہ نہین ہوا ہے، لیکن اس کے قریب قریب کل ہندو ممبر ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط کیلیے مصر ہین، زبان کی مسودہ کمیٹی نے بھی جسکے ایک ممبر مولانا ابوالکلام تھے، ان کے احتجاجی استعفی کے باوجود یہی فیصلہ کیا ہے، اس سے بھی بڑھکر کانگریس کی ورکنگ کمیٹی اور دستور ساز اسمبلی کی کانگریس پارٹی نے بھی جن سے ہندوستانی کی حمایت کی توقع ہوسکتی تھی، ہندی ہی زبان اور دیوناگری رسم الخط کی تائید کی ہے، ان حالات مین دستور ساز اسمبلی کا جو فیصلہ ہوگا وہ ظاہر ہے، اب اس بارہ مین بحث و گفتگو اور شکوہ و شکایت بیکار ہے، ممکن ہے آیندہ حالات موجودہ ذہنیت اور اس فیصلہ کو بدلنے پر مجبور کرین، لیکن اسوقت ہندو تہذیب کی تجدید کے خواب اور قوت و اقتدار کے نشہ مین ارباب حکومت سے زبان کے مسئلہ مین معقولیت کی توقع رکھنا عبث ہے۔

لیکن اس فیصلہ سے اردو زبان ختم نہین ہوسکتی بلکہ ایک حیثیت سے یہ فیصلہ خالص اردو کے حق مین مفید ہے، اگر ہندوستانی حکومت کی زبان قرار دیجاتی تو اردو کے حامی بھی اس پر مطمئن ہوجاتے، اور انکی توجہ اردو کی جانب بہت کم رہ جاتی، لیکن ہندی کے ملک کی زبان قرار پاجانے کے بعد گو اردو کے حامی بھی اسکو سیکھینگے، لیکن اردو سے انکا تعلق منقطع نہ ہوگا، خصوصاً مسلمان تو کسی حال مین بھی اردو کو نہین چھوڑ سکتے، اسکے چھوڑنے کے معنی یہ ہین کہ وہ اپنے مذہبی اور جماعتی وجود کو خیرباد کہدین، اور اب انہین اردو کو اسکی تمام خصوصیات کے ساتھ زندہ رکھنے کا حق ہے، اسمین شبہہ نہین کہ زبان کی ترقی مین حکومت کی سرپرستی کو بڑا دخل ہے، لیکن وہ عام بول چال کی زبان کو نہین مٹا سکتی، اسلیے روزمرہ کی اردو کے مٹنے کا کوئی امکان نہین ہے، کوئی مصنوعی زبان اسکی جگہ نہین لے سکتی، وہ زیادہ سے زیادہ ایک محدود حلقہ کی علمی و ادبی زبان ہوکر رہ جائیگی، اس سے زیادہ اسکی اور کوئی حیثیت نہین ہوسکتی، جو کچھ سوال ہے وہ علمی و ادبی اردو کی بقا کا ہے، لیکن اگر اسکے حامی اسکو باقی رکھنا چاہین تو وہ بھی ختم نہین ہوسکتی،

اردو کی بقا کیلئے کسی بڑی جد و جہد اور ایثار و قربانی کی ضرورت نہین، محض تھوڑی سی توجہ درکار ہے، اسکی چند موٹی تدبیرین یہ ہین کہ اردو کے حامی اپنے بچون کو ہندی کے ساتھ اردو کی تعلیم دلانا بھی اپنا فرض تصور کرین، اگر سرکاری اسکولون مین اس کا انتظام ممکن نہ ہو تو پرانے مکتبی طریقہ کے مطابق گھر پر ابتدائی تعلیم دیجائے، ضروری اور ناگزیر صورتون کے علاوہ تحریر و تقریر اور خط و کتابت وغیرہ مین اردو ہی استعمال کیجائے، اردو اخبارات و کتابون کا مطالعہ کیا جائے، جا بجا اردو کی لائبریریان اور ادبی مجلسین قائم کی جائین، مشاعرون کو ترقی دیجائے، ابتدائی تعلیم کے لیے ایسی ریڈرین تیار کی جائین جن کے ذریعہ بچے کم سے کم وقت مین اور آسانی کے ساتھ اردو لکھنا پڑھنا سیکھ سکین، بالغون کی تعلیم کا نظام قائم کیا جائے، اردو کا ہر حامی کم سے کم ایک ناخواندہ کو اردو سکھانا اپنا فرض بنا لے، اردو کے غیر سرکاری امتحانون کا طریقہ رائج کیا جائے، بلکہ جامعہ اردو آگرہ کو جس کا مرکز اب علی گڈھ ہو گیا ہے اور جو عرصہ سے اس کام کو انجام دے رہی ہے، ترقی دیجائے، اور گورنمنٹ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اس کی سندون کو اردو کی سرکاری سندون کے برابر قرار دے، اس کے علاوہ اردو کے تحفظ اور ترقی کی اور بہت سی صورتین ہین، لیکن سب سے پہلی شرط عمل ہے۔

ابتدائی تعلیم کی زبان اور ثانوی اسکولون مین مختلف زبانون کی تعلیم کے بارہ مین وزرائے تعلیم کی کانفرنس اور یونیورسٹی کمیشن کا یہ فیصلہ کہ بچون کی ابتدائی تعلیم ان کی مادری زبان مین دیجائیگی اور مادری زبان وہ مانی جائیگی جو بچون کے والدین بتائین گے، اور جس ثانوی اسکول مین چالیس طالب علم یا کسی درجہ مین دس طالب علم کسی زبان کو سیکھنا چاہین گے تو اس کا انتظام کیا جائے گا، تعلیمی نقطۂ نظر سے بھی نہایت مناسب اور مفید ہے، اور اس سے مختلف صوبون کے باشندون کو بھی اطمینان ہو جائے گا، بشرطیکہ اس پر عمل بھی ہو، درحقیقت بچون کو غیر مادری زبان مین ابتدائی تعلیم دینا تعلیم سے دشمنی ہے، ضرورت ہے کہ جمعیۃ العلماء، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور انجمن ترقی اردو مذکورۂ بالا فیصلہ کے نفاذ کی نگرانی کا فرض انجام دین، جہان اس پر عمل نہ ہو، یا ہو وہان کے باشندے ان ادارون کے ذریعہ حکومت تک شکایت پہنچائین، ورنہ جیسا کہ تجربہ ہے محض مقامی کوشش بے سود ہوگی،

مقالات

اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے

رفاہِ عام کے کام

از مولانا عبد السلام ندوی

(۳)

نہر رفاہِ عام کی جن چیزوں کا ذکر اوپر کیا گیا، اگرچہ ان کا فیض نہایت وسیع و عام تھا، تاہم خاص خاص طبقوں تک محدود تھا، شفاخانوں سے صرف مریض فائدہ اٹھا سکتے تھے، سراؤں اور مہمان خانوں سے صرف مسافروں کو فائدہ پہنچتا تھا، اور لنگرخانوں سے صرف فقرا و مساکین متمتع ہوسکتے تھے، لیکن نہر، تالاب، کنوئیں، اور پل وغیرہ کا فائدہ کسی خاص طبقے تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس سے ہر شخص چھوٹا بڑا، غریب و امیر سب یکساں طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور فرمانروایانِ اسلام نے ہندوستان میں اس قسم کے بکثرت آثارِ خیر اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔

ان چیزوں میں ہندوستان جیسے زرعی ملک کے لئے نہریں سب سے زیادہ ضروری تھیں، اور غالباً سب سے پہلے فیروز شاہ تغلق نے متعدد نہریں جاری کیں، چنانچہ اس نے ۷۵۵ھ میں جب دلی کے پاس دریائے جمنا کے کنارے فیروز آباد کو آباد کیا، تو ستلج سے جھجھر تک جس کی مسافت ۴۸ کوس ہے، ایک بڑی نہر نکالی۔ ۷۵۶ھ میں دریائے جمنا سے ایک نہر نکال کر اس کے ساتھ سات نہریں اور ملائیں، اور ان کو ہانسی تک لے گیا

اور اس کے بعد حصار فیروزہ کے نام سے ایک حصار قائم کیا، اور اس حصار کے نیچے محل کے پاس ایک تالاب کھدوایا، اور اس کو نہر کے پانی سے بھر دیا، آب گنگر سے ایک اور نہر نکالی اور اس کو حصار سرستی سے آگے بڑھا کر نہر سر کھترہ تک پہنچایا، اور اس جگہ فیروزآباد کے نام سے ایک شہر آباد کیا، اور جمنا سے ایک نہر نکال کر اس شہر کے تالاب میں لایا[1]، اس کے بعد سلطان زین العابدین نے کشمیر میں نہایت کثرت سے زرعی نہریں جاری کیں، چنانچہ تاریخ فرشتہ میں ہے،

"اکثر اوقات او بتعمیر ولایات و تکثیر زراعات دیر آوردن آبہا بجاے رود مصروف می گشت[2]"

درکالپور و غیر آن آبہا از دور آوردہ، جوہیا میکند، و بلیانی پست و زراعتہا بسیاری فرمود، و در مملکت کشمیر ہیچ زمینے بے آب و زراعت نماند،[3]

اس کے بعد تیموری دور میں ایرانی طرز کی نہروں کا رواج ہوا اور اکبر کے دور حکومت میں اس کی ابتدا ہوئی، ایران میں نہریں اور چشمے باغوں اور گھروں میں جاری رہتے ہیں، اور لوگ اُن سے بآسانی فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن ہندوستان میں اس قسم کی نہروں اور چشموں کا وجود نہ تھا، چنانچہ بابر تزک میں لکھتا ہے:-

"در باغ و عمارتہا آب روان نے"

یہاں کے لوگوں کا دارو مدار صرف کنووں، تالابوں اور ندیوں کے پانی پر تھا جن کی نہایت کثرت تھی، اور بعض شہروں اور دیہاتوں کے متصل واقع تھیں لیکن اُن سے نہریں اور چشمے نکال کر گھروں، اور باغوں میں نہیں لائے جاتے تھے، بلکہ لوگ کنووں اور تالابوں کی طرح ندیوں سے پانی نکال کر اپنے گھروں میں لاتے تھے، اور اس کو استعمال کرتے تھے لیکن دور تیموری میں خانخاناں نے بالکل ایرانی طرز پر برہانپور میں اس قسم کی ایک نہر نکالی اور لعل باغ سے مسجد جامع تک جو برہانپور کے میدان کے پہلو یعنی وسط شہر میں واقع ہے، اس کو پختہ کرایا، اور مسجد میں ایک حوض اور ایک عمارت تیار کرائی، کہ اس میں اس نہر کا پانی جمع رہے، اور لوگ آسانی کے ساتھ وضو کر سکیں، اور وہاں سے اہل شہر اپنے مکانوں میں پانی

[1] فرشتہ جلد اول ص ۱۵۰ [2] ایضاً جلد ۲ ص ۳۴۴ [3] ایضاً صفحہ ۳۴۴

لے جاسکین، اور وہ اہل شہر کے اکثر مکانون مین جاری ہوسکے۔

مولانا فرید الدین منجم دہلوی نے اس نہر کی تاریخ بنا یہ نکالی ہے۔

سپہ سالار گیتی خانخانان ستون بارگاہ شہریاری
کف رادش پل رود سوال است نم دستش زجود ابر بہاری
روان کرد و بشہر اندر قناتے کز و سیراب گردد سوق و داری
در ایام جہانگیر جہان بخش کہ از فرقش بناز د تاجداری
گرفت انجام کار چشمۂ خیر مبادا انجام جریانش زیاری
بود چون دولت نامیش لازال بود تا دور ہاے روزگاری
دل دانا ز تاریخش بپرسید جوابش داد ہاتف خیر جاری ۱۰۲۴ھ

اس کے بعد ۱۰۴۹ھ مین علی مردان خان کشمیر سے شاہجہان کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ میرے ساتھ ایران کے چند اشخاص ہین، جو نہرون کے کھودنے مین مہارت رکھتے ہین، اگر حکم ہو تو دریاے راوی سے ایک نہر نکال کر شہر مین لائی جائے، جس سے شہر کے مزروعات اور باغات سرسبز و شاداب ہون، اور شہر کی رونق کے ساتھ زمینون کے محاصل مین بھی اضافہ ہو، شاہجہان نے اس تجویز کو پسند کیا، اور اس کے مصارف کے لئے لاکھ روپیہ عطا کئے۔ علی مردان خان نے اس کام کے لئے ایک معتبر شخص کو مقرر کیا، اور اس نے ۴۸ کوس جریبی کی مسافت سے کہ راوی اور لاہور مین اسی قدر فاصلہ تھا، نہر نکالنی شروع کی[1]، لیکن چونکہ اس سے لاہور کے آس پاس کے باغون مین اچھی طرح پانی نہین پہنچتا تھا، اس لئے شاہجہان نے لاکھ روپیہ اور دیئے، لیکن اس سے بھی نہر کی مرمت نہ ہو سکی، اور پچاس ہزار روپیہ صرف کرنے کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہین نکلا، اب ملا علاء الملک تونی نے جو فنون ریاضی

---

[1] ماثر رحیمی جلد دوم ص ۲۰۲،۲۰۱، ۲۰۳۔ [2] خافی خان جلد اول ص ۵۰۱۔

کے ماہر تھے، اور علم آب ترازو سے بھی واقفیت رکھتے تھے، اس نہر کو پانچ کوس تک قائم رکھکر ۳۰ کوس تک اور کھدوایا، اور اس ترمیم واصلاح کے بعد شہر مین کافی پانی آنے لگا،[۵۰]

اس کے بعد قطب الملک سید عبد اللہ خان نے جو فرخ سیر کے وزیر اعظم تھے، ۱۱۲۷ھ مین شاہجہان آباد مین ایک نہر نکالی جس کی نسبت صاحب مآثر الامراء لکھتے ہین،

"از آثار اوست نہر چٹ پر گنج واقع شاہجہان آباد (کہ از بے آبی علم کر بیاد اشت) قطب الملک در سنہ (۱۱۲۷ھ) سبع وعشرین ومائۃ والف نہرے از اصل نہر شاہجہانی بریدہ آوردن خطۂ مذکور وفور آب احیا نمود۔"

میر عبد الجلیل بلگرامی نے اس نہر کے متعلق دو شعر کا ایک تاریخی قطعہ لکھا ہے،

بحر جود وفیض قطب الملک عبد اللہ خان	نہر خیرے کرد جاری آن وزیر محتشم
بہر آن عبد الجلیل واسطی تاریخ گفت	نہر قطب الملک مد بحر احسان وکرم[۵۱]

تالاب نہرون کی طرح آب پاشی اور دوسری ضروریات کے لئے تالابون کی بھی ضرورت ہے، اور فرمانروایان اسلام مین سلطان علاء الدین خلجی نے سب سے زیادہ اس طرف توجہ کی، اور دوسری عمارتون کے ساتھ بکثرت تالاب کھدوائے، چنانچہ فرشتہ مین ہے،

"آن قدر عمارت کہ در عہد او بنا یافت از مسجد وخانقاہ وحوض ومنارہ وحصار در ہیچ عصرے بوقوع نیامدہ"[۵۲]

اس کے بعد تیموری دور مین شہنشاہ اکبر نے تعمیرات کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا، اور اس کے ذریعہ[۵۳] بکثرت تالاب کھودے گئے، آئین اکبری مین ہے،

"ہر جا نشان آب گیر و چاہ کہ جان وار وسنا ندگان وآبروے زمینہا است بر آن کار آید"[۵۴]

---

۵۰ فرشتہ ... ۵۱ ... ص ... ۵۲ ... ۵۳ فرشتہ جلد اول ص ۱۲۰ ۵۴ آئین اکبری جلد اول صفحہ ...

اس محکمہ کے علاوہ دور اکبری میں انفرادی کوششوں سے بھی متعدد تالاب کھودے گئے، چنانچہ امرائے اکبری میں شیخ عبدالرحیم لکھنوی نے ایک برہمن عورت کشنا نامی کو گھر میں ڈال لیا تھا، اور جب ان کا انتقال ہوا تو اس نے بہت سے پُرتکلف مکانات بنوائے، اور تالاب کھدوائے[1]، شاہ قلی خان المتوفی ۱۰۱۰ھ نے اپنے وطن نارنول میں ایک بہت بڑا تالاب کھدوایا[2]۔

امرائے اکبری میں ایک اور نہایت فیاض بزرگ شیخ فرید مرتضیٰ خان تھے، انھوں نے دہلی میں فرید آباد کو آباد کیا تھا، اور اس میں بہت سی عمارتوں کے ساتھ ایک تالاب بھی اپنی یادگار میں چھوڑا، چنانچہ مآثر الامراء میں ہے :

"در دہلی فرید آباد با عمارات و تالاب یادگار گذاشت[3]"

امرائے اکبری میں اعتماد خان نے بھی آگرہ سے چھ کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں اعتماد پور کے نام سے آباد کرایا، اور اس میں ایک تالاب کھدوایا، اور اسی گاؤں میں اپنا مقبرہ بھی تعمیر کرایا جو [illegible] زیارت گاہ عام و خاص ہے[4]،

ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دیہاتوں کی آبادی اور رونق کا ایک ضروری جزو تالاب بھی تھے، اس لئے جو لوگ دیہاتوں کو آباد کرتے تھے، وہ وہاں مکانوں کے ساتھ تالاب بھی کھدواتے تھے،

اکبر کے بعد جہانگیر نے تالابوں کے کھدوانے کا ایک خاص نظام قائم کیا، اور اپنی تخت نشینی کے ساتھ ہی عام اعلان کیا کہ

"در ممالک محروسہ ہر کافر و مسلمان کہ فوت شود اموال و اسباب او را بوارث او گذارند

ہیچ کس در آن دخل نسازد و اگر وارث نداشتہ باشد ضبط آن [illegible] مسجد و تجدید [illegible]"

---

[1] مآثر الامراء حصہ دوم ص [illegible] [2] مآثر الامراء حصہ دوم ص [illegible] [3] ایضاً حصہ [illegible] [4] [illegible]

علفہ تعیین نمایند تاآن وجہ بعمارت شرعی کہ ساختن مساجد وسرا ہا ومرمت پلہائے شکستہ و احداث تالابہا وچاہ ہا باشد صرف شود[1]"

اسی زمانے مین ملک عنبر نے دکن مین ایک تالاب کھدوایا، اور اس سے ایک گانون کی رونق وآبادی مین اضافہ کیا، چنانچہ صاحب مآثر الامراء لکھتے ہین،

"باین ہمہ فساد وہنگامہ (کہ پیوستہ با فوج مغل ولشکر دکن زد وخورد داشتہ) موضع کھرکی پنج کروہے دولت آباد را کہ الحال بخجستہ بنیاد اورنگ آباد موسوم است) باحداث تالاب وطرح باغ وعمارات عالیہ معمورۂ عظیم ساخت[2]"

جہانگیر کے بعد شاہجہان نے عمارتون اور باغون کی رونق وسرسبزی کے لئے متعدد حوض وتالاب بنوائے، چنانچہ حافظ رخنہ نے سرہند مین اکبر کے زمانہ مین ایک نہایت عمدہ باغ لگوایا تھا، ایک بار شاہجہان نے اس مین قیام کیا، تو اس کے متصل ایک نہایت عمدہ تالاب کھدوایا[3] اسی مقام پر دیانت خان فوجدار سرہند کو حکم دیا کہ ایک نہایت عمدہ عمارت تیار کرائین جس کے ایک طرف باغ اور دوسری طرف تالاب ہو[4]، کشمیر کے ایک گاؤن اچول مین جس کا نام شاہجہان نے صاحب آباد رکھا تھا، جہانگیر نے جو شاہی عمارتین تیار کرائی تھین، وہ شاہجہان کو پسند نہ آئین، اس لئے حکم دیا کہ اُن کے بجائے دوسری عمارتین آبشارون اور حوضون کے ساتھ تعمیر کرائی جائین[5]۔

شاہجہان کے بعد اگرچہ عالمگیر نے خود کوئی حوض یا تالاب نہین کھدوایا، لیکن امرائے عالمگیری مین خان زمان نے قصبہ نارنول مین ایک عظیم الشان تالاب کھدوایا، جس کے سامنے شاہ قلی خان کے تالاب کی کوئی وقعت نہین رہی، چنانچہ صاحب مآثر الامرا لکھتے ہین،

---

[1] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۵ [2] مآثر الامرا حصہ سوم ص ۵۳۴ [3] بادشاہ نامہ حصہ دوم ص ۹ [4] ایضاً [5] ایضاً حصہ دوم ص ۱۵،

"و در نواحِ آن قصبہ خلیل ساگر تالابے بر ساخت کہ تا لِ شاہ قلی خان محرم راہش آبرو نماند"[51]

عالمگیر کے بعد محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ مین حسین علی خان نے اورنگ آباد مین ایک حوض بنوایا جس کو عضد الدولہ عوض خان المتوفی سنہ ۱۱۴۳ھ نے اور بھی زیادہ وسیع کیا، چنانچہ خافی خان لکھتا ہے:

"حوض آب در خجستہ بنیاد بناگذاشتہ اوست، اگرچہ عضد الدولہ عوض خان بہادر در وسعت ارتفاع عمارت مسجد افزودہ اما اصل بانی بنائے خیر جاری آن حوض در موسم در ایام تابستان از قلت آب سکنۂ خجستہ بنیاد در عذاب بودند حسین علی خان گردیدہ"[52]

کنوئین | فرمانروایانِ اسلام نے ہندوستان مین تالابون کی طرح نہایت کثرت سے کنوئین بھی کھدوائے، تاریخ فرشتہ مین لکھا ہے کہ[53]

...... فیروز شاہ تغلق نے اپنے دورِ حکومت مین ڈیڑھ سو کنوئین کھدوائے تھے،

اس کے بعد شیر شاہ نے بنگال سے لے کر اکبر آباد، مانڈو اور رہتاس تک مسافرون کے لئے راستون مین پختہ کنوئین تیار کرائے[54] شیر شاہ کے بعد اکبر نے ایک مستقل محکمۂ تعمیرات قائم کیا، اور اس کے ذریعہ بکثرت کنوئین کھدوائے[55]، خلاصۃ التواریخ مین ہے کہ اکبر نے اجمیر سے فتح پور تک ایک ایک کوس کے فاصلے پر پختہ کنوئین کھدوائے تھے، تاکہ وہ کوس کی علامت قرار پائین، اور اسی کے ساتھ منارے بھی بنوائے تھے، اور اُن پر شکار شدہ ہرنون کی سینگین لگوائی تھین "تاکہ رہروان را اعتقادے و دلیلے بودہ باشد"

اکبر کے بعد جہانگیر نے ایک عام قاعدہ مقرر کر دیا کہ جو لوگ لاوارث مرجائین، اُن کے مال سے سرکاری طور پر مسجدین اور سرائین تعمیر کرائی جائین، ٹوٹے ہوئے پلون کی مرمت کرائی جائے اور

---

[51] مآثر الامرا حصہ اوّل ص ۴۰۰، [52] خافی خان حصہ سوم ص ۲۳۴ و [53] فرشتہ جلد اوّل ص ۱۵۱ [54] خافی خان جلد اوّل ص ۱۰۲ [55] آئین اکبری جلد اول ص ۱۱۵،

کنوئیں اور تالاب کھدوائے جائیں، یہ تو خاص سرکاری انتظام تھا، لیکن جاگیرداروں کے لئے حکم تھا کہ جو راستے آبادی سے دور ہوں، اور وہاں چوریاں اور ڈکیتیاں ہوتی ہوں، وہاں سرائے، مسجد اور کنوئیں تیار کرائیں، تاکہ کچھ لوگ وہاں آباد ہو جائیں، اس کے علاوہ جہانگیر نے آگرہ سے لاہور تک ایک ایک کوس پر سنگ میل نصب کرائے، اور تین تین کوس کے فاصلہ پر کنوئیں کھدوائے، چنانچہ تزک میں لکھتا ہے:-

"پیش ازین حسب الحکم از دار الخلافۃ آگرہ تا دریائے اٹک دو طرفہ درخت نشانیدہ خیابان ترتیب دادہ اند، و ہمچنین از آگرہ تا بنگالہ و دیوان حکم کردم کہ از آگرہ تا لاہور بر سر ہر کروہے میلے بسازند کہ علامت کروہ باشد و بفاصلہ سہ کروہ چاہ آبے تا مترددین آسودہ دم فراغ حال آمد و رفت نمایند از تشنگی و تابش آفتاب محنت و صعوبت نکشند"[۱]

عالمگیر نے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، راستوں میں جو سرائیں تعمیر کرائی تھیں، اُن کے ساتھ پختہ کنوئیں بھی کھدوائے تھے۔

حمام | ہندوستان میں حمام صرف اسلامی دور حکومت کی تمدنی پیداوار ہے، ہندوؤں کے یہاں حمام کا مطلق رواج نہ تھا، چنانچہ ملا عبد الباقی نہاوندی مآثر رحیمی میں لکھتے ہیں:

"در ولایت ہندوستان و امصار و بلاد آن بجہت آنکہ این وسعت آباد در تصرف کفرہ و ہنود بودہ، مردم آنجا از رہ حمام ساختن غافل اند، از این سعادت محروم بودند و مسلمانان کہ درین دیار بودہ و ہستند از این جہت بمشقت و آزار بسیار می کشیدہ اند"[۲]

بابر نے اپنی تزک میں ہندوستان کی تمدنی حالت پر جو اجمالی ریویو کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے وقت تک ہندوستان میں حمام کا وجود نہ تھا، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"بیشتر عیب ہندوستان درباز... حمام نے و مدرسہ نے"

---

[۱] تزک جہانگیری مطبع نولکشور ص ۵ [۱] ایضاً ص ۲۰۰ [۲] مآثر رحیمی جلد دوم ص ۶۰۰، ۶۰۱۔

شمع و مشعل نے، و شمعدان نے،

لیکن تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بابر سے پہلے ہندوستان میں فیروز شاہ دس حمام تعمیر کرا چکا تھا[51]، تاہم آرام و آسایش کے ساتھ حمام تکلف و نفاست کی چیز بھی ہے، اور تیموری تکلف و نفاست میں اور مسلمان فرمانروایان ہندوستان سے بڑھے ہوئے تھے، اور یہ تکلف بابر ہی کے زمانہ سے شروع ہو چکا تھا، چنانچہ خافی خان ایک موقع پر لکھتا ہے:

"بعدہٗ ہمراہ سلطان جنید بخدمت و ملازمت حضرت فردوس مکانی محمد بابر شاہ غازی رفتہ روشناس گشت و چند گاہ در رکاب ماندہ از اطوار سلطنت مغلیہ واقف و محرم گشتہ اکثر بزبان می آورد کہ از اندازۂ روش و نسق چنتہ معلوم می شود کہ اینہا را از ہندوستان بیرون کردن چندان کاری نیست رفقا بتمسخر و ہذیان گفتن، اورا مطعون می ساختند، و او مکرر بزبان می آمد کہ چون مغلان باسباب و تزک و گرد آوری اشیاے خود آرائی و تن پروری آن قدر پرداختہ اند کہ ہمہ کار کلی و جزوی بامراء و نوکران مرتشی واگذاشتہ اند"[52]

اس بنا پر تیموری دور میں حمام کا زیادہ رواج ہوا، اور بکثرت حمام تعمیر ہوئے، چنانچہ اکبری دور میں عبدالرحیم خانخاناں نے برہان پور کے میدان میں ایک نہایت عمدہ حمام بنوایا، جس کی نسبت ملا عبدالباقی نہاوندی لکھتے ہیں:-

"در ایران بصفا و پاکیزگی آن بہم نمی رسد و فقرا و مساکین از آن فیض می برند"[53]

جہانگیر نے اگرچہ خود کوئی حمام نہیں بنوایا، تاہم اس کے دور میں بھی بعض حمام تعمیر ہوئے، وہ خود تزک میں لکھتا ہے،

"حسب الالتماس آصف خان بمنزل او کہ در کنار جمنا اساس یافتہ رفتہ شد حمامے ساختہ

---

۵۱ فرشتہ جلد دوم ص ۱۵۰، ۵۲ خافی خان حصہ اول ص ۹۰، ۵۳ مآثر رحیمی جلد دوم ص ۶۰۱،

در نہایت صفا و نفاست بغایت محظوظ گشتم"[51]

اس کے بعد شاہجہان نے کشمیر میں شالہ مار یعنی باغ فرح بخش کے متصل شمالی جانب ایک نہایت عمدہ حمام بنوایا[52] اور اس کے ارکانِ سلطنت میں وزیر خان نے بھی لاہور میں ایک حمام تعمیر کیا[53]، شاہجہان کے بعد عالمگیر کے زمانہ میں نہایت کثرت سے حمام تعمیر ہوئے، چنانچہ اس نے یہ حکم دیا کہ جن راستوں میں سرائیں نہ ہوں، اُن میں سرائیں قائم کی جائیں، اور ہر سرائے کے ساتھ ایک حمام بھی ہو[54]، امرائے عالمگیری میں امانت خان میرک نے بھی لاہور میں ایک حمام بنوایا، جس کی نسبت صاحب مآثر الامرا لکھتے ہیں،

"حمام طرح نمودہ کہ مشہور عالم است"[55]

عالمگیر کے زمانہ میں ایک اور مشہور حمام تھا جس کو سنجر بیگ نے بنوایا تھا"[56]

پل فرمانروایانِ اسلام کے دورِ حکومت میں ہندوستان میں نہایت کثرت سے پل تیار ہوئے تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ تغلق نے ایک سو پل بنوائے تھے[57]، اس کے بعد سلطان زین العابدین نے کشمیر میں نہایت کثرت سے پل بنوائے،[58]

شہنشاہ اکبر نے اگرچہ خود کوئی پل نہیں تعمیر کرایا تاہم اس کے امرا میں خانخانان نے جونپور میں جو پل تعمیر کیا، اس کی شہرت آج بھی قائم ہے، چنانچہ صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں،

"از ابنیۂ خانخانان کہ بر روئے روزگار بر صفحۂ ایام یادگار خواہد ماند) پل جونپور است کہ صراط المستقیم ۹۸۱ھ تاریخ آنست و از اعاظم جسور ممالک محروسہ است"[59]

جہانگیر نے جیسا کہ ابھی لکھا جا چکا ہے، لاوارث لوگوں کے مال کا ایک مصرف شکستہ پلوں کی مرمت

---

[51] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۰۰ [52] بادشاہ نامہ حصہ دوم ص ۲۴ [53] مآثر الامراء حصہ سوم ص ۹۲۸ [54] عالمگیر نامہ ص ۱۰۸۲ [55] مآثر الامراء حصہ دوم ص ۲۹۳، [56] ایضاً ص ۲۹۹، [57] فرشتہ جلد اول ص ۱۵۱ [58] ایضاً جلد دوم ص ۳۴۳ [59] مآثر الامراء حصہ اول ص ۶۴۵

واصلاح قرار دیا تھا، اس کے علاوہ اس نے بذاتِ خود بھی بعض پل تعمیر کرائے، چنانچہ تزک مین لکھتا ہی،

"پنج ہزار روپیہ دیگر از زر وزن بجہت تعمیر پل باباحسن ابدال و عمارتے کہ درآن جا واقع است حوالہ ابوالوفا پسر حکیم ابوالفتح شد کہ اہتمام نمودہ پل و عمارات مذکور را در غایت استحکام بہ انصرام رساند"[1]

جہانگیر کے بعد عالمگیر نے نہایت کثرت سے پل تعمیر کرائے، اور عام حکم دیا کہ

"در ہر موضع کہ پل درکار باشد نیز باستحکام تمام بسازند"[2]

عالمگیر کے دورِ حکومت مین شایستہ خان امیر الامرا نے بھی نہایت کثرت سے پل تعمیر کرائے، چنانچہ صاحب مآثر الامراء ان کے تذکرہ مین لکھتے ہین،

"آثارِ خیر از قبیل رباط و مسجد و جسر (کہ لکھا بصرف آن رفتہ) در چار دانگ ہندوستان بسیار یادگار"[3]

اس کے بعد محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ مین حسین علی خان نے اپنے وطن بارہہ مین پل تعمیر کرائے[4]،

اسی دور مین نواب آصف جاہ نے دکن کے ایک مقام مین ایک پل تعمیر کرایا، چنانچہ مآثر الامراء مین ہی

"و آبادی نظام آباد بالائے کتل فرداپور (کہ در ویرانہ محض بود) طرح انداخت و مسجد و دکاکین و سرا و دولت خانہ و پل تعمیر نمود"[5]

پلون کے علاوہ فیروز شاہ تغلق نے پچاس بند بھی بندھوائے تھے[6]،

بازار اسلامی دورِ حکومت مین بہ کثرت بازار قائم کئے گئے، بالخصوص سکندر لودی نے ان تمام مقامات پر بازار قائم کئے جہان ہندو غسل کرتے تھے[7]، عالمگیر نے ہندوستان کے جن راستون مین سرائین تعمیر

---

[1] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ،، [2] عالمگیر نامہ ص ۱۰۸۵، [3] مآثر الامراء حصہ دوم ص ۵۰، [4] بقیہ خافی خان ص ۹۳۳ [5] مآثر الامراء حصہ سوم ص ۸۳۳ [6] فرشتہ جلد اوّل ص ۱۵۱ [7] فرشتہ جلد اول ص ۱۸۶،

کروائی تھیں، اُن کے ساتھ بازار بھی قائم کئے تھے۔[51]

اس کے علاوہ رفاہِ عام کی اور بھی بہت سی چیزیں وجود میں آئیں، مثلاً فیروز شاہ نے سو مقبرے بنوائے، جہانگیر نے تمام بڑے بڑے شہروں میں ڈھائی تین گز کی بلند دیواریں اس غرض سے بنوائیں کہ جب بوجھ اٹھانے والوں کو سستانے کی ضرورت پیش آئے، تو اپنے سر کے بوجھ کو اتار کر خود اُس پر رکھ سکیں اور پھر دوبارہ اٹھانے میں اُن کو کسی مددگار کی حاجت نہ پڑے، چنانچہ تزک میں لکھا ہے،

"روز جمعہ بست و دوم چہار کروہ مسافت طے نمودہ در موضع باریچہ سعادت نزول اتفاق افتاد درین راہ دیوارہا بنظر درآمد از دو نیم گز تا سہ گز بعد از تحقیق معلوم شد کہ مردم بقصد ثواب ساختہ اند کہ چون حمالے درراہ ماندہ شود بارِ خود بران دیوار نہادہ نفسے راست سازد و باز بے مددِ غیر بفراغت برداشتہ متوجہ مقصد گردد این تصرف خاصہ اہلِ گجرات است بسیار مرا این دیوار ساختن خوش آمد، فرمودم کہ در جمیع شہرہاے کلان ہمین دستور دیوارہا از طرف پادشاہی بسازند"[52]

راستوں اور گلیوں کی صفائی ہندوستان میں فرمانروایانِ اسلام نے راستوں اور گلیوں کی صفائی اور روشنی کا ضرور کوئی انتظام کیا ہوگا لیکن افسوس ہے کہ تاریخوں میں اس کی تفصیل نہیں ملتی، البتہ تیمور کے سلسلہ میں فرمانروایانِ سلسلۂ عادل شاہیہ کے جو ضوابط سلطنت مذکور ہیں، ان میں اس کا بھی ایک خاص ضابطہ موجود ہے، چنانچہ اس ضابطہ کے الفاظ یہ ہیں،

"از دربار بادشاہی راستہاے بازار تا ہر دو دروازہ از دو جانب باتمام کمال برسانند و معمور دارند چہ بازارہا از دو طرف معمور باشد جہ جانب سودا خریدی نزدیک خواہد شد، و درمیان راستہ بازارہا نگذارند کہ خیمہ و چھپرہ و دوکانہا بدارند، بجز دو راستہ درمیان ہیچ دوکان حاجت نیست، و دران کوشند کہ بقال و زیات و بزاز و خیاط و زین خیمہ دوز و طباق و ہر قومے

---

[51] عالمگیر نامہ ص ۱۰۰۸ [52] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۱۰

پہلوے ہمدیگر یک راستہ بمانند و دوکان داشتہ باشند و تا کہ راستہ و بازارہا تمام معمور می شوند محلہ ہا و کوچہ ہا منظور بدارند[۵۱] و ہمیشہ شاہراہ ہا و کوچہ ہا و بازارہا بتاکید پاک و صاف نگہدا شتہ در منظر و سرا ہاے رہ ہیچ جا خس و خاشاک افتادن ندہند و از دو راستہ بازار ہیچ دوکانے ناآباد و خراب نگذارند[۵۲]"

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں راستون کی صفائی اور دوکانون کی ترتیب کا انتظام اس زمانہ سے کم نہ تھا

موذی جانورون کا مارنا موذی جانورون کے حملون سے رعایا کا محفوظ رکھنا رفاہ عام کی ایک صورت ہے اور بعض فرمانروایان اسلام نے اس مین اس قدر کوشش کی تھی کہ اپنے حدود سلطنت کو موذی جانورون سے بالکل پاک وصاف کر دیا تھا چنانچہ سلطان محمود خلجی کے زمانہ مین کسی مسافر کو شیر نے پھاڑ ڈالا اس کی مان اور بیچ اس کے دربار مین آئے اور درندون کے حملون کی شکایت کی، سلطان نے اپنے حدود سلطنت مین ہر جگہ فرمان بھیج دیا کہ تمام درندہ جانور مار ڈالے جائین، اور اس کے بعد اگر کہین درندے نظر آئین تو ان کے عوض وہان کے حاکم کو قتل کر دیا جائے، نتیجہ یہ ہوا کہ

"ازین رہگذر در زمان دولت فرخندہ او و بعد از و سالہا کس در ولایت مالوہ شیر و گرگ و دیگر سباع نمی دید[۵۳]"

سودی قرض لینے کی ممانعت رفاہ عام کے متعلق اوپر جن جن چیزون کا ذکر کیا گیا، وہ تمامتر مادی صورت مین موجود تھین لیکن ان کے علاوہ رفاہ عام کی اور بھی بہت سی شکلین ہین جن کی کوئی مادی صورت نہین ہے لیکن وہ ان مادی چیزون سے بھی زیادہ مفید خلق ہین، مثلاً سود خواری ایک ایسی لعنت ہے کہ جو شخص اس کے شکنجے مین گرفتار ہو جاتا ہے وہ بمشکل اس سے رہائی حاصل کر سکتا ہے آپ

---

[۵۱] ... [۵۲] ... ص ۳۵۲ [۵۳] ایضاً ص ۳۵۵ [۵۳] فرشتہ دوم ص ۲۵

وقت ہندوستان نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیا مین یہ وبا پھیلی ہوئی ہے، اور اس کے انسداد کے لئے ہرطرف سے شور و غل کیا جارہا ہے، تاہم اس کے دفعیہ کی کوئی صورت نظر نہین آتی، لیکن سلاطین اسلام مین سلطان محمود بیگڈہ نے اپنے سپاہیون کو عام حکم دیا تھا کہ ان مین کوئی شخص سودی قرض نہ لے، صرف یہی نہین بلکہ ایک مستقل خزانہ اس غرض سے قائم کردیا تھا کہ جس سپاہی کو قرض کی ضرورت پیش آئے وہ ایک میعاد معین کے لئے اس سے لے لے، مرآت احمدی مین ہے،

"وحکم کردہ بود کہ ہیچ کس از لشکریان من قرض بربا نگیرد۔ وخزانہ علٰحدہ مقرر کردہ بود کہ از سپاہی ہرکس بقرض حاجت داشتہ باشد بادہد و بوعدہ بگیرد، می فرمود کہ اگر مسلمانان قرض بربا بخورند از دست ایشان غذا چگونہ آید"[۵]

بیروزگاری کا انسداد بیروزگاری سے مختلف اخلاقی برائیان مثلاً گداگری، آوارگی، رہزنی، اور چوری وغیرہ پیدا ہوتی ہین، اور اس زمانہ مین تو بیروزگاری سیاسی شورشون کا بھی ایک بڑا سبب بن گئی ہے، موجودہ سلطنتون کو اگرچہ قوم و ملک کے اصلاح اخلاق اور تہذیب نفس کی کوئی پروا نہین لیکن وہ سیاسی شورشون کو ہر ممکن طریقہ سے دبانا چاہتی ہین، بااین ہمہ وہ اس زمانہ کے بیکارون کے برسر روزگار کرنے کی کوئی تدبیر نہین کرسکتین، لیکن فرمانروایان اسلام مین سب سے پہلے تغلق شاہ نے اس طرف توجہ مبذول کی، اور رعایا کے ہر فرد کو کسی نہ کسی کام مین لگانا چاہا، لیکن اس کا مقصد خود غرضی یعنی کسی سیاسی شورش کا دبانا نہ تھا، بلکہ محض رعایا کی بہبودی مدنظر تھی، چنانچہ تاریخ فیروز شاہی مین ہے،

"وعجب نیکخواہی عام کہ در ذات سلطان تغلق شاہ مجبول بودہ است کہ ہم اہل مملکت خود را آسودہ وغنی خواستے ومحتاج و بے نوا نتوانستے دید، و دران کوشیدے کہ رعایا ولشکری وکل طوائف دیگر ہمہ ہمیشہ در فراغ باشند و باراحت زیند و این عادت قدیم و عادت خو

---

[۵] مرآت احمدی جلد اول ص ۹۰،

سلطان تغلق شاہ بودہ است کہ رعایا و لایت او در ملک او مسلمان و ہندو کار سے و کسبے و زراعتے و حراثتے کنند کہ ازان کار کسب آسودہ شوند و از احتیاج سوال و بیچارگی و درماندگی مضطر نشوند و نیک خواہی عام سلطان در باب رعایا بحدے بودے کہ در باب گدایان در ہا خواستے، کہ ترک گدائی گیرند و بکارے و کسبے مشغول شوند و از خواری سوال و ننگ بینوائی و احتیاج دست خلاص یابند و جماہیر طوائف مملکت از دنبال کسب و کار خود آسودہ و مرفہ الحال باشند، و کارے و فعلے و گناہے و تباہی از ایشان در وجود نیاید[۵۱]

اس کے بعد فیروز شاہ نے اس صیغہ کو اور بھی ترقی دی اور کوتوال کو حکم دیا کہ شہر میں جس قدر بیکار لوگ ہون، وہ دربار مین حاضر کئے جائیں، اس حکم کے بعد کوتوال شہر نے ہر محلہ دار کو طلب کیا، اور ان سے ہر ایک کے حالات دریافت کئے، اور محلہ دارون نے بڑے بڑے شرفا کو جو نا داری سے کسی کو مت تک نہین دکھلا سکتے تھے، کوتوال کے سامنے پیش کیا، کوتوال نے ان لوگون کے نام اور حالات لکھے، اور ان کو دربار مین حاضر کیا، اور فیروز شاہ نے ہر ایک کو کسی نہ کسی کام سے لگا دیا،[۵۲]

ارزانی رعایا کی فلاح و بہبود کا تمامتر دارو مدار اسباب معاش اور ضروریات زندگی کی ارزانی پر ہے، بالخصوص غلے اور کپڑے کی ارزانی ایک ایسی چیز ہے جس سے ملک و قوم کا غالب حصہ خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکتا ہے، لیکن جب تک اس کے لئے خاص آئین و ضوابط نہ منضبط کئے جائیں یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا،

سلطان علاء الدین کے زمانے مین مغلون کے حملون کا خوف ہمیشہ لگا رہتا تھا، اور وہ ان کے انسداد کی ہر ممکن تدبیر سوچا رہتا تھا، اس کی سب سے موثر تدبیر اس کی سمجھ مین یہ آئی کہ فوج کی تعداد زیادہ بڑھائی جائے، اور ان کو اسپ و سلاح اور دوسرے فوجی ساز و سامان سے آراستہ کیا جائے

---

[۵۱] تاریخ فیروز شاہی جلد اول ص ۳۵ ۴ - ۳۶ ۴ ۔ [۵۲] ایضاً جلد دوم ص ۳۲۴،

لیکن اس کے لئے کافی روپیہ کی ضرورت تھی، اور سلطان کا خزانہ اس عظیم الشان فوجی مصارف کا زیادہ دنون تک متکفل نہین ہو سکتا تھا، اس لئے اُس نے فوجی معاملات مین شان چنگیزی پیدا کرنی چاہی، اُم ترکی ممالک کی طرح فوجی سپاہیون کو بہت کم تنخواہ پر ملازم رکھنا چاہا۔ اُس نے ارکان سلطنت کے سامنے اس خیال کو ظاہر کیا، تو سب نے بالاتفاق یہ رائے دی کہ اگر ضروریاتِ زندگی ارزان ہو جائین، تو تھوڑی ہی تنخواہ مین بہت سے مسلح سپاہی ملازم رکھے جا سکتے ہین، سلطان نے یہ رائے پسند کی اور سب سے پہلے غلہ کی ارزانی کے لئے تمام غلون کا حسب ذیل نرخ مقرر کیا،

گیہون	فی من	ساڑھے سات جیتل[1]
جو	"	چار جیتل
چنا	"	پانچ جیتل
چاول	"	"
ماش	"	"
موٹھ	"	تین جیتل

اور اس نرخ کے قائم رکھنے کے لئے چند ضوابط بنائے، جو حسب ذیل ہین،

(۱) غلے کی منڈیون مین سرکاری عہدہ دار جن کو شحنہ کہتے تھے، مقرر کئے کہ وہ نہایت ہوشیاری سے سرکاری نرخ کو قائم رکھین، اور تاجرون کو اس مین کمی بیشی کا موقع نہ دین،

(۲) سرکاری محاصل میں جو غلہ وصول ہو تو اس کو جمع رکھا جائے، تاکہ اگر بازار مین غلہ کی کمی ہو، تو سرکاری غلہ مقررہ نرخ کے موافق فروخت کیا جا سکے، اس غرض سے بعض جگہ مالگذاری مین صرف غلہ لیا جاتا تھا، اور اس طریقہ سے دلی مین اس قدر غلہ آتا تھا کہ کوئی محلہ ایسا نہ تھا جس کے دو تین گھر

---

[1] جیتل تانبے کا ایک پیسہ تھا، اور اس زمانہ مین من ۴۰ سیر کا اور سیر ۲۴ تولہ کا ہوتا تھا،

سرکاری غلہ سے پر نہ ہوں، اگر قحط پڑ جاتا تھا یا تاجران غلہ کسی وجہ سے غلہ نہیں لاتے تھے، تو منڈی میں بھی سرکاری غلہ فروخت ہوتا تھا، اور اس میں غلہ کی کمی نہیں ہوتی تھی،

۳- ملک کے تمام غلہ فروش شحنہ کی رعایا بنا کر جمنا کے کنارے بسائے جائیں، تاکہ اطراف ملک سے غلہ لاکر سرکاری نرخ کے موافق فروخت کریں، اور اس معاملہ میں ان سے تحریری معاہدہ لیا جائے کسی شخص کو احتکار یعنی غلہ کے روک رکھنے کا موقع نہ دیا جائے، اور اس بارے میں اس قدر سختی کی گئی کہ اگر یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ کسی شخص نے غلہ روک رکھا ہے، تو اس غلہ کو سرکاری غلوں میں داخل کر لیا جاتا تھا، اور اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا،

۴- کاشتکار اپنی ضرورت سے زیادہ غلہ کھیت ہی پر فروخت کر دیں، اور اس سے زیادہ ایک دانہ بھی گھر پر نہ لے جائیں، اس کے ساتھ عمال رعایا سے مالگذاری کھیت ہی پر وصول کر لیں، تاکہ کاشتکار اپنے حصہ سے زائد غلہ گھر میں لے جا کر جمع نہ کر سکیں،

۵- روزانہ غلہ کے نرخ اور منڈی کے تمام معاملات کی اطلاع بادشاہ کو دیجائے اور قحط کے زمانہ میں ہر شخص صرف اپنی ضرورت کے موافق غلہ خریدے، اور اس پر اس شدت سے عمل کیا گیا، کہ اگر مقررہ ضوابط میں ذرہ برابر بھی خلل پڑتا تھا، تو منڈی کا تمام عملہ سزایاب ہوتا تھا، اور جو لوگ ضرورت سے زیادہ آدھ سیر غلہ بھی خریدتے تھے، وہ معتوب ہوتے تھے، اس کے لئے خاص خاص گماشتے اور جاسوس مقرر تھے، جو شدت سے اس حکم پر عمل کراتے تھے، اور بادشاہ کو خفیہ طور پر تمام معاملات کی اطلاع دیتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ قحط کے زمانہ میں بھی یہی نرخ قائم رہتا تھا، اور غلہ کے انبار میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی،

غلہ کی طرح تمام سوتی اور ریشمی کپڑوں کی بھی حسب ذیل قیمتیں مقرر کی گئیں،

چیرہ دہلی	۱۶ تنگہ	چیرہ کوئلہ	۲ تنگہ

سرے صاف اعلیٰ	۵ تنگہ[1]	خز دہلی	۱۶ تنگہ
سرے صاف میانہ	۳ تنگہ	خز کوتلہ	۶ تنگہ
سرے صاف اونی	۲ تنگہ	مشروع شعری میں	۳ تنگہ
سلائی اعلیٰ	۴ تنگہ	بردمین یا دوال لعل	۶ جیتل
سلائی میانہ	۳ تنگہ	برد اونی	۳۶ جیتل
سلائی اونی	۲ تنگہ	استر لعل ناگوری	۲۴ جیتل
کرپاس اعلیٰ ۲ گز	۱ تنگہ	استر اونی	۱۲ ″
کرپاس میانہ ۳ گز	۱ تنگہ	شیرین بافت میں	۵ تنگہ
کرپاس اونی ۴ گز	۱ تنگہ	شیرین بافت متوسط	۳ تنگہ
کرپاس سادہ	۱۰ جیتل	شیرین بافت اونی	۲ تنگہ

اور اس نرخ کو قائم رکھنے کے لئے حسب ذیل ضوابط وضع کئے،

۱- دروازہ بداؤن کے قریب ایک وسیع صحرا میں سرائے عدل کے نام سے ایک سرائے قائم کی، اور حکم دیا کہ اطراف وجوانب سے سوداگر جو کپڑے لائیں، اُن کو کسی بازار یا کسی کے گھر میں نہ اتاریں، بلکہ براہ راست سرائے عدل میں لاکر شاہی نرخ کے مطابق صبح سے ظہر کے وقت تک فروخت کریں، اس ضابطہ کے خلاف اگر کوئی شخص کسی کے گھر یا کسی بازار میں اپنا مال اتار کر نرخ شاہی سے زیادہ قیمت پر فروخت کرتا تھا، یا خرید و فروخت کے مقررہ وقت کی پابندی نہیں کرتا تھا، تو اس کا مال بحق شاہی ضبط کر لیا جاتا تھا، اور اس کو سزا دی جاتی تھی،

۲- شہر و اطراف ممالک کے تمام سوداگران پارچہ کے نام درج دفتر کرائے، اور ان کو حکم دیا کہ بدستور

---

[1] تنگہ سونے اور چاندی کا ایک سکہ تھا جس کا وزن ایک تولہ ہوتا تھا، اس جگہ تنگہ سے چاندی کا تنگہ مراد ہے،

معہود کپڑون کو لاکر سرائے عدل مین شاہی نرخ کے مطابق فروخت کرین، اس ضابطہ کا یہ اثر ہوا کہ شاہی کپڑون کی ضرورت باقی نہین رہی، بلکہ خود تاجران پارچہ اس کثرت سے کپڑے لانے لگے جو مدتون سرائے عدل مین پڑے رہتے تھے، اور فروخت نہین ہوتے تھے،

۳- امرا و رؤسا کو حکم دیا کہ جب وہ عمدہ باریک اور قیمتی کپڑے خرید کرنا چاہین، تو رئیس بازار سے پروانہ حاصل کرین، چنانچہ اس ضابطہ کے مطابق رئیس بازار امرا و رؤسا کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق پروانہ دیتا تھا، اور جس شخص کی نسبت معلوم ہوجاتا تھا کہ وہ کپڑے کا تاجر نہین ہے، بلکہ سرائے عدل سے عمدہ کپڑے ارزان قیمت پر خرید کر باہر زیادہ قیمت پر فروخت کرنا چاہتا ہے' اس کو پروانہ نہین دیتا تھا، اس بندش سے تاجران پارچہ بھی عمدہ کپڑے ارزان قیمت پر خرید کر باہر نہین لیجا سکتے تھے، اور اس طرح ان کو گران قیمت پر ان کے فروخت کرنے کا موقع نہین ملتا تھا،

۴- ۲۰ لاکھ تنکہ ملتان کے تاجران پارچہ کو شاہی خزانہ سے دلوایا تاکہ اطراف ملک سے کپڑے لاکر سرائے عدل مین شاہی نرخ کے مطابق فروخت کرسکین،

غلے اور کپڑے کی طرح گھوڑون کی بھی حسب ذیل قیمتین مقرر کین،

اوّل درجہ کا گھوڑا	سو سے ایک سو بیس تنکہ تک
دویم درجہ کا گھوڑا	اسی سے ۹۰ تنکہ تک
سویم درجہ کا گھوڑا	پینسٹھ سے ستر تنکہ تک
ٹٹو	دس بارہ سے بیس پچیس تنکہ تک

ان قیمتون کے قائم رکھنے کے لئے بھی چند ضابطے مقرر کئے،

(۱) حکم دیا کہ کیسہ دار (وہ لوگ جو ارزانی کے وقت سستے دام پر چیزین خریدتے ہین، اور گرانی کے زمانہ مین مہنگے دام پر فروخت کرتے ہین) سوداگرون سے گھوڑے نہ خریدین، اور سوداگر بھی ان کے

بجائے بازار مین خرید و فروخت کرین، اور اس معاملہ مین دونون سے معاہدہ لیا گیا، لیکن جو لوگ ارزان خری اور گران فروشی کی لذت سے آشنا تھے، وہ اس سے باز نہین آتے تھے، اس لئے ان کو سخت سزائین دین، اور بعض کو قتل اور بعض کو جلا وطن کیا،

۲- دلالون پر اس قدر تشدد کیا کہ اگر یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ ایک گھوڑا بھی نرخ بادشاہی کے مطابق فروخت نہین کیا گیا ہے، تو تمام دلالان شہر معتوب ہوتے تھے، اور مجرم اور غیر مجرم مین کوئی فرق نہین کیا جاتا تھا،

۳- ہر چالیسوین روز گھوڑون کی جنس اور قیمت کی تحقیقات کرتا تھا، اور اگر اس مین ذرہ برابر بھی فرق و تفاوت معلوم ہوتا تھا، تو تمام دلال معتوب ہوتے تھے،

اسی طرح چھوٹی بڑی تمام چیزون کا ایک خاص نرخ مقرر کیا گیا، فرشتہ لکھتا ہے،

"وہر چہ کہ در بازار بخرید و فروش آن احتیاج می باشد پادشاہ نرخ آن قرار داد و نظر بر اینکہ این چیز محقر است مثل سوزن و شانہ و کفش و کوزہ گلی نینداختہ، وبہاے ہمہ چیز از نان تا بریان واز حلواے صابونی تا پوڑی واز پودینہ تا تنبول بحضور خویش مشخص ساختے

اس اصول کے مطابق ذیل کی چیزون کے حسب ذیل نرخ مقرر کئے،

مصری	فی سیر دو جیتل
شکر تری	۰۰ ۰۰ ایک ۰۰
شکر سرخ	۰۰ آدھی ۰۰
روغن کنجد	تین سیر ایک ۰۰
روغن ستور	ڈیڑھ سیر ۰۰
نمک	پانچ سیر ۰ ۰۰

دودھ پانچ سیر ایک جیتل

غرض اسی طرح بھیڑ بکری، گائے، بیل اور بھینس وغیرہ کی بھی مناسب قیمتیں مقرر کی گئیں، اور سلطان علاء الدین نے ان قیمتوں کے قائم رکھنے کے لئے اس قدر اہتمام کیا، کہ سوداگروں کے حالات، اور قیمت کی تحقیقات کے لئے روزانہ تین جگہوں سے اطلاعات حاصل کرتا تھا، ایک تو منڈی کے شحنہ سے، دوسرے رئیس بازار سے، تیسرے ان جاسوسوں سے، جو خاص طور پر اسی کام کے لئے مقرر کئے گئے تھے، اس پر تسکین نہیں ہوتی تھی تو کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے بچوں کو جو خرید و فروخت کے معاملات سے ناواقف ہوتے تھے، چند تنگہ دیکر بازار بھیجتا تھا، کہ لڑکوں کے پسند کی چیزیں خرید کر بادشاہ کے پاس لائیں، اگر معلوم ہوتا کہ نرخ یا وزن میں کمی بیشی کی گئی ہے، تو دوکاندار کو کم سے کم جو سزا دیتا تھا، وہ یہ تھی کہ اُن کے ناک کان کاٹ لیتا تھا[1]

سلطان علاؤ الدین کے بعد یہ نرخ قائم نہ رہ سکا، اور دوبارہ کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی، البتہ اسلامی سلطنت کے دور تنزل میں نواب جعفر خان المتوفی ۱۱۳۹ھ نے اس کی طرف شدت سے توجہ کی، اور اس میں حسب ذیل طریقوں سے کامیابی حاصل کی،

۱- متمول لوگوں کے پاس غلہ کے ذخیرے نہیں رہنے دیتے تھے،

۲- ہر ہفتہ غلوں کا نرخ دریافت کرتے تھے، اور خود رعایا سے نرخ پوچھتے تھے،

۳- اگر بیوپاری ذرہ برابر بھی نرخ میں کمی کرتے تھے، تو ان کو سزا دیتے تھے، اور اُن کی تشہیر کرتے تھے،

۴- جہازوں پر ضرورت یعنی خوراک سے زیادہ غلہ لادنے نہیں دیتے تھے، جس سے غلہ

---

[1] فرشتہ جلد اوّل ص ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴- و تاریخ فیروز شاہی جلد اوّل ص ۳۰۴- ۳۰۵- ۳۰۶- ۳۰۷، ۳۰۸- ۳۰۹- ۳۱۰- ۳۱۱- ۳۱۲- ۳۱۳- ۳۱۴-

کی برآمد بند ہوگئی تھی،

ان بندشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ

"در عہد او نرخ برنج فی روپیہ پنج شش من اَرزبازار بود واجناس دیگر بعین قیاس، چنانچہ بخرج یک روپیہ درماہ پلاؤ و قلیہ ہر روز می خوردند، ازین عمر فقیر و مسکین مرفہ الحال بودند"[1]

(باقی)

---

[1] ریاض السلاطین، ص ۲۰۳

سلسلہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جلد اول

جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر فتح مکہ تک کے حالات مبارکہ اور غزوات کا ذکر ہے، مع مقدمہ   ضخامت ۶۲۲ صفحے قیمت ۶؎

جلد دوم

اس میں اقامت امن، تاسیس خلافت، تکمیل شریعت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واخلاق وعادات کا مفصل بیان ہے،   ضخامت   (زیر طبع)

جلد سوم

اس کے مقدمہ میں نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیمہ، فلسفۂ جدیدہ، علم کلام اور قرآن مجید کی روشنی میں مفصل بحث و تبصرہ ہے، اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی نزول ملائکہ، عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، (زیر طبع) قیمت ۶؎   "منیجر"

حضرت ایوّبؑ علیہ السلام

از

مولانا ابو الجلال ندوی

(۲)

مصائب آفات حاصل کلام یہ کہ حضرت ایوب علیہ السلام نبی ابراہیم میں سے تھے، اُن کا زمانہ حضرت یوسف کے بعد ہے، اپنے زمانہ میں وہ شاہ اَدوم تھے، اگر وہ یوبب بن زارح تھے، تو اُن کا شہر بصری ہے، اُن پر ان کے نبی ہو کر مبعوث ہونے سے پہلے کچھ آفتین آئین، جیسا کہ اُن کے عرف ایوب سے ظاہر ہے پہلی آفت یہ تھی کہ اُن سے اُن کی حکومت چھن گئی، اور وہ بے دینون کے ہاتھ مین اسیر ہو گئے،

سفر ایوب کے حصۂ نظم کے خلاصہ مین بتایا گیا ہے، کہ آفتون مین اُن کے مبتلا ہو جانے کے بعد لوگ اُن کا مذاق اُڑانے لگے تھے، اس بیان کی بھی خداوند عالم نے قرآن مین اس طرح تصدیق کی ہے کہ سورۂ انبیاء مین پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ

"منکرین جب آپ کو دیکھتے ہین تو آپ کا مذاق اُڑاتے ہین، (۳ : ۷)

"آپ سے پہلے بھی رسولون کا مذاق اُڑایا گیا (۳ : ۱۲)

اس کے بعد حضرت ایوبؑ وغیرہ انبیاء کا ذکر کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ایوبؑ بھی اُن مین سے تھے، جن کا مذاق اُڑایا گیا،

سفر ایوب کے حصۂ نظم کے خلاصہ مین دکھایا گیا ہے، کہ حضرت ایوبؑ اُن کا خاندان بجز

گیا تھا، حصۂ نثر کے خلاصہ میں بتایا گیا ہے کہ مکان کے دب جانے سے اُن کے سات بیٹے، اور تین بیٹیاں دبکر مرگئی تھیں، تتمہ نویس نے بتایا کہ اللہ جب اُن پر مہربان ہوا تو اُن کے تمام بچھڑے ہوئے بھائی بند اور اقربا اُن سے آملے، اور خدا نے اُن کو از سرِ نو سات بیٹے اور تین بیٹیاں دیں،

اس بیان پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ اللہ نے مہربانیاں تو کیں اور از سرِ نو سات بیٹیاں اور تین بیٹیاں دیں، لیکن جو بیٹے اور بیٹیاں دب کر مرگئی تھیں، اُن کا غم تو نہ بھولا ہوگا، سورۂ انبیاء کی آیت سے جس میں حضرت ایوبؑ کا نام ہے، یہ سوال خود بخود اٹھ جاتا ہے، کیونکہ خدا نے فرمایا کہ ہم نے فلاں فلاں تمام انبیاء کو دانش اور علم عطا کیا،

وایوبَ اذ نادیٰ ربّہ انی	نیز ایوب کو جس وقت انھوں نے اپنے
مسنی الضر وانت ارحم	رب کو آواز دی کہ مجھے ضرر نے چھو لیا ہے
الرّاحمین، فاستجبنا لہ فکشفنا	اور تو سب رحم والوں سے بڑا رحیم ہے،
مابہ من ضر واتیناہ اھلہ	پھر ہم نے وہ ضرر دور کر دیا جو اُن کو
ومثلھم معھم رحمۃ من عندنا	پہنچا تھا، اور ان کو ان کے اہل دیدیئے
وذکریٰ للعٰبدین،	اور اتنے ہی اور اپنی طرف سے رحم
	فرماکر اور عبادت گذاروں کے یادر کھنے
	کے لئے کہ ہم عابدوں کی پکاریوں سنا
	کرتے ہیں، (۲۱: ۸۴)

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روایت غلط ہے کہ اُن کے بیٹے اور بیٹیاں دب کر مرگئی تھیں، اور اُن کی بجائے خدا نے اُن کو دوسرے بیٹے اور بیٹیاں عطا فرمائیں، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوبؑ کو جو خاص ضرر پہنچا تھا وہ یہ تھا کہ اُن کے اہل جن میں اولاد کے علاوہ اقربا بھی

ہوں گے، اُن سے بچھڑ گئے تھے، اللہ جب اُن پر مہربان ہوا، تو بچھڑے ہوئے لوگ دونے ہوکر ملے[1]

سورۂ صاد میں خدا نے فرمایا،

واذکر عبدنا ایوب اذ نادیٰ ربہ	اور ہمارے بندہ ایوبؑ کا ذکر کرو جبکہ
انی مسنی الشیطان بنصب وعذاب	انھوں نے اپنے رب کو آواز دی کہ مجھے
(۴۱:۳۸)	دبا ہے شیطان نے دکھ اور عذاب کے ساتھ

اس آیت میں اور سورۂ انبیاء کی آیت میں جو اس سے پہلے اُتری تھی، دو باتوں کا فرق ہے،

۱- انبیاء میں شیطان کا ذکر نہ تھا، اس میں شیطان کا ذکر ہے،

۲- انبیاء میں صرف ایک مصیبت کا ذکر تھا، اور وہ تھی اہل و عیال سے بچھڑ جانا جسے حضرت ایوبؑ کی زبان سے الضر کہا گیا ہو، اس آیت میں نصب؛ عذاب ... دو طرح کے دکھوں کا ذکر ہے،

قرآنی قصوں میں جو خلائیں نظر آتی ہیں، ان کو اسرائیلی روایات سے پر کرنے میں بہت خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اس آیت میں حضرت ایوبؑ کا جو یہ قول مذکور ہے کہ "انی مسنی الشیطان" اس کی تفسیر میں عموماً مختلف اکابر سے یہ قصہ مذکور ہے کہ ایک بار شیطان خدا کے دربار میں حاضر ہوا، اور حضرت ایوبؑ کو آزمانے کی اجازت طلب کی، یہ قصہ بڑے بڑے صحابہ سے بھی مروی ہے مگر اس کہانی کی بنیاد سفر ایوب کے مقدمہ نویس کا خیالی بیان ہے، اس قصہ کو قرآن کی تفسیر قرار دے کر دہرانا ہرگز مناسب نہیں ہے، کیونکہ قرآن پاک میں خدا نے اس کو حذف ہی نہیں کیا ہے، بلکہ اس کی مخالفت بھی کی ہے،

---

[1] بعض عجائب پسندوں نے قرآن اور سفر ایوب سے ماخوذ روایتوں کو باہم تطبیق دے کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اُن کے اہل اس طرح دونے ہوئے کہ (ایوب ۱: ۹) میں مذکور بیٹے اور بیٹیاں پھر سے جی اٹھیں، علاوہ بریں (ایوبؑ: ۱۳) کے مطابق اتنے ہی بیٹے اور بیٹیاں اور پیدا ہوئیں، یہ بات ناممکن نہیں مگر محض تطبیق ہی تطبیق ہو، اور یہ تطبیق معروف روایت بن گئی ہے، قرآن عموماً بائبل کی تصحیح کرتا ہو اس لئے بائبل اور قرآن میں تطبیق کی ضرورت نہیں،

حقیقت واقعہ یہ ہو کہ نزولِ قرآن کے وقت یہ قصہ مشہور تھا کہ حضرت ایوبؑ پر جو آفتین آئین وہ شیطان نے دربارِ خدا مین حاضر ہو کر اور اس سے اجازت لے کر اُن پر ڈھائین، اور اس لئے حضرت ایوبؑ کہا کرتے تھے کہ خدایا مجھے شیطان نے دکھ پہنچایا ہے، اس قصہ مین جہان تک حضرت ایوبؑ کے قول کا تعلق ہے، خدا نے اس کی تصدیق کی، جہان تک خدا کے دربار مین حاضر ہو کر شیطان کے اجازت لینے کا تعلق ہے قصۂ ایوب مین بزبان سکوت اور شیطان کے ذکر مین بصراحت اس کی تردید فرمادی، چنانچہ خدا نے فرمایا،

لقد زیّنا السّماء الدّنیا بمصابیح	آسمان دنیا کو ہم نے چراغون سے سجایا
وجعلناھا رجومًا للشیاطین و	ہے، اور ان چراغون کو شیطانون کے
اعتدنا لھم عذاب السعیر	لئے پتھر بنا دیا ہے، اور اُن کے لئے جہنم
(ملک ع)	کا عذاب مہیا کر رکھا ہے،
ولقد جعلنا فی السّماء بروجًا و	ہم نے آسمان مین بروج بنائے اور اسے دیکھنے والون
زیّنّاھا للنّٰظرین وحفظناھا من	کے لئے خوشنما کیا، اور اُسے ہر شیطان رجیم
کل شیطان رجیم الا من استرق	سے محفوظ رکھا ہے، کوئی چپکے سے بات
السمع فاتبعہ شھاب مبین،	سُن لینا چاہے گا، تو ایک چمکتا انگارا
(ع-۲ حجر)	اس کا تعاقب کرے گا،
لا یسمعون الی الملأ الاعلیٰ و	ملأ اعلیٰ تک جا کر (شیاطین) نہین سن سکتے انکو
یقذفون من کل جانب دحورًا	ہر طرف سے ڈھیلے مارے جاتے ہین بھگانے کو
ولھم عذاب واصب الا	کو اور ان کے لئے عذاب جاوید ہے البتہ
من خطف الخطفۃ فاتبعہ شھاب	اگر کوئی بات لے اُڑنے کی کوشش کریگا

ثاقب (۴ صافات) تو ایک چمکتا ہوا انگارا اس کا پیچھا کرتا،

ان آیتوں کا سفر ایوب سے مقابلہ کرکے دیکھو تو صاف نظر آئے گا کہ یہ آیتیں انہی لوگوں کی تردید کرتی ہیں، جو سفر ایوب کے مقدمہ نویس کے اس بیان کو صحیح تسلیم کرتے تھے کہ شیطان بنی الوہیم کے ساتھ خدا کے دربار میں حاضر ہو کر خدا سے باتیں کرتا ہے، اور اس کے حکم سے دنیا میں شرارتیں کیا کرتا ہو،

(انی مسنی الشیطان) کہنے کی معروف توجیہ کو مسترد کر دینے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ایوبؑ نے مسنی الشیطان کیوں کہا، اس سوال کا جواب نہایت واضح ہے،

قرآن میں شیاطین صرف ابلیس اور اس کی ذریت ہی کا نام نہیں ہے، شیاطین الانس والجن (انعام) کے لفظ سے ظاہر ہے کہ شریر انسانوں کو بھی شیاطین کہا جاتا تھا (واذا خلوا الی شیاطینھم) میں لفظ شیاطین سے شریر الطبع افراد یہود کے مراد ہیں، عبرانی زبان میں شاطان کے معنی ہیں (دشمن) ہر دشمن اور مخالف کو شاطان کہا جاتا تھا، حضرت ایوبؑ کے قول انی مسنی الشیطان بنصب وعذاب میں الشیطان سے مراد ان کے زمانہ کا ایک شریر النفس انسان ہے، جو ان کا دشمن تھا، حضرت ایوبؑ کی جس دعا کا اختصار کے ساتھ قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔ اس کے الفاظ سفر ایوب کے نظم نویس نے حسب ذیل بتائے ہیں،

"اس کا غصہ توڑے ڈالتا ہے، اور میرا کینہ توز مجھ پر دانت پیستا ہے، میرا دشمن میرے اوپر اپنی آنکھیں تیز کرتا ہے، وہ اپنے منہ مجھ پر پسارتے ہیں، میری بے عزتی کرتے ہیں۔ میرے گال پر تھپڑ مارتے ہیں، وہ مجھ پر اکٹھے ہو کر چلتے ہیں، (ایوب ۱۶: ۹ و ۱۰)

حضرت ایوب نے جس شخص کو اپنا دشمن اور کینہ توز کہا ہے اسی کا ذکر قرآن میں الشیطان کے لقب سے آیا ہے، بتایا جا چکا ہے کہ حضرت ایوبؑ ایک بادشاہ تھے، ان پر دشمن نے حملہ کیا، وہ کامیاب رہا، اور یہ اس دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے تھے، دشمن کے تیر اندازوں نے اُن کے بدن کو چھلنی کر دیا"

ان کے زخم جو سفرایوب کے نظم نویس کے بیان کے مطابق جنگلی اونٹ کے زخم تھے، مگر مقدمہ نویس کے بیان کے مطابق خدا کے دربار میں حاضری دینے والے شیطان کے لگائے ہوئے زخم تھے، جو اس دعا کے وقت اتنے گھناونے ہوگئے تھے کہ حضرت ایوبؑ نے خدا سے عرض کیا،

"لوگ مجھ سے گھن کھاتے ہیں، مجھ سے دور بھاگتے ہیں، میرے منہ پر تھوکنے سے باز نہیں آتے ہیں، ان میں سے ہر ایک مجھے دکھ دیتا ہے،........ ان کے بچے میرے دہنے ہاتھ کھڑے کرتے ہیں، اور میرے پاؤن کو ٹھیل دیتے ہیں، (ایوب ۳۰-۱۰ و ۱۱) مصیبت کے ایام نے مجھے گھیر لیا ہے، (۳۰:۱۶) مرض کی شدت سے میرا پیراہن اور طرح کا ہو گیا، میری قبا کے گریبان کی طرح میرے گلے پر گرد اگرد لگ گیا ہے، (۳۰:۱۸) مین تجھ سے فریاد کرتا ہون اور تو نہین سنتا، مین تیرے آگے کھڑا ہوتا ہون، اور تو میری طرف رخ نہین کرتا،

تحفاک لاکزر لی بعصم یدک تشطمنی (۳۰:۲۰ و ۲۱) — تو مجھ پر بے رحمی کرتا ہے اپنے ہاتھ کے زور سے مجھے توڑتا ہے،

سورۂ انبیا اور سورۂ صاد مین انہی دعاؤن کا ذکر ہے، مگر نہایت اختصار کے ساتھ، سورۂ انبیا کے اندر (وانت ارحم الراحمین) فرما کر سفرایوب کے نظم نویس کے اس بیان کی خدا نے اصلاح کردی، کہ حضرت ایوبؑ نے کہا "تو مجھ پر بے رحمی کرتا ہے"،

حضرت ایوبؑ کی اس دعا سے صاف ظاہر ہے کہ الشیطان سے مراد وہ ابلیس نہیں ہے جس کی بابت قرآن مین ہے کہ وہ جنون مین سے تھا، بلکہ حضرت ایوبؑ اپنے دشمنون کے سردار کو الشیطان کہتا تھا، ان کی زبان مین شیطان کے معنی دشمن تھے، قرآن مین بھی ہے اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ، یہ آیت نہ صرف یہ بتاتی ہے کہ شیطان انسان کا دشمن ہے، بلکہ اس لفظ کے اشتقاقی مفہوم

کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے،

سورۂ انبیاء میں ایک ہی مصیبت کا ذکر تھا، اور وہ مصیبت تھی اُن کے اہل وعیال کا بچھڑ جانا،

سورۂ صاد میں حضرت ایوبؑ کی زبان سے خدا نے مصیبت کے لئے دو لفظ استعمال کئے، (۱) نصب،

(۲) عذاب،

نُصب اور نَصب مرادف اور ہم مادہ الفاظ ہیں، نَصَب کا لفظ (فاطر ۴:۹) میں لغوب کے ساتھ

(توبہ ۱۵:۲) میں ظما و مخمصہ کے درمیان وارد ہے، سورۂ کہف (ع - ۹) میں حضرت موسیٰؑ کی

زبان سے سفر کی تکلیف کے معنی میں یہ لفظ آیا ہے، ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ نصب نام ہے ایسی جسمانی

تکلیف کا جو بھوک ہے، نہ پیاس ہے، نہ تکان ہے، سفر میں جو تکلیف بھوک پیاس اور تکان کے

علاوہ ہوتی ہے، وہ بدن کا دکھنا ہے، نصب کہہ کر حضرت ایوبؑ نے اپنی اس جسمانی اذیت کا

ذکر کیا تھا جس کا تذکرہ صاحب سفر ایوب نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ مرض کی شدت سے میرا

پیراہن اور طرح کا ہو گیا ہے،

سفر ایوبؑ کے تتمہ نویس نے یہ تو بتایا کہ آخر عمر میں اللہ نے پھر سے اُن کو پہلے سے زیادہ دولتمند

بنا دیا، اور پھر سے ان کو بیٹے بیٹیاں دیں، مگر مرض کی بابت کچھ نہیں کہا، سورۂ صاد میں حضرت

ایوبؑ کی دعا دہرانے کے بعد خدا نے فرمایا،

ارکض برجلک ھٰذا مغتسل	اپنے پاؤں سے ماریہ رہا نہانے اور
بارد و شراب،	پینے کا ٹھنڈا پانی،

مطلب یہ ہے کہ ان کو دفع مرض کے لئے ایک صحت بخش چشمے کا پتہ دیا، یہ بیان قرآن کا بالکل

نیا اضافہ ہے، اس اضافہ کے بغیر قصہ حضرت ایوبؑ کا نامکمل رہ جاتا تھا،

عذاب کے معنی سب کو معلوم ہیں، عذاب کے لئے جسمانی ہونا ضرور نہیں، روحانی صدمہ، اور

تکلیف کو بھی عذاب کہتے ہیں، حضرت ایوبؑ نے عذاب کا ذکر کرکے اپنے اسی دکھ کا اظہار کیا ہے، جس کا تذکرہ سفرِ ایوب کے ناظم نے یوں کیا ہے کہ حضرت ایوبؑ نے کہا،

"تونے میرا سارا خاندان برباد کردیا ہے"، (۱۶ : ۷)

"میرے رشتہ دار مجھ سے جدا ہوگئے ہیں،" (۱۹ : ۱۴)

حضرت ایوبؑ کی اس فریاد کا جواب خدانے زبانی نہیں دیا ہی، فرمایا،

وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ،	اور ہم نے اُن کو اُن کے اہل دیدیئے، اور اون کے ساتھ اتنے ہی اور اپنی طرف سے رحمت کے طور پر، اور سمجھداروں کے یاد رکھنے کے لئے،

یہ وہی بات ہے جو سورۂ انبیاء میں فرمائی تھی، اس آیت میں اور انبیاء کی آیت میں فرق صرف یہ ہو کہ انبیاء میں اولی الالباب کے بجائے عابدین کا لفظ ہے، وجہ فرق یہ ہے کہ سورۂ انبیاء میں قصص انبیاء کے مخاطب اہلِ ایمان ہیں، چنانچہ قصوں کو ختم کرنے کے بعد خدا نے فرمایا،

"یہ ہے تمھاری امت (یعنی راہ عمل) واحد راہِ عمل (جس کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں)

اور میں تمھارا رب ہوں سو میری پرستش کرو، (۶ : ۱۷)

برخلاف اس کے سورۂ صاد میں ذکرِ انبیاء کے ابتدائی مخاطب وہ کفار ہیں جو ان کو اشرار کہتے تھے، اس لئے یہاں اُولو الالباب کا لفظ استعمال کیا، مطلب یہ کہ عقل سے کام لو، صرف ان مصائب کا خیال نہ کرو جو حضرت ایوبؑ پر نازل ہوئے تھے، ان رحمتوں کا تصور بھی کرو، جو انھوں نے مصیبتیں جھیل کر حاصل کیں،

اہل وعیال کے دگنے ہوکر واپس ملنے کا ذکر چونکہ انبیاء اور صاد دونوں میں ہے اس لئے سورۂ

صاد کی خاص بات یہ ہی کہ حضرت ایوبؑ کو خدا نے مرض کا علاج کرنے کے لئے ایک صحت بخش چشمہ کا پتہ دیا،

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریلؑ نے حضرت ایوبؑ کو ایک مقام پر لے جا کر کہا اس جگہ اپنے پاؤں سے ٹھوکر مارو، انھوں نے ٹھوکر ماری اور چشمہ نکل پڑا، (در منثور بروایت ابن عساکر)

ظاہر ہے کہ یہ روایت اسرائیلی نہیں ہے، کیونکہ صحت بخش چشمہ کا ذکر سفر ایوب کے بیان پر قرآن کا اصلاحی اضافہ ہی، یہ روایت دراصل ارکض برجلک کی قیاسی تفسیر ہے،

سورۂ انبیا میں "اذا ھم منہا یرکضون" کا فقرہ اس معنی میں آیا ہے کہ "ناگاہ وہ بھاگنے لگے" ارکض برجلک کا صحیح ترجمہ یہ ہو کہ "اپنے پاؤں سے دوڑ جاؤ" لیکن میں نے معروف ترجمہ اور تفسیر کو اپنے ذاتی خیال پر ترجیح دی، میرا اپنا خیال یہ ہے کہ خدا نے ایک صحت بخش چشمہ تک سفر کا حکم دیا تھا لیکن قدیم تفسیر کو غلط قرار دینے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہی،

سورۂ صاد میں قصۂ ایوب کے انہی عناصر کو خدا نے دہرایا ہے جو سفر ایوب میں یا تو مذکور نہیں یا مذکور ہیں مگر قابل اصلاح ہیں، جو باتیں سفر ایوب میں مذکور ہیں، اور قابل اصلاح نہیں، اُن کا تذکرہ موجود نہیں، سفر ایوب کے ناظم و ناثر دونوں نے حضرت ایوبؑ کی بی بی کا ذکر کیا ہے، اور ان کو برے رنگ میں پیش کیا ہے، سفر ایوب کے ناظم نے حضرت ایوبؑ کی زبان سے کہا کہ

"میری جان سے میری جورو کو نفرت ہی"

مقدمہ نویس کے بیان کے مطابق اُن کی جورو نے اُن سے کہا تھا کہ

"تو اب تک اپنے دین پر قائم ہے، خدا کو سلام بول اور مرجا"

سفر ایوب کے بیان کے مطابق حضرت ایوبؑ نے اس کو صرف ڈانٹ دینے پر بس کی تھی، کہا تھا کیا ہم خدا کی رحمتیں تو قبول کریں زحمتیں رد کر دیں؟ سورہ صاد میں خدا نے

اس بات کو دہرائے بغیر بتایا کہ حضرت ایوبؑ پر جو وحی نازل ہوئی تھی اس میں بھی یہ تھا کہ

وخذ بیدک ضغثا — اور اپنے ہاتھ میں ایک گٹھا تنکوں کا لے

واضرب بہ ولا تحنث — اور اس سے مار اور قسم توڑنے کی خطا نہ کر،

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ایوبؑ نے کسی کو جھاڑو سے مارنے کی قسم کھائی تھی، مگر کسی وجہ سے اس قسم کو پوری کرنے سے ہچکچاتے تھے، خدا نے تاکید کی کہ ہچکچاؤ نہیں قسم ضرور پوری کرو،

مفسرین کی روایت ہے کہ حضرت ایوبؑ نے اپنی بی بی کو سو کوڑے مارنے کے لئے قسم کھائی تھی، خدا نے اس قسم کو پورا کرنے کی یہ ترکیب بتائی کہ سو تنکوں کی جھاڑو دے کر مارو، یہ روایت معقول نہیں ہے، یہ تو ایک حیلہ کی تعلیم ہوئی، صحیح بات یہی ہے کہ انھوں نے ایک خطا کی بنا پر (اور وہ خطا یہی ہو سکتی تھی جس کا ذکر سفر ایوب کے مقدمہ نویس نے کیا ہے) اپنی عورت کو ضغث (جھاڑو) سے مارنے کی قسم کھائی تھی، خدا نے قسم پوری کرنے کا کوئی آسان حیلہ نہیں سکھایا بلکہ جو قسم انھوں نے کھائی تھی اسی کو پورا کرنے کی تاکید فرمائی تھی،

صبر ایوب | اس قسم کی تکمیل کے حکم کے بعد قرآنی قصۂ ایوب ختم ہو جاتا ہے، قصہ ختم ہونے کے بعد خدا نے فرمایا،

انا وجدناہ صابرا — ہم نے اس کو صابر بنایا،

سفر ایوب پڑھ جاؤ، عام اثر تم پر یہ ہوگا کہ حضرت ایوبؑ نہایت بے صبری سے اپنے مصائب پر واویلا کرتے تھے، قرآن مجید کی یہ آیت اس کی تردید کرتی ہے، اور اس روایت کی تصدیق کرتی ہے جس کا تذکرہ حضرت عیسیٰؑ کے ایک حواری یعقوبؑ نے اپنے خط میں یوں لکھا ہے کہ

دیکھو ہم ان کو جو صبر کرتے ہیں نیک بخت سمجھتے ہیں، تم نے ایوب کا حال سنا ہے، خداوند کی طرف سے جو انجام ہوا تم جانتے ہو وہ بڑا رحیم اور مہربان ہے۔ (یعقوب ۵: ۱۱)

حضرت ایوبؑ کے صبر کا تذکرہ فرما کر خدا نے فرمایا،

نعم العبد — وہ اچھا بندہ تھا،

یہ تردید ہے اُن کی جو حضرت ایوبؑ کو اشرار میں سے بتاتے تھے،

انہ اواب، — بے شک وہ اواب تھا،

اوّاب کے معنی ہیں بہت لوٹنے والا گناہ سے باز رہنے والے کو بھی اواب کہتے ہیں، اور اُسے بھی جو گناہ سے تائب ہو جائے، علاوہ برین اس بے گناہ کو بھی جس کا دل ہمیشہ خدا کی طرف متوجہ رہتا ہے اواب کہتے ہیں،

سورۂ صاد میں چونکہ خدا نے کفار کے قول پر صبر کرکے حضرت ایوبؑ وغیرہ کا قصہ سُنانے کا حکم دیا ہے، اور سورۂ صاد میں اُن کے حالات کے صرف ایسے چند اجزا بیان کئے ہیں، جو پہلے سے مشہور قصہ میں اصلاحیں کرتے ہیں، اس لئے قرآنی اصلاحون کے ساتھ ان کا پورا قصہ بیان کر دینا ضروری ہے، ماحصل اس ساری تحریر کا حسب ذیل ہے،

حضرت ایوبؑ ایک زمانہ میں شہر بصریٰ میں حکومت کرتے تھے وہ حضرت عیسو بن اسحاق اور بشامہ بنت اسماعیل کی نسل سے تھے، ان کا زمانہ حضرت یوسفؑ کے بعد اور حضرت موسیٰؑ کے پہلے تھا، وہ نہایت صابر اور خدا سے لولگانے والے بزرگ تھے، اُن پر خدا نے ایک آفت ڈھائی، دشمن نے اُن پر حملہ کیا، اس حملہ میں انھون نے شکست کھائی، شریرون نے ان کو قید کر لیا، اپنے اہل و عیال سے وہ بچھڑ گئے، البتہ ان کی بی بی اُن کے ساتھ تھین، ایام اسیری میں اُن کے بدن کے زخم نہایت گھنونے قسم کا مرض بن گئے، ان مصائب کو دیکھکر اُن کی بیوی نے اُن کو مشورہ دیا، کہ خدا کو سلام بولو اور مرجاؤ، حضرت ایوبؑ نے اس پر ناراض ہو کر اُسے جھاڑو مارنے کی قسم کھائی، مگر ناتوانی نے اُن کو اس کا موقع نہین دیا، تمام مصائب کو حضرت ایوبؑ نے صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا، ایک مدت تک وہ خاموشی

سے دکھ سہتے رہے، لیکن بالآخر خدا سے دعا کی اور کہا کہ بارالہا! مین دکھ مین مبتلا ہون، اور تو بڑا رحیم
ہے، اس دعا کا اثر جلد ظاہر ہوا، دشمن کی قید سے رہائی پائی، اہل و عیال دونے ہوکر اُن کو ملے
مرض جو پیدا ہو گیا تھا، اس کے علاج کے لئے خدا نے اُن کو ایک صحت بخش چشمہ کا پتہ دیا، اور
انھون نے اس مرض سے بھی نجات پائی، بی بی نے مصیبت کے ایام مین چونکہ نہایت وفاداری سے
ساتھ دیا تھا، اس لئے وہ اس کو مار کر اپنی قسم پوری کرنے سے ہچکچاتے تھے، خدا نے اُن کو تاکید
کی کہ ضرور قسم پوری کرو،

(قرآنی کتابین)

ارض القران حصہ اوّل

عرب کا قدیم جغرافیہ عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح
لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر، اور موجودہ
آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق کی ہے،

ضخامت ۳۲۲ صفحے، قیمت: سے ر

ارض القرآن حصہ دوم

قرآن مجید کے اندر جن قومون کا ذکر ہے، ان مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو
اسماعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تعریف، اور عرب کی تجارت
زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث،

ضخامت: ۴۰۲ صفحے، قیمت: ۱۲ر

"منیجر"

ترکی ادبیات کا نیا رجحان

از

جناب مولوی محمود علی خان صاحب مولوی فاضل بی اے مہتمم جامعہ احمدیہ بھوپال

مولوی صاحب موصوف علوم مشرقیہ کے عالم، عربی ادب میں تحریر و تقریر پر قادر، اُردو، فارسی، ترکی، پشتو کے ماہر اور انگریزی کے گریجوایٹ ہیں، ہماری زبان میں ترکی کے متعلق بہت کم مواد ہے، موصوف نے میری فرمایش پر یہ مضمون لکھا ہے، امید ہے کہ وہ اپنے قلمی و علمی فیوض سے کبھی کبھی بہرہ ور فرمائیں گے، "س"

ہر قوم کا ادب عکس ہے اس کی ذہنیت کا، اور ذہنیت نتیجہ ہے، ایک مسلسل تاریخی واقعات کا، جو اُس قوم پر گذرتے رہتے ہیں، ترکی ادبیات کے قدیم دور میں مذہبی رنگ غالب تھا، اور زبان میں عربی اور فارسی الفاظ کی کثرت تھی، کیونکہ یہ ایک ایسا زمانہ تھا جب کہ عثمانی سلطنت عراق سے لیکر مراکو کے حدود تک اور آسٹریا سے لیکر سوڈان اور یمن تک پھیلی ہوئی تھی، ترکی قوم کے علاوہ اُس کے ماتحت فارسی، عربی، یونانی، بلغاری وغیرہ بولنے والی قومیں تھیں، لیکن عثمانی سلطنت کا اقتدار چونکہ خلافت اسلامی، اور بلادِ مقدسہ پر حکومت کرنے کی وجہ سے تھا، اس لئے ترکی ادب میں عربی و فارسی کے الفاظ کا کثرت سے استعمال ہونا اس کا ایک قدرتی نتیجہ تھا، قوم میں مذہبی روح، علماء کا احترام، عربی و فارسی سے محبت، علوم دینیہ کا رواج یہ سب چیزیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے عربی و فارسی الفاظ اور مذہبی و علمی اصطلاحات کثرت سے ترکی زبان

مین داخل ہوگئی تھین، اور ادبی رجحان فارسی وعربی ادب کی مشترکہ روایات پر مبنی ہوگیا تھا، ذیل مین ایک شعر مثال کے طور پر لکھا جاتا ہے، اس مین سوا ے ضمائر و روابط اور ایک آدھ فعل کے باقی سب فارسی وعربی الفاظ ہین، ان پر ایک خط امتیاز کے لئے کھینچ دیا گیا ہے،

تمام اصفہان اولماز ستانبول شہر نیک نصفی　　　اگرچہ مجلۂ نصف جہان وصف صفاہان

اصفہان کا پورا شہر استانبول کے آدھے کے برابر نہین ہو سکتا، اگرچہ پوری نصف دنیا صفاہان کی تعریف مین بھری پڑی ہے،

اس دور کی تصنیفات مین اسلامی علوم کی کتابین، انبیا و اولیا کے قصے، کچھ تاریخی کتابین شامل ہین، ذیل مین قدیم زمانہ کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے، یہ یازیجی محمد کا کلام ہے، جو سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ (۱۴۵۳ء) کے زمانہ مین تھے، بڑے عالم اور صوفی گذرے ہین، ان کے کلام مین عربی اور فارسی الفاظ کی کثرت ملاحظہ فرمایئے،

چو اولدر عالم غیب و شہادت　　　پس اولدر قادر و خلاق و مولیٰ

جب کہ وہ ہے پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، پس وہی قادر ہے، پیدا کرنے والا ہے اور مالک ہے

جمیع کائناتی قیلدی ابداع　　　دلائل قیلدی ذاتنہ معلّیٰ

اُس نے تمام کائنات کو پیدا کیا، اور اپنی بلند ذات پر دلائل قائم کئے

تمواد یانی دینی قیلدی منسوخ　　　انکچون شرعی در خیرؔ و ابقیٰ

تمام دینون کو اُس کے دین نے منسوخ کر دیا، اسی وجہ سے اُس کی شریعت سب سے بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے،

چو تدا حی اولہ اللہ اعظمکم　　　قیاس ایت کیم در اول سلطان اعلیٰ

جب خدا ے بزرگ اُس کا تعریف کرنیوالا ہوا تو قیاس کرو کہ وہ سلطان اعلیٰ کون ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس کے بعد ہم کئی صدی نیچے اتر کر ایک ادیب کے کلام کا نمونہ پیش کرتے ہیں، جو اس نے بطور قطعہ تاریخ کے سلطان عبد الحمید خان کی تخت نشینی (۱۲۹۳ھ) کے موقع پر لکھا تھا، ابھی تک عربی و فارسی کی وہی کثرت چلی آرہی ہے، وہ کہتا ہے،

طوغدی خورشید سعادت از سرنو عالمہ طولدی انوار مسرت ہر کس ایتدی رسم عید

آفتاب سعادت نئے سرے سے دنیا پر طلوع ہوا، انوار مسرت پھیل گئے، اور ہر شخص نے عید کی رسم ادا کی،

چونکہ تخت عالی عثمانی یہ گیجدی بوگون عدل و انصاف کرملہ مشتہر ذات فرید

اس لئے کہ آج تخت عثمانی پر جلوہ افروز ہوا، (وہ جو کہ) عدل، انصاف، کرم سے مشہور ایک ذات فرید ہے،

اس کے بعد ترکی میں انقلابات کا دور شروع ہوتا ہے، اور شخصی حکومت ختم ہو کر اس جگہ دستوری حکومت قائم ہوتی ہے، بادشاہ پرستی کے خیالات دماغوں سے نکل کر اس کی جگہ وطن پرستی اور قوم پرستی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں لیکن لفظی اعتبار سے زبان پر کچھ زیادہ اثر نہیں پڑا، کیونکہ ابھی تک ترکی میں ایسے لوگ موجود تھے، جو ترکی زبان سے زیادہ عثمانی زبان کے حامی تھے اور عثمانی زبان اس ترکی کو کہتے تھے، جو ترکی، عربی اور فارسی الفاظ کا مجموعہ تھی، افعال و ضمائر وغیرہ ترکی کے استعمال ہوتے تھے لیکن بقیہ الفاظ تمامتر عربی و فارسی ہوتے تھے، جیسا کہ آپنے اوپر کے نمونوں میں دیکھا، دستوری دور میں اگر کوئی فرق پڑتا ہے، تو وہ صرف مضمون کا، کیونکہ اب وطنی و قومی جذبات روز بروز ترقی اختیار کرتے جارہے تھے، ۱۳۱۹ھ کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے،

بز عسکر عثمانیلیلر ز شیر وغا یز سرحدہ و سر دشمنہ شمشیر قضا یز

احیاے وطن او غرینہ ہر لحظہ فدا یز

ترجمہ: ہم سپاہی ہیں عثمانی ہیں شیر دغا ہیں — سرحد پر دشمنون کے سر پر شمشیر قضا ہیں

احیاے وطن کی راہ میں ہر لحظہ فدا ہیں

قورشون یاغیور کن صولمزدن صا مزدن — انوار شجاعت صاچیلیر سنجاغمزدن

داہنے طرف بائین طرف سے گولیان برستے وقت انوار شجاعت پھیلتے ہیں ہمارے جھنڈے سے،

عثمانی جھنڈے کے متعلق اسی زمانہ کی ایک نظم ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے،

ارطغرل کے خاندان سو بیدار ہوا ہے تو — کس طرح دشمنون کے قلعون پر لہرایا ہے تو

شہیدون کے خون سے رنگین ہوا ہے تو — تجھ پر سلام اے عثمانی جھنڈے

تیرے بازو ہوا میں لہرا رہے ہیں — کیا آسمان سو بھی بلند ہوجانیکا قصد ہے تیرا

تیرے سایہ میں ہر عثمانی جان دینا چاہتا ہے — تجھ پر سلام ہو اے عثمانی جھنڈے

اے شرافت اور عظمت کے فرمان — اور اے لڑائیون والی تاریخ کی داستان

اس ملک کا ہر ہر گوشہ تجھے چاہتا ہے — تجھ پر سلام ہو اے عثمانی جھنڈے

اسی زمانہ کی ایک درسی کتاب میں جو بچون کو دوسری جماعت مین پڑھائی جاتی تھی بچون کے لئے چند شعر لکھے ہیں، جن کا ترجمہ یہ ہے،

"چھوٹا سپاہی ہتھیار لے کر آگے بڑھتا ہے، سارا شہر اس سے کہتا ہے "چھوٹے سپاہی زندہ باش" ان ننھے ننھے کاندھون پر کل بندوق رکھی جائے گی" بندوق کیا بلکہ پورے وطن کا بوجھ ان پر رکھدیا جائے گا"

اس کے بعد ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم شروع ہوجاتی ہے، ترک لڑائیون مین شریک ہوتے ہیں، حرمین کے عرب جن پر لاکھون ترکی پونڈ صرف ہوتے تھے، باغی ہوجاتے ہیں، چار سال کی مسلسل جنگ کے بعد ترکوں کو شکست ہوتی ہے، ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہیں، یونانی ایشیائے کوچک

مین گھس آتا ہے، ترکی سلطان اتحادی قیدی سے زیادہ حیثیت نہین رکھتا، اور ملک بالکل تباہ ہوجاتا ہے، اسی اثنا مین کمال اتاترک اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور ترکی کو غلامی سے نجات دلا کر اُس کے ہرشعبۂ زندگی مین ایک انقلاب برپا کردیتا ہے، اس موقع پر اس انقلاب کی تفصیل بیان کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے، ہم صرف اس کے ادبی پہلو پر کچھ لکھنا چاہتے ہین،

ترک اس حقیقت کو بخوبی سمجھ گئے کہ اگر دنیا مین بحیثیت ایک زندہ قوم کے رہنا ہے، تو جدید علوم وفنون کو رواج دینا، فوج کی جدید اصول پر تربیت، جدید اسلحۂ جنگ کا استعمال، صنعتی، زراعتی، اور اقتصادی ترقی بالکل اُنھی اصولون پر لازمی ہے، جن کو مغربی دنیا اختیار کئے ہوئے ہے، چونکہ اُن کو قدامت پسند علما سے نفرت ہوگئی تھی، جو ہر اصلاح کے مخالف تھے، اس لئے اس جدید تحریک کا ایسا ردعمل ہوا کہ ترک قوم اسلام کو بھی بڑی حد تک کھو بیٹھی، اور اُس کے خیال مین تقریباً ہر اسلامی چیز ترقی کی راہ مین حائل ہونے لگی، اگر علما اپنے جمود کو چھوڑ کر ترقی کی رفتار مین قوم کی مدد کرتے، اور یقیناً کرسکتے تھے، کیونکہ اسلام بشرطیکہ اس کو اصلی صورت مین پیش کیا جائے، ہرگز انسانی ترقی کا مخالف نہین، وہ تو یہ کہتا ہے کہ "کائنات کی ہرچیز تمھارے لئے مسخر کردی گئی ہے" اس سے زیادہ "سائنس" کی تعلیم کی طرف کیا چیز رغبت دلاسکتی ہے، کیونکہ سائنس نام ہے قدرت کے راز معلوم کرنے، اور اُن کو انسان کے نفع کے لئے استعمال کرنے کا، اور یہی اسلامی تعلیمات کا صحیح منشا ہے،

علما نے ایسا کیون نہین کیا، اس کا جواب بھی نہایت صاف ہے، اور وہ یہ کہ جس تعلیمی ماحول میں اُن کے دماغون نے تربیت پائی تھی، وہ سائنس کی دنیا اور موجودہ ٹھوس حقائق سے بالکل الگ تھا، ناقص مذہبی تعلیم، قدیم یونانی منطق وفلسفہ کے خرافات سے اُن کی ذہنیت کی تعمیر ہوئی تھی، اور اگر اُن مین سے بعض جدید حالات سے متاثر ہوکر کچھ سمجھنے بھی لگے تھے، تو وہ قصداً اپنے مرکز سے ہٹنا نہین چاہتے تھے، کیونکہ ایسا کرنے سے وہ علمی اعتبار سے دیوالیہ ہوئے جاتے تھے،

اور زندگی کے ہر شعبہ مین قیادتِ عامہ کا منصبِ جلیل جو اُنھین حاصل تھا، ختم ہو جاتا تھا،

علما اپنی جگہ پر رہے، اور جدید ترکون نے آگے بڑھ کر اپنی پوری معاشرت مغربی سانچہ مین ڈھالدی، اور ایسے بھی آگے بڑھے کہ اپنی مشرقی روایات اور اسلامی تعلیمات کی بعض بنیادی چیزون کو بھی پیچھے چھوڑ گئے، اور اس انقلاب کو اُنھون نے ایسی ٹھوس بنیاد پر قائم کیا، کہ بچہ سے لے کر بوڑھا تک ایک ہی رنگ مین رنگ گیا، انھون نے ابتدا ہی سے بچون کے دماغ مین یہ باتین بٹھانا شروع کردین کہ دنیا مین جمہوریت ہی بہترین طرزِ حکومت ہے، ہمارے پُرانے ملا عقل کے دشمن تھے، اور ہم کو ترقی سے روکتے تھے، جمہوریت نے ترکی قوم پر کیا کیا احسانات کئے وغیرہ وغیرہ، ذیل مین ہم ترکی کی پانچوین کتاب سے اسی مضمون کا ایک سبق ترجمہ کرکے پیش کرتے ہین، اس سے آپ کو بخوبی اندازہ ہوگا کہ کس طرح ابتدا ہی سے بچون کی تعلیم مین قومی تعمیر کی بنیاد رکھی جاتی ہے، سبق کا عنوان ہے: **جمہوریت**،

"میرے بچو! تم جانتے ہو کہ جمہوریت کو ہر شخص پسند کرتا ہے، ہر طرف سے زندہ باد جمہوریت کی آوازین آتی ہین، چھوٹا اور بڑا ہر ایک اپنی جان سے زیادہ اُس کی حفاظت کی قسم کھائے ہوئے ہے، جمہوریت کی بقا ہمارے لئے کیون اس قدر عزیز ہے، ہمارے رہنما اتاترک اعظم نے نوجوانون کو اس چیز کا انعام دینا کیون ہر شخص پر مقدم سمجھا، مین جمہوریت سے پہلے کا زمانہ بھی دیکھے ہوئے ہون اس لئے اس کے اسباب ایک ایک کرکے تمھین سمجھاتا ہون!

بادشاہت کے تاریک زمانہ مین جو تکلیفین ہم نے اٹھائی ہین، وہ کسی دوسری قوم نے نہین اٹھائی ہین، ہم ایسی حالت مین اپنی آواز تک نہین اٹھا سکتے تھے، اور اپنے کلیجہ پر پتھر رکھے ہوتے تھے، جنگ عظیم (۱۹۱۴ء) مین ہم نے بڑی بڑی قربانیان کرکے اپنا خون بہایا، دوست اور [illegible] تھین

چارسال لڑنے کے بعد سمجھ گئین کہ اب یہ دوہ دشمن کی طاقت کا مقابلہ نہین کرسکتین، انھون نے ہتھیار ڈال دیئے، ہم بھی بہت تھک گئے تھے، کیا ہم اس وقت دنیا کے سامنے اپنا سر اونچا کرسکتے تھے؟ دشمن ہم سے کہتے تھے اپنے ہتھیار رکھدو، اپنی مادر وطن کی سرزمین، اپنی جان، اور اپنی عزت و ناموس سب کچھ چھوڑ دو، ہم اُس وقت تک اپنی کہی ہوئی بات سے نہ پھرے، اور ایک بہادر قوم ہونے کی وجہ سے دوسری قوم کو بھی اپنی طرح سمجھتے رہے، ہم نے اپنے ہتھیار رکھدیئے، اور اپنے دروازے کھولدیئے،

مگر انسان کو دشمن کی باتون پر یقین نہ کرنا چاہئے، اپنا ہتھیار اپنے ہاتھ سے نہ دینا چاہئے، اپنے دروازون کو (غیرون کے لئے) نہ کھولنا چاہئے، انھون نے اندر داخل ہونے کے بعد ایک دم ہم پر حملہ بول دیا، انھون نے ہمارے سب سے زیادہ زرخیز علاقون کو ٹکرے ٹکرے کرنا، اور ادھر سے اُدھر تقسیم کرنا شروع کردیا، وہ ہم کو خود ہمارے وطن مین غلامون کی نظر سے دیکھنے لگے، اور ہمارے وجود کو اپنے پیرون کے نیچے کچلنے لگے، سب سے زیادہ دردناک بات یہ تھی کہ بادشاہ بھی اُن کے ساتھ مل گیا تھا، وہ بادشاہ جس کے باپ دادا کو ہم سینکڑون سال سے اپنے سرون پر اُٹھائے ہوئے تھے، اور ہم نے اپنے خونِ دل سے اُن کی پرورش کی تھی،

اتاترک کو یہ باتین برداشت نہ ہوسکین، ملک کے ایک گوشہ مین اُس نے قوم کے نہایت پاکیزہ اور نہایت دلیر فرزندون کو ایک جلسہ منعقد کیا، اور اپنا مقصد سمجھایا، برسون سے دل پر زخم کھائی ہوئی قوم کو اس کا رہنما مل گیا، جوان بڈھے، عورتین، مرد حکم کی تعمیل مین اُس کے آس پاس جمع ہوگئے، اور جیسے کہ پہاڑ کی بلندی سے ایک بڑا برف کا تودہ گرتا ہے، وہ دشمن پر آپڑے، اور صرف دشمن ہی کو نہین بلکہ بادشاہ کو بھی جو اس کے ساتھ اتفاق کئے ہوئے تھا، نکال باہر کیا، جمہوریت، ہماری آزاد اور خود مختار قوم کی قوت اور اُس کے ارادے سے قائم کی ہوئی حکومت ہے، اسی لئے ہم اُسے چاہتے ہین، اور وہ ہمین بیحد پیاری ہے،"

بادشاہی زمانہ میں ہم کس طرح دوسری قوموں سے پیچھے رہ گئے، اب میں تم کو یہ سمجھاتا ہوں،

بادشاہ ملک کو اُس کھیت کی طرح سمجھتا تھا جو ان کی طرف سے اسے میراث میں ملا ہو، اور

قوم کو اپنا غلام خیال کر کے اس کے افراد کو غلاموں کی نظر سے دیکھتا تھا، ترکوں سے زیادہ عرب اور

ارناؤطا جیسی اجنبی قوموں کے فرزندوں سے اس کو زیادہ محبت تھی، اور وہ اُن کی زیادہ پرورش کرتا

تھا، بڑے عہدوں کے لئے اکثر اوقات انہی میں سے انتخاب کر لیتا تھا، اگر کبھی کوئی شریف، عقلمند، اور

ذی علم ترک فرزند کسی بڑے کام تک پہنچ جاتا اور ملک کو نجات دلانے کے لئے مفید کام کرنا چاہتا، تو

اُس کی راہ میں پُرانے خیال کے بے علم ملا حائل ہو جاتے تھے،

اب میں تمھارے سامنے ایک نئے خیالات رکھنے والے روشن دماغ ترک افسر اور ایک مُلا کے درمیان

گفتگو کراتا ہوں، تم اُسے غور سے سُنو،

روشن دماغ ترک: کبھی کبھی کسی اجنبی قوم کے ساتھ ہم کو لڑائی کا اتفاق ہوتا ہے، ہمارے سپاہی

اُن کے سپاہیوں سے بہت زیادہ بہادر ثابت ہوتے ہیں، لیکن اُن کی فوج جدید فنونِ حرب کے مطابق

تربیت یافتہ ہوتی ہے، اور ذی علم افسروں کے انتظام کے ماتحت مشین کی طرح کام کرتی ہوئی حملہ آور

ہوتی ہے، اُن کے ہاتھوں میں جدید اسلحہ ہوتے ہیں، اور ان کے جسم پر لڑائی کے لئے نہایت موزوں اور

آرام دہ لباس ہوتا ہے، اسی لئے وہ بہت کم جانی نقصان اٹھا کر بہت زیادہ کامیابی حاصل کر لیتے ہیں،

ہم کو بھی چاہئے کہ اُن کی طرح اپنی فوج کو ترقی دیں، اپنی فوج کے ہتھیار اور اس کی وردیاں بدل

ڈالیں، بڑے اور چھوٹے افسروں کو تعلیم دے کر انھیں ماہر بنائیں، اور مفید فوجی تربیت گاہیں

قائم کریں،

مُلا:- ایسا نہیں ہو سکتا، یہ گناہ ہے، ہمارے اسلاف جیسا کرتے تھے، ہم اسی طرح کریں گے،

روشن خیال ترک: یورپ اور امریکہ میں علم نے بہت ترقی کی ہے، ایسے قانون بنائے

گئے ہین کہ کوئی انسان بے پڑھا لکھا باقی نہ رہے، ہمارے ہان پڑھے لکھے اتنے کم ہین کہ انگلیون سے بتائے جاسکتے ہین، ہمارے بچون کو پڑھانے کے لئے اونچی تعلیم حاصل کئے ہوئے استاد نہین ہین، ہمارے ملک کے گانون اور شہرون کو بارونق بنانے کے لئے اور راستون اور پلون کو تیار کرنے کے لئے انجینیر نہین ہین تندرستی کی حفاظت کے لئے ہمارے ہان ڈاکٹر نہین، ان سب کو تیار کرنے کے لئے نئے کالج قائم کرنا ضروری ہے،

ملّا: یہ نہین ہوسکتا، یہ گناہ ہے، ہم کافر ہوجائین گے، کیا ہمارے مدرسے ہماری ضروریات کے لئے کافی نہین، ہمارے گانون اور شہروں کو بارونق بنانے سے کیا فائدہ، کل مرنے کے بعد جنت مین اللہ ہم کو بہت سے محل عطا فرمائے گا،

روشن خیال ترک: ہم کو چاہئے کہ چند ہسپتال قائم کرین،

ملّا: یہ بھی نہ ہوگا، یہ کافرون کا کام ہے، ڈاکٹر کے علاج سے بیماری نہین جاتی ہم اپنے بیمارون کی بزرگون سے جھاڑ پھونک کرائین تو یہ زیادہ مفید ہے،

روشن خیال ترک: ہم کو چاہئے کہ ہم اپنے بچون کو غیر زبانین سکھائین تا کہ وہ ترقی یافتہ قومون کی مفید کتابین پڑھ سکین،

ملّا: یہ نہ ہوگا، یہ گناہ ہے،

روشن خیال ترک: اگر یہ بات ہو تو ہم کو چاہئے کہ ہم اپنی مادری زبان ترکی کو اچھی طرح پڑھین،

ملّا: جس کو ترکی کہین ایسی کوئی زبان نہین ہے، البتہ عثمانی زبان ہے جس مین زیادہ حصہ عربی اور فارسی الفاظ کا ہے، اگر ان زبانون کو حاصل کر لیا جائے تو کافی ہے،

روشن خیال ترک: ہمارے ہم وطنون مین آدھے سے زیادہ عورتین ہین، سو وہ پنجرے کے

اندر اور سیاہ نقاب کے نیچے زندگی بسر کرتی ہیں، اور ایسے پھولوں کی طرح زرد ہو کر مرجھا جاتی ہیں جن کو دن کی روشنی نصیب نہ ہو، اور اسی وجہ سے وہ بچے جن کی وہ پرورش کرتی ہین، روز بروز کمزور ہوتے چلے جاتے ہین، ہم کو چاہئے کہ ہم اُن کو آزاد کر دین، وہ بھی ہماری طرح اپنا منہ کھول کر سورج کی روشنی مین پھرین، مدرسون مین داخل ہون، اور اُن کے خیالات ترقی کرین،

ملّا: یہ نہین ہو سکتا، عورت کو گھر ہی مین بند رہنا چاہئے، اور دنیا سے اُس کو بے خبر رہنا چاہئے،

اس طرح پر مُلّا لوگ ہر وقت دنیوی امور مین دخل دیتے، اور ملک کو ترقی دینے کی نئی چیزون کے راستہ مین حائل ہوتے تھے، ناکمل عربی جاننے کے علاوہ اُن مین کوئی قابلیت نہ تھی، دین کے نام پر وہ لوگون کو دھوکا دیتے تھے، اور خود اپنے بھائیون کو آپس مین لڑایا کرتے تھے، جمہوری حکومت کی خوبیون مین سے ایک یہ بھی ہے، کہ اُس نے ملاؤن کو بیچ مین سے نکال کر دینی امور کو دنیوی اُمور سے علیحدہ کر دیا،

اب مین یہ بتانا چاہتا ہون کہ اِس گیارہ سال کی مدت مین جمہوری حکومت نے کیا کیا کام کئے،

۱۔ بادشاہ رعایا کو غلامون کی طرح استعمال کرتا تھا، اب ملک کے کامون سے واقفیت رکھنے والے، اور وطن سے محبت کرنے والے لوگون کا انتخاب کیا جاتا ہے، اور وہی لوگ حکومت کا کام دیکھتے ہین،

۲۔ امور مذہبی امور دنیوی سے الگ کر دئیے گئے،

۳۔ پُرانے مدرسے بند کر دئیے گئے، اب ملک کے تمام بچے نئے مدرسون مین ایک ساتھ پڑھتے ہین،

۴۔ بادشاہت نے غیر قومون کو بہت سے حقوق دے رکھے تھے، ان کی علیحدہ عدالتین تھین، اُن کے ڈاکخانے تھے، اگر وہ کوئی جرم کرتے تھے، تو ہماری پولیس اُن کو گرفتار کرکے عدالت مین نہین لا سکتی تھی، ہماری جمہوریت نے ان حقوق کو ختم کر دیا، اب ترکون کے وطن مین صرف ترکون ہی کا حکم چلتا ہے،

۵- ہمارے ملک مین پرانے زمانہ سے دو علحدہ علحدہ عدالتین، اور دو علحدہ قانون پائے جاتے تھے ایک دین کا قانون اور ایک دنیا کا قانون، اب یہ دوئی بھی بیچ مین سے اٹھ گئی، اب لوگ صرف ایک عدالت کو جانتے ہین، جہان وہ خود اپنی قوم کے بنائے ہوئے، قانون کی بنا پر اپنے حقوق طلب کرتے ہین،

۶- پرانے زمانہ مین عورت اپنے گھر مین بند رہتی تھی، کوئی کام نہیں کرتی تھی، وہ صرف مرد کی دست نگر تھی، اب اس نے اپنی کمزوریون کو محسوس کر لیا، اب وہ مرد کی طرح کھلے منہ پھرتی ہے، محنت کرتی ہے، اور کماتی ہے، اس کو میونسپل وغیرہ کی ممبری کا حق بھی دیدیا گیا ہے، جو اس وقت تک بہت سے ترقی یافتہ ملکون مین بھی اس کو حاصل نہین ہے،

۷- اس سے پہلے صرف مالدار لڑکے ہی پڑھ سکتے تھے، اب ہمارے ملک کے تمام بچون کو مفت تعلیم دیجاتی ہے، اور مدرسون کی تعداد سال بسال بڑھتی جاتی ہے،

۸- پرانا رسم خط ایک نہایت مشکل رسم خط تھا، ہمارا اپنا رسم خط آسان ہے، تم جتنا ایک سال مین پڑھ لیتے ہو اس کو ہم پانچ سال مین پڑھا کرتے تھے،

۹- آج جس طرح کی صاف اور ستھری ترکی زبان مین نوشت وخواند ہوتی ہے، اس زمانہ مین اس کی کوئی قدر نہ تھی، ہم کو عربی اور فارسی الفاظ سے ملی ہوئی ایک بناوٹی زبان پڑھائی جاتی تھی، جس کو عثمانی زبان کہا جاتا تھا، اس مشکل زبان کو سیکھنے مین ہمارے کئی سال صرف ہوجاتے تھے، اور دوسرے علوم کو ہم بہت دیر مین شروع کرتے تھے، اور تمھاری طرح جلد ترقی نہین کرسکتے تھے،

۱۰- پہلے ہم اپنے سر پر سرخ کپڑے کی بنی ہوئی ایک مضحکہ خیز ٹوپی لگاتے تھے، جس کو "فیز" کہتے ہین، گرمی اور جاڑے کے موسم مین یہ ٹوپی ہم کو بہت تکلیف پہنچاتی تھی، اس کے اوپر ایک لٹکتا ہوا پھندنا ہوتا تھا، جسے دیکھ کر ساری دنیا ہم پر ہنستی تھی، جمہوریت نے اس کو بھی پھاڑ پھینکا

اور تمام متمدن دنیا جو ٹوپی اپنے سر پہ لگاتی ہے، ہم بھی اب وہی استعمال کرتے ہین،

۱۱۔ پہلے مجسمہ بنانا ممنوع تھا، تصویر اور موسیقی کی بھی کوئی قدر نہ تھی، اب جمہوری حکومت نے ان کو نہایت ضروری خیال کرتے ہوئے، نصاب تعلیم مین اُس کو ایک بڑی جگہ دی ہے،

۱۲۔ اناطولیہ کے راستون کی طرف بالکل توجہ نہ تھی، ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہونچنے مین مہینے گذر جاتے تھے، جنگ کے زمانہ مین سپاہیون کو اُن کے گانون سے نکال کر جب تک میدان جنگ مین پہنچایا جاتا تھا، دشمن سرحد کو عبور کر چکا ہوتا تھا، اب بارہ سال کے عرصہ مین جیسا کہ ہم سب جانتے ہین، اناطولیہ مین کیسے اچھے اچھے راستے بن گئے، اور ریلون کا جال بچھ گیا،

۱۳۔ پہلے زمانہ مین ہمارے ملک کے ایک گوشہ مین تنہا ایک بڑا شہر استنبول تھا، دوسرے شہرون کی طرف کوئی توجہ نہ تھی، شہرون سے زیادہ وہ بڑے گانون سے مشابہ تھے، انقرہ بھی اناطولیہ کے بیچ مین ایک بڑا گانون تھا، جمہوری حکومت نے اس مین بارہ سال کی مدت مین نہایت ترقی یافتہ عمارتین بالکل یورپ اور امریکہ سے ملتی ہوئی بنا ڈالین، راستے، مدرسے، عجائب خانے اور کارخانے بناکر شہر کی رونق بڑھائی گئی، اسی طرح ملک کے دور دراز گوشون مین بھی جو شہر آباد ہین، وہ بھی ترقی کرتے جا رہے ہین"

یہانتک ترکی کی پانچوین کتاب (مطبوعہ ۱۹۳۶ء) کے ایک سبق کا ترجمہ ہم نے پیش کیا، اس سے آپنے اندازہ کیا ہوگا کہ کس طرح ابتدا ہی سے بچون کی ذہنی تربیت کیجاتی ہے، اور بچون کی ذہنیت کے مطابق عام فہم اور آسان طریقے سے جمہوریت اور جدید تمدن کے فوائد اُن کے ذہن نشین کئے جاتے ہین، ہمارا مطلب اس سے یہ نہین ہے، کہ ہم کو ترکون کی ہر بات سے اتفاق ہے، اور انھون نے مشرقی تہذیب کو چھوڑ کر جو مغربی ڈھنگ اختیار کیا ہے، وہ ہمارے لئے بھی قابل تقلید ہے، کیونکہ اوّل تو یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے، اور دوسرے ہمارے ملک کی منتشر حالت اور

مسلمانوں کی موجودہ ذہنیت اس بحث کے لئے سازگار نہیں ہے، ہمارا موضوع ترکی ادب کے رجحان جدید پر منحصر ہے، اور اسی کو ہم آگے بھی ذرا تفصیل سے بتانا چاہتے ہیں،

سیاسی انقلاب کا جو اثر ترکی ادبیات پر پڑا اُس نے ترکی کی قدیم رسم خط کو بھی باقی نہیں چھوڑا پہلے ترکی زبان عربی رسم خط میں لکھی جاتی تھی، اور اب رومن حروف اختیار کر لئے گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہو کہ رسم خط کی تبدیلی میں ترک بالکل حق بجانب ہیں، اس لئے کہ عربی رسم خط میں ترکی زبان صحیح طریقہ پر نہیں لکھی جا سکتی تھی، کیونکہ عربی کے حروف علت اور حرکات یعنی واؤ الف اور ی، اور زبر، زیر اور پیش ترکی تلفظ کے ادا کرنے سے بالکل قاصر تھے، مثلاً ترکی زبان میں ایک حرکت زیر اور زبر کے درمیان ہوتی ہے مثلاً "Ben" یعنی "میں" اب اس کو پرانے رسم خط میں یا تو زبر کے ساتھ بَن لکھ سکتے ہیں، یا زیر کے ساتھ بِن اور یہ دونوں غلط ہیں، اسی طرح عربی میں صرف ایک واؤ ہوتا ہے، واؤ معروف، اور اگر فارسی کا واؤ مجہول بھی لے لیا جائے، تو دو قسم کے واؤ ہوئے، حالانکہ ترکی میں اس کے علاوہ دو قسم کے اور واؤ ہیں، ایک واؤ ہے جس کا تلفظ واؤ مجہول اور یائے مجہول کے درمیان ہے، مثلاً Ölek متعدی مرض Ölmez غیر فانی، اور ایک واؤ ہے جس کا تلفظ واؤ معروف اور یائے معروف کے درمیان ہے، مثلاً Üfürük جھاڑ پھونک Ülke سرحد، پہلے واؤ رومن O پر دو نقطے لگا کر اور دوسرا U پر دو نقطے لگا کر ظاہر کیا جاتا ہے، علاوہ ترکی کے یہ دونوں تلفظ جرمن اور ہنگرین وغیرہ زبانوں میں بھی ہیں، اس کے علاوہ ترکی کا قدیم رسم خط یعنی عربی رسم خط، مرکب ہونے کی وجہ سے نہایت مشکل تھا جس میں ایک حرف کی لکھنے کی کئی صورتیں ہوتی ہیں، زبر زیر اور پیش عام طور پر نہیں لگائے جاتے، محض قرینہ اور حافظہ کی مدد سے لفظ صحیح پڑھا جاتا ہے، ت ط، ز ذ ض ظ، ث، س، ص، کا جھگڑا بھی بچے کے لئے کچھ کم مشکل نہیں، لہٰذا زبان کے رسم خط کو آسان بنانے اور اُس کو تلفظ کے عین مطابق کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، کہ اس کو رومن

حروف میں لکھا جائے، بلکہ طوالت کے بچنے کے لئے یہاں تک کیا گیا کہ ش $\c{s}$ ہے Sh دو حروف لکھنے کے بجائے S کے نیچے ایک نشان اس طرح S کا لگا دیا جاتا ہے، C ترکی میں ج کی آواز دیتا ہے اور چ کے لئے بجائے Ch دو حرفوں کے C نیچے ایک نشان اس طرح Ç لگا دیتے ہیں اس اصلاح کا یہ نتیجہ ہوا کہ اب بچہ نہایت تیزی سے پڑھنے لکھنے لگتا ہے، غیر زبان والے بھی آسانی سے ترکی پڑھنے لگتے ہیں، اب ترکی دنیا کی اُن چند زبانوں میں ہے جو تلفظ کے عین مطابق لکھی جاتی ہیں،

ذیل میں ہم ایک جملہ قدیم اور جدید دونوں رسم خطوں میں لکھتے ہیں، اب آپ تمام مذہبی اور تاریخی تعصب کو چھوڑ کر انصاف سے فیصلہ کیجئے کہ کونسا رسم خط آسان ہے؛

"Yüksek Türk, Senin için Yüksekliğin
hdudu yoktur. Kemal Atatürk"

"یوکسک ترک، سنک ایچون یوکسکلیک حدودی یوقدر کمال اتاترک"

ترجمہ: "اے بلند ترک، تیرے لئے بلندی کی کوئی حد نہیں ہے، (کمال آتا ترک)

ترکی ادبیات کا مذہبی رنگ تو عرصہ ہوا ختم ہو چکا تھا، اور جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، اُس کی جگہ قومی اور وطنی ادبیات نے حاصل کر لی تھی، ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے بعد جب ترکی کا ہر شعبۂ زندگی تقریباً مغربی سانچہ میں ڈھل گیا تو ادبیات نے بھی وہی رنگ اختیار کرنا شروع کیا، جو مغربی ادب کی خصوصیت ہے، عشق و محبت کے جذبات کا اظہار قدیم روایات اور محدود تشبیہات و استعارات کا پابند نہیں رہا، زبان کی سادگی اور سلاست بڑھ گئی، غیر ضروری عربی اور فارسی الفاظ کی بھر مار نہیں رہی، بیانیہ شاعری نے بھی بڑی ترقی کی، قدرت کے مناظر اور فطرت کی نقاشی کا عکس بھی ترکی ادبیات میں نمایاں طور پر نظر آنے لگا،

ہم کو افسوس ہے کہ جملہ اصنافِ سخن کی مثالیں ہم آپکے سامنے پیش نہیں کر سکتے، اس لئے کہ

نہ تو ہمارے پاس اس کا کافی ذخیرہ ہے اور نہ مضمون کو زیادہ طول دینے کی گنجایش ہے، لہذا اب ہم جستہ جستہ صرف چند ایسے انتخابات درج کرتے ہین، جو قومی شاعری سے متعلق ہیں، کیونکہ انقلاب کے بعد شاعری کی اسی صنف نے زیادہ ترقی کی ہے، اس انتخاب کا زیادہ حصہ ہم نے ترکی ریڈرون سے ترجمہ کیا ہے، لہذا اس کے پڑھنے مین یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ بچون کی ذہنیت کے مطابق ان کی قومی تربیت کے خاطر لکھی ہوئی چھوٹی چھوٹی نظمین اور عبارتین ہین، آپ اُن کو اپنی تربیت یافتہ ذہنیت سے مطابق کرنے کی کوشش نہ فرمائے،

وطن اور اتاترک | "یہ سمندر، یہ پہاڑ، یہ جنگل، یہ باغ، یہ چاندی کی طرح سفید پانی، یہ آبشارین، یہ خوبصورت بے مثل وطن، میرے بچے! یہ تیرا ہے، یہ تیرا ہے،

جب کہ تو گہوارہ مین تھا، تیری ماں لوریان سنا کر تجھے سلاتی تھی، تیرا وطن جو ہر ملک سے اونچا ہے، دشمنون سے بھر گیا تھا، اور وہ ایک قید خانہ تھا،

جب کہ دشمن ہم کو پیرون تلے روندرہے تھے، اتاترک آگے بڑھا، اور ایک ایسا سورج نکلا جو کبھی ڈوبنے والا نہین، اُس نے تمام تاریکیوں کو مٹادیا، اور ملک کو روشن کر دیا، اور ہم سب کو سینہ سے ساتھ پر لگا دیا،"

سرحد | تمھارا باغ ہر جانب سے باڑھ سے گھرا ہوا ہے، باغ مین ایک سرے سے دوسرے سرے تک درخت ہی درخت ہین، جو شخص چوری کی نیت سے اندر گھسنا چاہتا ہے، باڑھ اُس سے کہتی ہے، یہان سے دور ہو، یہ خوبصورت باغ تمھارا نہین ہے" یہ سُن کر بھی اگر وہ اندر گھسنا چاہتا ہے، تو باڑھ اُس کو اپنے کانٹوں مین پھنسا لیتی ہے، اور اندر جانے نہین دیتی، تمھارے وطن کی حفاظت کے لئے بھی ایسا ہی باڑھ موجود ہے، لیکن وہ باغ کی باڑھ کی طرح نہین بنائی گئی ہے، سرحدون پر قلعے ہوتے ہین، ہماری سرحدون پر بھی

اسی طرح لوہے کے قلعے موجود ہیں اور پہاری بڑی بڑی توپیں ہیں لیکن سب سے زیادہ حفاظت کرنے والا قلعہ ترک سپاہی کا سینہ ہے"

جھنڈا | "آسمان کا چاند اور ستارہ، تیرے سینہ پر چمکتا ہے"

"اس ملک کے لڑکے اور لڑکیاں، ہر جگہ تجھے ڈھونڈتی ہیں"

"زندہ باش اے اونچے جھنڈے، تو کیا ہی شاندار ہے"

"صرف تیرے ہی سایہ میں، ہمارے دل خوشی محسوس کرتے ہیں"

میرا جھنڈا | "میرے باپ دادا نے آسمان سے زمین پر، اتارا چاند اور ستارا"

"اور ایک ابر کے ٹکڑے کو لپیٹ لائے، جس کا رنگ شفق سے بھی زیادہ سرخ ہے"

"آگ کی طرح اس کا سرخ رنگ، نہ گلاب کے پھول سے نہ کسی اور سرخ پھول سے لیا گیا ہے"

"وہ ترک قوم کے فرزندوں کا اپنا خون ہے جس نے اس کو یہ رنگ دیا ہے"

"اس کا چاند اور ستارہ آسمان کے چاند تارے سے اونچا ہے"

"ترکوں کی پیشانی پر یہ تحریر ہے، ترک ہی اسے بلند کرتے رہیں گے"

"میرا فرض ہے کہ اپنے جھنڈے کو، ہر جھنڈے سے بلند رکھوں"

"جان دے ڈالوں، اپنا خون بہاؤں، لیکن اپنے فرض کو ہرگز نہ چھوڑوں"

اصلاحاتِ اقبال

از

جناب محمد بشیر الحق صاحب دسنوی عظیم آبادی

(۲)

۲۸ - داغ

رسالۂ مخزن ماہ اپریل ۱۹۰۵ء	بانگ درا صفحہ : ۸۹
۱۔ تھی زبانِ داغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے	۱۔ .. ..
یعنی یہ لیلا وہاں بے پردہ یاں محمل میں ہے	لیلیٔ معنی وہاں بے پردہ یاں محمل میں ہے
۲۔ آہ! اے بیت الحرامِ مذہب اہلِ سخن	۲۔ اے جہان آباد اے سرمایۂ بزم سخن
ہو گیا پھر آج پامالِ خزاں تیرا چمن	..
۳۔ وہ گلِ رنگیں ترا رخصت مثال بو ہوا	۳۔ ..
یعنی خالی داغ سے کاشانۂ اردو ہوا	آہ! خالی داغ سے کاشانۂ اردو ہوا

۲۹ - بچہ اور شمع

رسالۂ مخزن ماہ ستمبر ۱۹۰۵ء	بانگ درا ص ۹۴ -
۱۔ محفلِ قدرت ہے اک دریائے بے پایان حسن!	۱۔ ..
دیکھتی ہے آنکھ ہر قطرے میں یاں طوفانِ حسن!	آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حسن!

۳۰- غزل

ج رسالۂ مخزن ماہ فروری ۱۹۰۳ء بانگِ درا ص ۱۰۲

۱- کیا کہوں اپنے وطن سے میں جدا کیونکر ہوا ۱- کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیونکر ہوا

اور اسیرِ حلقۂ دام ہوا کیونکر ہوا ..

۳۱- غزل

رسالۂ مخزن ماہ اکتوبر ۱۹۰۳ء بانگِ درا ص ۱۰۵

۱- جرس ہوں میں صدا خوابیدہ ہے میرے رگ و پے میں ۱- جرس ہوں نالہ خوابیدہ ہے میرے ہر رگ و پے میں

یہ خاموشی مری وقتِ رحیلِ کارواں تک ہے ..

۲- جوانی ہے تو ذوقِ آرزو بھی لطفِ ارماں بھی ۲- جوانی ہے تو ذوقِ دید بھی لطفِ تمنا بھی

ہمارے گھر کی آبادی قیامِ میہماں تک ہے ..

۳۲- غزل

رسالۂ مخزن ماہ جنوری ۱۹۰۴ء بانگِ درا صفحہ ۱۰۶

۱- جنھیں ڈھونڈا تھا میں نے آسمانوں میں زمینوں میں ۱- جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں

وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں ..

۳۳- غزل

۱- رسالۂ مخزن ماہ مئی ۱۹۰۵ء بانگِ درا ص ۱۱۲

لطفِ کلام کیا جو نہ ہو دل میں زخمِ عشق ۱- لطفِ کلام کیا جو نہ ہو دل میں دردِ عشق

بسمل نہیں ہے تو تو تڑپنا بھی چھوڑ دے ..

۳۴- محبت

رسالۂ مخزن ماہ جنوری ۱۹۰۶ء	بانگ درا ص ۱۱۵
۱۔ قمر اپنے لباسِ نو میں بیگانہ سا لگتا تھا	۱۔ ..
ابھی واقف نہ تھا گردش کے آئینِ مسلّم سے	نہ تھا واقف ابھی گردش کے آئینِ مسلّم سے
۲۔ سنا ہے عالمِ بالا پہ کوئی کیمیا گر تھا	۲۔ سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کیمیا گر تھا
صفا تھی جس کی خاکِ پا میں بڑھکر ساغرِ جم سے	..
۳۔ لکھا تھا عرش کے پائے پہ اک اکسیر کا نسخہ	۳۔ ..
چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ لوحِ آدم سے	چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ روحِ آدم سے
۴۔ نگاہیں تاک میں رہتی تھیں لیکن کیمیا گر کی	۴۔ ..
وہ اک نسخہ کو بڑھ کر جانتا تھا اسمِ اعظم سے	وہ اس نسخہ کو بڑھ کر جانتا تھا اسمِ اعظم سے

۳۵۔ پیام

رسالۂ مخزن ماہ فروری ۱۹۰۶ء	بانگ درا ص ۱۱۷
۱۔ قسمت سے ہو گیا ہے تو ذوقِ تپش سے آشنا	۱۔ عشق نے کر دیا تجھے ذوقِ تپش سے آشنا
پروانہ وار بزم کو تعلیمِ سوز و ساز دے	بزم کو مثلِ شمعِ بزم حاصلِ سوز و ساز دے
۲۔ اس عشق خانہ سوز کا شانِ کرم یہ ہو مدام	۲۔ شانِ کرم پہ ہے مدار عشقِ گرہ کشائے کا
باقیدِ کفر و دیں نہیں جس کو وہ بے نیاز دے	دیر و حرم کی قید کیا جس کو وہ بے نیاز دے
۳۔ مانندِ شمع نور کا ملتا نہیں لباس اُسے	۳۔ صورتِ شمع نور کی ملتی نہیں قبا اُسے
جس کو خدا نہ دہر میں گریۂ جاں گداز دے	..
۴۔ تارے میں وہ قمر میں وہ بجلی میں وہ شفق میں وہ	۴۔ تارے میں وہ، قمر میں وہ، جلوہ گہِ سحر میں وہ
چشمِ نظارہ میں نہ تو سرمۂ امتیاز دے	..

۵ رفعت ہے عجز میں نہاں یعنی نیاز کر شعار	۵۔ عشق بلند بال ہے رسم و رہِ نیاز سے
وہ محو ناز ہے اگر تو بھی جوابِ ناز دے	حسن ہے مستِ ناز اگر تو بھی جوابِ ناز دے
۶۔ محفل جو تھی بدل گئی ساقی تجھے خبر بھی ہے	۶۔ تجھ کو خبر نہیں ہے کیا؟ بزمِ کہن بدل گئی
اب نہ خدا کے واسطے اس کو مئے حجاز دے	..

۳۶۔ طلبۂ علی گڑھ کالج کے نام

رسالہ مخزن ماہ جون ۱۹۰۷ء	بانگ درا ص ۱۱۹
۱۔ اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے	۱۔ ..
غربت کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے	عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے
۲۔ مرغانِ زیرِ دام کے ہنگامے سُن چکے ہو تم	۲۔ طائرِ زیرِ دام کے نالے تو سُن چکے ہو تم
یہ بھی سنو کہ نالۂ طائرِ بام اور ہے	..
۳۔ تمکین جو ہے سکون سے ہو آئی تھی کوہ سے صدا	۳۔ آتی تھی کوہ سے صدا رازِ حیات ہے سکون
کہتا تھا مورِ ناتوان لطفِ خرام اور ہے	..
۴۔ جذبِ عرب کے بل پہ ہے انجم قوم کا قیام	۴۔ جذبِ حرم سے ہے فروغ انجمنِ حجاز کا
یثرب کے آفتاب کا یعنی نظام اور ہے	اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے
۵۔ باقی ہے زندگی میں کیا ذوقِ نمو اگر نہ ہو	۵۔ موت ہے عیشِ جاوداں ذوقِ طلب اگر نہ ہو
حرکتِ آدمی ہے اور حرکتِ جام اور ہے	گردشِ آدمی ہے اور گردشِ جام اور ہے
۶۔ شمع سحر یہ کہہ گئی ہے سازِ زندگی کا سوز	۶ شمع سحر یہ کہہ گئی سوز ہے زندگی کا ساز
اس محفلِ نمود میں شرطِ دوام اور ہے	غمکدۂ نمود میں شرطِ دوام اور ہے
۷۔ عجلت کردنہ مے کشو بادہ ہے نارسا ابھی	۷۔ بادہ ہے نیم رس ابھی شوق ہے نارسا ابھی

رہنے دو خم کے سر پہ تم خشت کلیسا ابھی

۳۷۔ وصال

بانگ درا صفحہ ۱۲۶

Iqbal by Aliya Begum

Page - 31

۱۔ عشق کے کانٹے سے لالے بن گئو چھالے مرے ۔ ۱۔ عشق کی گرمی سے شعلے بن گئو چھالے مرے

کھیلتے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نالے مرے

..

۳۸۔ نوائے غم

رسالہ مخزن ماہ جون ۱۹۱۲ء ۔ بانگ درا صفحہ ۱۳۲

۱۔ محشرستانِ نوا کا ہے امین جس کا سکوت ۔ ۱۔ ..

اور شرمندہ ہنگامہ نہیں جس کا سکوت ۔ اور منت کش ہنگامہ نہیں جس کا سکوت

۲۔ آہ! امید محبت کی بر آئی نہ کبھی ۔ ۲۔ ..

چوٹ اس ساز نے مضراب کی کھائی نہ کبھی ۔ چوٹ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی

۳۔ چھیڑ آہستہ سے دیتی ہے مری تار حیات ۔ ۳۔ چھیڑ آہستہ سے دیتی ہے مرا تار حیات

جس سے ہوتی ہے رہا روح گرفتار حیات ۔ ..

۴۔ نغمہ یاس سے دھیمی سی صدا اٹھتی ہے ۔ ۴۔ نغمہ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے

اشک کے قافلے کو بانگ درا اٹھتی ہے ۔ ..

۳۹۔ ایک شام

کلیات اقبال (خاموشی) صفحہ ۱۰۰ ۔ بانگ درا ص ۱۳۶

۱۔ وادی کے صدا فروش خاموش ۔ ۱۔ وادی کے نوا فروش خاموش

کہسار کے سبز پوش خاموش

۲- خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا ۲-

فطرت ہے مراقبے میں گویا ، قدرت ہے مراقبے میں گویا

۳- اے دل ! خاموش تو بھی ہو جا ۳- اے دل ! تو بھی خموش ہو جا

آغوش میں غم کو لے کے سو جا ،

۴۰- پیامِ عشق

رسالہ مخزن ماہ اکتوبر ۱۹۰۸ء بانگ درا ص ۱۳۷

۱- وجود افراد کا مجازی ہے ہستی قوم ہے حقیقی ۱-

فدائے ملت ہو یعنی آتش زنِ طلسمِ مجاز ہو جا فدا ہو ملت پہ یعنی آتش زنِ طلسمِ مجاز ہو جا

۴۱- فراق

کلیاتِ اقبال (کنج تنہائی) ص ۹۵ بانگ درا ص ۱۳۹

۱- شگفتہ گیت کے چشموں کی دلبری ہے کمال ۱- شگفتہ گیت میں چشموں کے دلبری ہے کمال

دعائے طفلک گفتار آزما کی مثال

۲- بہ تختِ لعل فلک پر ظہور اخترِ شام ۲- بہ تختِ لعل شفق پر جلوسِ اخترِ شام

بہشتِ دیدۂ بینا ہے حسنِ منظرِ شام

۴۲- صقلیہ

جزیرہ سسلی

رسالہ مخزن ماہ اگست ۱۹۰۸ء بانگ درا ص ۱۴۱

۱- یہ محل خیمہ تھا اُن صحرا نشینوں کا کبھی ۱- تھا یہاں ہنگامہ اُن صحرا نشینوں کا کبھی

بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی ..

۲۔ زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے ۲۔ ..

شعلۂ جان سوز پنہاں جن کی تلواروں میں تھے بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے

۳۔ آفرینش جن کی دنیائے کہن کی تھی اجل ۳۔ اک جہانِ تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور

جن کی ہیبت سے لرز جاتے تھے باطل کے محل کھا گئی عصر کہن کو جن کی تیغ ناصبور

۴۔ زندگی دنیا کو جن کی شورش قم سے ملی ۴۔ مردہ عالم زندہ جن کی شورش قم سے ہوا

مخلصی انسان کو زنجیر تو ہم سے ملی آدمی آزاد زنجیر تو ہم سے ہوا

۵ جس کے آوازے سے لذت گیر اب تک گوش ہے ۵۔ غلغلوں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے

وہ جرس کیا اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

۴۳۔ غزل

رسالۂ مخزن ماہ اپریل ۱۹۰۶ء بانگ درا ص ۱۴۲

۱۔ ریاضِ ہستی کے ذرّے ذرّے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا ۱۔ ..

حقیقتِ گل کو تو جو دیکھے تو یہ بھی ساماں ہے رنگ و بو کا حقیقتِ گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پیماں ہے رنگ و بو کا

۴۴۔ بلادِ اسلامیہ

رسالۂ مخزن ماہ اپریل ۱۹۰۹ء بانگ درا ص ۱۵۵

۱۔ یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لئے سامانِ ناز ۱۔ ..

لالۂ صحرائے یثرب یعنی تہذیبِ حجاز لالۂ صحرا جسے کہتے ہیں تہذیبِ حجاز

۲۔ کشورِ اسلام کا اے مسلمو دل ہے یہ شہر ۲۔ اے مسلماں ملتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر!

سیکڑوں صدیوں کی کشت و خوں کا حاصل ہے یہ شہر ..

۴۵ - گورستان شاہی

رسالہ مخزن جون ۱۹۱۰ء	بانگ درا ص ۱۶۰
۱- آسمان بادل کا پہنے خرقۂ دیرینہ ہے	۱-
یعنی دھندلا سا جبینِ ماہ کا آئینہ ہے	کچھ مکدر سا جبینِ ماہ کا آئینہ ہے
۲- فطرتِ نظارۂ امکان سراپا درد ہے	۲- باطنِ ہر ذرۂ عالم سراپا درد ہے
اور خاموشی لبِ ہستی پہ آہِ سرد ہے	"
۳- گرچہ باغِ زندگی سے گل بدامن ہو زمین	۳- رنگ و آبِ زندگی سے گل بدامن ہے زمین
سیکڑوں خوں گشتہ تہذیبوں کا مدفن ہے زمین	"
۴- شورشِ بزمِ طرب کیا عود کی تقریر کیا	۴- "
قیدیِ زندانِ غم کا نالۂ شبگیر کیا	دردمندانِ جہاں کا نالۂ شبگیر کیا
۵- یہ قمر جو ناظمِ عالم کا اک اعجاز ہے	۵- چاند جو صورت گرِ ہستی کا اک اعجاز ہے
پہنے سونے کی قبا محوِ خرامِ ناز ہے	پہنے سیمابی قبا محوِ خرامِ ناز ہے
۶ زندگی کی مے سے مینائے جہاں لبریز ہو	۶- زندگی سے یہ پرانا خاکداں معمور ہے
۶ منظرِ حسرت بھی ہے کوئی تو حسن آمیز ہو	موت میں بھی زندگانی کی تڑپ مستور ہے

۴۶ - فلسفۂ غم

رسالہ مخزن جولائی ۱۹۱۰ء	بانگ درا ص ۱۶۸
۱- گو بظاہر تلخیِ دوراں سے آرامیدہ ہے	۱- کلفتِ غم گرچہ اس کے روز و شب سے دور ہو
زندگی کا راز اس کی آنکھ سے پوشیدہ ہو	زندگی کا راز اس کی آنکھ سے مستور ہو
۲- اے کہ نظمِ دہر کا ادراک ہے حاصل تجھے	۲- "

کیون نہ ہو آسان غم و اندوہ کی منزل تجھ | کیون نہ آسان ہو غم و اندوہ کی منزل تجھے

۳- عشق کے خورشید سے شام اجل شرمندہ ہے | ۳- ..

ظلمت ہستی مین یہ سورج سدا تابندہ ہو | عشق سوز زندگی ہے تا ابد پایندہ ہو

۴- عقل جس دم دہر کی آفات مین محصور ہو | ۴- عقل جس دم دہر کی آفات مین محصور ہو

یا جوانی کی اندھیری رات مین مستور ہو | ..

۴۷- ایک حاجی مدینے کے راستے مین

کلیات اقبال ص ۱۸۰ | بانگ درا ص ۱۰۵

۱- خنجر رہزن اُسے گویا ہلال عید تھا | ۱- ..

"ہائے یثرب" دل مین لب پہ کلمہ توحید تھا | "ہائے یثرب" دل مین لب پہ نعرہ توحید تھا

۲- خوف کہتا ہے کہ یثرب کی طرف تنہا نہ چل | ۲ ..

شوق کہتا ہے کہ مسلم ہو تو بے باکانہ چل | "شوق کہتا ہے کہ تو مسلم ہے بے باکانہ چل"

۴۸- قطعہ

کلیات اقبال ص ۳ (مسافران حرم کو ظالم رہ کلیسا بتا رہے ہین) | بانگ درا ص ۱۰۶

۱- غضب ہین یہ مرشدان خود بین خدا تری قوم کو بچائے | ۱- ..

مسافران حرم کو ظالم رہ کلیسا بتا رہے ہین | بگاڑ کر تیرے مسلمون کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہین

۴۹- شکوہ

رسالہ مخزن ماہ جون ۱۹۱۱ء (بند ۶) | بانگ درا ص ۱۷۷

۱- تھے ہمین ایک تیرے معرکہ آراؤن مین | ۱- ..

کبھی خشکی مین لڑے اور کبھی دریاؤن مین | خشکیون مین کبھی لڑتے کبھی دریاؤن مین

۵۰ - رات اور شاعر

پنجاب ریویو ماہ ستمبر ۱۹۱۰ئہ	بانگ درا ص ۱۸۸
۱- دریا کی تہ میں چشمِ گرداب سو رہی ہے	۱- دریا کی تہ میں چشمِ گرداب سو گئی ہے
ساحل سے لگ کے موجِ بے تاب سو رہی ہے	ساحل سے لگ کے موجِ بے تاب سو گئی ہے

۵۱ - نصیحت

رسالہ مخزن ماہ مئی ۱۹۱۱ء بعنوان "قطعہ"	بانگ درا ص ۱۹۴
۱- کل ملا مجھ سے جو اقبال تو پوچھا میں نے	۱- میں نے اقبال سے ازراہِ نصیحت یہ کہا
عاملِ روزہ ہے تو اور نہ پابندِ نماز	..

۵۲ - خطاب بہ جوانانِ اسلام

کلیاتِ اقبال ص ۱۵۰ (خطاب بہ مسلم)	بانگ درا ص ۱۹۸
۱- گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے	۱- ..
کہ منعم کو گدا کے در پہ بخشش کا نہ تھا یارا	کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
۲- مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی	۲- ..
جو دیکھو اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا	جو دیکھیں اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا

۵۳ غرۂ شوال یا ہلالِ عید

رسالہ مخزن ماہ اکتوبر ۱۹۱۱ء	بانگِ درا ص ۱۹۹
۱- تیری پیشانی پہ تحریر پیامِ عید ہے	۱- ..
یعنی تیری شام صبحِ عیش کی تمہید ہے	شام تیری کیا ہو صبحِ عیش کی تمہید ہے
۲- زندگی تیری جبیں بوسی اسی رایت کی ہے	۲- تیری قسمت میں ہم آغوشی اسی رایت کی ہے

حسن روز افزوں سے تیرا آبرو ملت کی ہے ..

۵۴۔ شمع اور شاعر

کلیات اقبال ص ۲۰۳ (بند اول) بانگ درا ص ۲۰۱

۱۔ می تپد صد جلوہ در جان امل فرسودِ من ۱۔ ..

بر نمی خیزد ز محفل یک دل دیوانۂ بر نمی خیزد ازین محفلِ دل دیوانۂ

(بند دوم)

۲۔ قیس ہوں پیدا تری محفل میں یہ ممکن نہیں ۲۔ قیس پیدا ہوں تری محفل میں یہ ممکن نہیں

تنگ ہے صحرا ترا محمل ہے بے لیلا ترا ..

(بند نہم)

۳۔ دیکھ آکر کوچۂ چاک گریباں بھی کبھی ۳۔ دیکھ آکر کوچۂ چاکِ گریباں میں کبھی

قیس تو لیلا بھی تو، صحرا بھی تو محمل بھی تو .

(بند یازدہم)

۴۔ آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک ۴۔ ..

یعنی گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائیگی بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائیگی

۵۵۔ مسلم

رسالہ مخزن ماہ جولائی ۱۹۱۲ء بانگ درا ص ۲۱۶

۱۔ بعض موجودات میں رقصاں حرارت اس سے ہے ۱۔ بعض موجودات میں پیدا حرارت اس سے ہے

اور مسلم کے تخیل میں جسارت اس سے ہے .

۲۔ آشکارا ہیں مری آنکھوں پہ اسرار حیات ۲۔ ..

کہ نہیں سکتی مجھے مایوس پیکارِ حیات — کہ نہیں سکتے مجھے نومید پیکارِ حیات

۵۶۔ شفاخانۂ حجاز

کلیاتِ اقبال ص ۸۸ — بانگ درا ص ۲۱۹

۱ دینِ اور کو حضور یہ پیغامِ زندگی — ۱۔ اوروں کو دیں حضور یہ پیغامِ زندگی
میں موت ڈھونڈھتا ہوں زمینِ حجاز میں

..

۵۷۔ جوابِ شکوہ

کلیاتِ اقبال ص ۱۹۰ — بانگ درا ص ۲۲۰

خاک سے اٹھی ہے گردوں پہ گزر رکھتی ہے

اڑ کے آواز مری تا بہ فلک جا پہنچی — عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا
یعنی اس گل کی مہک عرش تلک جا پہنچی — آسمان چیر گیا نالۂ بے باک مرا
کہیں تہذیب کی پوجا کہیں تعلیم کی ہے — بادہ آشام نئے، بادہ نیا خم بھی نئے
قوم دنیا میں یہی احمد بے میم کی ہے — حرمِ کعبہ نیا، بت بھی نئے تم بھی نئے
یعنی ہونے کو ہے کانٹوں سے بیابان خالی — خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستان خالی
گل بر انداز ہے خونِ شہدا کی لالی

..

پیرہن کیوں نہ فلک پیر کا عنابی ہو — رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے!

..

ختم کب ہے کہ بڑا کام ابھی باقی ہے — وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

..

شوقِ وسعت ہے تو ذرے کو بیابان کر جا — ہے تنک مایہ تو ذرے سے بیابان ہو جا

نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفان ہو جا ..

بول اس نام کا ہر قوم میں بالا کر دے — قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
اور دنیا کے اندھیرے میں اجالا کر دے — دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے
ہو نہ افسردہ اگر ہل گئی تعمیر تری — عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری
رازِ توحید حکومت نہیں تفسیر تری — میرے درویش! خلافت ہے جہانگیر ترا
تو وہ سرباز ہے اسلام ہے شمشیر تری — ماسوا اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تری
نظمِ ہستی میں ہے کچھ اور ہی تقدیر تری ..

۵۸ - نویدِ صبح

رسالہ مخزن ماہ جنوری ۱۹۱۲ء — بانگِ درا ص ۲۳۶

۱۔ مسلم خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو ..
وہ نکل آئی سحر گرمِ تقاضا تو بھی ہو — وہ چمک اٹھا افق گرمِ تقاضا تو بھی ہو

۲۔ دورۂ عالم میں رہ پیما ہو مثلِ آفتاب — ۲۔ وسعتِ عالم میں رہ پیما ہو مثلِ آفتاب
دامنِ گردوں سے ناپیدا ہوں یہ داغِ سحاب ..

۳۔ تو سراپا نور ہے زیبا ہے عریانی تجھے — ۳۔ تو سراپا نور ہے خوشتر ہے عریانی تجھے
اور عریاں ہو کے لازم ہے خود افشانی تجھے ..

۵۹ - فاطمہ بنت عبداللہ

کلیاتِ اقبال ص ۰۰ (فاطمہ) — بانگِ درا ص ۲۳۹

۱۔ فاطمہ تو آبروئے ملتِ مظلوم ہے — ۱۔ فاطمہ تو آبروئے اُمتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے ..

۲۔ ہے جسارت آفرین شوقِ شہادت کس قدر ۲۔ یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر!
دل کہ برگِ نازکِ گل سے بھی تھا پاکیزہ تر ہے جسارت آفرین شوقِ شہادت کس قدر!

۳۔ یعنی نوزائیدہ تاروں کا فضا میں ہے ظہور ۳۔ تازہ انجم کا فضائے آسمان میں ہے ظہور
دیدہ انسان سے نامحرم ہے جن کی موجِ نور ''

۴۔ جن کی تابانی میں اندازِ کہن بھی نو بھی ہے ۴۔ ''
اور خونِ بنت عبداللہ کا پرتو بھی ہے اور تیرے کوکب تقدیر کا پرتو بھی ہے!

۶۰۔ شبنم اور ستارے

کلیاتِ اقبال ص ۱۲۷ بانگ درا ص ۲۴۰

۱۔ زہرہ نے سُنی ہے یہ خبر ایک ملک سے ''
انسانوں کی ہستی ہے بہت دور فلک سے انسانوں کی بستی ہے بہت دور فلک سے

۲۔ آتی ہے صبا وان تو پلٹ جانے کی خاطر ۲۔ آتی ہے صبا وان سے پلٹ جانے کی خاطر
بیچاری کلی کھلتی ہے مرجھانے کی خاطر ''

۳۔ بنیاد ہے کاشانۂ عالم کی ہوا پر! ۳۔ ''
فریاد کی تصویر ہے قرطاسِ فنا پر! فریاد کی تصویر ہے قرطاسِ فضا پر!

۶۱۔ غلام قادر رہیلہ

کلیاتِ اقبال صفحہ ۱۲۰ (زوالِ حیات) بانگ درا ص ۲۴۳

۱۔ دلِ نازک لرزتے تھے قدم مجبورِ جنبش تھے ۱۔ لرزتے تھے دلِ نازک قدم مجبورِ جنبش تھے
رواں دریائے خون شہزادیوں کے دیدۂ تر سے ''

۲۔ کمر سے پھر وہ تیغِ جان ستاں آتش فشاں کھولی کمر سے اُٹھ کے تیغِ جان ستاں آتش فشاں کھولی

کلیاتِ اقبال	بانگِ درا
۲۔ ہے جسارت آفرین شوقِ شہادت کس قدر	۲۔ یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر!
دل کہ برگِ نازکِ گل سو بھی تھا پاکیزہ تر	ہے جسارت آفرین شوقِ شہادت کس قدر!
۳۔ یعنی نوزائیدہ تاروں کا فضا میں ہے ظہور	۳۔ تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور
دیدۂ انساں سے نامحرم ہے جن کی موجِ نور	"
۴۔ جن کی تابانی میں اندازِ کہن بھی نو بھی ہے	۴۔ "
اور خونِ بنتِ عبداللہ کا پرتو بھی ہے	اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پرتو بھی ہے!

۶۰۔ شبنم اور ستارے

کلیاتِ اقبال ص ۱۲۷	بانگِ درا ص ۲۴۰
۱۔ زہرہ نے سُنی ہے یہ خبر ایک ملک سے	"
انسانوں کی ہستی ہے بہت دور فلک سے	انسانوں کی بستی ہے بہت دور فلک سے
۲۔ آتی ہے صبا واں تو پلٹ جانے کی خاطر	۲۔ آتی ہے صبا واں سے پلٹ جانے کی خاطر
بیچاری کلی کھلتی ہے مرجھانے کی خاطر	"
۳۔ بنیاد ہے کاشانۂ عالم کی ہوا پر!	۳۔ "
فریاد کی تصویر ہے قرطاسِ فنا پر!	فریاد کی تصویر ہے قرطاسِ فضا پر!

۶۱۔ غلام قادر رہیلہ

کلیاتِ اقبال ص ۳۵ (زوالِ حیت)	بانگِ درا ص ۲۴۳
۱۔ دلِ نازک لرزتے تھے قدم مجبورِ جنبش تھے	۱۔ لرزتے تھے دلِ نازک قدم مجبورِ جنبش تھے
رواں دریائے خونِ شہزادیوں (کے) دیدۂ تر (سے)	"
۲۔ کمر سے پھر وہ تیغ جاں ستاں آتش فشاں کھولی	کمر سے اُٹھ کے تیغ جاں ستاں آتش فشاں کھولی

کلیات اقبال	بانگ درا
سبق آموز تابانی ہو انجم جس کے جوہر سے	سبق آموز تابانی ہوں انجم جس کے جوہر سے
۳- دکھا خنجر کو آگے، اور کچھ پھر سوچ کر لیٹا	۳- ..
تقاضا کر رہی تھی نیند گویا چشم اخگر سے	تقاضا کر رہی تھی نیند گویا چشم احمر سے
۴- بجھائے خواب کے پانی نے اخگر اُس کی آنکھوں سے	۴- بجھائے خواب کے پانی نے اخگر اس کی آنکھوں کے
نظر شرما گئی ظالم کی درد انگیز منظر سے	..
۵- مرا مسند پہ سو جانا بناوٹ تھا تکلف تھا	۵- مرا مسند پہ سو جانا بناوٹ تھی تکلف تھا
کہ غفلت دور ہے شانِ صف آرایانِ لشکر سے	کہ غفلت دور ہے شانِ صف آرایانِ لشکر سے
۶- مرا مقصد یہ تھا اس سے کوئی تیمور کی بیٹی	۶- یہ مقصد تھا مرا اس سے کوئی تیمور کی بیٹی
مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے اپنے خنجر سے	..

(۶۲- صدیق

کلیاتِ اقبال ص ۹ (دیباچہ) (ایثار صدیقؓ)	بانگ درا ص ۲۵۰
۱- اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آگیا	..
شاہد ہے جس کی مہر و وفا پر حرا کی غار	جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
۲- پروانوں کو چراغ عنادل کو پھول بس	۲- پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسول بس	..

۶۳- والدۂ مرحومہ کی یاد میں

کلیات اقبال ص ۱۰۹	بانگ درا ص ۲۵۲
۱- زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم	۱- ..
سایۂ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم	صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم

۶۴۔ شعاعِ آفتاب

رسالۂ زمانہ ماہ جون ۱۹۲۰ء ص ۲۹۳	بانگ درا ص ۲۶۷
(آفتاب کی پہلی شعاع)	
۱ مین کوئی بجلی نہین فطرت میں گو ناری ہوں مین	۱- برق آتش خو نہین فطرت میں گو ناری ہوں مین
مہرِ عالم تاب کا پیغامِ بیداری ہوں مین	"

۶۵۔ عرفی

کلیاتِ اقبال ص ۵۰	بانگ درا ص ۲۶۸
۱ تغیر آ گیا ایسا مزاجِ اہلِ عالم مین	۱- مزاجِ اہلِ عالم مین تغیر آ گیا ایسا
کہ رخصت ہو گئی دنیا سے کیفیت وہ سیمابی	"
۲ صدا تربت سے آئی شکوۂ اہلِ جہاں کم کن	۲- صدا تربت سے آئی شکوۂ اہلِ جہاں کم گو
نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی	"

۶۶۔ بلالؓ

کلیاتِ اقبال (نوائے اذان) ص ۱۶۸	بانگ درا ص ۲۷۲
۱ جس کا امین ازل سے ہوا سینۂ بلالؓ	۱-
محکوم اس صدا کے ہین شاہنشہ و وزیر	محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر

۶۷۔ پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

کلیاتِ اقبال (شجرِ ملت) ص ۱۵۶	بانگ درا ص ۲۸۰
۱- فصلِ خزاں ہے تیرے گلستاں مین خیمہ زن	۱- ہے تیرے گلستاں من بھی فصلِ خزاں کا دور
خالی ہے جیبِ گل زرِ کامل عیار سے	"

۲- شاخِ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو ۲- ..
واقف نہیں ہے قاعدۂ روزگار سے نا آشنا ہے قاعدۂ روزگار سے

۳- مذہب کے ساتھ واسطہ استوار رکھ ۳- ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ ..

۶۸- پھول

کلیاتِ اقبال (گل) ص ۱۳۸ بانگ درا ص ۲۸۱

۱- تنک بخشی کو استغنا ہے پیغام خجالت سے ۱- تنک بخشی کو استغنا سے پیغامِ خجالت دے
نہ رہ منت کشِ شبنم نگوں جامِ سبو کر دے ..

۶۹- میں اور تو

کلیاتِ اقبال (ترنم) ص ۸۶ بانگ درا ص ۲۸۴

(اقبال نامہ ص ۸۲

۱- تری راکھ میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر ۱- تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدار قوتِ حیدری ..

۲- گلۂ وفائے جفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے ۲- گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری ..

۷۰- خضرِ راہ

کلیات اقبال ص ۲۱۲ بانگ درا ص ۲۸۸

(بند سوم)

۱- ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو سے بے پروا خرام ۱- ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام

وہ گدا بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل	وہ خضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل

۷۱ - غزل

رسالہ مخزن ماہ مئی ۱۹۱۷ء	بانگ درا ص ۳۱۸
۱۔ شیوۂ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی	۱۔ ..
تو ہے ہندوے صنم خانۂ ایام ابھی	تو ہے زناری بت خانۂ ایام ابھی

۷۲ - غزل

(سحر حلال)

رسالہ مخزن ماہ فروری ۱۹۱۷ء	بانگ درا ص ۳۱۹
۱۔ نفس گرم کی تاثیر ہے انعام حیات	۱۔ نفس گرم کی تاثیر ہے اعجاز حیات
تیرے سینے میں اگر ہے تو مسیحائی کر	..
۲۔ تو تجلی ہے تو یہ چشمک پنہاں کیسی	۲۔ تو تجلی ہے تو یہ چشمک پنہاں کب تک
بے حجابانہ مرے دل سے شناسائی کر	..
۳۔ تا کجا طور پہ دریوزہ گری مثل کلیم	۳۔ کب تلک طور پہ دریوزہ گری مثل کلیم
اپنی مٹی سے عیاں شعلۂ سینائی کر	اپنی ہستی سے عیاں شعلۂ سینائی کر

۷۳ - غزل

رسالہ مخزن ماہ مئی ۱۹۱۲ء	بانگ درا ص ۳۲۰
۱۔ نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی	۱۔ ..
مرے جرم ہائے سیاہ کو ترے عفو بندہ نواز میں	مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں
۲۔ نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں	
نہ وہ غزنوی میں مذاق ہے نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں	نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

۷۴۔ غزل

کلیاتِ اقبال ص ۲۴۴	بانگِ درا ص ۳۲۱
۱۔ نہ خدا رہا نہ حرم رہا نہ رقیبِ دیر و حرم رہے نہ رہی کہیں اسداللّٰہی نہ کہیں وہ بولہبی رہی	۱۔ نہ خدا رہا نہ صنم رہے نہ رقیبِ دیر و حرم رہے نہ رہی کہیں اسداللّٰہی نہ کہیں ابولہبی رہی
۲۔ مرا ساز اگرچہ ستم رسیدۂ زخمہ ہائے عجم رہا میں وہ ہوں شہیدِ وفا کہ گر کہ نوا مری عربی رہی	۲۔ مرا ساز اگرچہ ستم رسیدۂ زخمہ ہائے عجم رہا وہ شہیدِ ذوقِ وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

۷۵۔ اشعار مثنوی اسرارِ خودی

Iqbal by Aliya Begum	مثنوی اسرارِ خودی طبع چہارم ص ۹
۱۔ آتش استی بزمِ عالم برفروز دیگران را ہم ازین آتش بسوز	۱۔ دیگران را ہم ز سوزِ خود بسوز
۲۔ سینہ را سر منزلِ صد نالہ ساز اشکِ خونین را جگر پرکالہ ساز	۲۔ خندہ را سرمایۂ صد نالہ ساز
۳۔ پشت پا بر شورشِ دنیا بزن موجۂ بیرون این دریا بزن	۳۔ بر جگر ہنگامۂ محشر بزن، شیشہ بر سر دیدہ بر نشتر بزن

۷۶۔ اشعار مثنوی رموزِ بیخودی

اقبال نامہ ص ۳۱۴	مثنوی رموزِ بیخودی طبع چہارم
۱۔ دستِ او یک ملتِ گیتی نورد بر اساسِ کلمہ تعمیر کرد،	حکمتش یک ملتِ گیتی نورد

اصلاح	اصل
۲-	۲- پس چرا از مسکنِ آبا گریخت ،
تو گمان داری کہ از اعدا گریخت	تو چہ پنداری کہ از اعدا گریخت
۳-	۳- صورتِ ماہی بہ بحر آباد شو
یعنی از قید مقام آزاد شو	یعنی از قید وطن آزاد شو
۴- ہر کہ از قید جہات آزاد شد	۴- ہر کہ از بند جہات آزاد شد
	چون فلک در شش جہت آباد شد

۷۷- دریاے نیئن

اقبال نامہ (مجموعۂ مکاتیب اقبال) ص ۲۹۳

اصلاح	اصل
۱-	۱- لمعہ ہو نیئن ہے اور آرزوے وصال ہو
موجیں ہیں زور زور کی موسم برشگال ہو	مشق خرام نیئن موسم برشگال ہے
۲-	۲- موجیں ہیں نغمہ زن ادھر ابر ادھر ہو اشکبار
دونوں کی کشمکش میں آج ذوق بھی پائمال ہے	دونوں کی کشمکش میں آج حسن بھی پائمال ہے
۳- جان کے بھی وہ رازِ دل مجھ سے یہ پوچھتے ہیں پھر	۳- جان کے دل کا راز وہ مجھ سے یہ پوچھتے ہیں پھر
	آپ چھپا رہے ہیں کیوں آپ کا کیا سوال ہے

۷۸- شبنم کا قطرہ

(اقبال نامہ ص ۴۰-۴۳)

اصلاح	اصل
۱- قطرۂ بے رنگ ہوں یا قلزمِ نیرنگ ہوں	۱- دیکھنے کو اک ذرا سا قطرۂ بے رنگ ہوں
[illegible] ولے سُن کہ میں بھی اک خوش آہنگ ہوں	مختلف رنگوں میں لیکن قطرۂ ذی رنگ ہوں

---

۵۱ ڈاکٹر محمد عباس علی خان لمعہ ۵۲ بمبئی کے ایک دریا کا نام [illegible] تفریح کا مرکز تھا۔

	اصل		اصلاح
۲۔	پر نہیں ہے چین میرے قلبِ مضطر کے لئے	۲۔	وقفِ بے تابی ہے میری جانِ مضطر کے لئے
	میں بنا ہوں چرخ کی مانند چکر کے لئے		..
۳۔	گردشِ ہفت آسمان پنہاں ہے میرے سینے میں	۳۔	..
	ہے نہاں رازِ حیات روح میرے جینے میں		زندگی کا راز پوشیدہ ہے میرے جینے میں
۴۔	اک ذرا سنئے مری آوارگی کی داستان	۴۔	سن ذرا غافل مری آوارگی کی داستان
	میں کہاں تھا؟ کس لئے؟ اور کس طرح پہنچا یہاں		..
۵۔	دیکھ کر اس شعلہ رو کو آگ سی دل میں لگی	۵۔	..
	آہ! پھر کیا ہوتا؟ میں تھا اور بھی از خود رفتگی		کیا کہوں پوشیدہ تھی فطرت میں از خود رفتگی
۶۔	شام ہونے سے تو بس یہ مقدر سو گیا		شام آئی جس گھڑی میرا مقدر سو گیا
	بخت دنیا کی طرح تاریک منظر ہو گیا		میری قسمت کی طرح تاریک منظر ہو گیا
۷۔	میں بھی ساتھ اس ابر کے اشکِ چکاں بن کر گرا		مل گیا بوندوں میں اشکِ مضطرب بن کر گرا
	اور گرا کس چیز پر میں اک پہاڑی پر گرا		رفعتِ گردوں سے آخر اک پہاڑی پر گرا
۸۔	اس پہاڑی سے میں بہ کر ہمرہِ دریا ہوا	۸۔	کوہ میں بھی دل نہ بہلا ہمرہِ دریا ہوا
	جوشِ وحشت میں روانہ جانبِ صحرا ہوا		..
۹۔	اس طرح سے پھرتا پھرتا میں تلاشِ یار میں	۹۔	اس طرح پھرتا پھراتا جستجوئے یار میں
	سرد دل ہو کر گرا آخر یہاں گلزار میں		تھک کے آخر گر پڑا ہوں گوشۂ گلزار میں
۱۰۔	ہوں وہی قطرہ جو تھا اک دن بحرِ بیکراں	۱۰۔	ہوں وہی قطرہ جو تھا اک دن سمندر میں نہاں
	ہوں وہی قطرہ جو تھا ہمراہِ دریائے رواں		..

ادبیات

غزل

جناب مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے علیگ

ملی بھی نام کو اک زیست محروم سکون تو بھی
سوا یہ ہے کہ نذر عشوۂ قاتل کرون وہ بھی

ہر اک غم آفت جان ہے غم دنیائے دون تو بھی
مگر ہے شرم عصیان کے مقابل مین سکون وہ بھی

یہ گردون دوش پر ہے پرچم ملت ہو ہاتھون مین
وہ ہمت دے کہ یارب یہ بھی مین جھکنے نہ دون تو بھی

غرض کیا تھی ترے طالب کو سیر دیر و کعبہ سے
کہ تھی خاکم بسر اک لغزش گام جنون وہ بھی

ہوئے سب معرکے طے اک مہم تفویض جان کی ہے
مرے مولا وہ ایمان دے کہ مین سر کر سکون وہ بھی

وہان مشق تغافل ہے یہان طعنے رقیبون کے
وفا کا ہے صلہ اچھا کہ مین یہ بھی سہون وہ بھی

ملامت قلب مومن کی شماتت حسن کافر کی
مرے کرتوت کا پھل ہے کہ مین یہ بھی سنون وہ بھی

یہ طعنے سن رہا ہون جان دے کر ان کے قدمون پر
کہ تھی میری طرف سے ایک تدبیر سکون وہ بھی

وہ فردوس تصور، جو مراد دیدہ و دل تھا
کھلی آنکھین تو نکلا ان نگاہون کا فسون وہ بھی

کسی سرکش کی گنجایش نہین اس بزم ہستی مین
فلک کو دیکھیے اس اوج پر ہے سرنگون وہ بھی

جنھین دعوی تھا صیادی کا عبرت گاہ عالم مین
ہوئے آخر قتیل ناوک چرخ حرون وہ بھی

وہ چشمک دیدہ و دل کی یہ ٹکر موج و ساحل کی
انھین کا سحر ہے یہ بھی انھین کا تھا فسون وہ بھی

ترے قربان غم الفت کی وہ دولت عطا کر دی
جسے کونین بھی اسکے عوض مین تو نہ لین وہ بھی

نگاہ ناز جانان کیا حقیقت اس دل و جان کی
ملین سو جان و دل ایسے تو مین صدقے کرون وہ بھی

یہ حسن و عشق کیسے زیر و بم ہین ایک نغمے کے
جہان کیا کچھ نہین جز اک نوائے کاف و نون وہ بھی

مین جام مرگ کو بھی جرعۂ آب بقا سمجھون
جو وقت واپسین پیش نگاہ شوق ہون وہ بھی

ڈراتا کیا ہے واعظ تابش خورشید محشر سے
بہت ہوگا تو ہوگا ذرۂ سوز درون وہ بھی

دم رخصت نئے فتنے اٹھائے اس نے ٹھوکر سے
جو پہلے اٹھ چکے تھے رہ گئی سب جون کے تون وہ بھی

مرے نالون کا ظالم پر اثر ہوتا تو کیون ہوتا
ہے اس کی بزم عشرت مین صدائے ارغنون وہ بھی

خرد سے دل نے پوچھی راہ جب تکمیل مقصد کی
ہوئی صحرائے وحشت ہی کی جانب رہنمون وہ بھی

یہ سنکر اور غم تازہ ہوا اپنی تباہی کا
سنا ہے رو دیے سنکر مرا حال زبون وہ بھی

معاذ اللہ جناب شیخ اور الزام مے خواری
بس اک دو گھونٹ پی لی تھی براے آزمون وہ بھی

مرا کیا پوچھتے ہو حال کیا ہون مین کہان ہون مین
فدا ہون جسکے جلوون پر ہے بے چون و چگون وہ بھی

یہ مانا روح پرور ہے حرم صلح و مدارا کا
مگر ملتا نہین ہے بے عبور جوئے خون وہ بھی

سہیل نکتہ دان کو ادعا تھا ہوشمندی کا
ہوا اس دور مین آوارۂ دشت جنون وہ بھی

کلیات شبلی (اردو)

مولانا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جس مین مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمین جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کی چالیس سالہ جد وجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، قیمت: ۱عہ

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

منصب امامت مترجمہ جناب حکیم محمد حسین صاحب علوی، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۵۲ صفحے،

کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ۲؎ غیر مجلد عہ۲؎، پتہ: مترجم راوی روڈ، موہن پورہ، لاہور،

اسلام میں امامت سب سے بڑا دینی اور دنیاوی منصب ہے، جو دین و ملت، حکومت و سیاست، تعلیم و تزکیہ اور اخلاق و روحانیت سب کا جامع ہے، اس کا سب سے بلند درجہ نبوت ہے، جس میں امامت کے سارے کمالات جمع ہوتے ہیں، اور انبیاء کے جانشینوں میں نبوت کے علاوہ دوسرے تمام اوصاف مجتمعاً یا منفرداً پائے جاتے ہیں، اس لیے امامت درحقیقت نبوت کی جانشینی اور اس کا عکس اور پرتو ہے، منصب امامت فارسی میں مولانا اسمعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف ہے، اس میں امامت کی حقیقت اس کے اصلی سرچشمۂ نبوت کے اوصاف و کمالات اور امامت کے جملہ دینی و دنیاوی اقسام کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اور ان کے اوصاف و خصوصیات اور اس سے متعلق جملہ امور و مسائل پر دقیق و مشکل بحثیں ہیں، جن سے امامت کی حقیقی عظمت و اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے، ان مباحث کی قدر و قیمت کا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، ایسی کتابوں کا صاف اور سلجھا ہوا ترجمہ بہت مشکل ہے، ترجمہ سے عموماً پورا مفہوم و مقصد ظاہر نہیں ہوتا، اس لیے ترجمہ کے بجائے ہر بحث کو پوری طرح سمجھ کر اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھ دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے، اس کتاب میں بھی ترجمہ کی پابندی کی وجہ سے یہ نقص رہ گیا ہے، کہ جا بجا مطلب سمجھنا مشکل ہے، بلکہ فارسی میں اس کا سمجھنا زیادہ آسان ہے، یہ کتاب پاکستان میں شائع ہوئی ہے، اور وہیں کے لیے کارآمد بھی ہو سکتی ہے، اب دنیائے اسلام میں کہیں بھی منصب امامت کا وجود باقی نہیں ہے،

ہندوستان میں بنے دے کر ایک مسجد کی امامت رہ گئی ہے، اس کا بھی یہ حال ہے کہ عموماً ہر بستی یا محلہ کی مسجد کا امام وہان کا حقیر ترین انسان ہوتا ہے، حالانکہ اس کا سلسلہ بھی نبوت ہی کی جانشینی سے ملتا ہے، اسلیے امام صاحبِ علم و وجاہت شخص کو ہونا چاہیے جو نمازیوں کو تعلیم دے سکے اور ان کی غلطیوں پر ٹوک سکے، جہان ایسے لوگ نہ مل سکیں وہان کم سے کم کسی ممتاز آدمی کو امامت کا فرض انجام دینا چاہیے، اس سے شرمانا یا اس کو اپنے رتبہ سے فروتر سمجھکر محلہ کے بیکسون اور جاہل اور کم پایہ لوگون کو امام بنانا امامت کی تحقیر ہے،

اسلامی اصولِ قانون اور نظریہ دستوری کا ارتقاء

مترتبہ جناب محمد حمید اللہ صاحب تقطیع بڑی، ضخامت، صفحے۔ کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت تحریر نہین ا پتہ:۔ احسان بک ڈپو رسالہ عبداللہ، حیدرآباد، دکن۔

ایک امریکن مستشرق پادری ڈی، بی میکڈانلڈ نے اسلامی الہیات، اس کے اصول قانون، اور دستوری ارتقاء پر انگریزی مین ایک کتاب لکھی تھی، مذکورۂ بالا کتاب اس کے دو ابواب کا جو اسلامی اصول قانون اور دستوری ارتقاء پر ہین، اردو ترجمہ ہے، دستوری ارتقاء مین خلفائے راشدین رضی کے عہد سے لے کر خلافت عثمانیہ تک سلسلہ خلافت کی تمام حکومتون کے نظامون پر تبصرہ ہے، اور خلافت کے بارہ مین اہل سنت، خوارج، اثنا عشری، زیدی، اسمعیلی وغیرہ شیعی فرقون کے نقطہ نظر بیان کرنے کے بعد خلافتِ راشدہ، اموی، عباسی عثمانی اور فاطمی خلافتون کے زمانہ مین خلفاء کے انتخاب اور خلافت کے اصولون، اور اس کے دستور مین جن جن اسباب کی بنا پر جو جو تبدیلیان ہوئین اور ان کے جو نتائج نکلے ان سب کی تفصیل بیان کی گئی ہے،

دوسرے حصہ یعنی اصول قانون، یا فقہی قوانین کی ترقی مین عہد رسالت مین اسلامی قانون کے سرچشمہ اور آپ کے بعد اس کے ماخذون قرآن، حدیث، سنت، اجماع و قیاس کی وضاحت کرنے کے بعد اجماع و قیاس کے بارہ مین فقہا و محدثین اور اصحاب رائے و اہل ظاہر کے اختلافات، روایت حدیث، کتبِ احادیث کی تدوین، ائمہ اربعہ اور ان کے مذاہب کی پیدائش اور قانون سازی کے بارے مین ان کے

مطبوعات جدیدہ

منصب امامت مترجمہ جناب حکیم محمد حسین صاحب علوی، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۵۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ۱۲/ غیر مجلد ۱۰/، پتہ: مترجم راوی روڈ، مومن پورہ، لاہور۔

اسلام میں امامت سب سے بڑا دینی اور دنیاوی منصب ہے، جو دین وملت، حکومت و سیاست، تعلیم و تزکیہ اور اخلاق و روحانیت سب کا جامع ہے، اس کا سب سے بلند درجہ نبوت ہے، جس میں امامت کے سارے کمالات جمع ہوتے ہیں، اور انبیاء کے جانشینوں میں نبوت کے علاوہ دوسرے تمام اوصاف مجتمعاً یا منفرداً پائے جاتے ہیں، اس لیے امامت درحقیقت نبوت کی جانشینی اور اس کا عکس اور پرتو ہے، منصب امامت فارسی میں مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف ہے، اس میں امامت کی حقیقت، اس کے اصلی سرچشمۂ نبوت کے اوصاف و کمالات اور امامت کے جملہ دینی و دنیاوی اقسام کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اور ان کے اوصاف و خصوصیات اور اس سے متعلق جملہ امور و مسائل پر دقیق و مشکل بحثیں ہیں، جن سے امامت کی حقیقی عظمت و اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے، ان مباحث کی قدر و قیمت کا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، ایسی کتابوں کا صاف اور سلجھا ہوا ترجمہ بہت مشکل ہے، ترجمہ سے عموماً پورا مفہوم و مقصد ظاہر نہیں ہوتا، اس لیے ترجمہ کے بجائے ہر بحث کو پوری طرح سمجھ کر اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھ دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے، اس کتاب میں بھی ترجمہ کی پابندی کی وجہ سے یہ نقص رہ گیا ہے کہ جا بجا مطلب سمجھنا مشکل ہے، بلکہ فارسی میں اس کا سمجھنا زیادہ آسان ہے، یہ کتاب پاکستان میں شائع ہوئی ہے، اور وہیں کے لیے کارآمد بھی ہو سکتی ہے، اب دنیائے اسلام میں کہیں بھی منصب امامت کا وجود باقی نہیں ہے،

ہندوستان مین بنے دے کر ایک مسجد کی امامت رہ گئی ہے، اس کو بھی یہ حال ہے کہ عموماً ہر بستی یا محلہ کی مسجد کا امام وہان کا حقیر ترین انسان ہوتا ہے، حالانکہ اس کا سلسلہ بھی نبوت ہی کی جانشینی سے ملتا ہے، اسلئے امام صاحب علم و وجاہت شخص کو ہونا چاہیے، جو نمازیون کو تعلیم دے سکے اور ان کی غلطیون پر ٹوک سکے، جہان ایسے لوگ نہ مل سکین وہان کم سے کم کسی ممتاز آدمی کو امامت کا فرض انجام دینا چاہیے، اس سے شرمانا یا اس کو اپنے رتبہ سے فروتر سمجھکر محلہ کے بیکسون اور جاہل اور کم پایہ لوگون کو امام بنانا امامت کی تحقیر ہے،

اسلامی اصول قانون اور نظریہ دستوری کا ارتقار

مترتبہ جناب محمد حمید اللہ صاحب، تقطیع بڑی، ضخامت ۔۔ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت معمولی، قیمت تحریر نہین، پتہ:۔ احسان بک ڈپو رسالہ عبد اللہ، حیدرآباد، دکن۔

ایک امریکن مستشرق پادری ڈی، بی میکڈانلڈ نے اسلامی الہیات، اس کے اصول قانون، اور دستوری ارتقار پر انگریزی مین ایک کتاب لکھی تھی، مذکورۂ بالا کتاب اس کے دو ابواب کا جو اسلامی اصول قانون اور دستوری ارتقار پر ہین، اردو ترجمہ ہے، دستوری ارتقار مین خلفائے راشدین کے عہد سے لے کر خلافت عثمانیہ تک سلسلۂ خلافت کی تمام حکومتون کے نظامون پر تبصرہ ہے، اور خلافت کے بارہ مین اہل سنت، خوارج، اثنا عشری، زیدی، اسمعیلی وغیرہ شیعی فرقون کے نقطۂ نظر بیان کرنے کے بعد خلافتِ راشدہ، اموی، عباسی، عثمانی اور فاطمی خلافتون کے زمانہ مین خلفار کے انتخاب اور خلافت کے اصولون، اور اس کے دستور مین جن جن اسباب کی بنا پر جو جو تبدیلیان ہوئین، اور ان کے جو نتائج نکلے ان سب کی تفصیل بیان کی گئی ہے،

دوسرے حصہ یعنی اصول قانون، یا فقہی قوانین کی ترقی مین عہد رسالت مین اسلامی قانون کے سرچشمہ اور آپ کے بعد اس کے ماخذ و ان قرآن، حدیث، سنت، اجماع و قیاس کی وضاحت کرنے کے بعد اجماع و قیاس کے بارہ مین فقہا و محدثین اور اصحاب رائے و اہل ظاہر کے اختلافات، روایت حدیث، کتب احادیث کی تدوین، ائمۂ اربعہ اور ان کے مذاہب کی پیدائش اور قانون سازی کے بارے مین ان کے

نقطہاے نظر کی تفصیل ہے، ان بحثون مین فقہ و اصول فقہ کے متعلق بہت سے معلومات آگئے ہین،
کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی تاریخ پر تو مصنف کی نظر ہے، اس لیے اسلامی دستور و
حکومت کے ارتقا و تغیر کی تاریخ تو ایک حد تک صحیح بیان کی ہے، گو وہ بھی اغلاط سے یکسر خالی نہین
ہے لیکن فقہ کے تغیرات اور ارتقا کے اسباب و نتائج پر یا مصنف کی نظر نہین ہے یا عمداً غلط
بیانون سے کام لیا ہے، اور اس مین ایسی فاش غلطیان اور تدلیسات ہین کہ ان کی تاریخ کا
کا معمولی واقف کار بھی نہین کر سکتا، مترجم نے دیباچہ مین لکھا ہے کہ حاشیہ مین مصنف کی غلطیون
پر تنبیہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن یہ کوشش دو چار مقامون سے زیادہ نظر نہین آتی وہ بھی محض
طالب علمانہ، حالانکہ اس باب کا کوئی صفحہ مشکل سے اغلاط سے خالی ہوگا، سرورق پر مترجم کا نام
نہین ہے، کتاب کے آخر مین محمد حمید اللہ صاحب کا نام ہے، اگر یہ کوئی طالب علم ہین تو خیر کوئی
مضائقہ نہین، لیکن اگر ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہین، تو ان سے اس قسم کی فروگذاشت
کی توقع نہین کی جا سکتی تھی۔

آبگینۂ شعر از بشیر النساء بیگم، تقطیع بڑی، ضخامت ۳۰۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت
نفیس، قیمت مجلد چھ روپے، پتہ: سب رس کتاب گھر، خیرت آباد، حیدر آباد دکن،

مصنفہ دکن کی مشہور شاعرہ ہین، آبگینۂ شعر ان کے کلام کا مجموعہ ہے، جو سات عنوانون
نذر رسالت، افکار و اذکار، حدیث دکن، خانوادہ آصفی، ساز غزل، یاد رفتگان اور سوز و ساز
کے ماتحت ۲۲۶ منظومات پر مشتمل ہے، گو مصنفہ کی شہرت دکن کے اندر تک محدود ہے لیکن
ان کا کلام اپنے محاسن و خصوصیات کے لحاظ سے ہندوستان کی نسوانی دنیاے ادب میں
ممتاز حیثیت کا مستحق ہے، اور مذکورہ بالا مجموعے کی تمام نظمین جذبات و خیالات کی پاکیزگی اور
زبان و بیان کی صفائی و سلاست ہر لحاظ سے قابل قدر ہین،   "م"

تاریخ سندھ

مؤلفہ مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی سنوی سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ

ہندوستان میں مسلمانوں کا پہلا قافلہ سندھ میں اترا تھا، اور اُن کی پہلی حکومت یہیں قائم ہوئی تھی اور وہ ایک ہزار سال سے اوپر یہان حکمران رہے، آج بھی سندھ کے در و دیوار سے اُن کے آثار نمایاں ہیں، لیکن اس کے باوجود اُردو میں اسلامی سندھ کی کوئی مفصل و محققانہ تاریخ موجود نہیں تھی، دار المصنفین نے تاریخ ہندوستان کے سلسلہ میں یہ جامع و محققانہ تاریخ مرتب کرائی ہے، اس میں سندھ کا جغرافیہ، مسلمانون کے حملہ سے پیشتر کے مختصر اور اسلامی فتوحات کے مفصل حالات، خلافتِ راشدہ کے زمانہ سے لے کر آٹھویں صدی ہجری تک سندھ جن جن حکومتون کے ماتحت رہا، اُن کی پوری تاریخ اور ان تمام دورون کے نظامِ حکومت، علمی و تمدنی حالات اور رفاہ عام کے جو جو کام انجام پائے، ان سب کی پوری تفصیل ہے، مسلمان اس قدیم اسلامی خطہ کی تاریخ فراموش کر چکے تھے، اب پھر اس کو یاد کرنے کی ضرورت ہے، یہ کتاب ایسے وقت میں شائع ہو رہی ہے، جب کہ سندھ کی تاریخ کا ایک نیا باب کھل رہا ہے، اور وہان ایک نئی حکومت کی بنیادیں استوار ہو رہی ہیں،

ضخامت: ۴۰۰ صفحے قیمت: چھ روپیے،

"منیجر"

دارالمصنفین کی دینی علمی و ادبی کتابیں

اقبالِ کامل

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین، رسالے اور کتابیں لکھی گئیں لیکن ان سے اُن کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایاں نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس میں اُن کے مفصّل سوانح حیات کے علاوہ اُن کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارناموں کے اہم پہلوؤں کی تفصیل کی گئی ہے، اور سوانح حیات کے بعد پہلے اُن کی اردو شاعری پھر فارسی شاعری پر ان کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصّل تبصرہ کیا گیا ہے، اور اُن کے کلام کی تمام ادبی خوبیاں دکھلائی گئی ہیں، پھر اُن کی شاعری کے اہم موضوعوں یعنی فلسفۂ خودی، فلسفۂ بیخودی، نظریۂ تعلیم، سیاست، صنفِ لطیف (یعنی عورت) فنونِ لطیفہ اور نظامِ اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، مرتبہ مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۔۔۔ صفحے، قیمت: ...

بزمِ تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہلِ قلم تھا، ہمایوں نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اٹھا، جہانگیر نے ادب و انشاء کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء اور فضلاء کو سیم و زر میں تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشاپردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، تیموری دور کے آخری بادشاہوں نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے عروسِ سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شہزادوں اور شہزادیوں نے بھی علم و ادب کی محفلیں سجائیں، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء نے شاہانہ سرپرستی میں گوناگوں کمالات دکھائے، ان سب کی تفصیل مذکورۂ بالا کتاب میں ملاحظہ فرمائیے، مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن ایم اے۔ قیمت: ...

کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنفین کی ونئی علمی و ادبی پیشکش

اقبالِ کامل

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت
مضامین، رسالے اور کتابیں لکھی گئیں لیکن ان سے
اُن کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایاں نہ ہو سکی،
یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس میں
اُن کے مفصّل سوانح حیات کے علاوہ اُن کے فلسفیانہ
اور شاعرانہ کارناموں کے اہم پہلوؤں کی تفصیل کی گئی
ہے، اور سوانح حیات کے بعد پہلے اُن کی اردو شاعری
پھر فارسی شاعری پر اُن کے بہترین اشعار کے انتخاب
کے ساتھ مفصّل تبصرہ کیا گیا ہے، اور اُن کے کلام کی تمام
ادبی خوبیاں دکھلائی گئی ہیں، پھر اُن کی شاعری کے
اہم موضوعوں یعنی فلسفۂ خودی، فلسفۂ بیخودی، نظریۂ
تعلیم، سیاست، صنفِ لطیف (یعنی عورت) فنونِ لطیفہ
اور نظامِ اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، مرتبہ مولانا عبدالسلام
ندوی، ضخامت . . ۴م صفحے، قیمت: للعہ

بزمِ تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہلِ قلم تھا، ہمایوں نے شعر و
شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی
کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے
جگمگا اُٹھا، جہانگیر نے ادب و انشا کو چمکایا، شاہجہان
نے شعراء اور فضلاء کو سیم و زر میں تلوایا، عالمگیر نے
معارف پروری اور انشاپردازی کے اعلیٰ نمونے
پیش کئے، تیموری دور کے آخری بادشاہوں نے
بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش
کی، بہادر شاہ ظفر نے عروسِ سخن کے گیسو سنوارے
تیموری شہزادوں اور شہزادیوں نے بھی علم و ادب
کی محفلیں سجائیں، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء نے
شاہانہ سرپرستی میں گوناگوں کمالات دکھائے، ان سب کی
تفصیل مذکورۂ بالا کتاب میں ملاحظہ فرمائیے، مرتبہ سید
صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے۔ قیمت: معہ

"منیجر" (پرنٹر و پبلشر صدیق احمد) "منیجر"

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۱ — اکتوبر ۱۹۴۹ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

و

شاہ معین الدین احمد ندوی

قیمت: چھ روپیے سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

دار المصنفین کے سلسلۂ تاریخ اسلام کو بڑا حسن قبول حاصل ہوا، علمی و تعلیمی اداروں نے خصوصیت سے اس کی قدر دانی کی، بعض یونیورسٹیوں نے اس کو اسلامی تاریخ کے نصاب میں داخل کر لیا، اس لئے چند برسوں کے اندر تقریباً اس کے سب حصے ختم ہو گئے جن کے دوسرے اڈیشن مزید اصلاح و ترمیم اور اضافوں کے ساتھ چھپ کر تیار ہو گئے ہیں اور بعض زیر طباعت ہیں، اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے،

تاریخ اسلام حصۂ اوّل

(عہد رسالت و خلافت راشدہ)

یعنی آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ، ضخامت ۵۹۸ صفحے قیمت: سے ر

تاریخ اسلام حصۂ دوم

(بنو امیہ)

یعنی اموی سلطنت کی صد سالہ سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ کی تفصیل،

ضخامت ۳۶۳ صفحے،

قیمت سے ر

تاریخ اسلام حصۂ سوم

(بنی عباس اوّل)

یعنی ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ سے ابو اسحاق متقی اللہ ۳۳۳ھ تک دو صدیوں کی سیاسی تاریخ، (زیر طبع)

تاریخ اسلام جلد چہارم

(بنی عباس دوم)

یعنی مستکفی باللہ کے عہد سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ، ضخامت:- ۴۳۲ صفحے

قیمت:- عہ ر

"منیجر"

جلد ۶۴ ماہ ذیحجہ ۱۳۶۸ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۹ء عدد ۴

مضامین

شذرات	شاہ معین الدین احمد ندوی	۲۴۲-۲۴۴

مقالات

اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے	مولانا عبد السلام ندوی	۲۴۵-۲۶۲
حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ	جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے	۲۶۳-۲۶۸
سنگ شام	مولانا ابو الجلال ندوی، رفیق دار المصنفین	۲۶۹-۲۹۲
یحییٰ بن آدم اور اُن کی کتاب الخراج	مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین	۲۹۳-۳۰۰

ادبیات

عید قربان	جناب سید محمود حسن قیصر امروہوی	۳۰۱-۳۰۲
غزل	جناب شفیق صدیقی جونپوری	۳۰۲-۳۰۳

باب التقریظ والانتقاد

ترجمان السنۃ	مولانا ابو الجلال ندوی	۳۰۴-۳۰۹
مرآۃ الشعراء	شاہ معین الدین احمد ندوی	۳۰۹-۳۱۶
مطبوعات جدیدہ	" "	۳۱۷-۳۲۰

بالآخر دستور ساز اسمبلی نے بھی دیوناگری رسم الخط میں ہندی کو حکومت کی زبان قرار دیدیا اور اردو بلکہ ہندستانی تک کو ثانوی زبان کی حیثیت بھی نہیں دی گئی اور ہندو راے عامہ کے سامنے بڑی بڑی آزاد خیال اور حق پسند شخصیتوں کو بھی سپر ڈال دینا پڑی، اور ہندوستانی کی حمایت میں پنڈت جواہر لال نہرو اور مسلمانوں کے علاوہ ایک آواز بھی نہیں اٹھی، اردو زبان پر یہ ظلم تو غلامی کے زمانہ میں اجنبی اور غیر ملکی حکومت نے بھی نہ کیا تھا جو اس دور آزادی میں اپنی قومی و ملکی حکومت کے ہاتھوں ہوا، انگریزوں نے کسی ملکی زبان کو نہیں مٹایا بلکہ اُن کی سرپرستی کی خصوصاً اردو اور ہندی کی ترقی میں اُن کا بڑا حصہ ہے،

زبان بلکہ کلچر کشی کی ایسی مثال دنیا کے کسی ملک میں نہیں مل سکتی، یورپ کے بعض بعض ملکوں میں بہت سی چھوٹی چھوٹی زبانیں رائج ہیں جن کے بولنے والے چند لاکھ سے زیادہ نہیں، اس کے باوجود وہاں کی حکومتیں، یا ان سب کی حیثیت مساوی مانتی ہیں، یا اگر ان میں سے ایک حکومت کی زبان مانی جاتی ہے تو دوسری زبانوں کو ثانوی درجہ ضرور دیا جاتا ہے، حکومت ان سب کی سرپرستی کرتی ہے، اور تعلیمگاہوں میں اُن کی تعلیمی اہمیت قائم رکھتی ہے، لیکن ہماری جمہوری حکومت میں اردو جیسی وسیع و ترقی یافتہ زبان کے لئے جس کے بولنے والے کروروں ہندو مسلمان ہیں، کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ ہیں آزادی اور جمہوریت کے کرشمے، یہ ایسی صریح زیادتی اور ناانصافی تھی کہ مولانا ابو الکلام جیسے عالی ظرف اور ٹھنڈے دل و دماغ کے انسان کو بھی اس کے خلاف سخت احتجاج کرنا پڑا، اور اُن کی خاموش زبان سے بھی اُن کے مسلک کے خلاف تلخ لیکن سچی حقیقتیں نکل گئیں لیکن اُن کی بھی کون سنتا ہے ؎

رات کی بات گئی صبح کا افسانہ گیا،

اس سے بھی زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ صوبائی زبانوں کو جو حقوق ملے ہیں، اُن سے بھی اردو کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اس لئے کہ ہندوستان کی اور سب زبانیں تو مسلّم ہیں یعنی ان کے بولنے والے

صوبے اور یہاں کی حکومتیں دونوں اُن کو اپنی زبان مانتی ہیں، اس لئے صوبائی حکومتوں کا کاروبار اسی زبان میں ہوگا، صوبہ کی تعلیم گاہوں میں اُن کی تعلیم لازمی ہوگی، ان کے ذریعہ حصول ملازمت میں سہولت ہوگی، اس لئے ان صوبوں میں اُن کی پوری اہمیت قائم رہے گی، اس کے مقابلہ میں اردو کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کے بولنے والے صوبوں دلی، صوبہ متحدہ اور بہار کے ہندو اور یہاں کی حکومتیں بھی اس کو اپنی زبان نہیں مانتیں، اس لئے اب اس کا ٹھکانا کہاں ہوگا، اس لئے صوبائی زبانوں کو جو حقوق ملے ہیں، اردو اُن سے بھی محروم رہے گی بجز اس کے کہ مسلمان اس کو اپنی زبان کہتے رہیں، لیکن اُن کی حیثیت ہی کیا رہ گئی ہے، اگر اس ملک اور یہاں کی حکومت میں اُن کا کچھ حق بھی سمجھا جاتا، تو اردو اس طرح یہاں سے نہ نکالی جاتی،

یہ کس قدر عبرت کا مقام ہے، کہ ہندوستان کی تمام چھوٹی سی چھوٹی اور معمولی سے معمولی زبانوں کا ایک وطن ہے، ان کو بولنے والی اور اپنی زبان کہنے والی ایک قوم ہے، اُن کی سرپرستی کرنے والی ایک حکومت ہے، لیکن اردو جیسی ہندوستان گیر زبان کا کوئی وطن نہیں، اسکی سرپرست کوئی حکومت نہیں اور دلی، صوبہ متحدہ اور بہار کے ڈرے سہمے اور ڈرے ہوئے مسلمانوں کے علاوہ کوئی اس کو اپنی زبان کہنے والا نہیں، یہ ہے ہماری سکولرزسٹیٹ کا کارنامہ جس پر آپ کو فخر بھی ہے!

بہرحال جو کچھ ہونا تھا، وہ ہوچکا، اب اردو کی حفاظت کی ذمہ داری اس کے حامیوں خصوصاً مسلمانوں پر ہے، موجودہ ذہنیت میں، اردو ہندی سمجھوتے کی امید میں اردو کو ہندی سے قریب لانے کی کوشش بالکل بےکار ہے، اردو کی مخالفت کا جو مقصد اور اس کی دشمنی میں جو جذبہ کارفرما ہے، اس میں جب ہندوستانی بلکہ آسان ہندی تک کی گنجایش نہیں ہے، تو اردو کا کیا سوال ہوسکتا ہے، یہ اور بات ہے کہ ہندی کے نام سے جو زبان رائج کیجارہی ہے، وہ طبعی اسباب کی بنا پر نہ چل سکے، اور یقیناً نہ چلے گی، اس وقت یہ شدت قائم نہ رہیگی اور خود حالات ایک عام مشترک اور آسان زبان کے قبول کرنے پر مجبور کریں، اس کے علاوہ جب اردو ہندی دونوں ایک ساتھ چلیں گی، تو دونوں ایک دوسرے سے لازمی متاثر ہوں گی، اور جس طرح عربی فارسی ہندی سنسکرت اور ہندوستان کی دوسری زبانوں کے میل جول سے اردو بنی ہے اسی طرح ہندی اور اردو کے میل سے بھی ایک تیسری زبان ضرور بنے گی، وہی اصلی ہندوستانی زبان ہوگی، اس لئے اردو ہندی کو اپنے اپنے راستے پر چلنے دینا چاہئے، اور نتائج کو فطرت کے حوالہ کردینا چاہئے،

اس وقت ہندوستان خصوصاً دہلی اور صوبہ متحدہ میں اردو کے کئی بڑے ادارے ہیں، جو اپنے اپنے دائرے میں اردو زبان کی مفید خدمت انجام دے رہے ہیں، ان سب کا کام جاری رہنا چاہئے، لیکن اسی کے ساتھ اس وقت اردو کی بقا کے لئے اس کی تعلیمی ضرورتوں کی جانب زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، ورنہ جب بنیاد ہی نہ ہوگی، تو عمارت کس پر کھڑی کیجائے گی، ان میں سے ایک کام سرکاری اسکولوں میں اردو کی تعلیم کی نگرانی کا ہے، اس بارہ میں خواہ حکومت اپنے وعدوں کو پورا نہ کرتی ہو، یا ماتحت حکام اس کے احکام پر عمل نہ کرتے ہوں نتیجہ بہرحال یہ ہے کہ سرکاری تعلیم گاہوں میں اردو کی کوئی پرسش نہیں ہے، اور ہر مقام پر اور ہر شخص کے لئے متعلقہ حکام تک شکایت پہنچانا دشوار ہے، اگر دو چار شکایتیں پہنچ بھی جائیں تو ان کی شنوائی مشکل ہے، اس لئے اس کی نگرانی کا کام اشخاص کے بجائے اداروں کو انجام دینا چاہئے گو موجودہ ذہنیت میں اُن کے ذریعہ بھی پوری کامیابی مشکل ہے تاہم اردو یکسر نظر انداز نہ کیجا سکے گی، اور اسکی کچھ نہ کچھ حیثیت باقی رہے گی،

دوسرا کام نصاب کی ترتیب کا ہے، اس وقت دو قسم کے نصابوں کی ضرورت ہے، ایک خالص اردو زبان کا نصاب جس کو ہر مذہب و ملت کے طالب علم پڑھ سکیں، دوسرے مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم کا جو اسلامی مکاتب میں اور گھروں پر پڑھایا جا سکے، اس میں دینیات اور اسلامی تاریخ کے ساتھ وہ تمام فنون ہونے چاہئیں جو پرائمری اسکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں، تاکہ ثانوی اسکولوں کے داخلہ میں دقت نہ ہو، اس سلسلہ میں اردو حروف اور اُن کے رسم الخط کی پیچیدگیوں کو بھی حل کرنا ہے تاکہ بچے آسانی کے ساتھ اردو لکھنا پڑھنا سیکھ سکیں لیکن ان کاموں کو اصلاح و مشورہ کے بعد تقسیم کار کے اصول پر اشتراک عمل کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے، اس میں دار المصنفین کے متعلق جو خدمت کیجائے اس کو وہ بخوشی انجام دینے کے لئے تیار ہے،
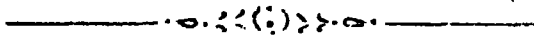
یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ انجمن ترقی اردو ہند جس کا مرکز اس کی نشأۃ ثانیہ کے بعد علی گڈھ ہو گیا ہے اپنا کام جلد شروع کرنے والی ہے اور اس کا رسالہ بھی عنقریب نکلے گا، اور مرکزی حکومت نے انجمن کے لئے چالیس ہزار سالانہ کی امداد بھی منظور کی ہے یہ اردو زبان کا خونبہا ہے، یہ بھی غنیمت ہے،

آفرین بر دلِ نرم تو کہ از بہرِ ثواب کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدۂ

یقین ہے کہ یہ انجمن ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب اور قاضی عبد الغفار صاحب جیسے اصحاب علم و قلم کی نگرانی میں مرحوم انجمن کی جانشینی کا صحیح فرض انجام دے گی،

مقالات

اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے

عمارتین

از

مولانا عبد السلام ندوی

(۳)

ہندوستان مین اسلامی عمارات کی بنیاد اگرچہ مسلمان فاتحین کی آمد کے پہلے ہی دن سے پڑ گئی تھی، اور سب سے پہلے ناصر الدین سبکتگین اور اس کے بعد سلطان محمود غزنوی نے تعمیر مساجد سے اس کا آغاز کیا تھا لیکن اس سلسلے کو سلطان علاء الدین خلجی نے جو ۶۹۵ھ مین تخت نشین ہوا تھا سب سے زیادہ وسعت اور ترقی دی، اور مسجدون کے علاوہ اور بھی نہایت کثرت سے مختلف قسم کی عمارتین بنوائین، چنانچہ تاریخ فرشتہ مین ہے،

"و آن قدر عمارت کہ در عہد او بنا یافت از مسجد و خانقاہ و حوض و منار و حصار در ہیچ عصرے بوقوع نیامدہ"[1]

سلطان علاء الدین کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے بھی اس معاملہ مین نہایت ناموری حاصل کی اور قلعہ تغلق آباد کے علاوہ اور بھی نہایت کثرت سے عمارتین بنوائین، آثار رحیمی اور تاریخ فرشتہ مین ہے:-

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۲۱،

"وبساختن عمارت رغبت تمام داشت، عمارت قلعہ تغلق آباد ودیگر بناہا فرمودہ، وبغایت عمارت دوست بود، وبیشتر اوقات او صرف عمارت شدے[۵۱]"

اس کے بعد فیروز شاہ نے نہایت کثرت سے مسجدین بنوائین اور سلاطین گذشتہ کی تعمیر کردہ عمارتون کی مرمت اور اصلاح کروائی، چنانچہ خود لکھتا ہے:۔

"ومساجد بنانہادم، ودیگر بقاع خیر پادشاہان ماضیہ را از مسجد وخانقاہ، ومدرسہ وچاہ وحوض وپل ومقبرہ کہ مندرس شدہ، در تجدید معمور ساختم، واہل خدمت بر جمیع مساجد ومدارس وخوانق وحمام وچاہ معین ساختہ وظیفہ قرار دادم"

ان تمام عمارتون کی صحیح تعداد تو معلوم نہین تاہم فرشتہ کو جو تعداد معلوم ہو سکی، وہ حسب ذیل ہے:۔

مسجد	۴۰	شفاخانہ	۵
مدرسہ	۳۰	مقبرہ	۱۰۰
خانقاہ	۲۰	حمام[۵۲]	۱۰
محل	۱۰۰		

جونپور کی مشہور مسجدین اسی کی بنوائی ہوئی ہین،

فیروز شاہ کے بعد سلطان سکندر نے ۷۹۵ھ مین کشمیر مین ایک نہایت عالیشان مسجد بنوائی لیکن ایک مدت کے بعد یہ مسجد جل گئی، تو سلطان حسین نے اس کو از سر نو تعمیر کروانا شروع کیا لیکن اثنائے تعمیر ہی مین اس کا انتقال ہوگیا، تو اس کے وزیر ابراہیم باکرے نے ۹۰۹ھ مین تعمیر کے کام کو درجۂ تکمیل تک پہنچایا، جہانگیر نے اس کی نسبت لکھا ہے:۔

---

[۵۱] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۳۰ و مآثر رحیمی جلد اول ص ۳۲۱

[۵۲] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۵۱،

"الحق از حکام کشمیر اثرے بہتر ازین نماندہ"[۱]

فرمانروایان کشمیر مین سلطان سکندر کے بعد اس سلسلہ مین سلطان زین العابدین نے نہایت ناموری حاصل کی، اور کشمیر مین نہایت کثرت سے عمارتین تعمیر کروائین، جو سلاطین تیموریہ کے زمانہ تک قائم تھین چنانچہ جہانگیر ایک موقع پر تزک مین لکھتا ہو :-

"آثار و علامات و عمارات او در کشمیر بسیار است"

ان مین سے جہانگیر نے ایک خاص عمارت کا تذکرہ کیا ہے، جو سلطان زین العابدین کے تعمیری کارنامون مین نہایت اہمیت رکھتی ہو وہ لکھتا ہے کہ "ان تمام عمارتون مین ایک عمارت جس کا نام زینہ لنکا ہے، اولر نامی تالاب کے اندر بنائی گئی ہے، اس تالاب کا عرض و طول تین کوس سے زیادہ ہو، اور اس کا چشمہ ایک گہرے دریا کے اندر ہے، اس عمارت کے بنانے مین اوس نے بڑی کوشش کی، اور پہلی بار کشتی مین بھر کر بہت سے پتھر منگوا کر اس مقام پر گروائے، جہان یہ عمارت تعمیر ہوئی ہے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا، اسی طرح پتھر سے لدی ہوئی کئی ہزار کشتیان ڈبوئی گئین، اور بڑی محنت کے بعد گیارہ سو گز کا ایک قطعۂ زمین پانی سے نکلا جس پر ایک چبوترہ بنایا گیا، اور اس چبوترہ کے ایک کنارہ پر اس نے ایک عمارت بنوائی جس مین وہ عبادت کیا کرتا تھا، کشمیر کے حکام مین سے تین شخصون نے اس چبوترے کے تین ضلعون پر عمارتین بنوائین، لیکن ان مین کوئی سلطان زین العابدین کی عمارت کا مضبوطی مین مقابلہ نہین کر سکتی"[۲]

فرشتہ نے بھی کسی قدر اختلاف کے ساتھ اس عمارت کا ذکر کیا ہے، اور اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس چبوترے پر باغ، مسجدین اور دوسرے مکانات بھی بنوائے گئے تھے، اور ان سب کے مجموعہ نے ایک ایسا دلکش منظر پیدا کر دیا تھا، کہ فرشتہ کے الفاظ مین

"بدان نزاہت و لطافت و غرابت جائے کم خواہد بود، و فی الواقع بخوبی آن عمارت

---

[۱] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۳۰۲، [۲] ایضاً ص ۴۴-۴۷۔

شاید کہ در کم جائے از عالم بودہ باشد"[۱]

فرشتہ نے سلطان زین العابدین کی ایک اور عمارت کا ذکر کیا ہے، جو بارہ منزلہ تھی اور اس کی بعض منزلوں پر پچاس حجرے، ایوان اور جھروکے تھے، اور باوجود اس وسعت اور بلندی کے پوری عمارت لکڑی کی تھی،[۲]

اس کے بعد سکندر لودی نے نہایت کثرت سے مسجدیں بنوائیں، اور اپنی سلطنت کی تمام مسجدوں میں قاری خطیب، اور جاروب کش مقرر کئے، اور اُن کی تنخواہیں مقرر کیں،[۳]

اس کے بعد بابر ۹۳۲ھ میں تخت نشین ہوا تو جو مسجدیں اور خانقاہیں جنگ کے زمانہ میں ویران ہو کر غیر مسلموں کے بیلوں اور گھوڑوں کا استھان بن گئی تھیں، اُن کو نئے سرے سے تعمیر کروایا، اور ان میں موذن اور جاروب کش مقرر کئے، چنانچہ خافی خان ۹۳۲ھ کے واقعات کے سلسلہ میں لکھتا ہے،

"و مساجد و خانقاہ کہ جائے نگاہ اسپان و گاوان کافران گشتہ بود ہمہ را صاف و تعمیر نمودہ موذن و جاروب کش مقرر فرمود"[۴]

اسی صدی میں سلطان ناصر الدین خلجی نے اس سلسلہ میں نہایت نام پیدا کیا، اور مالوہ میں اس کثرت سے عمارتیں تعمیر کروائیں، کہ مالوہ کے محاصل سے سترہ کرور روپئے جو اس کو ملے تھے، اس میں سے پانچ کرور روپیے تعمیرات میں صرف ہو گئے، صاحب مآثر رحیمی نے اس کے ایک محل کا جو باغ فیروزہ میں تعمیر ہوا تھا، ذکر کیا ہے اور لکھا ہے، کہ

"در باغ فیروزہ قصرے طرح انداخت کہ سیاحان ربع مسکون نشان نداوہ اند"[۵]

جہانگیر نے بھی اس کی بعض عمارتیں دیکھی ہیں، اور تزک میں ان کا ذکر کیا ہے،[۶]

---

[۱] فرشتہ جلد دوم ص ۳۳۵، ۳۴۴ [۲] فرشتہ جلد دوم ص ۳۳۵ – [۳] ایضاً جلد اول ص ۱۸۶، ۱۸۷، [۴] خافی خان حصہ اول ص ۹۳، [۵] مآثر رحیمی جلد اول ص ۱۲۱ [۶] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۰۴،

قلعہ رہتاس بھی جس کی بنیاد شیر شاہ نے ڈالی تھی، اور سلیم شاہ نے اس کی تکمیل کی، اسی صدی کی یادگار ہے، جہانگیر نے اس قلعہ کو دیکھا ہے، اور لکھا ہے کہ اس کے تمام دروازوں پر تعمیر کا خرچ ایک پتھر پر کندہ ہے جس کی مجموعی تعداد دس کروڑ دو لاکھ دام یعنی ہندوستان کے حساب سے ۲۵ لاکھ پچیس ہزار روپیہ ہے[1]

اس کے بعد ۹۶۳ھ سے اکبر کا دور سلطنت شروع ہوا، اور اس دور کی تمدنی ترقیوں نے ہندوستان قدیم کو بالکل بدل کر ایک نیا ہندوستان پیدا کر دیا، چنانچہ خافی خان لکھتا ہے:

"در سیدن صاحب کمالان ایران و توران و روم و در جرگہ جان نثاران سلسلۂ عالیہ داخل گردیدن و ہندوستان را زینت تغیر و تبدیل از وضع سابق دادن مخصوص عہد سعادت عرش آشیانی بود"[2]

اور اس دور ترقی کا جو اثر عمارات وغیرہ پر پڑا، اُن کے متعلق خافی خان لکھتا ہے:

"در تمام سواد اعظم ہندوستان عمارات عالی و ابنیہ ہائے فاخرہ و منازل خوش و بساتین دلکش و دیگر ایجاد ج تدبیر زندگانی در عہد آن واضع آئین دولت و بانی نسق سلطنت[3] زینت [illegible]"

لیکن اس تمدنی انقلاب کے زمانہ میں جو عمارتیں تعمیر ہوئیں، ان کی مختلف قسمیں تھیں:

۱- عام رعایا نے عمدہ پاکیزہ اور بلند عمارتیں بنوائیں،

۲- خود اکبر نے شاندار عمارتیں تعمیر کروائیں،

۳- امرا نے اس میں بادشاہ کی تقلید کی، اور عمدہ عمارتیں تعمیر کروائیں،

لیکن تاریخوں میں پہلی قسم کی عمارتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ خود اکبر اور اس کے امراء نے جو عمارتیں تعمیر کروائیں، ان میں مشہور عمارتوں کا ذکر مورخین نے کیا ہے، جن میں سب سے مشہور قلعہ آگرہ ہے، جس کو پہلے سکندر لودی نے پتھر اینٹ اور چونے کا تعمیر کرایا تھا، لیکن اکبر نے ۹۷۳ھ میں سنگ سرخ سے اس کی تعمیر

---

[1] تزک جہانگیری ص ۱۵۵ [2] خافی خان حصہ اول ص ۱۸۵ [3] ایضاً ص ۲۳۶

کروائی، اس کے اندر سنگ مرمر کی ایک مسجد اور دوسری عمارتیں بنوائیں، اور سنہ ۹۸۰ھ میں ۲۰ لاکھ روپیے کے خرچ سے تیار ہو گیا[51] لیکن صاحب مآثر الامراء نے لکھا ہے، کہ یہ قلعہ آٹھ سال میں قاسم خان میر بحر کے اہتمام میں سات کروڑ تنکہ یعنی ۳۵ لاکھ روپیہ کے صرف سے تیار ہوا، اور سنہ ۹۷۲ھ میں دریاے جمنا کے کنارے شہر کے مشرقی جانب پہلے قلعہ کی جگہ جو بوسیدہ ہو گیا تھا، اس کی بنا ڈالی گئی، اس کی دیوار کا عرض ۳۰ گز اور بنیاد سے کنگرہ تک کی بلندی ساٹھ گز ہے، سنگِ سُرخ کو تراش کر باہم اس طرح جوڑا ہے کہ اس کی درز میں ایک بال کی بھی گنجایش نہیں ہے، اسکی بنیاد ہر جگہ پانی کی تہ تک پہنچائی گئی ہے، اور مزید احتیاط کے لئے آہنین حلقے لگا کر پتھرون کو ایک دوسرے پر بٹھایا ہے،[52]

اکبر نے جب الٰہ آباد کو آباد کیا تو وہان بھی دریاے گنگا و جمنا کے درمیان ایک نہایت مضبوط قلعہ تعمیر کروایا،[53]

اکبری دور کی ایک اور مشہور یادگار فتحپور سیکری کی مسجد ہے،

جہانگیر نے تزک میں لکھا ہے، :

"یکے از اعاظم آثار کہ در عہدِ دولت و زمانِ خلافت حضرت عرش آشیانی بظہور آمدہ این مسجد و روضہ است، مثل این مسجد در ہیچ بلادے نیست عمارتش ہمہ از سنگ در کمالِ صفا اساس نہادہ پنج لک روپیہ از خزانہ عامرہ صرف شدہ،"[54]

اس کے بعد اس کے تمام جزئیات کی تفصیل کی ہے،

مورخین نے اس دور کی انہی تین مشہور عمارتون کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے، اُن کے علاوہ اکبر نے اور جو عمارتین تعمیر کروائین، ان کا ذکر ابو الفضل نے آئینِ اکبری مین اجمالاً کیا ہے، چنانچہ آئین عمارت مین لکھتا ہے :-

---

[51] خافی خان حصہ اول ص ۱۶۵، [52] مآثر الامراء حصہ سوم ص ۶۳ [53] خلاصۃ التواریخ و خافی خان حصہ اول ص ۲۳۶،

"ازین رو گیتی خدیو پیوستہ عالی بنا طرح فرماید"

لاہور کے متعلق لکھا ہے،

"چون چندگاہ پایۂ تخت شد والا کاخہا برافراختہ آمد"[۱]

اکبر کے علاوہ اس دور میں امرائے اکبری نے بھی متعدد عمارتیں بنوائیں، چنانچہ اعتماد خان نے آگرہ سے چھ کوس کے فاصلہ پر اعتماد پور کے نام سے ایک گاؤں آباد کیا، اور اس میں ایک تالاب، ایک عمارت اور اپنا مقبرہ بنوایا[۲] آج بھی یہ مقبرہ موجود ہے، اور اعتماد الدولہ کے نام سے مشہور ہے،

خداوند خان دکنی نے قصبہ روہنکھیرہ میں ایک مسجد بنوائی جس کی نسبت صاحب مآثر الامراء نے لکھا ہے کہ باوجود امتدادِ زمانہ کے اب تک شکست و ریخت سے محفوظ ہے[۳]،

یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس دور میں بعض ہندو امراء نے بھی مسجدیں بنوائیں، چنانچہ راجہ بھگونت داس نے لاہور میں ایک جامع مسجد بنوائی جس میں اکثر لوگ نماز جمعہ پڑھتے تھے[۴]،

شاہ قلی خان محرم نے نارنول میں توطن اختیار کیا، تو وہاں بہت سی شاندار عمارتیں بنوائیں اور ایک تالاب کھدوایا[۵]،

صادق محمد خان ہروی نے دھولپور کو جو آگرہ سے ۲۰ کوس کے فاصلہ پر ہے اپنا وطن بنایا تو وہاں ایک سرائے، ایک عمارت اور ایک شاندار مقبرہ بنوایا، اور آس پاس کے دیہات کو آباد کیا[۶]،

اسلامی دور میں فنِ تعمیر کی ترقی نے کتبہ نویسی کا ایک مستقل فن پیدا کر دیا تھا، اور دور اکبری میں میر معصوم بھکری نے اس میں خاص نام پیدا کیا تھا، وہ نہایت خوشخط کتبہ نویس تھے، اور ہندوستان سے لیکر تبریز و اصفہان کے راستوں اور منزلوں میں ہر جگہ مسجدوں اور عمارتوں کے پتھروں پر اپنے اشعار

---

[۱] آئین اکبری جلد دوم ص ۱۵۲ [۲] مآثر الامراء جلد اول ص ۹۰ [۳] ایضاً جلد اول ص ۶۵۹ [۴] ایضاً جلد دوم ص ۱۳۱ [۵] ایضاً ص ۶۰۰ [۶] ایضاً ص ۶۲۹

کندہ کئے تھے، قلعۂ اگرہ اور جامع مسجد فتحپور کے دروازے کے کتبے انہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، کتبہ نویسی کے ساتھ اُنھوں نے نیک کاموں کے لئے بہت سی عمارتیں بھی بنوائیں، بالخصوص شہر سکھر میں جو ان کا مولد تھا، اس قسم کی بہ کثرت عمارتیں تعمیر کروائیں: پنجاب میں بھکر کے گرد جو دریا واقع تھا، اس میں ایک عمارت سیتا سر نامی بنوائی جس کی نسبت صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں:

"از نوادر روے زمین است، گنبد دریائی تاریخ آنست"[1]

اسی زمانہ میں یوسف عادل شاہ نے بیجاپور میں قلعۂ ارک، عیدگاہ قدیم اور گلبرگہ میں شیخ محمد سراج جنیدی کا روضہ اور اس کے منارے بنوائے[2]،

اس کے بعد جہانگیر کا دور حکومت شروع ہوا، جو اگرچہ تعمیری حیثیت سے کچھ زیادہ شہرت نہیں رکھتا، تاہم اس دور کی سب سے زیادہ مشہور عمارت سکندرہ یعنی اکبر کا مقبرہ ہے جس کو جہانگیر نے ۱۵ لاکھ کے صرف سے تعمیر کروایا تھا، اس کے علاوہ متفرق عمارتیں ہیں جو اس نے ہندوستان کے مختلف حصوں میں تعمیر کروائیں، مثلاً اجمیر میں ایک تالاب انا ساگر نامی تھا، جہانگیر نے اس کے کنارے متعدد عمارتیں بنوائی تھیں، اور شاہجہان نے اجمیر کے سفر میں انہی میں قیام کیا تھا[3]،

ایک سفر میں بابا حسن ابدال کے پل اور اس کے پاس کی عمارتوں کی تعمیر کے لئے زر وزن سے پانچ ہزار روپیہ دیئے، اور حکم دیا کہ پل اور یہ عمارتیں نہایت مستحکم طور پر بنوائی جائیں[4]،

ایک بار سیر و شکار کے موقع پر خواجہ جہان کو حکم دیا کہ ایک ایسی عمارت تیار کروائے جو اس کے ٹھہرنے کے قابل ہو، چنانچہ خواجہ جہان نے تین مہینے میں ایک عالی شان عمارت تعمیر کروادی جو جہانگیر کو نہایت پسند آئی[5]،

---

[1] مآثر الامراء حصہ سوم ص ۳۲۸۔ [2] بساتین السلاطین ص ۲۲-۲۳۔ [3] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ؟
[4] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۷۰۔ [5] ایضاً ص ۹۳۔

جہانگیری دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانہ میں نئی عمارتوں کے ساتھ شاہان ماضیہ کی عمارتوں کی مرمت و اصلاح بھی ہوئی مثلاً مانڈو میں سلاطین غوریہ اور خلجیہ کے جو آثار باقی تھے، جہانگیر نے اُن کی مرمت کروائی، اور وہاں جانے سے پہلے عبدالکریم معموری کو حکم دیا کہ وہاں جاکر کچھ نئی عمارتیں بنوائے اور سلاطین ماضیہ کی عمارتوں کی مرمت کروائے[۱] اس حکم کے مطابق اس نے چند روز میں بعض قدیم عمارتوں کی مرمت کرائی اور بعض مقامات پر نئی عمارتیں بنوائیں تقریباً تین لاکھ روپیہ صرف ہوا، اور نہایت دلکش عمارتیں تیار ہوئیں چنانچہ خود جہانگیر لکھتا ہے،

"در ہیچ جا بدان نزاہت و لطافت عمارتے معلوم نیست، بایستے کہ این عمارت رفیع در شہر ہائے رفیع کہ قابلیت نزول اجلال می داشت، واقع می بود"[۲]

صاحب مآثر الامرا لکھتے ہیں،

"دوران سال در مانڈو بحکم بادشاہی عمارات دلکش ترتیب یافتہ نشیمنہائے سلاطین ماضیہ ترمیم پذیرفت"[۳]

گجرات میں کاکریہ ایک تال ہے جس کو سلطان احمد بانیٔ شہر احمد آباد کے نواسے قطب الدین محمد نے بنایا تھا، اور اس تال کے درمیان ایک باغیچہ اور ایک عمارت تعمیر کروائی تھی، اور آمد و رفت کے لئے تال کے کنارے سے اس عمارت تک ایک پل بندھوایا تھا، چونکہ امتداد زمانہ سے یہ عمارت گر پڑ گئی تھی، اس لئے جب جہانگیر احمد آباد کی طرف روانہ ہوا تو صفی خاں بخشی گجرات نے شاہی خزانہ سے اس کی مرمت کروائی، اور ایک جدید عمارت جس کا رُخ تال کی طرف تھا تعمیر کروائی، اور ایک باغیچہ لگوایا[۴]

احمد آباد میں سلاطین گجرات نے جو عمارتیں بنوائی تھیں، چونکہ وہ بالکل ویران ہوگئی تھیں، اس لئے

---

[۱] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۱۴۰، [۲] ایضاً ص ۱۰۰، [۳] مآثر الامرا جلد دوم ص ۵۰۰ [۴] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۱۰،

جہانگیر کے زمانہ مین مقرب خان نے اُن کو نئے سرے سے بنوایا، اور اس کے ساتھ دوسری ضروری عمارتین بھی تعمیر کرائین، چنانچہ جہانگیر تزک مین لکھتا ہے:

"منازل سلاطین گجرات کہ درون بدر واقع بود درین پنجاہ شش سال خراب شدہ واثرے از آنہا نماندہ غایتہ جمعے از بندہا کہ بحکومت این ملک تعین بودند، عمارات ساختہ اند درین ولا کہ از ماندو متوجہ احمد آباد شدم مقرب خان منازل قدیم را از سر نو تعمیر نمودہ نشیمنہا و دیگر کہ ضروری بود مثل جھروکہ عام و خاص وغیرہ ترتیب داد۔"[۱]

جہانگیر نے کشمیر کے راستون اور منزلون مین بھی بہت سے مکانات بنوائے تاکہ خیمہ وغیرہ کی ضرورت نہ ہو، چنانچہ تزک مین منزل نور آباد کے متعلق لکھتا ہے:

"از گھاٹ بھٹ تا کشمیر بدستورے کہ تا پیر پنجال در راہ منزل بہ منزل خانہا و نشیمنہا ساختہ اند درین راہ نیز اساس یافتہ و اصلا بخیمہ و سائر رخوت فراشخانہ احتیاج نیست۔"[۲]

کشمیر مین ایک چشمہ آصف آباد تھا، جو مچھی بھون کے نام سے مشہور تھا، اس جگہ یمین الدولہ نے جہانگیر کے حکم سے بہت سی عمارتین، حوض، نہر اور باغات تیار کرائے تھے، اور شاہجہان نے کشمیر کے سفر مین اسی جگہ قیام کیا تھا،[۳] جہانگیر نے کشمیر کی رونق و آبادی بڑھانے کے لئے جو عمارتین تعمیر کرائین اس کا اندازہ بادشاہ نامہ کی اس عبارت سے ہو سکتا ہے:

درز مان حضرت جنت مکانی کہ در اواخر سلطنت پنج مرتبہ تشریف فرمودند، چون توجہ والا مصروف تربیت این سرزمین نشاط آگین با فراختن عمارات و اصلاح درختان میوہ دار بہ پیوند و جز آن داشتند از آنچہ بود بسیار بیش آمد۔[۴]

---

[۱] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۱۲ [۲] ایضاً مطبوعہ نولکشور ص ۲۰۶، [۳] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۵۰، [۴] ایضاً ص ۵۵۔

. جہانگیر کا یہی تعمیری ذوق ہے جو اس کو سلاطینِ ماضیہ کی یادگاروں کی سیر پر آمادہ کرتا ہے اور وہ نہایت ژرف نگاہی سے اُن کو دیکھتا ہے، اور ان کے ایک ایک جزئیات کی تفصیل کرتا ہے، چنانچہ تزک میں اس نے اس قسم کی متعدد عمارتوں کا تذکرہ کیا ہے، ایک موقع پر لکھتا ہے،

"مانڈو مدتوں اس ملک کے بادشاہوں کا پایہ تخت رہا ہے، اور گذشتہ بادشاہوں کے آثار و عمارات وہاں اب تک موجود ہیں اور ان کو اب تک کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے، میں ان بادشاہوں کی عمارت کی سیر کے لئے روانہ ہوا، اور پہلے مسجد جامع میں جو سلطان ہوشنگ غوری کی تعمیر کردہ ہے، آیا نہایت عمدہ عمارت ہے، اور تمامتر پتھر تراش کر بنائی گئی ہے، اور باوجود یکہ ایک سو اسی سال اس کی تعمیر پر گذر چکا ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کو گویا آج ہی معمار نے اس کی تعمیر کا کام ختم کیا ہے، اس کے بعد میں حکام خلجیہ کے مقبرے میں آیا[1]"

اسی طرح گجرات میں جامع مسجد کے دیکھنے کے لئے گیا ہے، اور اس کے ایک ایک جزئیات کی تفصیل کی ہے اور لکھا ہے کہ

"این مسجد از آثار سلطان احمد بانیٔ شہر احمدآباد است، و الحق این مسجد بناے است بغایت عالی[2]"

تیموری دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس دور سے ہندوستان میں ایک جدید طرز تعمیر کا رواج ہوا، اور وسیع اور پر فضا عمارتیں تعمیر ہوئیں، جہانگیر اگرچہ ہندوستان کا دلدادہ ہے، اور یہاں کی بہت سی چیزوں کو پسند کرتا ہے، تاہم اس کو ہندوانہ طرز کی تنگ تاریک عمارتیں پسند نہیں، بلکہ وہ عمارات میں وسعت اور فضائیت تلاش کرتا ہے، چنانچہ تزک میں ایک موقع پر لکھتا ہے،

"چون منازل و عمارات درونِ حصار بروشِ ہندوان اساس یافتہ وخانہا رابے ہوا

---

[1] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۱۸۱، [2] ایضاً ص ۲۱۲-۲۱۳،

وکم فضا ساختہ اند دلنشیں نیفتاد و خاطر نیز بتوقف راضی نشد، جائے بنظر درآمدہ کہ یکے از نوکران

رستم خان متصل بحصار قلعہ ساختہ باغچہ و نشیمنے مشرف بہ صحرا خالی از فضائے و ہوائے نیست[۱]

جہانگیر کے زمانہ مین امراء اور وابستگان دولت نے بھی بہت سی عمارتین بنوائین، چنانچہ ہلال نامی خواجہ سرانے جو ابتدا مین جہانگیر کا میر تزک تھا، قصبہ رنگتہ مین جو آگرہ سے ۶ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے، (یہ قصبہ اس کی جاگیر مین تھا) ایک چھوٹا سا قلعہ تعمیر کیا، اور ایک پختہ سرائے بنوائی، اور اس کا نام ہلال آباد رکھا، اس نے آگرہ مین دار دروازہ کی جانب بھی ایک بلند اور عمدہ عمارت بنوائی[۲]

امرائے جہانگیری و اکبری مین شیخ فرید مرتضیٰ خان بخاری نے جو نہایت فیاض تھے،

۱۔ احمد آباد مین ایک محلہ آباد کیا جس کا نام بخارا تھا،

۲۔ شاہ وجیہ الدین گجراتی کا روضہ اور مسجد تعمیر کیا،

۳۔ دلی مین فرید آباد کو آباد کیا، اور اس مین تالاب اور عمارتین اپنی یادگار چھوڑین

۴۔ لاہور مین ایک محلہ آباد کیا،

۵۔ لاہور کے چوک مین ایک بڑا حمام بنوایا[۳]

اس عہد مین ملک عنبر نے موضع کھر کی مین جو دولت آباد یعنی اورنگ آباد سے پانچ کوس کے فاصلہ پر واقع تھا، تالاب، باغ اور بہت سی بلند عمارتین تعمیر کرائین، اور اس طرح اس کی آبادی مین غیر معمولی اضافہ ہوگیا[۴]

جہانگیر کے بعد شاہجہان کا دور حکومت شروع ہوا، جو تعمیری حیثیت سے خاص طور پر امتیاز رکھتا ہے، اس دور مین جو عمارتین تعمیر ہوئین، ان مین تاج محل جو شاہجہان کی محبوب بیوی ارجمند بانو بیگم

---

[۱] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۵۸ [۲] مآثر الامراء حصہ دوم ص ۴۰۷ [۳] ایضاً جلد دوم صفحہ ۶۳۹ [۴] ایضاً حصہ سوم ص ۹۔

الملقب بہ ممتاز محل کا مقبرہ ہے، نہایت مشہور ہے، ممتاز محل نے ۱۰۴۰ھ میں بہ مقام برہان پور انتقال کیا تھا، اور اُن کی لاش وہین باغ زین آباد مین بطور امانت کے دفن کی گئی تھی، اس کے ۶ مہینے کے بعد شاہزادہ محمد شجاع وزیر خان اور ستی خانم صدر النسا اس کو اکبر آباد مین لائے، اور دریائے جمنا کے جنوبی کنارہ پر دفن کیا، اور وہین یہ مقبرہ مکرمت خان کے اہتمام مین ۱۲ سال کی مدت مین پچاس لاکھ روپیہ کے صرف سے تعمیر کیا گیا، اور حویلی اکبر آباد اور پرگنہ نگر چند کے ۳۰ گانون جن کی مالگذاری ایک لاکھ روپیہ تھی، اور مقبرہ کے آس پاس کی دوکانین اور عمارتین جن کا کرایہ دو لاکھ تھا، اس کے مصارف کے لئے وقف کئے گئے، [۵۱]

شاہجہانی عہد کی مشہور عمارتون مین دوسرا درجہ قلعہ شاہجہان آباد کا ہے، جو ساٹھ لاکھ روپیہ کے صرف سے آٹھ سال کی مدت مین تیار ہوا، تعمیر کا کام پہلے غیرت خان کے اہتمام مین شروع ہوا، پھر الہ وردی خان کی دار وغگی مین اس کی تعمیر ہوئی، اور مکرمت خان کے اہتمام مین تکمیل کو پہنچا، [۵۲]

اس قلعہ اور شہر کی فصیل کی تیاری کے بعد قلعہ کے متصل شاہجہان نے ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر کا حکم دیا، جس کی نظیر ابتدائے اسلام سے ہندوستان مین موجود نہ تھی، یہ مسجد دس لاکھ روپیہ کے صرف سے ۶ سال کی مدت مین تین چار امراء یعنی خلیل اللہ خان، جعفر خان، سعد اللہ خان اور روح اللہ خان کے اہتمام میں تعمیر ہوئی،

ع "قبلۂ حاجات آمد مسجد شاہجہان"

اس کی تکمیل کی تاریخ ہے، [۵۳]

اس قسم کی دوسری مسجد آگرہ کی جامع مسجد ہے، جو قلعہ اکبر آباد کے متصل ۳ لاکھ روپیہ کے صرف سے سات سال کی مدت میں سنگ سرخ سے تعمیر کی گئی، [۵۴]

شاہجہان نے خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ کے روضہ کی زیارت کی تو روضے کے مغربی جانب ایک

---

[۵۱] مآثر الامراء جلد اول ص ۱۶۰ و خافی خان حصہ اول ص ۵۰۵ [۵۲] خافی خان حصہ اول ص ۶۸۱ [۵۳] ایضاً حصہ اول ص ۵۷۴، [۵۴] ایضاً صفحہ ۶۷۶،

نہایت عمدہ مسجد سنگ مرمر کی بنوائی،[۱]

اکبر کے زمانہ سے لیکر جہانگیر کے زمانہ تک قلعہ اکبر آباد کے جھروکہ دولت خانہ خاص وعام کے سامنے کوئی ایسا ایوان نہ تھا، کہ اس مین تمام متوسلین سلطنت بیٹھکر بارش اور دھوپ سے محفوظ رہ سکین، بلکہ اس کے لئے کپڑے کا ایک ایوان کھڑا کر دیتے تھے، اور اسی مین تمام متوسلین سلطنت بیٹھتے تھے، لیکن شاہجہان کے حکم سے اس کے سامنے ۷۰ گز کا لمبا اور ۲۲ گز کا چوڑا ایک ایوان ۴۰ دن کی مدت مین تیار ہوا، اور اس کے تین طرف چاندی کے کٹھرے بنوائے گئے، اور ان مین تمام متوسلین سلطنت کیلئے جیسا کہ بادشاہ نامہ مین بہ تفصیل مذکور ہے حسب مراتب جگہین مقرر کی گئین، طالب کلیم نے یہ رباعی اسی ایوان کے وصف مین لکھی ہے،

این تازہ بنا کہ عرش ہمسایہ اوست　　　رفعت حرفے ز رتبت پایہ اوست
بایست کہ ہر ستون سبزش سروست　　　کا سایش خاص وعام در سایہ اوست

شاہجہان نے اسی قسم کا ایک ایوان دار السلطنت لاہور اور برہان پور[۲] مین بھی جھروکہ دولت خانہ خاص وعام کے سامنے بنوایا، اور عمارت شاہ برج کی تکمیل کرائی جس کے تفصیلی حالات بادشاہ نامہ مین مذکور ہین، وہان سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس مین ہر قسم کے نقش ونگار کے ساتھ مختلف شہرون اور ان کے باغون کی تصویرین بھی بنی ہوئی تھین،[۳]

لاہور مین دولت خانہ خاص اور آرام گاہ دولت خانہ عالی کی جو عمارتین جہانگیر نے تعمیر کروائی تھین چونکہ وہ شاہجہان کو پسند نہ تھین، اس لئے زمانہ سفر کشمیر مین اُن کی جگہ نئی عمارتین بنوائین، اور ان کا نقشہ تیار کرکے وزیر خان اور عمارات شاہی کے دوسرے عہدہ دارون کے سپرد کیا، اور حکم دیا کہ کشمیر کی واپسی کے زمانہ تک تمام عمارتین مکمل ہو جائین،[۴] کشمیر مین ایک موضع کا نام دہ اچول تھا، جہان جہانگیر نے دولت خا

---

[۱] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۲۰۰، [۲] خافی خان حصہ اول ص ۴۰۴،

[۳] بادشاہ نامہ حصہ اول ۲۲۲ تا ۲۲۵ [۴] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۱۲، ۱۳

خاص تعمیر کروایا تھا، لیکن یہ عمارت پرانی ہوگئی تھی، اور اس کا نقشہ بھی شاہجہان کے پسند کے موافق نہ تھا، اس لئے اثنائے سفر کشمیر میں حکم دیا کہ خاص شاہی قیام کے لئے دوسری عمارتیں جن میں آبشار اور حوض ہوں تعمیر کرائی جائیں، اور اُن کے علاوہ دولت خانہ خاص و عام بھی تعمیر ہو، چنانچہ اس جگہ پہلے سے بہتر عمارتیں تعمیر ہوگئیں،[1]

شاہانِ تیموریہ کو شکار کا نہایت شوق تھا، اور اس غرض سے خاص خاص مقامات شکار کے لئے مخصوص کر لئے گئے تھے، اور وہاں کئی کئی دن قیام ہوتا تھا، اس لئے ان شکارگاہوں میں قیام کرنے کے لئے لازمی طور پر عمارتیں تعمیر کرانی پڑتی تھیں، دارالسلطنت لاہور کے اطراف میں ایک شکارگاہ تھی جس کا اصلی نام جہانگیر آباد تھا، لیکن ہرن منارہ کے نام سے مشہور تھی، جہانگیر نے اپنے عہدِ حکومت میں اس جگہ ایک عمارت تعمیر کروائی تھی لیکن وہ شاہجہان کو پسند نہ آئی، اس لئے حکم دیا کہ اس جگہ دوسری عمارت تعمیر کروائی جائے، چنانچہ ایک سال میں اسی ہزار روپیہ کے صرف سے نہایت عمدہ عمارت تیار ہوگئی،[2]

دارالسلطنت اکبرآباد کے پاس ایک اور شکارگاہ باری نامی تھی جس کے تالاب کے کنارے دو سال کی مدت میں ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ کے صرف سے شاہجہان نے عمارتیں تعمیر کروائی تھیں، چونکہ یہ عمارتیں سنگِ سُرخ سے تعمیر ہوئی تھیں، اس لئے ایک شکار کے سفر میں شاہجہان نے ان میں قیام کیا تو ان کا نام لال محل رکھا،[3]

اودے پور میں رانا اودے سنگھ نے پہاڑ کے اوپر اور تالاب بجولرا اور تالاب اودے ساگر کے درمیان جو عمارتیں تعمیر کرائی تھیں، چونکہ وہ بالکل ہندوؤں کے طرزِ تعمیر کے مطابق تیار ہوئی تھیں، اس لئے وہ شاہجہان کو پسند نہ تھیں، اس کے ساتھ بعض لڑائیوں میں ویران بھی ہوگئی تھیں، اس لئے شاہجہان کے

---

[1] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۱۵ [2] ایضاً ص ۱۴ [3] ایضاً ص ۲۳

حکم سے ان کھنڈروں کی جگہ تیموری طرز تعمیر کے مطابق نئی عمارتیں تعمیر ہوئیں، اور پہاڑ کے اوپر بھی تال کے سامنے عمدہ عمارتیں بنوائی گئیں، اور امراء و متوسلین نے بھی دولت خانہ کے اردگرد بلند عمارتیں بنوائیں[1] اور اس طرح گویا ایک پورا شہر جدید طرزِ تعمیر کے مطابق آباد ہوگیا،

اس دور میں ایرانی طرزِ تعمیر کے مطابق پشاور میں جو عمارتیں تیار ہوئی تھیں، وہ اگرچہ اثنائے سفر کابل میں شاہجہاں کو پسند نہ آئیں لیکن علی مردان خان نے اصفہانی طرزِ تعمیر کے مطابق بازار میں جو مسقف راستے بنوائے تھے اور بازار کے چاروں طرف کو ٹمن بغدادی کے طریقے پر آراستہ کیا تھا، وہ اس کو نہایت پسند آئے اس لئے ان کو دیکھ کر حکم دیا کہ اس کا نقشہ مکرمت خان ناظم دہلی کے پاس جس کے اہتمام میں شاہجہان آباد کا نو تعمیر قلعہ بن رہا تھا، روانہ کیا جائے[2]

شاہجہانی عہد میں جو عمارتیں تعمیر ہوئیں، اُن کے مصارف کی تعداد ہمارے مورخین نے ڈھائی کروڑ بتائی ہے، اور ان کی تقسیم اس طرح کی ہے،

تاج گنج	۵۰ لاکھ
آگرہ کی دوسری عمارتیں	۵۲ لاکھ
قلعہ شاہجہان آباد	۵۰ لاکھ
جامع مسجد دہلی	۱۰ لاکھ
عمارات و باغاتِ لاہور	۵۰ لاکھ
عماراتِ کابل	۱۲ لاکھ
کشمیر کی سیرگاہیں	۸ لاکھ
قندھار کی عمارتیں	۸ لاکھ

---

[1] عمل صالح جلد اول ص ۸۰، [2] خافی خان حصہ اول ص ۷۰۲

احمد آباد اور اجمیر وغیرہ کی عمارتیں[1] ۱۰ لاکھ

بادشاہ نامہ کے مصنف نے اگرچہ مجموعی تعداد یہی رکھی ہے لیکن تقسیم میں کسی قدر اختلاف کیا ہے، اوسکی تصریح کے مطابق اس کی تقسیم یہ ہے:

عماراتِ آگرہ	ایک کرور دس لاکھ	اس میں سے ساٹھ لاکھ روپے، اندرونِ قلعہ کی مسجد پر جو سنگ مرمر کی ہے، اور دولت خانہ اور دوسری عمارتوں اور باغوں پر صرف ہوئے اور پچاس لاکھ تاج محل پر،
عماراتِ شاہجہان آباد	پچاس لاکھ	جامع مسجد کی تعمیر کے مصارف اس سے الگ ہیں،
عمارات و باغاتِ لاہور	"	
عماراتِ کابل	۱۲ - لاکھ	
عماراتِ کشمیر	۸ - لاکھ	
حصارِ قندھار و بست زمینداور	۸ - لاکھ	
عماراتِ اجمیر و احمد آباد[2]	۱۲ - لاکھ	

لیکن اکثر یورپین مورخ اور یورپین سیاح اس تعداد کو صحیح نہیں سمجھتے، سلاطینِ تیموریہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے معماروں اور مزدوروں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا، اور ان سے بطورِ بیگار کے کام لیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں غلہ کی ارزانی کی وجہ سے معماروں اور مزدوروں کی شرح اجرت بہت

---

[1] مآثر الامراء جلد دوم ص ۸۱۱ [2] بادشاہ نامہ حصہ دوم صفحہ ۴۱۳،

کم تھی، اور غالباً تاریخون اور کتبون مین صرف معمارون اور مزدورون اور مصالح کے اخراجات کی تعداد درج ہے، ان کے علاوہ جو مصارف تھے وہ ان سے الگ ہین، مثلاً تعمیرات کے اسٹاف یعنی اعلیٰ عہدہ دارون کی تنخواہ اس سے الگ ہے، پتھر شاہی کانون سے لائے جاتے تھے، لکڑی بھی شاہی جنگلون سے آتی تھی، بلور اور جواہرات کا بار خزانۂ عامرہ پر تھا، لیکن بہرحال اگر مصارف کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو اس کو تسلیم کرلینے مین ہمارا کوئی ہرج نہین بلکہ اس سے سلاطینِ تیموریہ کی بلند حوصلگی اور فیاضی کا مزید ثبوت ملتا ہے۔

(باقی)

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ

چراغ دہلی

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب، ایم - اے

نام و نسب | اسم مبارک محمود، نصیر الدین محمود، گنج اور چراغ دہلی القاب تھے، آپ کے جد بزرگوار شیخ عبد اللطیف یزدی خراسان سے لاہور آئے، حضرت نصیر الدین محمود کے والد بزرگوار شیخ محمود یحییٰ اسی شہر میں پیدا ہوئے، سن شعور میں اودھ منتقل ہو گئے تھے[1] یہاں وہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے جس میں ان کو بڑا فروغ حاصل ہوا، ان کے پاس بہت سے غلام تھے[2]،

حضرت نصیر الدین محمود کی ولادت باسعادت اسی خطہ میں ہوئی، بعض تذکرہ نگاروں نے مقام پیدائش اجودھیا، اور بعض نے بارہ بنکی لکھا ہے، اسی لئے نام کے ساتھ اودھی لکھا جاتا ہے، خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ نسباً سادات حسنی میں سے تھے[3]،

ابتدائی تعلیم | نو سال کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، تعلیم و تربیت کا فرض والدہ ماجدہ نے انجام دیا، ان کے زہد و تقویٰ کے اثر سے بچپن ہی میں نماز با جماعت کے پابند ہو گئے تھے، جو کسی حال میں بھی فوت نہیں ہوتی تھی، خیر المجالس کے ایک ملفوظ میں ہے کہ فقہ کی مشہور کتاب بزودی قاضی محی الدین کاشانی سے

---

[1] سیر العارفین ص ۹۰، [2] سیر الاولیا ص ۲۳۸، [3] خزینۃ الاصفیا ص ۳۵۳،

پڑھی[1]، لیکن سیر العارفین میں ہے کہ ابتدا میں "مولانا عبد الکریم شیروانی علامۂ زمان سے ہدایہ اور بزدوی کو پڑھا، بعد وفات مولانا افتخار الدین محمد گیلانی سے جمیع علوم حاصل کئے،" (جلد ۲ ص ۴۰)

ترک وتجرید | ۲۵ پچیس سال کی عمر میں ترک و تجرید اختیار فرمائی، اور مجاہدۂ نفس میں مشغول ہوئے، گرد و نواح کے جنگل و بیابان میں ایک درویش کے ہمراہ آٹھ سال تک گھومتے رہے، اس صحرانوردی میں بھی نماز با جماعت کے پابند رہے، روزے بھی ترک نہیں ہوئے، برگ سنبھالو سے افطار کیا کرتے تھے،

بیعت | سیر العارفین اور مراۃ الاسرار میں ہے کہ ۴۳ سال کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا، بیعت کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ محمود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی قیام گاہ کے پاس ایک درخت کے نیچے متحیر کھڑے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا بالاخانہ سے نیچے اتر رہے تھے، کہ شیخ محمود پر اُن کی نظر پڑی، خادم خاص کے ذریعہ خلوت میں بلا کر دل کی کیفیت پوچھی، عرض کیا درویشوں کی جوتیاں سیدھی کرنے آیا ہوں، اس جواب سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے شیخ محمود میں بچی طلب محسوس کرکے اُن کی جانب توجہ فرمائی، اثنائے گفتگو میں فرمایا جب میں اپنے مرشد کی خدمت میں رہتا تھا، تو اجودھن میں میرے ایک ہم سبق نے میرے پھٹے کپڑے دیکھ کر کہا تمھارا یہ کیا حال ہے؟ اگر تم اس شہر میں لڑکوں ہی کو پڑھایا کرتے تو بھی

---

[1] مجلس چہل و ششم میں ہے، (اردو ترجمہ ص ۱۰۹)

"جناب خواجہ ذکرہ اللہ تعالیٰ بالخیر قاضی محی الدین کاشانی کے ذکر میں تھے، فرمایا میں نے بزدوی انہی سے پڑھی ہے، پھر ان کے طبع رسا اور وقت نظر کا بیان کیا کہ بڑے محقق تھے، اس مجلس میں ایک مرید جناب سلطان المشائخ کا حاضر تھا، اس نے یہ قصہ بیان کیا، کہ ایک بار قاضی محی الدین کاشانی سخت بیمار ہوئے کہ یاروں نے ان کی صحت دشوار جانی، حضرت سلطان الاولیا رشن کر اُن کی عیادت کو تشریف لائے، دیکھ کر اٹھے اور اپنے آپ کو سنبھال کر شیخ کی تعظیم کی، اسی وقت سے مرض میں تخفیف ہوگئی، جب حضرت شیخ لوٹ گئے تو کہا شیخ نظام میری عیادت کو آئے تھے، مگر دیکھو کس طرح اُدھر پر دہ سلب مرض کر گئے،

تمھیں فارغ البالی ہو جاتی، مین نے اس کا کوئی جواب نہین دیا، اور مرشد کی خدمت مین حاضر ہوا، آپ نے دیکھ کر فرمایا نظام الدین! اگر تمھارا کوئی دوست تمھارا یہ حال دیکھ کر تم سے پوچھے کہ آخر یہ کیا حالت ہے؟ تیلم تو سے تم کو فارغ البالی حاصل ہو جاتی، اس کو کیون ترک کر دیا، تو اس کا کیا جواب دو گے، مین نے عرض کیا جو ارشاد ہو، فرمایا یہ شعر جواب مین پڑھ دینا،

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو

ترا سعادتے باد امرانگون ساری

اس کے بعد ایک خوان طلب فرمایا، اور مجھ سے کہا اس کو سر پر رکھ کر جہان تمھارا دوست ہے وہان لیجاؤ، مین نے ایسا ہی کیا، دوست نے میرا یہ حال دیکھ کر کہا تمھین یہ صحبت اور یہ حالت مبارک ہو[۱]

حضرت شیخ محمود نے یہ واقعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی زبانی سنا تو دل مین عشق الٰہی کی آگ شعلہ زن ہونے کے ساتھ مرشد کی محبت بھی پیوست ہو گئی، اور بیعت کے بعد بڑی دل سوزی سے مرشد کی خدمت شب و روز کرتے رہے، اسی لئے تمام درویش اُن کو نصیر الدین محمود گنج کہا کرتے اور بہت محبوب رکھتے تھے[۲]

حضرت نصیر الدین محمود کو اپنے مرشد سے جو والہانہ شیفتگی تھی، اس کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے، کہ ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ مین حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے ایک مرید خواجہ محمد گازرونی آکر مقیم ہوئے، وہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھے تو جماعت خانہ مین کپڑے رکھ کر وضو کرنے گئے، واپس ہوئے تو کپڑے غائب تھے، اُن کی تلاش مین شور و شغب کرنے لگے، حضرت شیخ نصیر الدین محمود خانقاہ کے ایک گوشہ مین عبادت مین مشغول تھے، خیال ہوا کہ اس شور و شغب سے مرشد کی عبادت مین خلل پڑے گا، اس لئے خواجہ محمد گازرونی کے پاس پہنچے اور اپنے کپڑے اتار کر ان کو دیدیئے، صبح کو

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۲۴۰، ۲۴۱، [۲] سیر العارفین جلد ۲ ص ۲۰،

جب یہ واقعہ حضرت محبوب الٰہی کو معلوم ہوا تو حضرت نصیر الدین محمود کو بالاخانہ پر طلب کرکے اپنی خاص پوشاک عطا کی، اور اُن کے لئے دعاے خیر کی۔[۵۱]

ریاضت | بیعت کے بعد مرشد کی ہدایت کے بموجب ریاضت و مجاہدہ کا سلسلہ جاری رکھا، دس دس روز گذر جاتے اور کچھ نہ تناول فرماتے، اور جب خواہشات کا غلبہ ہوتا تو لیموں کا عرق پی لیتے،[۵۲]

سیر العارفین میں ہے کہ کچھ دنوں مرشد کی خدمت میں رہنے کے بعد والدہ ماجدہ کے پاس چلے گئے،[۵۳] لیکن یہاں خلق اللہ کے ہجوم سے یادِ الٰہی میں سکون میسر نہیں ہوتا، اس لئے حضرت امیر خسرو کے ذریعہ مرشد کی خدمت میں عرض مدل کرکے جنگل میں جاکر عبادت کرنے کی اجازت مانگی، حکم ملا کہ وہ خلق کے درمیان ہی میں رہیں، اور خلق کی جفاؤں کو برداشت کریں، اس ایثار کا بدلہ ان کو ملیگا، اسی سلسلہ میں حضرت محبوب الٰہی نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مختلف افراد مختلف کاموں کے لئے موزون ہوتے ہیں، اسی لئے میں کسی سے تو یہ کہتا ہوں کہ اپنے لب کو بھی بند رکھے، اور اپنے دروازے کو بھی، کسی سے ہدایت کرتا ہوں کہ وہ مریدوں کی تعداد بڑھائے، اور کسی کو یہ حکم دیتا ہوں کہ خلق اللہ کے درمیان ہی میں رہے، اور ان کی جفاؤں کو برداشت کرتے ہوے اُن سے حُسن سلوک سے پیش آئے یہی مقام انبیار و اولیا ہے۔[۵۴]

حضرت شیخ نصیر الدین نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی، اور آبادی میں رہ کر عبادت و ریاضت کو جاری رکھا، ملفوظات خیر المجالس (مرتبہ حمید شاعر معروف بہ قلندر) میں ہے:

---

[۵۱] سیر الاولیا ص ۲۳۶، بعض تذکروں میں یہ روایت کسی اور موقع پر درج ہے لیکن سیر الاولیار میں یہ روایت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے "در ابتداے نظرِ خاص سلطان المشائخ ملحوظ گشتہ بود ......" اور روایتوں میں بھی کہیں کہیں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے، اگر عاجز راقم ..... سے بھی روایتوں کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہو تو ناظرین سے معذرت کا خواہاں ہے [۵۲] سیر الاولیا ص ۲۴۱، اخبار الاخیار ص ۷۵، [۵۳] سیر العارفین ص ۱۰۰

[۵۴] سیر الاولیا ص ۲۳۸،

"سالہا سال مجکو یہ آرزو رہی کہ ایک تہبند و کرتہ پہن کر کلاہ سر پر رکھ کر کوہ و بیابان یا کسی مسجد و مزار مین جا بیٹھون، پھر شہر کو یاد کرکے فرمایا کہ وہان بہت حظیرے دلپسند ہین، وہان مجکو خلوت سے بہت راحت و تسکین ہوتی تھی، ان دنون وہ مزار اور حظیرے نہین رہے، سنتا ہون کہ وہ سب مقامات دلکش خراب و برباد ہوگئے ہین، پھر فرمایا کہ خواجہ محمود رحمۃ اللہ علیہ جو بھانجا مولانا کمال الدین کا ہے، میرے ہمراہ ہوا کرتا، ہمیشہ نماز صبح مسجد مین پڑھ کر ہم نکلتے اور وظیفہ پڑھتے جاتے، راہ مین جب کسی مزار پر پہنچتے، تو مین محمود سے کہتا اب تم چاہو میان جاؤ، چاہو کسی اور مزار پر تنہا مشغول ہو، وہ میرا کہنا قبول کرکے جدا کسی مزار پر ظہر تک جاکر مشغول ہوجاتا، پھر ہم نماز کے وقت طہارت کو نکلتے، اذان کہتے، دس بارہ درویش اپنے تمام مشغولی سے آکر جمع ہوجاتے، نماز با جماعت پڑھتے، اور مجکو امام بناتے، پھر باقی روز ذکر و شغل مین گذرتا، یہان تک کہ نماز مغرب و عشا، زمین صحرا مین ہوتی، پھر وظیفہ پڑھتے ہوئے گھر آتے، اور جب جنگل مین دن کو قیلولہ کرتے، تو گرد چند درختون کے رسی گھیر دیتے اور درمیان مین سو رہتے، نہ درندے کا ڈر ہوتا، نہ چور کا کہ بدصنایا جوتا لیجاتا، شب کو گھرون مین ایک جگہ مقرر تھی، وہان مشغول رہتے، اسی راحت و آرام مین چند سال گذر گئے، جناب خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کا ذکر بڑے ذوق و شوق سے بیان فرماتے تھے، پھر کہا کہ اگر حکم حضرت پیر و مرشد کا نہ ہوتا کہ تو مخلوق کے درمیان رہنا، جفا و قفائے خلق گوارا کرنا" تو کہان مین تھا، اور کہان یہ شہر، کسی کوہ و بیابان مین روپوش رہتا، مین نے عرض کی کہ حق وہی ہے جو حضور ارشاد فرماتے ہین، مگر آپ کو یہان رہنے کی تاکید اسی واسطے فرمایا کہ ہم لوگ سعادت حاصل کرین"[1]

---

[1] دیکھو مجلس پنجاہ و خیر المجالس کا اردو ترجمہ سراج المجالس کے نام سے مولانا احمد علی صاحب ٹونکی نے کیا ہے

حضرت شیخ نصیر الدینؒ مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً وطن سے دہلی آتے رہتے تھے، یہان ہر جگہ اُن کی بڑی پذیرائی ہوتی، یاران طریقت جس لطف و کرم سے ان کے ساتھ پیش آتے، اس کو اپنی زندگی کے آخری ایام مین بڑے ذوق و لذت سے یاد فرماتے ہین،

"جب مین اودھ سے آیا کرتا، تو اکثر یار میری دعوت کیا کرتے، مولانا برہان الدین غریب طاب ثراہ اور امیر خسرو اور امیر حسن وغیرہ احباب جب میرا آنا سنتے، تو دعاگو کی چند روز تک متواتر دعوت کیا کرتے، اور شیخ سے استدعا کرتے، فلانے کو اجازت دعوت کھانے کی ہو، اور ایک دن پہلے مجھ سے کہدیتے کہ کل ہمارے یہان دعوت ہو کہ اگر اسی دن غیاث پور سے شہر کو جاؤن تو تھک جاؤن تو اس روز مولانا برہان الدین کے گھر مین رہا کرتا، دوسرے دن اُن کے ہمراہ جاتا اور دعوت ظہر تک ہوا کرتی، کبھی عصر تک بھی رہنا ہوتا، جب لوٹتا تو بے وقت ہوجاتا تھا، غیاث پور تک پہنچنا نہ ہوتا، اس رات بھی مولانا برہان الدین کے گھر مین رہنا ہوتا، کبھی تیسرے دن بھی صبح کو کوئی یار آجاتا، اور کہتا ذرا توقف کرو ناشتہ لاتا ہون، غرض چاشت تک ٹھہرنا ہوتا، غرض دوپہر کو غیاث پور پہنچتا، پھر اس دن بھی شیخ کی زیارت کو نہ جاسکتا"

جب مرشد کی زیارت نہ ہوتی، تو بڑی تکلیف محسوس کرتے، فرماتے ہین:-

"ان دنون مین ایسا ہی ہوا کہ متواتر تین دعوتین ہوئین، اور ہر دعوت مین تین تین دن شہرون مین رہنا پڑا، اور نو روز تک زیارت شیخ میسر نہ ہوتی، ہر جگہ سے پیام دعوت آتا، اور شیخ سے واسطے اجازت کے عرض کرتے، شاید ان دنون یاد ہوتا ہے کہ خادم نصیر الدین تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۷) جو مسلم پریس دہلی مین چھپا تھا، یہ ترجمہ اگرچہ پرانے طرز کا ہے، لیکن عاجز راقم کو اس مین بڑی کیفیت دکھائی نظر آئی اسلئے اسی کو بغیر کسی ترمیم کے ہر جگہ نقل کر دیا ہے،

فرمان شیخ پہنچا کہ فلاں جا دعوت میں جا، میں نے عرض کی کہ مجھ کو کچھ خدمت میں عرض ہے، اس پر مجھکو طلب فرمایا، میں خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کیا کہتا ہے، میں نے عرض داشت کی کہ غلام اودھ سے اس اشتیاق میں آتا ہے کہ چندروز زیر قدم خواجہ رہے، اور ہر روز آپ کو دیکھوں، یہاں ہر کوئی دعوت کرتا ہے اور حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کرتا ہے، مجھ کو حکم آتا ہے کہ دعوت میں جا، صبح سے جاتا ہوں اور مولانا برہان الدین غریب کے گھر میں شب کو رہتا ہوں، دوسرا دن دعوت کا ہوتا ہے، اس دن بھی حضرت کی خدمت میں آ نہیں سکتا، تیسرے دن بھی لوگ روکتے ہیں کہ ذرا ٹھہرو، ناشتہ کرلو، دوپہر کو یہاں آنا ہوتا ہے، اس دن بھی زیارت نصیب نہیں ہوتی، تین دن مفت جاتے ہیں یہ سُن کر شیخ نے خادم سے فرمایا کہ جو کوئی مولانا کو بلانے آیا ہے اُسے لوٹادو، اور کہدو کہ یاران شہر کی دعوت کریں، اور اُن کو معذور رکھیں"[۱]

خود مرشد کو اپنے مرید کی راحت اور خاطرداری کا بہت خیال رہتا تھا، فرماتے ہیں :-

"ایک بار میں اودھ سے آیا تھا، اور بھائی یعنی پدر خواجہ یوسف بھی ہمراہ تھے، اور ان دنوں میں نے تقلیل طعام کی تھی، بھائی نے مبشر سے کہدیا کہ فلانے نے کھانا چھوڑ دیا ہے، اور معرض تلف میں پڑا ہے، خدمت شیخ میں عرض کردے، مبشر نے خدمت شیخ میں اور بڑھا کر عرض کی کہ جب رکابی بھر کر فلانے کے واسطے لیجاتا ہوں تو بلا کم وکاست ویسے ہی لوٹ آتی ہے، جناب شیخ نے افطار کے وقت ایک قرص قریب دو سیر کا مجھے دیا، اور بہت سا حلوا اس پر رکھا تھا، جن یاروں کا صوم دوام ہوتا، ان کو حضرت شیخ کے یہاں سے سوائے رمضان شریف سحری ملا کرتی، چنانکہ مولانا فخرالدین زرادی اور مولانا حسام الدین ملتانی اور مولانا شہاب الدین کو کہ یہ ہمیشہ روزہ دار ہوتے تھے، مگر مولانا برہان الدین غریب کے

---

[۱] مجلس پنجاہ و پنجم ص ۱۴۱-۱۴۲،

بسبب ضعف جسم کے روزے سے معذور تھے، ان کو ماہ رمضان میں سحری ملتی اور سحری کو کھچڑی روغن پڑی ہوئی آیا کرتی، بیمار بھی ہوتے، اور ہاتھ دھو کر کھچڑی کھاتے، غرض جب شیخ نے مجھکو وہ قرص دیا تو میں حیران ہوا کہ اس کو کس طرح کھاؤں گا، بیمار نہ ہو جاؤں، یہ قرص تو میرے بیس دن بلکہ زائد کو کافی ہے، بعد عشاء وہ قرص میں نے روبرو رکھا اور کچھ کچھ کھانا شروع کیا، بعد آدھی رات کے تھوڑی سی آنکھ لگی تھی کہ فی الفور اٹھ کر وضو کیا اور تہجد کی نماز پڑھی، پھر وہ قرص لے کر کھانے بیٹھا، برکت ولایت شیخ سے صبح تک سب کھا لیا، اور کوئی زحمت نہیں ہوئی"[1]

قیام دہلی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد وطن چھوڑ کر مستقل طور پر دہلی تشریف لے آئے، اور مرشد کے خاص حجرہ میں سکونت اختیار فرمائی، یہ حجرہ جماعت خانہ میں تھا[2] مرشد کی صحبت میں فقر، صبر، تسلیم و رضا کی تمام درویشانہ صفتیں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں، چنانچہ جیسا کہ سیر العارفین کے مولف کا بیان ہو، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے خلفا اپنے مرشد اور شیخ نصیر الدین کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے" (ص ۹۹ ج ۲)

مرشد کی جانشینی جب حضرت محبوب الٰہی نے حضرت شیخ نصیر الدین میں وہ تمام باتیں بدرجۂ کمال پائیں، جو جانشینی کے لئے موزوں تھیں، تو اُن کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا، اور وفات کے وقت آپ کو خواجگان سے جو خرقہ، عصا، کاسہ اور نعلین ملی تھیں، اُن کو عطا کر کے دہلی کے لوگوں کی جفاؤں کو صبر و سکون سے تحمل کرنے کی تلقین فرمائی[3] حضرت محبوب الٰہی کی وفات کے بعد جماعت خانہ ان کی بہن کی اولاد کو ترکہ میں ملا، اس لئے حضرت نصیر الدین نے اپنی قیامگاہ کے لئے وہ جگہ منتخب کی، جہاں آپ کی ابدی خوابگاہ ہے۔

تنگی معاش جانشینی کا ابتدائی زمانہ بہت ہی تکلیف اور عسرت میں گذرا، اپنے ملفوظات میں ان ایام کا

---

[1] خیر المجالس مجلس پنجاہ و پنجم ص ۱۴۲-۱۴۱، [2] سیر العارفین ج ۲ ص ۹۰، [3] ایضاً ص ۹۹-۱۰۲،

کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار روزہ رکھا، دو دن گذر گئے لیکن کچھ کھانے کو نہ ملا، میرا
ے آشنا نخو نامی تھا، وہ دو روٹیاں اور ترکاری دسترخوان میں لپیٹ کر میرے پاس لایا، اس حال
ں اس کھانے نے وہ مزہ دیا کہ بیان نہیں ہو سکتا، اکثر راتوں کو میرے گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا، چند
ن متواتر چولھا نہ سلگتا، میرے اعزہ سامان معاش کرنا چاہتے، لیکن میں ان کو کرنے نہ دیتا، وہ میرا
زاج پہچان گئے تھے کہ میں مشقت اور بے سروسامانی ہی میں خوش رہتا ہوں، اس لئے میرا خیال چھوڑ
دیا، اگر کوئی دنیادار مجھ سے ملنے آتا تو میں شیخ کا جبہ پہن کر بیٹھ جاتا، جب وہ چلا جاتا، تو کھاروے کا
لباس پہن لیتا، جامۂ شیخ پہن کر وضو کرنا پسند نہ کرتا، لیکن اس کو پہن کر لوگوں سے اپنا فقر پوشیدہ رکھتا تھا،[1]

فارغ البالی کچھ دنوں کے بعد یہ تنگی جاتی رہی، اور اچھے دن آئے، مگر حضرت خواجہ نصیر الدین ان عسرت
بھرے دنوں کو یاد برابر کرتے تھے، دو دن کے فاقہ کے بعد ان کو جو روٹی اور ترکاری ملی تھی، اس کے مزے
کو یاد کر کے سر ہلاتے اور فرماتے سبحان اللہ یہ فقر بھی کیا نعمت ہے، اس کے دن اور آخر دنوں خوب ہیں
وہ کیا عمدہ دن اور پر ذوق زمانہ تھا، یہ کہہ کر روتے، گویا وہ ذوق پھر حاصل کر لیتے،[2]

فارغ البالی کے زمانہ میں مہمانوں اور مریدوں کے لئے دسترخوان پر اچھے اچھے کھانے ہوتے،
خود تو صائم الدہر ہوتے لیکن مہمانوں کو بڑے لطف و کرم سے لذیذ کھانے کھلاتے، کبھی کبھی کسی مہمان کی خاطر
افطار کر لیتے، ایک بار دسترخوان پر حلوے کی کئی قسمیں تھیں، ایک حاجی نے عرب کے کھانے بھی اس محفل
پر پیش کئے، حاضرین میں ایک صاحب نفل روزہ رکھے ہوئے تھے، حضرت خواجہ نے اُن کی خاطر افطار کر لیا،
اور یاروں کو خوب کھانے کی تاکید فرمائی،[3]

تلقین مہمانوں کو لذیذ کھانا کھلاتے وقت پند و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھتے، ایک بار دسترخوان
پر عمدہ پلاؤ تھا، حاضرین کو بڑی شفقت و محبت سے کھلا رہے تھے، دست مبارک سے پلاؤ برتنوں

---

[1] خیر المجالس مجلس ششصتم [2] خیر المجالس [3] ایضاً مجلس ہفتادوکم

مین ڈالتے جاتے، اور تاکید فرماتے یار و خوب کھاؤ، جب لوگ کھا چکے تو فرمایا کہ طعام حلال و طیب وہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت یہ خیال رہے کہ خدائے تعالیٰ دیکھتا ہے، خدا کے واسطے کھائے اور نیت کرے کہ جو قوت اس سے پیدا ہوگی، وہ طاعت و عبادت مین صرف ہوگی، تو وہ شخص عین عبادت و نماز مین ہوگا، فرمایا ایک دن صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے خدمتِ نبوی مین حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کھانا کھاتے ہین مگر ہمارا پیٹ نہین بھرتا، آپ نے فرمایا شاید تم تنہا کھاتے ہو، عرض کیا، ہان ہر شخص الگ الگ کھاتا ہے آپ نے فرمایا اب اکٹھا ہو کر کھایا کرو اور پہلے بسم اللہ کہا کرو اللہ تعالیٰ برکت دیگا،[۱]

ایک بار عید اضحیٰ کے دن بہت سے لوگ ملنے کو آئے، اُن کی خاطر دستر خوان بچھایا گیا جس پر اچھے کھانے اور اچھے حلوے تھے، حضرت خواجہ نصیر الدین نے اس موقع پر یہ حکایت سُنائی کہ ایک بار ایک درویش شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت مین حاضر ہوا، اُن کے سامانِ امارت مین بارگاہِ شاہی، طنابہائے ریشمی اور میخ ہائے زرین دیکھکر دل مین سوچنے لگا کہ یہ کیسی درویشی ہے، یہ تو کسی بادشاہ کو بھی میسر نہین، حضرت ابو سعید نے اُس کے خیال کو نورِ باطن سے معلوم کر لیا، اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے درویش ہم نے خیمہ کی میخ دل مین نہین نصب کی ہے، زمین مین گاڑی ہے، یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی مثال تیرے سایہ کی ہے، اگر اس کی طرف تو رُخ کرے، تو تیرے پیچھے ہوگا، اور اس کی طرف پشت کرے تو تیرے آگے ہوگا،

ایک اور موقع پر حضرت چراغ کے معتقدین آپ کے سامنے پالودہ (فالودہ) نوش کر رہے تھے حضرت نے حسب دستور پند و موعظت شروع کی اور فرمایا کہ ایک بار حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم قدس سرہ العزیز ایک بادشاہ کے حضور مین پیش کئے گئے[۲]، بادشاہ نے اُن کے لئے کھانا منگوایا، ایک آراستہ دستر خوان پر پہلے ان کے سامنے پالودہ کا پیالہ رکھا گیا، حضرت خواجہ ابراہیم نے پیالہ کو غور سے دیکھا، مگر اس مین سے

[۱] ...
[۲] حضرت ابراہیم بن ادہم ایک شہر کی مسجد مین مقیم تھے، رات کو دروازہ کھول کر باہر نکلے، چوکیدار نے چور سمجھ کر پکڑ لیا اور کوتوال نے بادشاہ کے حضور مین پیش کیا،

کچھ کھانا پسند نہ کیا، بادشاہ نے پوچھا پالودہ کو آپ دیکھتے ہیں لیکن کھاتے نہیں ہیں، حضرت خواجہ ابراہیم نے فرمایا، پالودے سے قیامت یاد آتی ہے، بادشاہ نے پوچھا کس طرح فرمایا، اس دن دو گروہ ہونگے، ایک پالودہ اور ایک آلودہ، فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر کا اشارہ اسی طرف ہے، جس نے اپنے آپ کو دنیا میں مجاہدہ، طاعت و عبادت میں پالودہ کیا، وہ تو بہشت میں جائینگے، اور جو آلودہ معصیت میں اُن کو آتشِ دوزخ میں پاک و صاف کرکے بہشت لے جائینگے، بادشاہ نے یہ سُن کر کہا کہ اے درویش آپ کی باتوں سے میرا دل حل گیا[۱]،

چراغ دہلی کا لقب رفتہ رفتہ حضرت خواجہ نصیر الدین کے رشد و ہدایت کی شہرت چاردانگ عالم میں پھیلی، جب حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری مکہ معظمہ تشریف لے گئے، تو وہاں کے شیخ امام عبداللہ یافعی سے ایک عرصہ تک تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، ایک موقع پر شیخ مکہ نے حضرت جلال الدین سے فرمایا اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اُٹھ گئے، تاہم اُن کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہے، اُن کی ذات بابرکات بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں، اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں، حضرت سید جلال الدین بخاری نے جب سُنا تو اُن کو حضرت خواجہ نصیر الدین محمود سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اور وہ مکہ معظمہ سے دہلی آئے، اور حضرت خواجہ نصیر الدین کی قدمبوسی کرکے شیخ مکہ نے جو کچھ کہا تھا اس کو بیان کیا، اسی کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب چراغ دہلی بھی ہوگیا اور اسی لقب سے مشہور ہوئے[۲]،

رشد و ہدایت مذہبی و روحانی استفادہ کے لئے ہندو بیرون ہند کے مختلف مقامات سے ہر طبقہ کے افراد آتے، اور حضرت چراغ دہلی حسب مراتب ان کی تربیت فرماتے،

ایک مرتبہ ایک صاحبِ علم بیعت کے لئے آئے، یہ ہدایہ، بزدوی اور کشاف پڑھ چکے تھے، بیعت کے

---

[۱] مجلس ہفتادم۔ [۲] سیر العارفین جلد دوم ص ۸۴

وقت حضرت چراغ دہلی نے ارشاد فرمایا جب کوئی طریقت مین داخل ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنی آستین چھوٹی کرے، دامن اونچا رکھے اور سر منڈائے، آستین چھوٹی کرنے سے یہ مراد ہے کہ اُس نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے، تاکہ اس کو مخلوق کے سامنے نہ پھیلا سکے، دامن اونچا کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اُس نے اپنا پاؤن قطع کر لیا ہے، تاکہ کسی ایسی جگہ نہ جا سکے، جو بری ہو، اور جہان معصیت ہوتی ہو، سر منڈانے کے یہ معنی ہین کہ راہِ حق مین اُس نے اپنا سر کاٹ لیا ہے، اور اس سے کوئی بات خلاف شرع ظہور مین آئے،[۵۱]

ایک بزرگ بیعت کے لئے آئے، جو نسباً سید اور جوہری بازار کے داروغہ تھے، حضرت چراغ دہلی نے کلاہ منگائی، دستِ مبارک بیعت کے لئے آگے بڑھایا، اقرار لیا، دوگانہ نماز پڑھوائی، نماز کے بعد مخاطب کرکے فرمایا، ہر بات مین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرنی چاہئے، اور تمہارے لئے اور ضروری ہے کہ تم آلِ رسول سے ہو، رسول کی متابعت دو چیزون مین ہے، جو کچھ خدا اور رسول نے کہا اس کو کرنا اور جس سے خدا اور رسول نے منع کیا اس سے بچنا، پھر فرمایا خرید و فروخت مین ہرگز جھوٹ بات زبان پر نہ لانی چاہئے، مثلاً ایک سیر پانچ درم کی خریدی ہوئی ہے، جب کسی خریدار کو اس کے لینے پر آمادہ دیکھے، تو یہ نہ کہے کہ مین نے چھ درم مین لی ہے، سات درم مین دونگا، اس سے کچھ برکت نہین ہوتی ہے، بلکہ نقصان ہوتا ہے، ہان اگر یہ کہے کہ پانچ درم ایک دانگ مین دونگا تو اس کے ایک درم مین برکت ہوگی، اور اس کا مال اس طرح بڑھے گا کہ اس کو خود خبر نہ ہوگی کہ کہان سے بڑھا،[۵۲]

ایک مرتبہ ایک عالم جو شمع مہانے سے آئے، حضرت چراغ دہلی نے پوچھا کہان سے آتے ہو، عالم نے کہا مہا ملے سے، جہان کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہین، اور وہان کی عورتین بھی ہمین سے بیعت رکھتی ہین، اور وہ مردون سے زیادہ صالح ہین، پھر پوچھا کیا شغل رکھتے ہو، عالم نے کہا لڑکون کو پڑھاتا ہون، فرمایا یہ عمدہ کام ہے، مطالعہ کتب مین مشغول رہنا اور دوسرون کو قرآن مجید پڑھانا اچھی بات ہے،

---

[۵۱] خیر المجالس پانزدہم [۵۲] خیر المجالس بست و ہشتم،

لیکن جو دوسروں کو کلام پاک پڑھائے اُس کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہئے[1]،

ایک درویش یمن سے آیا، حضرت چراغ دہلی نے اس کو اپنا پیراہن عطا کیا، اور اپنے پاس بٹھایا، درویش نے کہا آج میں نے خواب دیکھا تھا، کہ کوئی مجھکو پیراہن پہناتا ہے، اور کہتا ہے، یہ جامہ شیخ محمود کا ہے، اسی موقع پر مریدوں کو مہمان نوازی کی تلقین کی، اور فرمایا مہمانوں کی تعظیم و تکریم سے اُن کے دلوں میں یگانگت اور محبت پیدا ہوتی ہے[2]،

ایک مرتبہ ایک خاتون آئیں اور ایک شخص کی معرفت مرید ہونے کا پیام کہلا بھیجا، حضرت چراغ دہلی نے پانی کا ایک کوزہ منگوایا، اس کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ پڑھا، پھر اس میں اپنی انگشت شہادت ڈبوئی، اور اس شخص کو کوزہ دیکر کہا کہ اس کو خاتون کے پاس لیجاؤ، اُن سے سلام کہنا، اور کہنا کہ اپنی شہادت کی انگلی پانی میں ڈال کر کہیں کہ میں فلاں کی مرید ہوئی، اسی کے ساتھ خاتون کو یہ بھی کہلا بھیجا کہ وہ برابر نماز پڑھتی رہتیں اور ایام بیض کے روزے رکھیں، غلام و لونڈی کو نہ ستائیں نا رستی نہ کریں، اور انہوں اور بے کمانوں سے اخلاق سے ملتی رہیں[3]،

ایک مرتبہ ایک کاشتکار آیا، تو اس سے پوچھا کیا کرتے ہو، اس نے عرض کیا زراعت کرتا ہوں فرمایا لقمۂ زراعت اچھا لقمہ ہے، اور بہت سے کاشتکار صاحب حال گذرے ہیں، اس کے بعد ایک کاشتکار کی حکایت بیان فرمائی جس میں یہ نصیحت تھی کہ تخم ریزی کے وقت دل شاکر اور زبان ذاکر ہونی چاہئے، اسی سلسلہ میں فرمایا کوئی کام بغیر نیک نیت کے کرنا درست نہیں، اگر کوئی اس نیت سے نماز پڑھے کہ لوگ اس کو دیکھ کر نمازی کہیں تو اس کی نماز روا نہیں، اور بعض کے نزدیک وہ کافر ہو جاتا ہے کہ اس نے عبادتِ خدا میں اور کو بھی شریک کیا[4]،

ایک مرتبہ شاہ پور سے ایک بزرگ آئے، حال پوچھنے پر عرض کیا کہ قناعت و توکل کی زندگی

---

[1] مجلس سی و دوم ص ۵۰، [2] مجلس سی و ہفتم ص ۱۸۱، [3] مجلس چہلم [4] مجلس چہل و ہشتم،

بسر کرتے ہیں، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا ایک درویش کو چاہئے، کہ اگر اس پر فاقہ گذرے تو بھی اپنی حاجت غیروں سے نہ بیان کرے، اور اگر کوئی اس کے پاس آئے، تو اپنے منہ پر طمانچہ مار کر گالوں کو سُرخ کرلے کہ دیکھنے والا اس کے فقر و فاقہ سے مطلع نہ ہو، بیان کیا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ بیٹھے تھے، فرمایا ہے کوئی جو ایک بات کی ذمہ داری لے تاکہ میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری لوں، ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! وہ میں ہوں رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کسی سے کچھ سوال نہ کرنا، ثوبان رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو قبول کرکے کسی سے کوئی سوال نہ کرنے کا عہد کرلیا، ایک روز وہ گھوڑے پر سوار جارہے تھے کہ چابک ہاتھ سے گر پڑا، دوسرے سے اٹھا کر نہ مانگا، خود اتر کر اٹھایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے سوال کرنے سے منع فرمایا تھا، اس موقع پر حضرت چراغ دہلی کی مجلس میں ایک درویش نے پوچھا جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو منع کیا ہو وہ امر کیا اوروں کے لئے بھی لازم ہو جاتا ہے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا، ہاں سب کے حق میں حکم ممانعت ہوتا ہے[1]،

ایک درویش آیا اور کسی کے ظلم کی شکایت کی، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا تحمل سے کام لو اگر او رجفا کرے تو بھی معاف کردو کیونکہ ایک درویش کا یہی شیوہ ہوتا ہے[2]،

ایک جوان عرب آیا اُس نے ایک کنگھی نذر کی، حضرت چراغ دہلی نے دستِ مبارک سے شانہ دان اٹھا کر پرانی کنگھی نکالی، اور اس میں نئی رکھی، اور جب رکھ لی، تو حاضرین سے پوچھا کہ کنگھی پہلے کس طرف سے رکھی، پھر خود ہی فرمایا دندانوں کی طرف سے پہلے رکھنا چاہئے، کیونکہ وہ بالوں کی تفریق کا باعث بنے پس جو چیز باعث تفریق ہو اس کو دور رکھنا مناسب ہے[3]،

ایک مرتبہ عرب سے ایک عالم آئے، حضرت چراغ دہلی نے پوچھا کیا کام کرتے ہو، عرض کیا مقنع بافی کرتا ہوں، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا شیخ احمد نہروالہ رحمۃ اللہ علیہ بھی

---

[1] مجلس چہل و نہم [2] مجلس پنجاہ و دودم [3] ایضاً

نوربافی کیا کرتے تھے، کبھی کبھی کرگھہ پر کام کرتے ہوئے اُن پر ایسا حال طاری ہوجاتا کہ غائب ہو جاتے، اور جب موجود ہوتے تو کپڑا بنا ہوا تیار پاتے، اس کے بعد کچھ حکایتیں بیان کیں اور فرمایا کسب و ہنر کا لقمہ پاکیزہ ہے، ابدال اللہ جو کوہستان میں رہتے ہیں، پہاڑ سے لکڑی گھاس جنگلی دوائیں، پہاڑی میوے وغیرہ لاکر شہر میں بیچتے ہیں، اور کھانا مول لے کر واپس جاتے ہیں[1]،

حضرت چراغ دہلی اپنی مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک اور احادیث نبوی کی تعلیمات پر گفتگو فرماتے، ایک موقع پر فرمایا کہ لوگوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا ہے، اس پر عمل نہیں کرتے، اس لئے خراب و پریشان ہیں[2]، اور اس کا اعادہ بار بار کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قول اور فعل صادر ہوا، وہ سزاوار متابعت ہے۔ فرمایا ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے، جو خدا اور رسول نے فرمایا ہو، اس کی متابعت کرے، اور جس سے منع کیا ہے، اس کو ترک کرے[3]،

تارک نماز کے متعلق مریدوں کو ہدایت دی کہ اگر وہ محفل میں آکر بیٹھے تو اس کی تعظیم نہ کریں، اور سلام کے جواب میں علیک نہ کہیں، تاکہ اس کی اہانت ہو اور وہ شرمائے[4]، نہ صرف نماز بلکہ نماز باجماعت کی بھی سخت تاکید فرماتے تھے، خود بھی تمام عمر نماز باجماعت کے پابند رہے، ایک مجلس میں یہ حکایت بیان کی، کہ ایک بزرگ بڑے اچھے واعظ تھے، ان کے وعظ سے لوگ بکثرت تائب ہوتے، اور کپڑے پھاڑ کر بیہوش ہوجاتے، وہ بزرگ زیارت کعبہ کو تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر ان کا وعظ سننے کے لئے لوگ اور بھی ذوق و شوق سے جمع ہوئے، لیکن اُن کے وعظ میں پہلی سی تاثیر مطلق نہ تھی، لوگوں نے اُن سے کہا کہ زیارت کعبہ کے بعد ہم تو متوقع تھے، کہ وعظ میں صدگونہ تاثیر اور بھی بڑھ گئی ہوگی، وہ بولے، سفر حج میں مجھ سے ایک قصور ہوگیا تھا، جب ہی جان لیا تھا، کہ مجھ سے یہ نعمت چھین لی جائے گی، وہ قصور یہ تھا، کہ راستے

---

[1] مجلس نود و نہم، [2] مجلس سی و نہم [3] مجلس ہشتاد و یکم، بزرگو مجلس ہشتاد و ہشتم [4] مجلس پنجاہ و یکم، [5] مجلس پنجاہ و نہم،

مین مجھ سے ایک بار نماز باجماعت فوت ہوگئی تھی، یہ محرومی اسی شامت کی بنا پر ہے، اس حکایت کو بیان کرکے حضرت چراغ دہلی اس قدر روئے کہ حاضرین بھی رونے لگے، اور جب آنسو رکے تو فرمایا کہ لوگ جماعت مین بالکل نہین جاتے، ان کا کیا حال ہوگا، وہ کتنی نعمتون سے محروم رہتے ہونگے، اور پھر ایک اور حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ کے پاس لوگون کا ہجوم رہا کرتا تھا، بزرگ نے دل مین خیال کیا کہ خداوندا! مجھ مین نہ کچھ طاعت ہے، اور نہ عبادت ہے، پھر میرے پاس لوگون کا اژدحام کیون رہتا ہے، آواز آئی کہ اس کا یہ سبب ہے کہ تو جماعت مین شریک ہونے کی کوشش کیا کرتا ہے، اور اس خیال سے پریشان رہتا ہے کہ مبادا فوت نہ ہو جائے، یہ بات ہم کو پسند آئی، اور اسی لئے تجھکو یہ مقبولیت عطا کی[1]

نماز کے متعلق فرمایا یہ حضور قلب کے ساتھ پڑھی جائے۔ نماز کے وقت اعضاء کا قبلہ کعبہ شریف ہوتا ہے، اگر اعضا اس طرف نہ ہون تو نماز درست نہین ہوتی، اس طرح دل کا قبلہ ذات پاک حق تعالیٰ ہے، اگر دل اپنے قبلہ سے پھر جائے تو پھر یہ کیسی نماز ہوگی[2]

(باقی)

---

[1] مجلس شستم، [2] مجلس ہشتاد و ششم،

فیہ ما فیہ

ملفوظات مولانا روم جو ایک نایاب کتاب تھی، مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے مختلف نسخون سے مقابلہ کرکے اس کو مرتب کیا، اور معارف پریس اعظم گڈھ مین چھپوایا،

ضخامت :- صفحے، قیمت :- عار

تصوف اسلام جدید اڈیشن۔ قیمت عہ

"منیجر"

سنگِ شبام

یہود اور حمیر کی تاریخ کا ایک مشترکہ ورق

از

جناب مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

کتبِ سابقہ ہنود، یہود، نصاریٰ، غرض کسی پرانی ملت کے مقدس نوشتون پر نظر ڈالو، تو اُن مین برحق و دلکش باتون کے ساتھ کچھ ناپسندیدہ باتین بھی ملین گی، اس کی توجیہ قرآن مجید کے اندر خدا نے یہ کہکر فرمائی ہے کہ

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُوْلٍ	تم سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول یا نبی بھیجے،
وَلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ	اُن مین سے کسی نے جب بھی کوئی بات کہی
فِيْ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي	تو مخالف نے اس کی بات مین کچھ نہ کچھ ملا دیا،
الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ	اللہ اب مخالف کی ملاوٹ کو مٹاتا ہے، پھر
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝	اللہ اپنی آیتون کو بے آمیز کرتا ہے، اور
(حج)	اللہ دانا ہے دانشمند ہے،

توراۃ توراۃ کی موجودہ تالیف ایسی ہے کہ مدینہ کے یہود کی بابت خدا نے فرمایا:-

يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ	وہ کتاب کے ساتھ اپنی زبانین مروڑتے ہین

مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ — تاکہ تم اُسے بھی کتاب میں سے خیال کرو،
وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ وَمَا — حالانکہ وہ کتاب میں سے نہین ہے، اور
هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ وَيَقُولُونَ عَلَى — وہ کہتے ہین کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے،
اللهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ، — حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہین ہے اور
وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹا الزام
(آلِ عمران) — لگاتے ہین،

اس سے ظاہر ہے کہ اہلِ مدینہ توراۃ کے ایک حصہ کو ایک خاص لحن سے، اور دوسرے حصہ کو دوسرے لحن سے پڑھتے تھے، موجودہ توراۃ کو غور سے پڑھو تو زبان، گرامر، مضامین اور طرزِ ادا کے فرق اور تضاد سے پتہ چل جائے گا کہ کم از کم حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کتابون مین سے ہر ایک (الف، ب، جیم) تین مختلف متنون کا مخلوط مجموعہ ہے، یورپین محققین اسے تسلیم کرتے ہین میرے نزدیک ان مین سے ایک اصل کتاب اللہ ہے، اور دو مختلف روایات ہین جن کو جامع نے آیات کے پس و پیش اور درمیان بطور تفسیر کے رکھا تھا، اہلِ مدینہ کتاب اللہ اور زوائد کے فرق کو جان کر کتاب اللہ کو ایک لہجہ سے اور زوائد کو دوسرے لہجہ سے پڑھتے تھے لیکن کبھی کبھی علما مطلب کے موافق زوائد کو بھی کتاب اللہ کے لہجے مین پڑھ کر عوام سے اپنی مرضی منوایا کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ بھی کتاب اللہ مین سے ہے، اللہ تعالیٰ نے ان آیات مین علماے یہود کی اسی روش سے لوگون کو آگاہ کیا ہے، سورۂ حج کی آیت مین انھین غلط باتون کو خدا نے مایلقی الشیطان کا لقب دیا ہے، اور توراۃ انجیل اور زبور کی تمام بنیادی باتون کو آمیزشون سے پاک کر کے قرآن مین دہرایا ہے، اور بڑی حد تک ہم کو بائبل سے بے نیاز کر دیا ہے، چنانچہ خدا نے فرمایا ہے:

رَسُولٌ مِنَ اللهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُطَهَّرَةً — اللہ کا ایک رسول پاکیزہ صحیفے سناتا ہے،
فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ، (بینہ) — جن مین استوار کتابین ہین،

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں، کہ قرآن مجید میں کتب سابقہ کی ساری باتیں آگئیں، کیونکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ

یا اھل الکتاب قد جاءکم	اے اہل کتاب تمھارے پاس ہمارا رسول
رسولنا یبین لکم کثیرا مما	پہنچا جو تم کو کھول کھول کر بہتری باتیں بتا
تخفون من الکتاب ویعفوا عن	ہے جن کو تم چھپاتے ہو، اور وہ تمھاری
کثیر،	کتاب میں ہے اور بہت باتوں سے درگذر
(ع ۳۔ مائدہ)	فرماتا ہے،

اس سے ظاہر ہے کہ توراۃ، زبور، اور انجیل میں چند ایسی باتیں بھی ہیں، جو برحق اور من جانب اللہ ہیں مگر قرآن میں نہیں دہرائی گئی ہیں، ایسی باتوں میں جو آمیزش کلام غیر کی پائی جاتی ہے، ان کا سراغ لگانا سخت مشکل ہے،

اس سلسلہ میں مجھے ایک قدیم دستاویز مل گئی ہو جس کے نام کو میں نے مضمون کا سرنامہ بنایا ہے، اس سے توراۃ کی ایک ایسی ہی بات کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے، لیکن اس دستاویز کے ذکر سے پہلے توراۃ کے قصہ کو سمجھا دینا ضروری ہے،

توراتی قصہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

یا ایھا الذین آمنوا اذا جاءکم	اے مسلمانو! اگر تمھارے پاس کوئی بدگو
فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا	کوئی بری خبر لائے تو خوب پرکھ لیا کرو،
قوما بجھالۃ فتصبحوا علیٰ ما	ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم پر
فعلتم نادمین،	کوئی آفت ڈھادو۔ پھر اپنے کئے پر تم
(حجرات)	کو پشیمان ہونا پڑے،

اس آیت میں جو تعلیم دی گئی ہے، توراۃ میں اسی بات کی تعلیم یہ فرما کر دی گئی تھی کہ حضرت یعقوبؑ

فدان ارم سے واپس آئے، تو "شلم عیر شکم" کے سامنے ایک کھیت میں انھون نے اپنا خیمہ نصب کیا،

"اور لیاہ کی بیٹی دینہ بنت یعقوب اس دیس کی لڑکیون کو دیکھنے کے لئے باہر نکلی، ۞ اور اس

علاقہ کے رئیس حمور حوی کے فرزند شکم نے اس کو دیکھا، × × × × ۞ اور اس کا جی یعقوب کی

بیٹی دینہ سے لگ گیا، اور وہ اس سے محبت کرنے لگا، اور اس چھوکری کے دل کے اوپر بھی بولا

(۴) اور یعقوب نے سنا کہ اس نے اس کی بیٹی دینہ کو بے حرمت کر دیا، مگر اُس کے فرزند اس کے

جانورون کے ساتھ چراگاہ میں تھے، سو یعقوب اُن کے آنے تک خاموش رہا۔ (۵) اور یعقوب

کے بیٹے خبر سنتے ہی لوٹے اور وہ مرد نہایت برہم اور پر غضب تھے، کہ اُس نے بنت یعقوب کے ساتھ

سو کر اسرائیل کے ساتھ بُرائی کی، حالانکہ اُس نے ایسا نہین کیا تھا، (۷) اور تیسرے دن

× × × شمعون و لادی فرزندان یعقوب برادران دینہ نے اپنی تلوارین لین اور شہر پر آ پڑے

× × × (۳۰) اور یعقوب نے شمعون اور لادی سے کہا تم نے مجھے دکھ دیا ہے، اس سرزمین کے

رہنے والون کنعانیون اور فرزیون کے درمیان مجھے گھنونا کر دیا ہے ...... (۳۰) باب ۳۴ شمعون

اور لادی مین، تو (تیارے) سگے بھائی مگر ان کی تلواریان اُن کے ظلم کے ہتھیار ہین، (۵) اے

میری جان ان سے مجمع مین شامل نہ ہو، اے میرے دل اُن کے جتھے مین شریک نہ ہو، کیونکہ

اپنے قہر مین انھون نے خون بہایا، آدمی کا، اور کونچین کاٹین سانڈ کی، (۶) لعنت ان کے

غضب پر کہ تند تھا، اور اُن کے قہر پر کہ سخت تھا، مین ان کو یعقوب کے درمیان پراگندہ اور

اسرائیل کے درمیان تتر بتر کر دون گا (۷) باب ۴۹ تکوین،

ناظرین اگر اس عبارت کا توراۃ کے متداول ترجمہ سے مقابلہ کرین گے تو (۳) اور (۷) کے آخری

فقرون کو مختلف پائین گے، چونکہ جامع توراۃ نے ان آیتون کے درمیان جا بجا خلائین پیدا کر کے دو

روایتون کے فقرون کو جن مین سے ایک سرتاپا غلط ہے نقل کیا تھا اور چونکہ متن اور تفسیر کے اس نشان فارق کو جس سے مدینہ کے یہود واقف تھے اب معدوم کر دیا گیا ہے اس لئے فقرے سیاق اور سباق سورۂ یوسف اور اصل متن اور تفسیر زائد کے تضاد کو (۳) و (۷) کے ترجمہ بدل کر رفع کیا گیا ہے، سفر تکوین کے جامع نے اصلی قصہ کے اہم ترین جزو کو اس جگہ سے ہٹا کر وصایائے یعقوب مین لکھا ہے جس کی وجہ سے وہ آئینی ہدایت قطعاً گم ہو گئی جو کلام کا مقصود تھی، اور مقصود کلام کو گم کرنے مین اس غلط خبر کی آمیزش نے جسے حضرت یعقوب نے سُنا تھا، اور جسے وہ غلط باور کرتے تھے، اور بھی خدمت انجام دی ہے،

زوائد توراۃ | جامع تکوین نے ان آیتون کے آگے اور پیچھے اور بیچ مین جو باتین روایات کی مدد سے درج کی ہین، پہلے اُن کے صحیح حصہ کو پڑھئے،

"اور یعقوب فدانِ ارم سے چلا تو شلم عیر شکم کے پاس آیا، اور شہر کے باہر اپنا خیمہ نصب کیا (۱۸) اور جس کھیت مین اس کا خیمہ تھا، اسے حمور ابی شکم کے فرزندون سے سو قسیطہ پر خرید ا (۱۹) اور وہان ایک مذبح نصب کیا، اور اس کا نام رکھا، اَل الوہی یسرئیل (۲۰) ۳۳ب"

"اور شکم نے اپنے باپ حمور سے کہا کہ اس لڑکی کو میری جورو کے طور پر حاصل کیجئے (۴) اور شکم کا باپ حمور یعقوب سے باتین کرنے کو روانہ ہو، اور حمور نے کہا میرے بیٹے شکم کا دل تمھاری بیٹی سے اٹک گیا ہے، سو اُسے اس کے ساتھ بیاہ دو (۸) اور ہم سے سمدھیانہ کرو اور ہمین بیٹیان دو اور ہم سے بیٹیان لو، (۹) ہمارے ساتھ رہو سہو یہ زمین تمھارے آگے ہے، اس مین بسو اور ملکیت حاصل کرو اور تجارت کرو (۱۰) پھر اس لڑکی کے باپ اور بھائیون سے شکم نے کہا کاش مین تم لوگون کا منظور نظر ہو جاؤن، جو کہو تم کو دون (۱۱) جتنا عطیہ اور مہر چاہو تمھاری مرضی کے مطابق حاضر کرون مگر لڑکی مجھے دیدو (۱۲) یعقوب کے فرزندون نے شکم اور حمور کو ××× جواب دیا ××× (۱۳) اور کہا ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ اپنی بہن ایک نامختون کو دین

اس مین ہمارے لئے عار کی بات ہے، (۱۴) لیکن اس پر ہم تم سے راضی ہوجائین گے، اگر تم ہم جیسے ہوجاؤ، کہ تم مین سے ہر شخص اپنا اپنا ختنہ کرائے (۱۵) ایسا کروگے تو ہم تم کو اپنی بیٹیاں دین گے، اور تم سے بیٹیاں لین گے، اور تمھارے ساتھ رہین گے، اور ہم تم مل کر ایک قوم بن جائین گے (۱۶) (۳۴ تکوین)

غور کرو کتنا مربوط اور مسلسل کلام ہے، مگر یہ ارتباط (۵) اور (۷) کو حذف کرنے سے پیدا ہوا ہے، چونکہ جامع تکوین نے (۷) کی مکذوب کہانی کو بطور تفسیر قبول کرلیا ہے، اسلئے (۱۳) کے درمیان خلا پیدا کرکے ایسی تفسیر بڑھادی ہے جس سے یہ وعدہ جھوٹا ہوگیا لیکن یہ وعدہ جھوٹا نہ تھا، سچا وعدہ تھا،

حمور اور اس کے بیٹے سکم نے ان کی باتین پسند کین اور اس جوان نے اس بات کے کرنے مین دیر نہ کی، کیونکہ وہ بنت یعقوب کا شیدا تھا، اور اپنے باپ کے گھرانے مین سب سے عزت دار تھا، (۱۹) (۳۴ تکوین)

سکم نے بخوشی ختنہ منظور کیا اور نہ صرف اسی نے بلکہ اس کے اور حمور کے سمجھانے سے "جتنے لوگ اس کے شہر کے پھاٹک سے آمد ورفت رکھتے تھے، سب نے اپنا اپنا ختنہ کرایا (۲۴) (۳۴ تکوین)،

تیسرے زائد کا ناظرین کو اندازہ ہوچکا ہے، اس کے ذکر سے پہلے اشخاص کا تعارف کرا دینا ضروری ہے،

حمور حوری | حمور ابی سکم (حضرت دینہ کا خسر) جس شہر کا حاکم تھا، (۳۳: ۱۸) مین اس کا نام شلم عیر سکم ہے، لفظی ترجمہ اس کا ہے "سکم کا شہر شالم" یہ بادشاہ یا رئیس اسی طرح ملکی صدق ملک شالم کا گدی نشین تھا، جیسے حضرت ابراہیمؑ نے وہ یکی دی تھی، جس طرح حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ کے جانشین تھے، حضرت ابراہیم اپنے وقت کے نبی تھے (تکوین ۲۰: ۷) اور ملکی صدق خداوند تعالیٰ کے

کاہن تھے (تکوین ۱۴: ۱۰) کاہن کے لئے اگرچہ نبی ہونا ضروری نہین لیکن بائبل کی اصطلاح مین کاہن خود شارع نہونے کے باوجود شارع سے کچھ ہی فروتر ہوتا ہے، کاہن نبی نہ ہونے کے باوجود رب الافواج کا رسول ہوتا ہے، لوگون پر لازم ہے کہ کاہن کے منہ سے خداوند تعالی کی شریعت تلاش کرین کاہن کا فرض تھا کہ اپنے ہونٹھون مین شریعت کو محفوظ رکھے، (ملاکی ۲: ۷) جس معنے مین حضرت موسیٰ نبی تھے، اور جس معنی مین حضرت ہارون کاہن تھے، یعنی شریعت موسیٰ کو اپنے ہونٹھون مین محفوظ رکھتے تھے، اور لوگ ان کے منہ سے شریعت ڈھونڈتے تھے، اسی معنی مین جناب ملکی صدق شریعت ابراہیم کے شارح اور محافظ تھے حمورابی شکم کا یہ عہدہ تو نہ تھا، پھر بھی وہ ملکی صدق کے شہر کا فرمانروا اور ان کا سیاسی جانشین تھا،

حمورابی شکم کو تکوین ۳۴: ۲ مین حوی رئیس بتایا گیا ہے، اسی طرح ۳۶: ۲ مین صبعون حوری کو بھی حوری لکھا گیا ہے۔ ورابی شکم بھی حوری تھا، اور اس لئے وہ حضرت یعقوبؑ کی بھاوج ابلیبامہ اور الیفز بن عیسو کی بی بی تمنع کا قریبی رشتہ دار تھا، خاندان یعقوب کا وہ اب سے پہلے ہم قوم بن چکا تھا، صرف ختنہ کی کسر رہ گئی تھی.

اس قوم کا مورث اعلی حور تھا جس کو اہل مصر ایک دیوتا قرار دے کر پوجتے تھے، یہ دیوتا مصری افسانہ کے مطابق پونت سے آیا تھا، پونت مصری تحریرون کے مطابق ملک سبا یعنی جنوبی عرب کا نام تھا، جہان کے باشندے خود کو عموماً حمیر بن سبا کی اولاد بتاتے ہین.

حور یا اور حمیر | عربون کی روایت کے مطابق حمیر بن سبا کا ایک بھائی ایک زمانہ مین ملک مصر کا فرمانروا تھا، عربون کے اس برادر حمیر کو ہم مصری تحریر کے اس دیوتا حور کی نسل سے تطبیق دیکھتے ہین جس نے پونت (تورانی نوط) سے آکر دیوتا ست کو شکست دی تھی اور ملک مصر پر قبضہ کر لیا تھا، حور کوئی فرضی وجود نہین تھا، بلکہ جس طرح اہل مصر نے ہر فرعون کو رب اعلی قرار دے رکھا تھا اسی طرح نوحور بھی جن کو نو نوط بھی کہا جا سکتا ہے، اپنے ایک مورث کو دیوتاؤن مین شامل کر لیا تھا، پہلا انسان فرعون بنا نو حور

مین سے تھا، احمد بک کمال نے اپنی کتاب الحضارۃ القدیمہ مین بہت سے حوری بادشاہون کے علم کی شکلین دی ہین جن مین سے ایک کی صورت یون ہے کہ ایک چوکھٹے کے اندر ہیروغلافی حروف مین سے خم اب لکھا ہوا ہے اور چوکھٹے کے اوپر باز کی شکل ہے، جسے حور پڑھا جاتا ہے، چوکھٹا اس بات کی علامت ہے کہ وہ شخص اپنے وقت مین بادشاہ اور فرمانروا تھا، احمد بک کمال نے اس بادشاہ کا نام الملک سندا لکھا ہے، سندا اس کا غیر سرکاری نام تھا لیکن سرکاری نام اس کا حور خم اب تھا،

حمیر یا حمور | عبرانی شین دوسری سامی زبانون مین سین سے بدل جاتی ہے، اور کاف کا عبرانی تلفظ غیر مشدد ہونے کی صورت مین خ جیسا ہوتا ہے،

اب حور خم اب اور حمورابی شکم حدی کے ساتھ ساتھ بابل کے بادشاہ حمورابی فرزند سن مو بلیت فرزند عامل سن کے نامون کا مقابلہ حمیر ابو وائل کے نام سے کرو تم کو صرف ان نامون مین اتحاد خاندان کا سراغ ملے گا، اس کے ساتھ عربون کے اس قصہ پر بھی نظر رکھو کہ

> سبا اکبر نے بابل کو فتح کرنے کے بعد مصر کو فتح کیا، اور وہان کا حاکم اپنے بیٹے بابلیون کو مقرر کیا، سبا کے مرنے کے بعد حمیر بادشاہ ہوا جس نے بابلیون کی درخواست پر شام کو بھی فتح کرکے وہان والون کو اپنا باج گذار بنایا، اور اہل مصر کو بابلیون کی اطاعت پر مجبور کر دیا، اس کے مرنے کے بعد یمن مین وائل بن حمیر بادشاہ ہوا، اور بابل پر حسان بن حراشس بن عمیل نے قبضہ کر لیا، (تیجان ملخصاً)

اس بیان کا حاصل طرز بیان کے فرق کو حذف کرنے کے بعد یہی ہوا کہ باشندگان یمن کے ایک گروہ نے مصر پر حکومت کی یہ گروہ حمیر کا ہم خاندان تھا، اس گروہ کو ہم حور خم اب اور اس کے خاندان سے تطبیق دیسکتے ہین، ایک گروہ نے جو حمیر ہی کا ایک حصہ تھا، شام پر حکومت کی اسے ہم حمورابی شکم حوری کا خاندان قرار دیسکتے ہین، حمیر ابو وائل وہ گروہ ہے جو یمن ہی مین رہ گیا، وائل بن حمیر کے معاصر حسان کا دادا عمیل بن عابر قطعاً تاریخ بابل

کا عامل حسن ہے، اور حسّان (بڑا اچھا آدمی) حمورابی کا نام تھا، اس نام کا ترجمہ یہ ہے کہ حمور میرا باپ ہے، مین حمور کی نسل سے ہون،

حمیر اور حمور دونون ہم مادہ اور ہم معنی الفاظ ہین، دونون کے معنی ہین سرخ، حمورابی سکم حوری کے خاندان ہین حضرت عیسو بن اسحاق جا بسے تو ادوم (سرخ) کہلائے، فوط سے مصر مین بسنے والے حرشسو (اتباع حور) کی بابت احمد بک کمال نے لکھا ہے کہ ان لوگون کا رنگ سرخ تھا، اس خاندان کو اپنے رنگ پر بہت ناز تھا، اس رنگ کے سبب نام کو خوبصورت کا مرادف بنا لیا گیا تھا،

مذہب حمور | حمورابی سکم حوری کے خاندان کا وہ حصہ جو مصر پر حکومت کرتا تھا حضرت ابراہیمؑ سے پہلے بحیثیت حکمران گروہ کے ختم ہو چکا تھا، لیکن ملک شام مین اس خاندان کی آبادیان تھین اور ہر شہر بذات خود ایک سلطنت تھا، جن دنون حضرت ابراہیمؑ اس دیار مین آئے، کدرلاعمر وغیرہ بادشاہون نے حوریون کو اُن کے کوہ شعیر سے ایل فاران تک جو بیابان کے کنارے ہے مارا" (تکوین باب ۱۴) اس جنگ مین بنو حور کے ساتھ حضرت لوطؑ بھی شریک تھے جن کو دشمنون نے گرفتار کر لیا تھا، اس کی خبر حضرت ابراہیمؑ کو دی گئی تو وہ بھی شریک جنگ ہو گئے، اور دشمنون کو شکست فاش دیکر اور تمام اسیرون کو رہائی دلا کر واپس لوٹے (تکوین باب ۱۴) بنو حور کے ساتھ دو دو پیغمبرون کا اُن کی طرف سے شریک جنگ ہونا، بنو حور مین سے ایک کا حضرت ابراہیمؑ کی نظر مین محترم ہونا، اور ان مین حضرت یعقوبؑ کے بھائی بھتیجون کا بطور جزو قوم کے مدغم ہو جانا اس بات کا ثبوت ہے خاندان حمورابی سکم اور خاندان یعقوب مین پہلے سے مذہبی یگانگت تھی، صرف مختون اور نامختون ہونے کا فرق رہ گیا تھا، بنو حور حضرت ابراہیمؑ کے ہم قسم بھی تھے (تکوین باب ۱۴) اس بنا پر ہم کو باور کرنا چاہئے کہ (تکوین ۳۴:۷) کا فقرہ جس خبر کی تردید کرتا تھا وہ یقیناً غلط تھی اور یقیناً اس خبر کی تغلیط کے بعد حسب وعدہ برادران یوسف نے اپنی بہن کو سکم بن حمد کے ساتھ بیاہ دیا،

بنو سکم | اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام بطور غلام کے مصر مین بکتے ہین، ایک شخص

اُن کو خریدتا ہے جس کا قرآنی لقب العزیز ہے، توراۃ میں اس کا نام فوطیفر ہے (تکوین ۳۹:۱) کچھ دنوں
کے بعد حضرت یوسف خود العزیز ہو جاتے ہیں، اور ان کی شادی فوطی فرع کی بیٹی سے ہو جاتی ہے (تکوین ۴۱:۵)
ان کے خریدار اور خسر کے ناموں میں صرف ع کا فرق ہے، بہتوں کی رائے ہے کہ پہلے موقع پر

منشی نو کہ نوع را بطرز نو نوشت میں خطا کرد

فوطی فرع کے معنی ہیں نسل فوطا (لوپٹ) کا فرعون، یہ شخص اپنے زمانہ کا بادشاہ تھا، اور وہ
شخص جس کا ذکر قرآن میں ملک مصر کی حیثیت سے آیا ہے، گویا لارڈ کلایو تھا، فوطی خاندان یا بلفاظ دیگر
حور سخم اب کے گھرانے والوں کا آفتاب اقبال ڈوب چکا تھا، وہاں اب نہ کوئی حور حکومت کرتا تھا نہ حور
نہ ابوسکم حضرت یوسف کے عزیز مصر ہونے کے بعد خاندان بنو اسرائیل سارے کا سارا مصر چلا گیا، حضرت یعقوب
کے ساتھ جانے والوں میں حضرت دینہ بنت یعقوب بھی تھیں جن کے بطن سے پیدا ہونے والوں کا نام
بنو سکم تھا،

حضرت یوسف مصر کے بارہویں خانوادہ کے معاصر تھے، حضرت موسیٰ اٹھارہویں خانوادہ
کے، اور تیرہواں اور چودہواں خانوادہ درحقیقت ہمعصر اور ایک دوسرے کو نبرد آزما نوابوں کے گھرانے تھے،
جو معاصر تھے پندرہویں اور سولہویں خانوادے کے جن کو ہکسوس کہا جاتا ہے، سترہواں خانوادہ نام ہے اٹھارہویں
ہی خانوادہ کے اس دور کا جب وہ سولہویں خانوادہ یعنی پندرہویں خانوادہ کے دور آخر سے لڑ رہا تھا، حضرت
یوسف کے بعد ملک مصر چھوٹی چھوٹی کئی ریاستوں میں منقسم ہو گیا، اس دور میں مصر کے اندر جن لوگوں نے حکومت
کی ان میں سے چند کے نام احمد بک کمال کی کتاب حضارۃ القدیمہ سے ہم یہاں نقل کرتے ہیں،

خانوادہ	بادشاہ	نام
خانوادہ نمبر ۱۳	بادشاہ نمبر ا	سخم کاری،
خانوادہ نمبر ۱۳	" ۱۶	سخم خوتاوی سیک حتپ نمبر ۳
"	" ۲۱	سخم وز تویری " نمبر ۴

خانوادہ نمبر ۱۳	بادشاہ نمبر ۳۲	مرنخم ری ان رن،
″	″ ″ ۸۱	سخم...ری
″ نمبر ۱۴	″ ″ ۲۱	سخم ری
″ ″	″ ″ ۳۱	سخم ری
″ ″	″ ″ ۳۲	سخم ری
″ ″	″ ″ ۳۸	سخم حو یری

یہ نام بتاتے ہین کہ حور سخم اب یا حمورابی سخم حوری کی نسل پھر مصر مین برسر اقتدار آئی،

بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کے بعد پھر کسی سخم ری کا مصر مین سراغ نہین ملتا، لیکن ارض موعود مین بنی اسرائیل کے ساتھ جن لوگون کو حصہ ملتا ہے، ان مین بنی سکم بھی نظر آتے ہین،

"منسی بن یوسف کے پہلوٹے کمیر کو چونکہ وہ جنگی مرد تھا، جلعاد اور بسن ملے، باقی بنو منسی کو بھی ان کے گھرانے کے مطابق حصہ ملا، یوسف کے بیٹے منسی کے فرزند نرینہ یہ ہین، بنی ابیعزر بنی خلق، بنی اسری ایل، بنی سکم، بنی حضر، اور بنی سمدرع" (یوشع ۱۶:۲)

سفر یوشع کے جامع نے بنو سکم کو بنی منسی کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے بنو منسی مین گنا ہے، ممکن ہے کہ ان مین بنو شکم کے ایک ایک فرد کا مادری نسب منسی بن یوسف تک منتہی ہو گیا ہو، لیکن یہ لوگ شکم بن حمور اور دینہ بنت یعقوب کی اولاد سے تھے، چنانچہ سفر قضاۃ مین ہے کہ ابی ملک بن یرب بعل جدعون ابی عزری کے بعد جب کہ وہ بادشاہ ہوا، بنو شکم کا گورنر ایک شخص زبول کو مقرر کیا، اس پر جعل بن عبد نے کہا،

"کیا چیز ہے شکم اور کیا چیز ہے ابی ملک، ہم اس کی بندگی کیون کرین، کیا وہ یرب بعل کا بیٹا نہین ہے، کیا زبول اس کا منصبدار نہین ہے، تم لوگ حمور ابی سکم کے آدمیون کی بندگی کرو (قضاۃ ۹:۲۸)

اس سے ثابت ہے کہ خود بنو سکم اپنے آپ کو بنو منسی نہیں بلکہ بنو حمور ابی سکم کہتے تھے جعل بن عبد کے بھڑکانے سے بنو سکم نے بغاوت کر دی جعل بن عبد نے ابی ملک کو چیلنج دیا کہ اپنی فوجیں کثیر کر اور لڑنے کو آ (قاضیون ۹: ۲۹) چنانچہ جنگ ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ جعل بن عبد نے شکست کھائی، اور راہ فرار اختیار کی، (قاضیون ۹: ۳۹) ابی ملک نے شہر کو ڈھا کے خاک سیاہ کر دیا (۹: ۴۵) سکم کے برج میں جتنے لوگ تھے جل مرے، (۹: ۴۹) اس واقعہ کے بعد سے بنو سکم پھر بنو اسرائیل کے ساتھ نظر نہیں آتے،

یہ واقعہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ سے تقریباً ۱۵۰ برس پہلے کا ہے، اسی زمانہ میں بنو شکم کی اصل نسل کی بابت بنو اسرائیل کے تعصب نے (تکوین ۳۴: ۷) کی مکذوب خبر کو از سر نو شہرت دی، اور وہ خبر یہ تھی، کہ شکم اور دینہ کا ایک دوسرے سے جائز تعلق نہیں تھا، شکم کے ساتھ دینہ کی شادی نہیں ہوئی تھی، بلکہ واقعہ یہ تھا کہ شکم نے دینہ کو دیکھا تھا،

وتبقح اوتاہ، ویشکب اوتاہ — اور اسے لیا، اور اس کے ساتھ سویا، اور اس

ویعنہ، — پر جبر کیا، (۳۴-۲۱)

نکاح کی بات چیت جو ہوئی تھی، اور شہر والوں کے ساتھ فرزندان یعقوب نے جو وعدہ کیا تھا، وہ ان کا فریب تھا، (۳۴: ۱۳) اس فریب میں آکر سارے اہل شہر نے اپنا اپنا ختنہ کرایا، تیسرے دن جب سب مرد مبتلائے درد تھے شمعون اور لاوی نے شکم اور حمور اور سارے مردوں کو قتل کر دیا، دینہ کو اور خاندان حمور کی عورتوں و بچوں کو لوٹ لائے، اس پر حضرت یعقوبؑ نے اظہار ناراضی کیا، تو انھوں نے حضرت یعقوبؑ کو یہ کہکر قائل کیا، کیا اسے مناسب تھا کہ ہماری بہن کے ساتھ بازاری عورت کا سا برتاؤ کرتا، (تکوین ۳۴: ۲۵ تا ۳۱ ملخصا) جامع تکوین نے اس جھوٹے قصہ کو بھی بطور تفسیر آیتوں کے درمیان لکھ لیا، جہاں تک دو آدمیوں کے شہر بھر کو قتل کر دینے کی خبر کا تعلق ہے، اس ناممکن کو یوں ممکن بنایا گیا، کہ اس قصہ کو واقعہ ختنہ کے بعد رکھا گیا، لیکن سوال یہ ہے کہ عورتیں اور بچے کیوں نہ ان دو مردوں کے

ٹوٹ پڑے، علاوہ برین یہ بیان حضرت یعقوبؑ کے اس الہامی قول کے خلاف ہے کہ

ہر جو ایش	خون کیا ایک آدمی کا
وعقرو شور	کو نچین کاٹین (ایک) بیل کی،

اگر ایک سے زیادہ بیل اور آدمی کا انھون نے خون کیا ہوتا، تو اس مین ایش اور شور کی بجائے "شیم" اور "شوریم" ہوتا،

(۴۳:۲) کا فقرہ ویعنہ (اسے ستایا، اس پر جبر کیا،) (۳۴:۳) کے اس فقرے کے خلاف ہی کہ

و	یدبر	علْ	لب	ھنعرا
اور	بولا	اوپر	دل	چھوکری (کے)

ان دونون فقرون کے تضاد کو تبدیل ترجمہ کے زور سے دفع کیا گیا ہے، اردو اور انگریزی ترجمون پربحث کی چندان ضرورت نہین، (۳۴:۳) کے فقرے کا عربی بائبل مین ترجمہ کیا گیا ہے، لاطفہا "یعنی اسکے ساتھ مہربانی کی، حالانکہ اس کا لغوی ترجمہ یہ ہوسکتا تھا،

وتکلم علی قلب الفتاۃ

یا محاورہ قرآنی الفاظ مین اس کا ترجمہ کیا جا سکتا تھا،

و قد شغفہا حُبّا،

(اس عورت کے شغاف دل مین اس کی محبت بس گئی،)

اس کے ترجمہ مین تحریف تو کی ہی گئی (۳۴:۲) کے آخری فقرہ کی بھی ترجمہ مین اصلاح کی گئی، ویعنہ کا صحیح ترجمہ ہے اُسے دکھ دیا، یا اس پر جبر کیا، لیکن اس کا ترجمہ عربی مین (اذلہا) اور اردو مین (بے حرمت کیا اسے) کیا گیا ہے،

(۳۴:۲) کا پورا مضمون ۳۴:۷ کے اسی فقرہ کا ضد ہے کہ

و کین لا یعشہ

اور ایسا نہین کیا اُس نے

عشہ (کیا اُس نے) یعشہ (کرتا ہے وہ) واؤ عطف نے مضارع کو ماضی بنا دیا، عربی ترجمہ اس کا یہ کیا گیا ہے

و ھکذا لا یصنع

اور ایسا نہین کیا جاتا

اگر مراد یہی ہوتی تو یعشہ کی جگہ نعشہ ہوتا، ان آیتون مین تضاد کے پائے جانے سے یہ فیصلہ کرنا چاہئے تھا، کہ قصہ کا نامناسب جزء اصل کے برخلاف جھوٹی روایتون کا اضافہ ہے، لیکن چونکہ اس زمانہ تمیح کی بابت بھی مترجمین کا یہ عقیدہ ہے کہ

ھو من عند اللہ، وہ اللہ کی طرف سے ہے،

اس لئے بزور ترجمہ دونون کے تضاد کو رفع کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود کوئی مفسر توراۃ یہ نہین بتاتا کہ اگر شمعون اور لادی نے اس جرم کی پاداش مین جو شکم سے سرزد ہوا تھا،

ہرجوایش ایک آدمی کا خون کیا،

وعقروشور اور ایک بیل کو کاٹ دیا،

تو کون سا اخلاقی جرم کیا جس کی بنا پر حضرت یعقوب کی زبان وحی ترجمان ان دونون پر اتنا برہم ہوئی، کہ اُن کے فرقہ پر لعنت کی اور لوگون کو ان کے جتھے مین شرکت سے منع کیا، اور دونون کی نسل کو ہمیشہ بنی یعقوب مین بکھیرے رکھنے کی پیشین گوئی کی کہ یہ لوگ کبھی ایک مضبوط جتھا بن کر اپنی جداگانہ ہستی قائم نہ رکھ سکین گے،

اس اضافہ کے غلط ہونے کا سنگ شیام نہایت واضح ثبوت ہے، (باقی)

یحییٰ بن آدم اور ان کی کتاب الخراج

از

جناب مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

خراج اسلامی حکومت کی آمدنی کا ایک شعبہ ہے، اس کا قیام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ہو چکا تھا حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں اس میں کوئی خاص تغیر نہیں ہوا، حضرت عمرؓ نے البتہ حکومت کے دوسرے شعبوں کی طرح اس کو ایک حد تک منظم کیا، اور اس کے انتظام میں بہت سے تغیرات کئے، اس کے بعد برابر اس شعبہ میں اصلاح و ترقی ہوتی رہی، لیکن ڈیڑھ صدی تک اس کا کوئی مکمل تحریری دستور مرتب نہیں ہوا، ۱۷۰ھ میں جب ہارون خلیفہ ہوا، تو اس نے اس کام کی طرف توجہ کی، اور قاضی ابو یوسف سے اس موضوع پر ایک خاص کتاب لکھنے کی درخواست کی، انھوں نے اس مبارک کام کو اپنے ذمہ لیا، اور کتاب الخراج کے نام سے ایک کتاب لکھ کر ہارون کے سامنے پیش کی، کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب صرف خراج یعنی اسلامی زرعی ٹیکس سے متعلق ہوگی، لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ یہ کتاب اسلامی حکومت کی مالی آمدنی کا ایک مکمل دستور ہے،

امام ابو یوسف ہی کے زمانہ یا اس کے قریب قریب اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئیں جن میں یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج اور ابو عبید کی کتاب الاموال زیادہ مشہور ہیں،

اول الذکر یعنی امام ابو یوسف اور ان کی کتاب سے ہر خاص و عام واقف ہے لیکن ثانی الذکر مصنفین کی شخصیت اور ان کے کارناموں سے کم لوگ واقف ہیں، اس لئے اس مضمون میں انکی

دونون اماموں کے سوانح حیات اور ان کے علمی کارناموں کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

یحییٰ بن آدم | یحییٰ نام ابوزکریا کنیت، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے یحییٰ بن آدم بن سلیمان[۱] الاموی[۲] یحییٰ کے دادا سلیمان کا کوئی تذکرہ رجال کی کتابوں میں نہیں ملتا، ان کے والد آدم البتہ حدیث کے ثقہ راویوں میں ہیں، ابن سعد اور تہذیب[۳] میں ان کا تذکرہ موجود ہے، صحیح مسلم میں وکیع کی سند سے اُن کی ایک روایت بھی موجود ہے،

سنہ ولادت | اہلِ تذکرہ نے یحییٰ کے سنِ ولادت کی کوئی تصریح نہیں کی ہے، لیکن بعض قوی قرائن سے معلوم ہوتا ہے، کہ ۱۴۰ھ یا اس کے کچھ قبل یا بعد ان کی ولادت ہوئی، وہ قرائن یہ ہیں،

۱- تمام اہلِ تذکرہ متفق ہیں، کہ ان کی وفات ۲۰۳ھ میں ہوئی،

۲- اُن کے قدیم شیوخ میں مسعر بن کدام متوفی ۱۵۵ھ یا ۱۵۳ھ اور قطر بن خلیفہ متوفی ۱۵۵ھ ہیں، اس حساب سے ان کے اور یحییٰ کے سنہ وفات میں تقریباً ۵۰ برس کا فرق ہے،

۳- یہ بھی معلوم ہے کہ اس وقت تک بالکل چھوٹے بچوں کو سماع حدیث (حدیث سنانے) کا دستور نہیں شروع ہوا تھا، بلکہ جب وہ سن شعور کو پہنچ جاتے تب شیوخ انھیں اپنے حلقۂ درس میں

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۷۵، امام نووی نے آدم اور سلیمان کے درمیان علی کے نام کا اضافہ کیا ہے، جو عام تذکروں کے بیان کے خلاف ہے [۲] اموی نسبت ولائی ہے نسبی نہیں یعنی ان کے دادا آدم خالد بن خالد اموی کے غلام تھے، اس وقت یہ عام دستور تھا کہ غلام اپنے آقا کی نسبت کے ساتھ منسوب ہوتے تھے، اس طرح یحییٰ بھی غلامان اسلام کی فہرست میں داخل ہیں لیکن خود خالد اور ان کے باپ اور دادا کے متعلق اہلِ تذکرہ خاموش ہیں۔ خالد کا جدِ اعلیٰ عقبہ بن معیط جو رسول اللہ کی دشمنی میں مشہور تھا، بدر کے روز گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا، البتہ اس کے لڑکے ولید نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا۔ خالد کا مختصر تذکرہ ابن سعد نے کیا ہے، (ج ۶ ص ۲۷۳)

[۳] تہذیب جلد اول ص ۱۹۶،

لیتے تھے، اس لئے ظاہر ہے کہ مسعر بن کدام (م ۱۵۵ھ یا ۱۵۳ھ) وغیرہ سے سماع کے وقت کم از کم اُن کی عمر ۱۵ برس کی رہی ہوگی،

اس اعتبار سے اگر مسعر بن کدام کی وفات کا ۱۵۳ھ قرار دیا جائے تو وفات کے وقت یحییٰ کی عمر ۲۵ سال اور اگر ۱۵۳ھ قرار دیا جائے تو ۲۳ برس کی تھی، اس لئے ظاہر ہے کہ انکا سنہ ولادت ۱۳۰ھ یا ۱۴۰ھ قرار دینا پڑے گا، واللہ اعلم بالصواب،

تعلیم و تربیت | تذکروں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اُن کی تعلیم و تربیت کہاں اور کس کی نگرانی میں ہوئی، اور انھوں نے کیا کیا علوم حاصل کئے لیکن اُن کے شیوخ کی فہرست اور ان کی کتاب کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے خالص دینی علوم کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی تھی، اور اس کے حصول کے لئے تقریباً تمام علمی مراکز مثلاً مکہ، مدینہ، کوفہ، حمص وغیرہ میں پہنچے، اور خصوصیت سے قرآن، حدیث اور کسی حد تک فقہ میں بھی دسترس بہم پہنچائی،

اُن کے شیوخ کی فہرست میں حمزہ بن حبیب الزیات بھی ہیں جو علم قرأت کے امام ہیں، ان کے تلمذ کی وجہ سے قیاس ہوتا ہے، کہ شاید انھوں نے علم قرأت میں بھی کچھ دستگاہ بہم پہنچائی ہو۔

شیوخ کی فہرست | اُن کے شیوخ کے جو نام مل سکے ہیں، اُن کی تعداد ۵۰ ہے جن میں ۲۰ سے انھوں نے کتاب الخراج میں اور باقی سے دوسری کتابوں میں روایت کی ہے، ان کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں،

ابراہیم بن حمید بن عبد الرحمن الرؤاسی۔ ابراہیم بن حمید الزبرقانی التیمی، ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی، اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی، اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم بن علیہ، اسماعیل بن عیاش بن سلم العنسی الحمصی۔ ابو ایاس (عبد الملک بن جویہ)، ایوب بن جابر بن سیار الحنفی السحیمی الیمامی۔ ابو بکر ابن عیاش بن سالم الاسدی، ابو بکر بن النہشلی الکوفی، جریر بن عبد الحمید الضبی، جعفر بن زیاد الاحمر،

حاتم بن اسماعیل المدنی الحارثی۔ حیان بن علی العنزی الکوفی۔ حسن بن ثابت الثعلبی الاحول۔ الحسن ابن صالح بن صالح بن حی ابو عبد اللہ الثوری الکوفی۔ الحسن بن عیاش بن سالم الاسدی الکوفی، حسین بن زید بن علی بن الحسین۔ حفص بن غیاث بن طلق القاضی۔ حماد بن زید بن درہم۔ حماد بن سلمہ ابن دینار ابو سلمہ۔ حمید بن عبد الرحمٰن بن حمید الرواسی۔ زہیر بن معاویہ الجعفی الکوفی۔ زیاد بن عبد اللہ بن الطفیل البکائی، سعید بن سالم بن ابی الہیغار۔ سعد بن عبد الجبار الزبیدی الحمصی، سفیان بن سعید بن مسروق الثوری الامام۔ سفیان بن عیینہ بن ابی عمران الہلالی۔ سلام بن سلیم ابو الاحوص الحنفی الکوفی۔ ستان بن ہارون البرجمی۔ شریک بن عبد اللہ بن ابی شریک القاضی النخعی۔ الصلت بن عبد الرحمٰن الزبیدی، عباد بن العوام بن عمر، عبثر بن القاسم الزبیدی ابو زبید، عبد اللہ بن ادریس بن یزید الاودی۔ عبد اللہ بن المبارک، عبد ربہ بن نافع الکنانی ابو شہاب الحناط الاصغر۔ عبد الرحمٰن بن حمید بن عبد الرحمٰن الرؤاسی۔ عبد الرحمٰن بن ابی الزناد۔ عبد الرحمٰن القاری عبد الرحیم بن سلیمان المروزی الاشل۔ عبد السلام بن حرب بن سلم الکوفی۔ عبد الملک بن جریۃ ابو ایاس۔ عبدۃ بن سلیمان الکلابی۔ عبید اللہ بن عبید الرحمٰن الاشجعی۔ عتاب بن بشیر الجزری۔ عثمان بن مقسم البری۔ علی بن ہاشم بن البرید۔ عمار بن رزیق الضبی ابو الاحوص الکوفی۔ عمر بن ہارون الخراسانی البلخی۔ عمرو بن ثابت بن ہرمز بن ابی المقدام، فضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر التیمی۔ قران بن تمام الاسدی الوالبی۔ قیس بن الربیع الاسدی، مبارک بن فضالہ۔ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی صاحب ابی حنیفۃ۔ محمد بن خازم التیمی ابو معاویۃ الضریر۔ محمد بن طلحہ بن مصرف الیامی۔ محمد بن فضیل بن غزوان الضبی۔ مسعود بن سعد الجعفی الکوفی مفضل بن صدقہ الکوفی، ابو حماد الحنفی۔ مفضل بن مہلہل السعدی ابو عبد الرحمٰن۔ مندل بن علی العنزی الکوفی۔ منصور بن المعتمر السلمی ابو [illegible]۔ [illegible] المدنی۔ [illegible] بن عمر بن کلیب الیشکری

۔ ابن مبارک کے شیخ ہیں ۔ وضاح بن عبداللہ الیشکری ابوعوانہ ۔ وکیع بن الجراح بن ملیح الرواسی ۔ وہیب بن خالد بن عجلان الباہلی ۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ۔ یزید بن ابراہیم التستری ابوسعید یزید ابن عبدالعزیز بن سیاہ الاسدی الحانی ۔ یونس بن یزید بن ابی النجاد الایلی ۔

یہ ان شیوخ کی فہرست تھی ۔ جن سے انھوں نے کتاب الخراج میں روایت کی ہے ۔ کتاب الخراج کے علاوہ جن شیوخ سے روایت کی ہے ، ان کے نام یہ ہیں ۔

ابراہیم بن سعد بن ابراہیم الزہری ۔ بشر بن السری ابو عمرو الافوہ ۔ جریر بن حازم بن عبداللہ الازدی ۔ حسین بن علی بن الولید الجعفی ۔ حمزہ بن حبیب الزیات ۔ سعید بن سالم القداح ابوعثمان المکی ۔ عبداللہ بن عثمان البصری ۔ عبدالعزیز بن سیاہ الاسدی الحمانی ۔ عیسیٰ بن طہمان فضیل بن مرزوق الاغر ۔ قطر بن خلیفہ المخزومی الحناط ۔ قطبہ بن عبدالعزیز بن سیاہ ۔ مالک بن مغول بن عاصم البجلی ۔ محمد بن اسماعیل بن رجا الزبیدی الکوفی ۔ مسعر بن کدام بن ظہیر العامری ۔ موسیٰ بن قیس الحضرمی الفراء عصفور الجنۃ ۔ یونس بن ابی اسحاق السبیعی ۔

ان شیوخ میں بعض ایسے لوگوں کے نام بھی ہیں ۔ جو انہی کے اصحاب و احباب میں شمار ہوتے ہیں ، مثلاً حسن بن صالح جن سے انھوں نے تقریباً پچاس سے زاید دفعہ روایت کی ہے ۔ لیکن ابن حزم نے ان کو یحییٰ کے اصحاب میں شمار کیا ہے ،

محدثین کے دستور کے مطابق انھوں نے اپنے معاصروں اور چھوٹوں[1] سے بھی روایتیں کی ہیں ۔ بعض جگہ تو باپ اور بیٹے دونوں سے روایت کرتے ہیں ۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن حمید الرواسی سے بھی روایت کی ہے اور ان کے لڑکے حمید سے بھی اسی طرح عبدالعزیز بن سیاہ اور ان کے دونوں لڑکے یزید اور قطبہ سے روایتیں کی ہیں ،

---

[1] محدثین کو اگر اپنے اصاغر سے بھی روایتیں مل جاتی تھیں ۔ تو وہ روایت کر لیتے تھے ،

تلامذہ | یحیٰی کی روایات اور اُن کے تلامذہ کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا حلقۂ درس وسیع رہا ہوگا؛ لیکن اہلِ تذکرہ میں سے کسی نے بھی اُن کے درس و تدریس کے متعلق کوئی تصریح نہیں کی ہے، ان کے تلامذہ کی فہرست میں بعض بڑے بڑے ائمۂ حدیث مثلاً اسحاق بن راہویہ، یحیٰی بن معین بھی شامل ہیں، تلامذہ کی فہرست بہت لمبی ہے، ان میں سے چند نام درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے صحاح میں روایت موجود ہے،

احمد بن ابی رجا عبداللہ الہروی۔ احمد بن سلیمان الرہادی۔ احمد بن عمر الواقدی۔ احمد بن محمد بن حنبل۔ اسحاق بن ابراہیم البخاری۔ اسحاق بن راہویہ مشہور امام حدیث۔ بشر بن خالد العسکری۔ الحسن ابن علی بن عفان العامری۔ الحسن بن علی الخلال حافظ حدیث۔ الحسین بن علی بن الاسود العجلی۔ حفص بن عمر المہرقانی یہ ابن حاتم اور ابو زرعہ کے شیخ ہیں۔ سفیان بن وکیع بن الجراح۔ عباس بن حسین القنطری۔ ابوبکر عبداللہ بن ابی شیبہ۔ عبداللہ بن محمد المسندی۔ عبدالاعلیٰ بن واصل الاسدی۔ عبدالرحمن بن صالح الازدی۔ عبد بن حمید۔ عبدة بن عبداللہ الخزاعی الصفار۔ عبید بن یعیش المحاملی۔ عثمان بن ابی شیبہ۔ عصمة بن الفضل النیشاپوری۔ علی بن عبداللہ بن المدینی۔ علی بن محمد الطنافسی۔ محمد بن اسماعیل بن علیہ۔ محمد بن عبداللہ بن المبارک المخرمی۔ محمد بن رافع النیشاپوری۔ ابو کریب محمد بن العلاء الہمدانی۔ محمد بن عمر بن الولید الکندی۔ محمد بن الولید بن ابی الولید البغدادی۔ محمود بن غیلان المروزی۔ موسیٰ بن حزام مشہور فقیہ تھے۔ موسیٰ بن عبدالرحمن المسروقی۔ ہارون بن عبداللہ الحمال حافظ حدیث تھے۔ واصل بن عبدالاعلیٰ بن ہلال الاسدی۔ یحیٰی بن معین۔ جرح و تعدیل کے امام تھے۔

دربار سے بے تعلقی | یحیٰی نے تقریباً ۵ خلفاء منصور، ہادی، مہدی، ہارون، امین، مامون کا زمانہ پایا، لیکن ان میں سے کسی خلیفہ کے دربار سے انھوں نے اپنا تعلق قائم نہیں کیا۔ اور نہ حکومت کا کوئی عہدہ قبول کیا۔

علم و فضل | علم و فضل کے لحاظ سے یحییٰ ممتاز حیثیت رکھتے تھے، امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو طبقہ سابعہ میں شمار کیا ہے، جس میں امام شافعی، عبدالرحمٰن بن مہدی، ابوداؤد طیالسی وغیرہ ہیں۔

امام ذہبی نے علی بن المدینی سے جو ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ روایت کی ہے، کہ "حدیث کی سند کا مدار زیادہ تر چھ آدمیوں پر ہے، اہل مدینہ میں ابن شہاب زہری۔ اہل مکہ سے عمرو بن دینار اہل بصرہ میں قتادہ اور یحییٰ بن ابی کثیر، اہل کوفہ میں ابو اسحاق اور اعمش، پھر ان چھ کا علم ان بارہ آدمیوں میں پھیلا، اہل مدینہ میں امام مالک اور ابن اسحاق اور اہل مکہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ اور اہل بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ و حماد بن سلمہ و ابو عوانہ و شعبہ و معمر اور اہل کوفہ میں سفیان ثوری اور اہل شام میں امام اوزاعی اور واسط میں ہشیم، پھر ان ائمہ کا علم تین آدمیوں یحییٰ القطان، یحییٰ بن زکریا۔ اور وکیع بن جراح میں سمٹ آیا، اور پھر ان تینوں سے یہ امانت عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی اور یحییٰ بن آدم کی طرف منتقل ہوئی،[1]

یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ کثیر الحدیث اور بہت بڑے فقیہ تھے، اس لئے کہ ان کا ان سے زیادہ نہیں تھا، علی بن المدینی فرمایا کرتے تھے، کہ ان کے پاس علم تھا، ابو اسامہ فرماتے ہیں، کہ میں جب یحییٰ بن آدم کو دیکھتا ہوں تو امام شعبی یاد آجاتے ہیں، یعنی وہ امام شعبی کی طرح جامع العلوم تھے، ابن سعد، یحییٰ بن معین، ابو حاتم، ابن حبان وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، یحییٰ بن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں کہ ثقہ، صدوق، ثبت، حجۃ،[2] یحییٰ قابلِ اعتماد اور حجت تھے، ان کے علم و فضل کے متعلق ان ائمہ کی رائے سب سے بڑی سند ہے،

مسلک | ان کے زمانہ تک تحزب اور عامیانہ تقلید کا دور شروع نہیں ہوا تھا، اور نہ اس وقت محدثین اور فقہاء اپنے لئے اس لقب کو پسند کرتے تھے، بلکہ علماء قرآن اور حدیث و آثار کی روشنی میں اپنی مسیرت

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۳۰ [2] ایضاً ص ۳۳۰، تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۷۵،

مطابق فتوی دیتے تھے، اگر کسی مسئلہ میں وہ خود رائے قائم نہیں کر پاتے تھے، تو ائمہ میں سے جن کی رائے انھیں پسند ہوتی اس کو اختیار کر لیتے تھے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں تشنگان علم بغیر کسی عصبیت و تحزب و تعصب کے مختلف شیوخ سے سماع حدیث مختلف الخیال فقہا کی خدمت میں جا کر تحصیل فقہ کرتے تھے، اسلئے انکو راسخ تقلید و تنگ نظری پیدا نہیں ہونے پاتی تھی، امام محمد حدیث میں امام مالک کے شاگرد تھے، اسد بن فرات اور امام شافعی نے امام محمد سے فقہ کی تحصیل کی تھی۔ خود امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے درمیان علمی مذاکرے ہوتے رہتے تھے، امام احمد بن حنبل امام ابو یوسف کے شاگرد تھے، ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں،

یحییٰ بن آدم نے بھی مختلف الخیال محدثین اور فقہا سے تحصیل علم کی تھی ایک طرف وہ امام محمد سے روایت کرتے ہیں، دوسری طرف حسن بن صالح جن کو امام محمد سے شدید اختلاف تھا، خاص تلامذہ میں تھے، شاید یہی وجہ تھی کہ وہ کسی خاص امام کے مسلک کے پابند نہیں ہو سکے، اور نہ انھوں نے اپنی کتاب کو کسی خاص مسلک تک محدود رکھا۔ ان کے مسلک کے متعلق یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ان کا تعلق محدثین کی جماعت سے تھا۔ چنانچہ کتاب[1] میں جہاں جہاں عندنا یا عند اصحابنا یا جماعۃ من اصحابنا وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اس سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ مسائل میں ان کا نقطۂ نظر محدثانہ تھا،

---

[1] اس وقت تک دو مسلک حنفی اور مالکی رواج پا چکے تھے، یحییٰ اپنی کتاب میں دونوں میں سے ہر ایک کی کسی جگہ موافقت اور کسی جگہ مخالفت کرتے ہیں [2] ص ۱۷، ص ۱۲۵، اور ص ۱۲۷ میں اس کی تصریح موجود ہے

تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور اپنا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، قیمت :- ہے

"منیجر"

ادبیات

عیدِ قربان

از جناب سید محمود حسن قیصر امروہوی

اے مسلمان! ہو مبارک عید قربانی تجھے　　　یہ نشاطِ روح یہ تقریبِ ایمانی تجھے

نذر ہو تیری قبولِ بارگاہِ کردگار　　　جادۂ حق و صداقت پر رہے تو استوار

اے کہ تو ہے منزلِ عزم و عمل سے دور تر

عید قربان کے معانی سے نہین تو بہرہ ور

تو سمجھتا ہے کہ چہرہ کی بشاشت عید ہے　　　پان کی لالی مین ہونٹون کی طراوت عید ہے

عید کو سمجھا ہے تو ملبوس دیبا و حریر　　　عید ہے تیری نظر مین ایک جشنِ دلپذیر

مانگ چوٹی، عطر، غازہ، طرۂ تاج و کلاہ　　　عید قربان کا یہی مقصد ہے کیا اے کم نگاہ؟

کیا مذاقِ نغمہ و مے، لطفِ صحبت عید ہے؟　　　مہوشون کی بزم مین حرف و حکایت عید ہے؟

التفاتِ بت بہ طرزِ محرمانہ عید ہے　　　عشوہ و انداز و ناز دلبرانہ عید ہے؟

تو سمجھتا ہے شکوہ بادشاہی عید ہے　　　طنطنہ، نخوت، تبختر، کج کلاہی عید ہے؟

تندخوئی، تمکنت، عجب و تفاخر، برتری　　　سچ بتا! کیا عید ہے مردِ مسلمان کی یہی

عید اک انعامِ ایزد ہے مجاہد کے لئے!

بندگیِ حق کا اک تمغہ ہے عابد کے لئے!

بندۂ زر کے لئے توقیر و خلعت عید ہے — مردِ حق کو غازۂ خونِ شہادت عید ہے

مژدۂ نصرت، نوید کامرانی عید ہے — جرأتِ حق، عزم و ہمت کی جوانی عید ہے

آ دکھاتا ہوں تجھے اہلِ وفا کا حوصلا!

ہے منیٰ میں آج جشنِ عید قربانی بپا!

آ رہا ہے سر جھکائے ایک مردِ حق نیوش — رہبرِ عزم و طلب، غازی مجاہد سرفروش

شاد و خرم، مطمئن، بشاش، خندان، سرخرو — موجزن رخ پر نشاطِ کامرانی کا لہو

سرو قامت، نرم سیر، آہستہ رو، فرخندہ گام — پاک طینت، پاک باطن، پاک دل، نیکو مرام

رخ پہ گردِ راہ منزل غازۂ روئے حیات — ماتھے پر قطرے عرق کے آبروئے کائنات

صرصرِ باطل میں وہ ایمان کا تابندہ چراغ — شرک کی محراب میں اخلاص کا روشن ایاغ

پیاس سے سوکھے ہوئے لب ذکرِ حق سے تر زبان — قوتِ کونین بازو میں بظاہر ناتوان

حرفِ شکرِ حق زبان پر، ہاتھ میں تیغ و رسن — قلزمِ اخلاص کا سینہ میں طوفان موجزن

مرضیِ مولا کو تاجِ مکرمت سمجھے ہوئے — حکمِ ذبحِ لختِ دل کو مرحمت سمجھے ہوئے

ضبط کے ماتھے پہ ہمت نے شکن آنے نہ دی — بے تامل پھیر دی بیٹے کی گردن پر چھری

رہ گئے ششدر ملک، تھرّا اٹھے ارض و سما — غش ہوئے لوح و قلم، ہلنے لگا عرشِ خدا

ساحتِ تقدیس میں گونجی صدائے آفریں

جھک گئی عزمِ خلیلی پر دو عالم کی جبین

غزل

جناب شفیق صدیقی جونپوری

وہ سعیِ ضبط کبھی، آہ نا تمام کبھی — خدا دکھائے نہ دشمن کو بھی وہ شام کبھی

روان دوان ہے شب و روز قافلہ اپنا — ہوا نہ فیصلۂ منزل و مقام کبھی

چمن کے پھولوں میں بھی اب نہیں وہ رنگینی — تھے آشیانے کے تنکے بھی لالہ فام کبھی

یہ کہہ کے آخری محفل میں رو دیا ساقی — کہ پی لو آج سے ہوگا نہ دورِ جام کبھی

انہی کے ساتھ گئی ان کے شہر کی رونق — گلی گلی تھی معطر کنِ مشام کبھی

طواف خیمۂ محبوب کو زمانہ ہوا — وہ بھولتی نہیں وادی کی صبح و شام کبھی

ہزار بار گئی تا در حبیب صبا — نہ لے گئی دلِ بیمار کا پیام کبھی

مہک رہے ہیں ابھی تک مرے در و دیوار — بکھر گیا تھا وہ گیسوئے مشک فام کبھی

عجب طویل کہانی ہے اے مرے قاصد — کہ ساری عمر لکھوں خط نہ ہو تمام کبھی

نسیم صبح ہمارا سلام کہہ دینا — اگر ملے وہ نگارِ چمن مقام کبھی

کبھی کبھی وہ جگہ یاد آہی جاتی ہے — جہاں ہوئی تھی مری قافلے کی شام کبھی

ہم اجنبی نہیں اے ساکنانِ کوچۂ دوست — اسی گلی میں ہمارا بھی تھا قیام کبھی

سلام رہ گذرِ شوق کی ہواؤں کو — اسی طرف سے گیا تھا وہ خوش خرام کبھی

نہ میرے خانۂ ویران میں چاندنی آئی — نہ بن سکا کوئی جگنو چراغِ شام کبھی

خوشی گلے سے لگانے کو بار بار آئی — گیا نہ دل سے ترے غم کا احترام کبھی

شفیق سے بھی ہیں یارانِ میکدہ واقف
یہ پاکباز ہوا تھا شریکِ جام کبھی

باب التقریظ والانتقاد

ترجمان السنۃ

"از مولانا بدر عالم صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۵۹۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد بارہ روپئے، غیر مجلد دس روپیے، پتہ: ندوۃ المصنفین دہلی،

ندوۃ المصنفین دہلی بہت دنون سے اسلامی لٹریچر کی قابلِ قدر خدمت انجام دے رہا ہے حال مین ایک تازہ کتاب ترجمان السنہ شائع ہوئی ہے، اس کے مؤلف استاذ الحدیث مولانا محمد بدر عالم صاحب ہین، انھون نے موجودہ زمانہ کی ضروریات کو لحوظ رکھتے ہوئے، احادیث کی نئی تبویب فرمائی ہے، خدا ان کو جزاے خیر دے، اور دوسرے اہلِ علم کو اُن کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے، مصنف نے پیش لفظ مین نئی تبویب کی ضرورت بتاتے ہوئے ٹھیک فرمایا ہے کہ

> "اگر امام بخاری اس زمانہ مین ہوتے، تو اپنی مجتہدانہ شان، دقت رسی، دقیقہ سنجی، اور امت کی ضرورتون کے متعلق بیحد نبض شناسی اور دردمندی کی وجہ سے اپنے بابون ترجموں اور عنوانون کا رُخ جہمیت و اعتزال کی تردید کے بجائے یقیناً انھی مسائل کی طرف پھیر دیتے، جو ہمارے وقت کے الجھے ہوئے مسائل کہلاتے ہین،" (ص ۱۱)

یہ بالکل صحیح ہے کہ زمانہ کی ضروریات کے پیشِ نظر فقہ و حدیث کی نئی تبویب نہایت ضروری ہے، اسلام ہماری تمام مشکلات کو حل کرسکتا ہے، اور کوئی الجھا ہوا مسئلہ ایسا نہین ہے جس کے سلجھانے سے

احادیث شریفہ عاجز ہون ضرورت ہے کہ عہد حاضر کے مسائل اور شریعت دونون سے یکسان واقفیت رکھنے والے اصحاب صرف مسلمانون ہی کے مفاد کے لئے نہین بلکہ تمام عالم کی بھلائی کے لئے احادیث و فقہ کی ازسرنو ترتیب و تبویب مین فاضل مصنف کا ہاتھ بٹائین، یہ کام ایسا نہین ہے جس کو تنہا ایک شخص انجام دے سکے،

فاضل مؤلف نے پیش لفظ مین اعتراف کیا ہے کہ انھون نے احادیث کے قبول کرنے مین نہ اتنی وسعت اختیار کی ہے کہ احادیث موضوعہ تک اس مین شامل ہو جائین، نہ اتنی شدت برتی ہے کہ احادیث کا ذخیرہ تلاش کرنا مشکل ہو جائے، جن احادیث کو کسی معتمد محدث نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے، ان کو قبول کیا ہے،

مؤلف کا یہ اصول درست ہے اور اس کی معقولیت پر انھون نے جو دلیلین دی ہین، وہ بجا ہین لیکن یہ زمانہ شکوک اور شبہات کا ہے، اس لئے ہم کو قبول احادیث مین متکلمین کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے جو احادیث صحیحین سے ماخوذ ہین، ان کا حوالہ کافی ہے، لیکن ترمذی کی حدیثون کے ساتھ (رواہ الترمذی) لکھنا کافی نہین ہے، بلکہ ان پر امام ترمذی نے جو حکم لگایا ہے، وہ بھی نقل کرنا چاہئے تھا، اور کتابون کی احادیث کے متعلق یہ بتانے کی ضرورت نہین ہے، کہ اس کے حسن یا صحیح ہونے پر کس امام نے نص فرمائی ہے، امید ہے کہ آیندہ اشاعت کے وقت فاضل مصنف اس کو ملحوظ رکھین گے، چونکہ مقدمہ مین مؤلف نے عجلت کا ذکر کیا ہے، اس لئے یہ کوتاہی سردست قابل درگذر ہے،

صفحہ ۱۲ سے ۱۸ تک مؤلف نے حدیث افتراق امت کی اسناد اور اس حدیث کی صحت کے معنوی قرائن پر نظر ڈالی ہے، اس باب مین جو کچھ لکھا ہے، وہ قابل قدر ہے، اس سلسلہ مین ص ۳۰ پر ابو واقد لیثی کی ایک حدیث کا ترجمہ دیا ہے، اس مین غالبًا طباعت کی غلطی سے حدیبیہ کی جگہ خیبر چھپ گیا ہے، چونکہ مؤلف نے حدیث کا حوالہ اس جگہ نہین دیا ہے، اس لئے ہم تحقیق نہ کر سکے، کہ یہ غلطی طباعت کی ہے، یا کسی روایت ہی مین حدیبیہ کے بجائے خیبر ہے، اگر اصل روایت مین خیبر ہے، تب بھی حاشیہ مین اصلاح ضروری تھی کیونکہ جس درخت کا ذکر ہے، وہ ذات انواط کہلاتا تھا، اور مکہ اور

حدیبیہ کے درمیان واقع تھا نہ کہ مدینہ اور خیبر کے درمیان،

ص ۲۳۴ سے ۲۴۳ تک مصنف نے لفظ اختلاف کی توضیح فرمائی ہے، پھر ص ۲۴۰ تک فرقہ ہائے مختلفہ کی تعیین کی سرخی کے ماتحت یہ بتایا ہے کہ ان فرقون کی کسی حدیث مین تعیین نہین کی گئی ہے، صفحہ ۲۵۹ سے ۲۶۱ تک فرقہ ناجیہ کی تعیین فرمائی ہے لیکن ان باتون کا ذکر مقدمہ کے بجائے، وہان ہونا چاہئے تھا، جہان اصل مجموعہ مین یہ حدیث ہے، ص ۲۶۶ سے ص ۲۹۰ تک حجیت حدیث پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے، جہان تک مسلمانون کا تعلق ہے، یہ تبصرہ اُن کے لئے یقیناً مفید ہے، اور ان متشککین کے خیالات کی اصلاح کے لئے کافی ہے، جن پر بعض منکرین حدیث کی تحریرون نے اثر ڈالا ہے لیکن ہمارے خیال مین حجیت حدیث کے منکرون کو سمجھانے کے لئے اس تصور کے ساتھ بحث کا آغاز نہین کرنا چاہئے، کیونکہ یہ ایک اندرونی فتنہ ہے، جو ہمارے افراد کے دلون سے ابھرا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے بعض اہل قلم نے ہمارے قدیم علماء جرح وتعدیل کی شدید نکتہ چینیون سے غلط فائدہ اٹھا کر سرے سے مسلمانون کی تمام روایات کو خود مسلمانون کے اعتراف کی سند سے ناقابل تسلیم قرار دیا، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانون کا اصول روایت اور خبرون کے قبول ورد کے اصول کو ایک سائنس کی صورت مین پیش کیا جائے، اور یورپ اور دیگر اقوام کی تاریخین جس پایہ کی خبرون سے مرتب کی گئی ہین، ان سے مقابلہ کرکے دکھایا جائے کہ احادیث مقبولہ کی صحت کا جو معیار ہے وہ تو الگ ہے، جن احادیث کو منکر اور بے اصل کہا جاتا ہے، اُن کے معیار پر بھی اگر غیر اقوام کی تاریخ کے مسلمات کو تولا جائے، تو اُن کا ایک بڑا حصہ کالعدم ہو جائے گا، ان مین بہت کم تاریخی واقعات ایسے ملین گے جن کی سند مسلسل شریک واقعہ تک پہنچائی جاسکے مثلاً یہ بات تو اسلامی معیار پر ثابت ہو سکتی ہے کہ سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا، کیونکہ وہ متواتر خبر ہے، باقی اس کی تفصیلات مجہول راویون کے بیانات ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول قرار پائین گی، ہماری احادیث کی حجیت کو مسترد کرنے کے بعد اقوام عالم کو اپنا تمام سرمایۂ سلف مسترد کر دینا ہوگا، حجیت حدیث کے خلاف، جتنی باتین کہی جاتی ہین، وہ سب تطویل کلام ہین، اصل حقیقت

صرف یہ ہو کہ منکرین حدیث ان علماے مغرب سے متاثر ہیں، جو نامعلوم ماضی کے نامعلوم نقاشوں کے کندہ کئے ہوئے کتبات اور افسانوں کو سلجھا کر ان کے اندر سے برآمد کئے ہوئے معلومات سے تو ماضی بعید کی تاریخی صداقتیں پیش کرتے ہیں، مگر اُن کے نزدیک مسلمانوں کی روایت محض روایت ہے،

صفحہ ۱۹۳ سے صفحہ ۲۱۰ تک اسلام میں تنقید و تبصرہ کی توضیح ہے، اس باب میں مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ قابلِ تحسین ہے لیکن کاش مولف نے حجیت حدیث اور خبر واحد پر جتنا وقت صرف کیا ہے، اتنا ہی نقد و تبصرہ پر بھی صرف کرتے، اسی چیز کو زیادہ پھیلا کر بیان کرنے کی ضرورت تھی، خبروں کے رد و قبول کا جو آئین قرآن و حدیث اور عقل و استدلال سے مسلمانوں نے مرتب کیا ہے، اس کو نئے پیرایہ میں پیش کرنا ضروری تھا، اس سے ہماری روایات کا درجۂ اعتماد لوگوں کو معلوم ہوتا، روایات اور بیانات کے قبول و رد کا اسلامی آئین ہم بالکل بھول گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ ستھرا جھوٹ بول سکتا ہو اُسے شہرت دیسکتے ہیں، اسی قدر زیادہ کمامیابی کے ساتھ تو وہ کل قوم کو اپنی راہ پہ لگا دیتا ہے، علماے اسلام کا اقوام عالم پر بڑا احسان ہوگا، اگر وہ اپنی اس میراث کو صرف اپنی ملک قرار دینے کی بجائے وقفِ عام کر دیں، اور خبر و اثبات کے قبول و رد کے آئین کو معقول دلیلوں سے مزین کرکے دنیا کے سامنے پیش کر دیں،

ص ۲۱۹ سے ۲۲۷ تک فقہاے اربعہ اور کچھ محدثین کے تذکرے ہیں، اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، سب سے پہلے کتاب التوحید کے ماتحت ۰ ۹ حدیثیں نقل کی گئی ہیں، اور ہر حدیث کا اردو ترجمہ بھی ہے، حاشیہ پر متعدد حدیثوں کے اہم نکات کی تشریح کی گئی ہے، اس کے بعد ایمان بالرسول سے متعلق احادیث ہیں (ص ۲۲۴)، کتاب الایمان میں اگر آمنت باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ کی ترتیب ملحوظ رکھی جاتی تو زیادہ بہتر ہوتا، خاتم النبیین کے ذکر سے پہلے انبیاء کا مختصر ذکر مناسب تھا، موجودہ زمانوں کی بحثوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ختم نبوت پر دلالت کرنے والی حدیثوں پر مولف نے خاص توجہ دی ہے، اور حواشی میں مقدور بھر اختصار کے ساتھ اُن کی عمدہ شرح کی ہے،

اس باب کی حدیث نمبر ۹۰ کے نیچے عربی میں جو تبصرہ ہے، اس کا ترجمہ اردو میں ہونا چاہئے تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تبصرہ کا اضافہ مؤلف نے عین طباعت کے وقت کیا ہے، اس بحث میں ترمذی والی حدیث تو میرے نزدیک صحیح ہے، یہ واقعہ ہے کہ بعض عرب بعض رسول بن جا سکتا ہے، مگر بیہقی والی حدیث کی صحت پر مجھے شک ہے، لیکن یہ صرف میری اپنی راے ہے،

حدیث نمبر ۹۴ کے ترجمۂ الباب کے مفہوم سے تو نہیں مگر لفظاً ارتکاب العاصی لاینا فی محبۃ اللہ و رسولہ" سے اختلاف کی گنجایش ہے، شروع شروع میں جب شراب حرام ہوئی تھی، تو شراب کے پرانے عادی بھولے سے شراب پی لیتے تھے، پھر خود ہی اپنے کو سزا کے لئے پیش کرتے تھے، ان کا نسیان "لمم" کی قسم میں داخل تھا نہ کہ عصیان اور نافرمانی کی قسم میں، اس کے باوجود مصنف کو اپنی راے کی آزادی کا حق ہے،

ختم نبوت کی حدیث کے بعد مؤلف نے (صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی التوراۃ) کے ماتحت چند حدیثیں نقل کی ہیں، ظاہر ہے کہ اس قسم کی حدیثوں کے صحیح مخاطب اہل کتاب ہیں، ہم مسلمانوں کا ایمان بالنبی الامی توراۃ اور انجیل کی بشارتوں پر مبنی نہیں ہے، بلکہ کتب سابقہ اور انبیاے سلف پر ہم جو ایمان رکھتے ہیں وہ آخری کتاب اور آخری رسول پر ایمان کا نتیجہ ہے، مؤلف کو چونکہ ضروریاتِ زمانہ کا احساس ہے اسلئے ہم کو توقع تھی کہ حاشیہ میں ان احادیث کی تصدیق بائبل سے دکھائی ہوگی لیکن حاشیہ اتنا تشفی بخش نہیں ہوسکتا، کہ ایک غیر مسلم اُن احادیث کی صداقت کا قائل ہوسکے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ ابن العاص اور کعب بحبی کے اقوال جن سے ان ابواب کا آغاز کیا گیا ہے، بائبل کے کسی ایک صحیفہ میں یکجا نہیں ملیں گے، ان اقوال میں متعدد صحیفوں کے مجموعی مضمون کا خلاصہ مذکور ہے،

ایسی حدیثیں جن کا مقصد حجیت حدیث کے منکروں کو قائل بھی کرنا ہے، اگر کسی کتاب میں لکھی جائیں تو اُن کے مطابق واقعہ ہونے کا ثبوت بھی دینا چاہئے،

اس کتاب کی ترتیب، ترجمہ، اور تشریح میں مؤلف نے کافی محنت، دماغ سوزی اور خلوص سے

کام لیا ہے، میں نے جو چند شعر دیے ہیں، اُن سے کتاب کی خوبی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مسلمانوں کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

مرآۃ الشعراء

ا-ع

مرتبہ جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۰۰ صفحے، کاغذ سپید کتابت وطباعت معمولی قیمت مجلد دس روپے، پتہ شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور۔

مصنف اردو زبان کے پرانے اور مشہور خدمت گذار ہیں، شعرا اردو کی تاریخ پر سیر المصنفین ان کی معروف ومقبول تالیف ہے، اب انھوں نے مرآۃ الشعراء کے نام سے، اردو شاعروں کا تذکرہ مرتب کیا ہے، اردو میں تذکروں کی کمی نہیں ہے، پرانے تذکروں کو چھوڑ کر آب حیات، گل رعنا، شعر الہند، تاریخ ادب اردو سکسینہ، اور خمخانہ جاوید جدید دور کے مشہور تذکرے ہیں، حیدرآباد میں دکنی شعرا کے مستقل تذکرے لکھے گئے ہیں، ان کے علاوہ درسی ضرورت کے لئے اردو نظم ونثر کی متعدد مختصر کتابیں لکھی گئی ہیں، اس طرح اردو شاعری پر معلومات کا کافی وافر ذخیرہ فراہم ہوگیا ہے، تاہم اس موضوع پر تلاش وتحقیق کا سلسلہ برابر جاری ہے، اور ہر تذکرہ نگار کا ذوق اور نقطۂ نظر جدا ہوتا ہے اس لئے اس موضوع پر لکھنے کی گنجائش باقی ہے، مصنف کی تحریر کے مطابق اُن کے تذکرہ کی خصوصیات یہ ہیں،

"اس میں بہت ایسے شعراء کا اضافہ ہے، جو تذکروں میں جگہ پانے کے لائق تھے، لیکن گذشتہ تذکرہ نگاروں نے کسی سبب سے ان کو نظر انداز کر دیا، شاعروں کے حالات مختصر بیان کئے گئے ہیں، لیکن ان کے کلام پر کافی بحث ہے، اور اُن کی خوبیاں اور برائیاں من وعن ظاہر کی ہیں، اور ان کا پورا کلام پڑھنے کے بعد ان کے بہترین شعر آخر میں درج کئے ہیں، اور ذوق کے لحاظ سے بھی گذشتہ تذکروں کی ترتیب سے فرق ہو گیا ہے۔"

تذکرہ کے شروع میں اردو زبان کی مختصر تاریخ اور اردو شاعری کے اصناف پر نقد وتبصرہ ہے،

اس کے بعد اصل تذکرہ شروع ہوتا ہے جو ولی دکھنی سے شیفتہ تک چھ دورون، اور ہر دور دو طبقون اول و دوم مین تقسیم ہے، ہر دور کے شعراء کے مختصر حالات ان کے کلام کی خصوصیات اور ان کے محاسن معائب پر تبصرہ اور اشعار کا انتخاب ہے، ہر دور کی شاعری کی خصوصیات بھی تحریر کی گئی ہین، جس سے اردو شاعری کے عہد بعہد کے تغیرات وخصوصیات اور ترقی کی تاریخ سامنے آجاتی ہے، اردو زبان کی تاریخ کے سلسلہ مین مصنف نے کوئی نئی بات نہین پیش کی ہے، بلکہ ان تمام معلومات کو جو اب تک حاصل ہو چکے ہین، سلیقہ کے ساتھ مرتب کر دیا ہے، شعراء کے کلام کی خصوصیات اور تنقید مین اپنے ذوق سے بھی کام لیا ہے، اور گذشتہ تذکرہ نگارون کی رایون سے بھی استفادہ کیا ہے، اردو شاعری کی تنقید مین اس کے وہ نقائص جو مولانا حالی نے مقدمہ مین لکھے ہین، یا نئے طبقہ کی جانب سے اس پر جو عام اعتراض کئے جاتے ہین، انہی کو خفیف ردّو بدل کے ساتھ دہرا دیا ہے، مثلاً اردو شعراکے دل قوم کے درد سے اور اسلامی اخوت سے خالی تھے، انھون نے قوم کو زندگی کا کوئی پیام نہین دیا، اردو شاعری محض فارسی کی نقالی ہے، بے مقصد ہے، ولی اور اُن کے متبعین نے رنگین طبیعتون کو بوالہوسی کا پیغام دیا، جس کی بنا پر محمد شاہ اور پوری قوم عیش پرستی مین مبتلا ہو گئی، اور تغزل اور قصیدہ نگاری نے ارکان حکومت کو فکر سلطنت سے آزاد کر دیا، اور تمام قوم مین تغزل سرایت کر دیا، شاعری کو سوسائٹی کا تابع نہ ہونا چاہئے، بلکہ اسکی اصلاح کرنی چاہئے، مسلمانون کی تباہی کا سبب غزل سرائی ہے، اس لئے غزل کو ترک کر دینا چاہئے، اور مثنوی اصلاح کے ساتھ قصیدہ اور مثنوی کو ترقی دینا چاہئے، اور خیالات مین مغربی شاعری کی تقلید کرنی چاہئے (ملخصاً)

اور اعتراضات بھی اسی قبیل کے ہین، یہ اعتراضات صحت سے خالی نہین ہین، لیکن ان مین غلط مبحث زیادہ ہے، اس مین کوئی شبہہ نہین کہ پرانی اردو شاعری مین بعض نقائص ہین، جن کا مصلحین ادب کو عرصہ سے احساس ہے، اور اب ان کی اصلاح بھی شروع ہو گئی ہے، اور اس کی خامیان دور ہو چکی ہین اور

ابھی بعض نقائص باقی ہیں جن کی اصلاح خود حالات کر رہے ہیں، لیکن مصنف کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ "ولی اور ان کے تبعین کے پیام بوالہوسی سے محمد شاہ اور پوری قوم عیش پرستی میں مبتلا ہوگئی اور تغزل اور قصیدہ نگاری نے ارکان حکومت کو فکر سلطنت سے آزاد کر دیا اور مسلمانوں کی تباہی کا سبب غزل سرائی ہے"۔

درحقیقت تغزل یعنی عاشقانہ جذبات سے دنیا کی کسی قوم اور کسی زبان کی شاعری خالی نہیں بلکہ یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ اسی جذبہ نے شاعری کو پیدا کیا، یا کم از کم اس کو ترقی دی، یہ اور بات ہے کہ مختلف زبانوں کی شاعری میں اس کے اظہار کے طریقے مختلف ہوں، ولی اور اُن کے تبعین کے پیام بوالہوسی اور قصیدہ و غزل کے اثر سے محمد شاہ اور مسلمان قوم عیش پرستی میں مبتلا نہیں ہوئی، بلکہ اس سے بہت پہلے مبتلا ہو چکی تھی، تغزل اور قصیدہ نگاری سے نہ ارکانِ حکومت فکر سلطنت سے آزاد ہوتے ہیں، اور نہ کوئی قوم عیش پرستی میں مبتلا ہوتی ہے، اس کا سبب غفلت وجمود، بے عملی اور دوسرے طبعی اسباب ہوتے ہیں، مصنف کا یہ نظریہ تو تاریخی واقعات کے سراسر خلاف ہے، یہ مصنف کو تسلیم ہے کہ اردو شاعری تمامتر فارسی شاعری کی نقل ہے، اس لئے یہی اثرات فارسی شاعری اور تغزل کے بھی ہونے چاہئیں، حالانکہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کی شاعری کی اصلی ترقی کا زمانہ جو زیادہ تر قصیدہ اور غزل و نسیب پر مشتمل ہے، وہی ہے، جو اسلامی حکومتوں کے عروج کا ہے، بلکہ مسلمان حکمرانوں ہی کی قدردانی سے شاعری کو فروغ حاصل ہوا، بنی اُمیہ کے عہد سے لے کر تیموریوں کے خاتمہ تک تمام مسلمان حکمران خاندان اور انکے بیشتر فرمانروا خود بھی شعر و ادب کا ذوق رکھتے تھے، اور شاعروں کے قدردان اور سرپرست تھے، عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے تمام نامور شعراء اخطل جریر و فرزدق سے لے کر ابن الرومی، بحتری، ساجی، اور ابن العلاف تک اور رودکی اور دقیقی سے لیکر غنی کاشمیری اور ناصر علی سرہندی تک اپنے اپنے زمانہ کے سلاطین کے درباروں سے وابستہ یا کم از کم اُن کی فیاضیوں سے بہرہ یاب تھے، حتی کہ حکیم سنائی، نظامی گنجوی، اور شیخ سعدی جیسے شعرا

کا بھی کچھ نہ کچھ سلاطین سے تعلق رہا تھا، اور عربی و فارسی کے تمام بڑے بڑے شعراء غزل گو بھی تھے، اور قصیدہ نگار بھی، ان سب کے نتائج تغزل کی رنگینی اردو غزل سے بھی بڑھ کر تھی لیکن اُن کی غزل سرائی اور قصیدہ نگاری نے نہ ان سلاطین کو فکر سلطنت سے آزاد کیا اور نہ مسلمانوں کو عیش پرست بنایا۔ بلکہ یہی زمانہ مسلمانوں کے اوج شباب کا تھا۔ اور غزل اور قصیدہ کے قدردان سلاطین فوجوں کے سپہ سالار، ملکوں کے فاتح، اور جہانگیر و جہانبان تھے، شاعری اور شعراء کا سب سے زیادہ قدردان اور سرپرست محمود غزنوی تھا جس نے سب سے پہلے اپنی حکومت میں شاعری کا مستقل محکمہ قائم کیا، اور اس کے عہدہ دار مقرر کئے، کئی سو شعراء اس کے دامن دولت سے وابستہ تھے، یہی حال ہر دور میں رہا خود تیموریوں کے عہد میں فارسی شاعری کی ترقی کا زمانہ وہی ہے، جو تیموریوں کے عروج کا ہے فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، قدسی، ابو طالب کلیم، صائب، ناصر علی سرہندی اور غنی کاشمیری وغیرہ بڑے بڑے شاعر اکبر سے لے کر اورنگ زیب تک کے زمانہ میں پیدا ہوئے، عربی اور فارسی شاعری کا بہترین ذخیرہ مسلمانوں کے عہد عروج اور نامور سلاطین کی قدردانی کی یادگار ہے، اسلئے یہ کہنا کہ قصیدہ نگاری اور تغزل نے مسلمان سلاطین کو فکر سلطنت سے آزاد اور مسلمانوں کو عیش میں مبتلا کیا صحیح نہیں ہے۔ قصائد تو ان سلاطین کی یادگار ہیں جن کی تلواروں نے دنیا کا نقشہ بدل دیا تھا۔ اس لئے قصائد سے بہادر شاہ کی شان میں ذوق اور غالب کے قصائد کیوں مراد لئے جائیں۔ اصلی قصائد تو محمود غزنوی سلطان سنجر، الپ ارسلان، ملک شاہ، اکبر و شاہجہان اور دوسرے نامور سلاطین کی یادگار ہیں اور قصائد کی ترقی کا اصلی دور یہی تھا۔ گو یہ قصائد مبالغہ سے خالی نہیں لیکن ان نامور سلاطین کے کارنامے اُن کے مستحق تھے، باقی ہر چیز کی طرح قصائد کی بھی اصلی روح رفتہ رفتہ غائب ہو گئی، اور محض تعالی رہ گئی اور جب وہ اولوالعزم اور نامور سلاطین اور وہ قصیدہ نگار شعراء ہی نہ رہ گئے تو قصیدہ نگاری کی اصلاح کا اب کیا سوال ہے، اب قصائد لکھے کس کے لئے جائیں گے،

درحقیقت مصنف نے اردو شاعری کی تنقید میں نتیجہ کو سبب قرار دیدیا ہے، یعنی سلاطین کی غفلت

اور مسلمانون کے تعیش اور ان کی تباہی کا سبب قصیدہ اور غزل نہین بلکہ اُن کی غفلت، بے عملی اور تن آسانی نے ان کو پہلے سے عیش پرست اور لطف و تفریح کے مشاغل مین مبتلا کر دیا تھا جن مین ایک شاعری اور تغزل بھی ہے، ورنہ جد و عمل کے ساتھ قصیدہ اور غزل سے کوئی نقصان نہین پہنچتا، بلکہ افکار و خیالات کی تہذیب ذوق کی لطافت اور تہذیب معاشرت کی نفاست کے لئے شعر و ادب ضروری ہے، البتہ جو قوم زندگی کی جد و جہد چھوڑ کر محض شعر و شاعری مین پڑ جائیگی۔ تو اس کا لازمی نتیجہ تباہی ہے، اس مین شاعری کا قصور نہین،

درحقیقت اردو شاعری پیدا اس زمانہ مین ہوئی، جب مسلمانون پر زوال طاری ہو چکا تھا، حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اور شمالی ہند مین اردو شاعری کا آغاز محمد شاہی دور سے ہوا، جب مسلمانون کا اخلاقی مزاج بگڑ چکا تھا۔ اور وہ عیش پرستی مین مبتلا ہو چکے تھے، اور خواہ مصنف کو اس سے اختلاف ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ شعر و ادب سوسائٹی کے حالات کے تابع ہوتے ہین، جو رنگ سوسائٹی کا ہوگا، اسی کا پرتو شاعری مین نظر آئے گا، اس لئے اردو شاعری مین بھی مسلمانون کی زوال پذیر اخلاقی حالت کے اثرات نمایان ہوئے، اس سے انکار نہیں۔ کہ ہر زمانہ مین ایسے روشن ضمیر مصلحین پیدا ہوتے ہین، جو عوام کے ساتھ نہین بہتے، بلکہ ان کو اپنے راستہ پر چلانے کی کوشش کرتے ہین، لیکن اس درجہ کے مصلحین طبقہ خواص یعنی علماء اور حکماء مین پیدا ہوتے ہین، اور اس دور کے شعراء مین کوئی اس درجہ کا نہ تھا، حکیم سنائی، خواجہ فریدالدین عطار اور مولانا روم اور اقبال جیسے مصلح اور مجدد شعراء کہیں صدیوں مین پیدا ہوتے ہین، مصنف نے کم از کم ہندوستان مین اس کے خلاف جو مثالین دی ہین، وہ یہ نہین ہین، اوّلاً حالی اور اکبر وغیرہ پیشہ ور شاعر نہین، بلکہ طبقہ خواص مین تھے، اور انھون نے شاعری کو اپنے خیالات کی اشاعت کا ذریعہ بنایا تھا، دوسرے وہ پرانی بوسیدہ سوسائٹی کی نہین، بلکہ نئے دور کی پیداوار تھے، ۵۷ء کے بعد پرانی بساط الٹ چکی تھی، نئی حکومت، نئے علوم اور نئی تحریکون کے اثر سے خیالات بدل چکے تھے،

اور ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا تھا۔ حالی، اکبر اور شبلی، اسی دور کے نقیب اور اقبال اس کے خاتم الشعراء تھے، اہل علما، و مجتہدین کے زمرہ مین اس دور مین بھی حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا اسماعیل شہید پیدا ہوئے، جنھون نے مسلمانون کی اصلاح و تجدید اور ان کو ابھارنے کی کوشش کی،

اس مین شبہہ نہین کہ شاعری قومی و ملی جذبات کو ابھارنے کا ایک موثر ذریعہ ہے، لیکن اردو کیا عربی اور فارسی کی شاعری بھی جس کی وہ مقلد ہے، اس قسم کے خیالات سے خالی ہے، اپنے زمانہ مین اندلس اور بغداد کی خلافتون کے زوال کا واقعہ دنیاے اسلام کے لئے تیموریون کے زوال سے زیادہ اہم اور دردانگیز تھا، لیکن ان کے دو چار مرثیون کے علاوہ عربی اور فارسی مین اور کوئی قومی و ملی نظم نہین مل سکتی، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اولاً اس زمانہ مین اس قسم کے قومی و ملی جذبات مسلمانون مین عام طور سے پیدا نہین ہوئے تھے، اور جس طبقہ مین تھے، تو اُن کے اظہار کا ذریعہ نظم کے بجاے نثر تھی،

عربی اور بالخصوص فارسی شاعری مین مروجہ اصناف اور اس کے خیالات سے ہٹ کر حکیمانہ اور عارفانہ خیالات سنجیدہ اور بلند شاعری کا جوہر سمجھے جاتے تھے، چنانچہ یہ خیالات ابتدا سے فارسی شاعری مین موجود رہین، اور اس مین حکیم سنائی، خواجہ فریدالدین عطار، شمس تبریز، مولانا روم، اوحدی کرمانی، ابوسعید ابوالخیر، عمر خیام، اور عراقی وغیرہ بڑے بڑے حکیم اور فلسفی شعراء پیدا ہوئے، اردو شاعری بھی اس سے خالی نہین ہے، لیکن اس کے ابتدائی دور مین اس کا اثر بہت کم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ فارسی شاعری مسلمانون کے دورِ عروج مین پیدا ہوئی، اور صدیون ترقی کرتی رہی، اس لئے اس مین بڑے بڑے حکیم شعراء پیدا ہوئے، اس کے مقابلہ مین اردو اولاً مسلمانون کے دورِ زوال کی پیداوار ہے، جب ان کی دماغی و ذہنی صلاحیتین اور اس کا جوش و ولولہ ختم ہو چکا تھا، دوسرے اس کی عمر بہت تھوڑی تھی، اور ابتدائی عمر مین بلند خیالات کی گنجایش بہت کم تھی، لیکن اس کی عمر جس قدر بڑھتی گئی، خیالات مین تنوع، گہرائی، اور بلندی پیدا ہوتی گئی، اور خود غزل

ین بھی جو مصنف کے نزدیک سب سے مطعون صنف ہے، حکیمانہ خیالات آتے گئے، ہر شاعر کے کلام مین ایسے کچھ نہ کچھ اشعار نکل آئین گے، اور خواجہ میر درد، غالب، اور آتش وغیرہ کا کلام تو حکیمانہ اور عارفانہ خیالات سے معمور ہے، اس کے علاوہ رباعی جو حکیمانہ اور اخلاقی خیالات کے لئے مخصوص ہے، وہ ابتدا سے اردو شاعری مین موجود ہے، اس لئے اردو شاعری سنجیدہ اور بلند خیالات سے کسی زمانہ مین یکسر خالی نہین رہی ہے،

درحقیقت فارسی کی طرح اردو شاعری مین بھی مختلف اصناف ہین، جو مختلف جذبات و خیالات کے لئے مخصوص ہین، مختصر عاشقانہ جذبات وقلبی واردات اور دوسرے مختلف تاثرات کے لئے غزل ہے، مسلسل معاملہ بندی کے لئے واسوخت، مدح کے لئے قصائد، جذبات غم کے اظہار کے لئے مرثیہ مسلسل داستان کے لئے مثنوی، مختصر حکیمانہ اور اخلاقی خیالات کے لئے رباعی، اسی طریقہ سے مختلف اصناف مختلف چیزون کے لئے مخصوص ہین، اس لئے ایک کی خصوصیات دوسرے مین تلاش کرنا خود اپنی غلطی ہے، البتہ ان سب کے حدود ہین، جن سے تجاوز کرنا صحیح نہین ہے، مثلاً اگر کوئی شاعر عاشقانہ جذبات کو بازاری جھگڑا بنا دیتا ہے، تو یہ اس کی غلطی ہے، اس سے غزل کی صنف مذموم نہین قرار دیجا سکتی، اور یہ چیز یقیناً قابل اصلاح ہے، یہ عجیب بات ہے کہ غزل جس کو اردو شاعری مین سب سے زیادہ تنگ اور محدود سمجھا جاتا ہے، اسی کا دامن سب سے زیادہ وسیع ہے، اور اس مین عاشقانہ جذبات کے علاوہ ہر قسم کے مختصر خیالات ظاہر کئے جا سکتے ہین اور کئے جاتے ہین،

یہ ایک ضمنی بحث ضرورت سے زیادہ طویل ہو گئی، اس کا مقصد اردو شاعری کے نقائص کی پردہ پوشی اور ان کی تاویل نہین ہے، اس کی بہت سی خامیان آج بھی مسلّم ہین، لیکن ان کو ان کی حد میں رکھنا چاہئے، اس سے اردو شاعری کے پورے دفتر کو لغو اور بیکار نہین قرار دیدینا چاہئے، حالات اور زمانہ کی رفتار کے ساتھ بہت کچھ اس کی اصلاح ہو چکی ہے، اور اس کا سلسلہ برابر جاری ہے، خصوصاً تغزل کا

رنگ تو بہت نکھر گیا ہے، اور حسرت، فانی، جگر اور اصغر نے اس زمین کو آسمان تک پہنچا دیا ہے، ہر قسم کی مسلسل نظموں اور قومی و ملی شاعری کا بھی کافی ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے، اور اب اردو شاعری بیجو داشتہ پر لگ گئی ہے، اور اس کا دامن کافی وسیع ہو گیا ہے،

مصنف کے ان خیالات سے قطع نظر اصل تذکرہ بہت قابل قدر ہے، انھوں نے شعراء کے کلام اور ہر دور کی شاعری کی خصوصیات کو بڑی خوبی سے دکھایا ہے، ان کی رائیں، اُن کے حسن ذوق اور دقتِ نظر کا ثبوت ہیں، تذکرہ کا یہ حصہ غالب اور شیفتہ تک ہے، غالباً دوسرا حصہ داغ و امیر سے شروع ہوگا، لیکن ہمارے نزدیک صحیح تقسیم یہ ہوتی کہ اس حصہ میں دورِ قدیم کے تمام شعراء داغ و امیر و جلال تک لے لئے جاتے، اور دوسرا حصہ جدید دور کے شعراء جلیل، ریاض اور حسرت وغیرہ سے شروع کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا،

"م"

شعر الہند جلد اوّل

جس میں قدماء کے دور سے لے کر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تاریخ کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے،

قیمت:- للعہ

شعر الہند جلد دوم

جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی، اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، (زیر طبع)

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

فتوح السلاطین مصحہ جناب محمد یوشع صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۷۰۰، صفحے کاغذ سپید ٹائپ بہتر مجلد قیمت تحریر نہیں :- پتہ مدراس یونیورسٹی، مدراس،

یہ کتاب آٹھوین صدی ہجری کے ایک مصنف مولانا عصامی کی فارسی مین ہندوستان کی منظوم تاریخ ہے، مصنف کے بیان کے مطابق وہ عباسی وزیر فخر الملک کی اولاد سے ہے، جو سلطان التمش کے زمانہ مین بغداد سے دلی آیا تھا، سلطان نے اس کی بڑی پذیرائی کی، اور فخر الملک اور اسکی اولاد سلطان التمش اور اس کے اخلاف کے دربارون سے متوسل رہی، عصامی دہلی مین پیدا ہوا، اور ابتدائی عمر مین جب سلطان محمد تغلق نے دلی کے باشندون کو دیوگیر منتقل کیا تو عصامی بھی اپنے دادا عز الدین کے ساتھ وہان چلا گیا، اور ایک مدت تک گمنامی کی زندگی بسر کرتا رہا، لیکن وہ تھا بڑا لائق اور جوہر قابل، اس کئے ایک عرصہ کے بعد دولت آباد کے قاضی بہاء الدین کے توسط سے سلطان علاء الدین بہمنی کے دربار سے اس کا تعلق پیدا ہو گیا، اور اسی کی سرپرستی مین اُس نے فتوح السلاطین لکھی، اس مین سلطان محمود غزنوی سے لیکر محمد بن تغلق تک ہندوستان مین اسلامی فتوحات کی تاریخ ہے، اس کتاب کے قلمی نسخے کمیاب تھے، آج سے دس بارہ سال پہلے محمد یوشع صاحب لکچرار فارسی مدراس یونیورسٹی نے اس کے دو نسخے حاصل کرکے ایڈٹ کرنا شروع کیا تھا، اور اسی زمانہ مین مصنف اور تصنیف دونون کے تعارف مین عصامی نامہ کے نام سے ایک فارسی مثنوی لکھکر شائع کی تھی، لیکن آگرہ کالج کے پروفیسر ڈاکٹر آغا مہدی حسن نے پیشقدمی کرکے ۱۹۳۹ء مین فتوح السلاطین کا ایک نسخہ تصحیح مین چھپوا کر شائع کر دیا، مگر سید محمد یوشع نے اپنا کام جاری رکھا، اور اب دس سال کے بعد اُن کا مرتبہ و تصحیح کردہ نسخہ بڑے اہتمام سے مدراس یونیورسٹی نے شائع کیا ہے، یہ نسخہ تصحیح و ترتیب کی تمام جدید خوبیون

سے آراستہ ہے، کتاب کے شروع مین مرتب کے قلم سے مصنف کے حالات، تصنیف کی خصوصیات اور اس کے قلمی نسخون کی تفصیل ہے، اور کتاب کے آخر مین اس کے مندرجہ اشخاص و مقامات کے نامون اور القاب و عہدون کا انڈکس ہے، کتاب کے مشکل لغات کا فرہنگ بھی دیدیا ہے، جس سے عام لوگون کے لئے بھی اس کتاب سے استفادہ آسان ہوگیا ہے، ڈاکٹر مہدی حسن کے شائع کردہ نسخہ کے سلسلہ مین عرصہ ہوا معارف کے کئی نمبرون مین اس کتاب پر مفصل تنقید شائع ہو چکی ہے، اس لئے اس نسخہ پر کسی طویل تبصرہ کی ضرورت نہین، صرف اس کا تعارف مقصود ہے، اس کتاب مین اگرچہ بعض غیر معتبر اور مبالغہ آمیز واقعات بھی ہین، لیکن عام طور سے صحیح و مستند ہین، اور بعض ایسے معلومات بھی ہین، جو متداول تاریخون مین نہین ملتے، اس لئے اس کتاب کی اشاعت سے سلاطین دہلی کے حالات مین ایک مستند اور مفید مآخذ کا اضافہ ہوا ہے، ادبی حیثیت سے بھی یہ کتاب قابلِ قدر ہے، مصنف کو زبان پر پوری قدرت ہے، اور اتنی ضخیم کتاب اور گوناگون واقعات مین شروع سے آخر تک زبان و طرزِ بیان کا انداز یکسان ہے،

ضرورۃ القرآن جلد دوم، مرتبہ جناب قاضی زاہد الحسینی صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر مجلد قیمت تحریر نہین، پتہ:- غالباً حجازی پریس لاہور سے ملے گی،

کلام مجید انسانی زندگی کا مکمل دستور العمل ہے، اس مین پیدایش سے لے کر موت تک اُن کی جملہ دینی و دنیاوی مادی و روحانی اور اجتماعی و انفرادی معاملات کے متعلق دبنیادی قوانین اور ہدایات موجود ہین، اس کے مختلف پہلوون پر اہلِ علم و اصحابِ قلم نے لکھا ہے، مذکورۃ بالا کتاب بھی اسی موضوع پر ہے اس مین انسان کی پیدایش اس کی جسمانی ضروریات، نکاح و طلاق خلع وغیرہ، معاشرتی معاملات اُنکے باہمی حقوق و فرایض اقتصادی و معاشی مسائل، صنعت و حرفت زراعت و تجارت، حکومت و سیاست، علوم فنون غرض انسانی زندگی کی جملہ ضروریات کے متعلق قرآنی احکام اور اسکی تعلیمات کی وضاحت کی گئی ہے، آخر مین قرآن مجید کی صحت و حفاظت اور اس کے مقابلہ مین دوسرے مذہبی صحیفون کے تغیرات کے دلائل اور

کلام مجید کی صحت کے متعلق بعض شکوک کے جوابات دیئے ہیں، یہ کتاب جامع تو بہت ہو لیکن مانع نہیں ہے اور اس میں بہت سے ایسے مسائل زیر بحث آگئے ہیں، جن کو کلام مجید سے کوئی علاقہ نہیں ہے، روایتوں میں بھی احتیاط نہیں برتی گئی ہے، اور ہر قسم کی رطب و یابس بلکہ موضوع روایات تک سے استدلال کیا گیا ہے، بعض مباحث عامیانہ اور سطحی ہیں، مثلاً کلام مجید کی صحت اور حفاظت کے سلسلہ میں عربی زبان کے کمال اُسکی جامعیت اور تمام انبیا کی زبان عربی ہونے کی بحث غیر متعلق بھی ہے، اور علمی استدلال سے بھی خالی ہے، اس سلسلہ کی سب روایتیں غیر معتبر ہیں، اسی طرح کلام مجید سے تمام علوم کا اثبات بھی ایک بے کار اور غیر ضروری چیز ہی اگر کسی حیثیت سے اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے کلام مجید کی عظمت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا وہ ایک رشد و ہدایت کا صحیفہ ہے، نہ کہ علم و فن کی کتاب، اس کا کمال اس کی تعلیمات اور اس کی ہدایت میں ہی اس قبیل کی اور بھی غیر متعلق بحثیں ہیں، جس سے کتاب کی علمی حیثیت ہلکی ہو گئی، تاہم مجموعی حیثیت سے مفید اور عام مسلمانوں کے مطالعہ کے لائق ہے،

تمہید تفسیر قرآن و مقدمہ تفسیر قرآن — مترجمہ مولانا محمد اصغر حسین صاحب سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ تقطیع چھوٹی، کاغذ کتابت و طباعت بہتر ضخامت بالترتیب ۲۰۸ اور ۲۰۲ صفحے قیمت چار چار آنے، پتہ اقبال بک ڈپو پٹنہ نمبر ۴ و کتابستان آرہ،

کلام مجید کی بے شمار تفسیریں لکھی گئیں اور مشہور و متداول تفسیروں کی بھی بڑی تعداد ہے، گو یہ تفسیریں فائدہ سے خالی نہیں، اور اُن کے مصنفین کی خدمت قرآن لائق تحسین ہے لیکن ان میں سے بہت کم تفسیریں صحیح تفسیری نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں، بیشتر تفسیروں میں خالص تفسیر کے بجائے جو نفس فہم قرآن اور اس سے اثر پذیری کے لئے مفید ہو، مفسرین کے ذاتی ذوق و رجحان کے متفرق مسائل و مباحث زیادہ ہیں جس سے اصل مقصود پوری طرح حاصل نہیں ہوتا۔ اس زمانہ میں جو تفسیریں لکھی گئی ہیں، ان میں علامہ رشید رضا مصری کی تفسیر المنار، تفسیر کی غرض و غایت کے لحاظ سے سب سے بہتر ہے، اس تفسیر کی تمہید اور مقدمہ میں مصنف نے

قدیم تفسیروں کے نقائص دکھائے ہیں، اور قرآن مجید کے اصل مقصود، اور تفسیروں کی اصل غرض بتا کر فہم قرآن اور تفسیر قرآن کے صحیح اصول بتائے ہیں، لائق مترجم نے تمہید تفسیر قرآن، اور مقدمۂ تفسیر قرآن کے نام سے الگ الگ اس کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے، لیکن یہ دونوں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اور کلام مجید کی تفسیر سے ذوق رکھنے والوں کے مطالعہ کے لائق ہیں، خصوصاً تفسیر کے مدرسین کے لئے ان کا مطالعہ زیادہ مفید اور کارآمد ہے، لیکن ترجمہ بہت ناہموار ہے، اور اس میں زبان و بیان کی بڑی خامیاں ہیں،

ایران پاستان از جناب مولوی خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم تقطیع اوسط ضخامت ۱۵۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں ہے، پتہ:۔ کتابستان، کراچی۔

اردو میں ایران کی قدیم تاریخ کے متعلق بہت کم معلومات ہیں، اور پروفیسر آرتھر کرسٹن سین کی محققانہ کتاب (L'empire des Sassanides. کے ترجمہ کے علاوہ جو پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے "ایران بعہد ساسانیان" کے نام سے کیا تھا، اور کوئی قابل ذکر کتاب نہیں ہے، لیکن یہ دراصل ساسانی عہد کی تاریخ ہے، اس میں قدیم اشکانی اور ہخامنشی خاندان کے حالات برائے نام ہیں، اردو کے مشہور مصنف و مترجم مولوی خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم نے عرصہ ہوا ایران پاستان کے نام سے قدیم ایران کی یہ مختصر تاریخ لکھی تھی، جس کو ان کی وفات کے ایک عرصہ کے بعد اُن کے لائق فرزند پروفیسر نعیم الرحمٰن صاحب نے نظر ثانی کر کے اب شائع کیا ہے، اس میں ایران کا قدیم جغرافیہ، زمانۂ ماقبل تاریخ کے حالات، پیش دادی، کیانی، ہخامنشی، اشکانی اور ساسانی خاندانوں کی مختصر سیاسی تاریخ ہے، اور جستہ جستہ مذہبی و اخلاقی و تمدنی حالات بھی آگئے ہیں، ایران کی قدیم تاریخ افسانوں میں اس قدر گم ہے کہ پیش دادی اور کیانی خاندان کے تمام حکمرانوں کا اب تک علم نہیں ہو سکا ہے، اس لئے یہ مختصر تاریخ بھی اردو میں غنیمت ہے،

"م"

دارالمصنفین کی دینی علمی و ادبی میں کتا

اقبال کامل

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین، رسالے اور کتابیں لکھی گئیں لیکن ان سے ان کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایاں نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لیے لکھی گئی ہے، اس میں ان کے مفصل سوانح حیات کے علاوہ ان کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارناموں کے اہم پہلوؤں کی تفصیل کی گئی ہے، اور سوانح حیات کے بعد پہلے ان کی اردو شاعری پھر فارسی شاعری پر ان کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصل تبصرہ کیا گیا ہے، اور ان کے کلام کی تمام ادبی خوبیاں دکھلائی گئی ہیں، پھر ان کی شاعری کے اہم موضوعوں یعنی فلسفہ خودی، فلسفہ بیخودی، نظریہ تعلیم، سیاست، صنف لطیف (یعنی عورت)، فنون لطیفہ اور نظام اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، مرتبہ مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت: [illegible]

بزم تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہل قلم تھا، ہمایوں نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اٹھا، جہانگیر نے ادب و انشا کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء اور فضلاء کو سیم و زر میں تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشا پردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کیے، تیموری دور کے آخری بادشاہوں نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے عروس سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شہزادوں اور شہزادیوں نے بھی علم و ادب کی محفلیں سجائیں، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء نے شاہانہ سرپرستی میں گوناگوں کمالات دکھائے، ان سب کی تفصیل مذکورہ بالا کتاب میں ملاحظہ فرمائیے، مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن ایم اے۔ قیمت: [illegible]

"منیجر"

(پرنٹر و پبلشر صدیق احمد)

"منیجر"

رجسٹرڈ نمبر ۱۸۱ اے

نومبر سنہ ۱۹۴۹ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

و

شاہ معین الدین احمد ندوی

- - - - - - - -

قیمت:- چھ روپیے سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

دار المصنفین کے سلسلۂ تاریخ اسلام کو جو قبول حاصل ہوا، علمی و تعلیمی اداروں نے خصوصیت کے ساتھ اس کی قدردانی کی، بعض یونیورسٹیوں نے اس کو اسلامی تاریخ کے نصاب میں داخل کر لیا، اس لئے چند برسوں کے اندر تقریباً اس کے سب حصے ختم ہو گئے جن کے دوسرے اڈیشن مزید اصلاح و ترمیم اور اضافوں کے ساتھ چھپ کر تیار ہو گئے ہیں، اور بعض زیر طباعت ہیں، اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے۔

تاریخ اسلام حصہ اوّل

(عہد رسالت و خلافت راشدہ)

یعنی آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ۔ ضخامت ۴۲۵ صفحے، قیمت: سے ر

تاریخ اسلام حصہ دوم

(بنو امیہ)

یعنی اموی سلطنت کی صد سالہ سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ کی تفصیل۔

ضخامت ۴۶۰ صفحے،

قیمت سے ر

تاریخ اسلام حصہ سوم

(بنی عباس اوّل)

یعنی ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ سے ابو اسحاق متقی اللہ ۳۳۳ھ تک دو صدیوں کی سیاسی تاریخ۔

(زیر طبع)

تاریخ اسلام جلد چہارم

(بنی عباس دوم)

یعنی مستکفی باللہ کے عہد سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ،

ضخامت: ۴۳۲ صفحے

قیمت: عہ ر

"منیجر"

جلد ۶۴ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۹ء عدد ۵

مضامین

مضمون	مصنف	صفحات
شذرات	شاہ معین الدین احمد ندوی	۳۲۲-۳۲۴

مقالات

مضمون	مصنف	صفحات
حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی،	جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے	۳۲۵-۳۴۷
اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے،	مولانا عبد السلام ندوی	۳۴۸-۳۵۵
سنگِ شبام	مولانا ابو الجلال ندوی رفیق دار المصنفین	۳۵۶-۳۶۶
یحیٰ بن آدم اور اُن کی کتاب الخراج،	مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین	۳۶۷-۳۷۵
"ارگجہ"	جناب سید عزیز مہدی صاحب بخاری بنگلوری	۳۷۶-۳۸۶

ادبیات

مضمون	مصنف	صفحات
حشر جذبات	جناب سید ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری	۳۸۷

باب التقریظ والانتقاد

مضمون	مصنف	صفحات
مشکلات القرآن	مولانا ابو الجلال ندوی	۳۸۸-۳۹۶

وفیات

مضمون	مصنف	صفحات
مولانا اصغر حسین صاحب مرحوم سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ،	جناب ابو محفوظ الکریم صاحب معصومی	۹۷
مطبوعات جدیدہ	"م"	۳۹۸-۴۰۰

شذرات

دارالمصنفین جس نازک دور سے گذر رہا ہی اس کی تفصیل ان اوراق مین تحریر کیجا چکی ہے اور اخبارات مین بھی شائع ہو چکی ہے لیکن ابھی اس کا خاطر خواہ نتیجہ نہین نکلا تھا، کہ ایک دوسری بڑی دشواری پیش آگئی، یہ لکھا جا چکا ہے کہ دارالمصنفین کی کتابون کی خریداری زیادہ تر پنجاب دہلی اور حیدرآباد مین تھی، اس لئے ان مقامون کے انقلابات اور اس کے نتائج خصوصاً پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کسٹم کی بندش کا اثر کتابون کی تجارت پر بھی پڑا، تاہم کچھ نہ کچھ کتابین ڈاک کے ذریعہ چلی جاتی تھین، لیکن دونون ملکون کے درمیان سکہ کے اختلاف سے اس کا سلسلہ بھی بالکل بند ہوگیا ہی، اور نہین کہا جا سکتا کہ یہ صورت کب تک قائم رہے گی، اگر ہندوستان کے مسلمانون نے اس کی تلافی کی صورت نہ پیدا کی تو دارالمصنفین کو اور بھی دشواریون کا سامنا کرنا پڑے گا، یہ تنہا دارالمصنفین کی بقا کا مسئلہ نہین بلکہ مسلمانون کی غیرت و حمیت کا امتحان ہے، اس کی امداد کی بہتر شکل اس کی ممبری ہے، جس مین ممبری کی مدت تک رسالہ معارف اور نئی مطبوعات ممبرون کی خدمت مین پیش کیجائین گی، اس طرح دارالمصنفین کی بھی مدد ہو جائے گی، اور ممبرون کو اُن کی ممبری کی رقم کا معاوضہ بھی ملجائے گا عام ممبری کی فیس تیس اور خاص کی پچاس روپیہ سالانہ ہے،

کلکتہ کا مشہور اور قدیم عربی مدرسہ عالیہ اگرچہ ندوۃ العلماء لکھنو، دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کی طرح خالص دینی نہ تھا، اور اس کو حکومت چلاتی تھی، اور ایک عرصہ تک اس کے پرنسپل یورپین

تعلیم یافتہ بلکہ انگریزی نما ہوتے رہے، تاہم اس کے ذریعہ بنگال میں اسلامی علوم و فنون کی کافی خدمت و اشاعت ہوئی جس سے وہاں کے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا، قیام پاکستان کے بعد یہ مدرسہ ڈھاکہ منتقل ہو گیا تھا، لیکن مغربی بنگال کے مسلمانوں کے لئے پہلے سے بھی زیادہ اس کی ضرورت تھی، اس لئے مولانا ابو الکلام کوشش سے دوبارہ یہ مدرسہ قائم ہو گیا ہے، اور ہمارے فاضل دوست مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی اسکے پرنسپل اور مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی صدر مدرس مقرر ہوئے ہیں، یہ دونوں اصحاب علم کے ساتھ عمل کے زیور سے بھی آراستہ ہیں، اس لئے یقین ہے کہ اب یہ مدرسہ اسلامی علوم و فنون کی تعلیم کے ساتھ دین کا بھی مرکز اور اسلامی روح کا مظہر ہوگا،

انگریزی میں لوزک کی شائع کردہ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، عرصہ سے موجود ہے لیکن اس کے مقالہ نگاروں میں زیادہ تر یورپین فضلاء ہیں، عرصہ ہوا مصر سے بھی عربی میں ایک دائرۃ المعارف نکلنا شروع ہوئی تھی جو ترمیم و اضافہ کے ساتھ انگریزی کی اسلامی انسائیکلوپیڈیا سے ماخوذ تھی، ادھر کئی سال سے اس کا کوئی جزنظر سے نہیں گذرا، اس سے پہلے الف کا حرف بھی ختم نہیں ہوا تھا، اب معلوم نہیں کس منزل میں ہو، علمائے مغرب کے علمی کمالات سے انکار نہیں لیکن ہر قوم اپنی انسائیکلوپیڈیا صحیح نقطۂ نظر سے خود ہی لکھ سکتی ہے اس لئے اسلامی انسائیکلوپیڈیا کی ضرورت اب بھی باقی ہے،

لاہور یونیورسٹی کے ایک مراسلہ سے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ اس نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور اس کے لئے کمیٹی بھی بن گئی ہے، علمی کمیٹی کے چیرمین لاہور یونیورسٹی وائس چانسلر ڈاکٹر ملک ہیں، اور مالی کمیٹی کے کنوینر ہمارے لائق دوست ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کمیٹی کی جانب سے ہندوستان اور بیرون ہند کے مسلمان علماء و مشاہیر کے پاس انسائیکلوپیڈیا کے مباحث کا خاکہ مشورہ کے لئے بھیجا گیا ہے درحقیقت

یہ کام علمی اور مالی دونوں حیثیتوں سے اتنا اہتم بالشان ہے کہ مشرقی ملکوں میں حکومت کی مدد کے بغیر اس کا انجام پانا دشوار ہے، لاہور یونیورسٹی کے پاس ایسے فضلا ہیں کہ وہ اس کام کو کر سکتی ہے، اگر اس نے اس کو تکمیل تک پہنچا دیا، تو یہ اس کا بڑا علمی کارنامہ ہوگا،

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ پیر جوان ہمت بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی کوشش سے پاکستان میں انجمن ترقی اردو کے سارے کام شروع ہوگئے ہیں، اس کا ہفتہ وار روزنامہ اخبار قومی زبان پاکستان میں اردو زبان کی ترویج و اشاعت کی جدوجہد میں مصروف ہے، اس کے مشہور رسالے اردو اور معاشیات بھی اپنی تمام خصوصیات کیساتھ جاری ہوگئے ہیں، ایک سائنس باقی رہ گیا ہے، امید ہے کہ وہ بھی دیر سویر نکلے گا، اور پاکستان میں انجمن کی کوششوں کے نتائج جلد ظاہر ہوں گے،

ہندوستان میں اس کی جانشین انجمن ترقی اردو علی گڈھ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ اسکی جانب سے بھی انجمن کا پرانا اخبار ہماری زبان عنقریب نکلنے والا ہے، گو اب ہندوستان میں اردو کی پرانی حیثیت ختم ہوگئی ہے، اس لئے قدرۃً انجمن کے کاموں اور طریقۂ کار کی نوعیت بھی کچھ بدل جائے گی، لیکن اس نئے دائرہ میں بھی اردو کے تعمیری کاموں کی بڑی گنجایش ہے، ہماری زبان کے اجراسے اس میں پوری مدد ملے گی، یقین ہے کہ یہ نئی انجمن پرانی انجمن کی علمی اور ادبی روایات کو قائم رکھے گی،

دارالمصنفین نے اکبرنامہ کا ایک نہایت خوشخط مصور اور مطلا نسخہ خریدا ہے اسکی تقطیع $\frac{۲۲ \times ۱۵}{۲}$ انچ اور ضخامت ۸۳۲ صفحات ہے، اس میں اکبر کے مختلف مناظر کے متعدد مرقعے ہیں جو مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہیں رنگوں کی تازگی کا یہ حال ہے کہ معلوم ہوتا ہے مصور نے ابھی قلم رکھا ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ تمام مہریں اور تحریریں مٹی ہوئی ہیں جن سے زمانۂ کتابت کا پتہ چلتا مگر خط اور کاغذ دونوں قدیم ہیں، نسخہ کے حسن و نفاست سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بلند پایہ شاہی امیر کے لئے لکھا گیا ہے، عجب کیا ہے کہ اکبر یا جہانگیر ہی کے لئے لکھا گیا ہو،

مقالات
حضرت خواجہ نصیر الدین محمودؒ
چراغ دہلی

جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے

(۲)

شاہی ملازمون کی اصلاح حضرت چراغ دہلی شاہی ملازمت کو روحانیت کے منافی سمجھتے تھے لیکن شاہی ملازمون مین سے جس کسی کو سچی طلب ہوتی، اس کی اخلاقی، مذہبی اور روحانی حالت کو سنوارنے مین دریغ بھی نہین فرماتے تھے،

خیر المجالس مجلس ہفتاد و ہشتم مین ہے کہ ایک سید مرید ہونے آیا، وہ شاہی اہل قلم کے زمرہ مین شامل تھا، حضرت چراغ نے اس کو مرید کیا، اور فرمایا نماز با جماعت پڑھا کرو، جمعہ کی نماز فوت نہ ہو، ایام بیض کے روزون کو لازم جانو، جو شخص ایام بیض کے روزے رکھتا ہے اس کی روزی بڑھتی ہے۔ میرے اور مریدون کو بھی یہ وصیت ہے کہ جو کام خدا اور رسول نے منع کیا ہے، وہ نہ کرین، پھر فرمایا دنیا کی دولت مین بے ثباتی ہے، تم یہ خیال کرلو کہ تمھارے پائیگاہ کے گھوڑے تمھارے خدمت گار، تمھارے دینار و درم یہ ساری چیزین ایک روز تم سے چھوٹ جائین گی، پھر چھوٹنے والی چیزون کا فکر اور غم کرنا بے فائدہ ہے، فکر اور غم اس چیز کے لئے کرنا چاہئے، جو ہمیشہ باقی رہے گی، غور سے دیکھو، ہمارے سامنے کتنے تھو

اور کتنے چلے گئے، آخر ہم سے پہلے تھے، اور ہم سے پہلے چل دیئے پھر اس سید سے پوچھا کہ کیا کرتے ہو جواب دیا قرآن مجید پڑھا کرتا ہوں، سید کے ایک ہمراہی نے کہا یہ حافظ ہیں، اور ان کے والد بھی حافظ اور صالح بزرگ تھے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا اگر کوئی گھر بار دہی میں شب و روز قرآن پڑھتا رہے اور ذکر خدا میں مشغول رہے، تو اس کے لئے نوکری حجاب نہیں، وہ صوفی ہے اور اسی کے بعد حضرت سعدی کا یہ شعر پڑھا،

مرا و اہلِ طریقت لباس ظاہر نیست کمر بخدمت سلطان بہ بند صوفی باش

ایک بار ایک عالم نے آکر عرض کیا کہ فلاں شاہی سردار (ملک) نے سلام عرض کیا ہے، حضرت چراغ نے پوچھا اس کا کیا حال ہے، عالم نے کہا کہ زر سرکاری کے مطالبہ میں اس کو قید کر دیا گیا ہے، اور اس کو زدو کوب کی جاتی ہے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا شغل دنیا بھی بھل دیتا ہے، اگلے زمانہ میں کام کرنے والے صرف خدا تعالیٰ کے لئے کام انجام دیا کرتے تھے، اور وہ معاملات میں جنید و شبلی ہوتے تھے،[۱]

ایک لشکری آیا تو اس کو مخاطب کرکے فرمایا اگر طلب دنیا میں نیت اچھی ہو تو وہ فی الحقیقت طلب آخرت ہے،[۲]

سیر الاولیاء (ص ۲۴۴) میں ہے کہ خواجہ قوام الدین حضرت شیخ نصیر الدین کے مرید صادق تھے، شاہی ملازمت میں داخل ہوئے تو کچھ دنوں کے بعد کسی الزام میں موقوف کر دیئے گئے ان پر سخت وقت پڑا، عزیزوں اور دوستوں کی نظریں ان سے بدل گئیں، ضرورت کے وقت اپنی کوئی چیز فروخت کرنے کے لئے بازار جاتے، تو کوئی خریدنے کے لئے تیار نہ ہوتا اسی پریشانی میں مرشد یاد آئے، چنانچہ وہ حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں پہونچے، لیکن وہ اپنا مدعا کہنے بھی نہ پائے تھے، کہ حضرت چراغ دہلی نے یہ قطعہ پڑھا

دنیا چو مقدر است، نخروشی بہ رزقت تو رسد بوقت کم کوشی بہ
چیزے کہ نمی خرند، نفروشی بہ گفت تو نمی کنند، خاموشی بہ

---

[۱] مجلس بست و پنجم [۲] مجلس ہشتاد و پنجم،

خواجہ قوام الدین کا خود بیان ہے کہ میرے دل میں جو بات تھی اس کو حضرت خواجہ نے اپنے نور باطن سے اس قطعہ میں ظاہر کر دیا، اور میں نے سر جھکا کر عرض کیا کہ حضرت مخدوم نے جو کچھ فرمایا ہے وہی بندہ کے دل میں ہے، خواجہ قوام الدین کا یہ بھی بیان ہے کہ حضرت مخدوم کی اس کرامت سے میرے دل کو بڑی تقویت پہونچی،

رجوع خلق سے ریاضت میں خلل

رشد و ہدایت کا سلسلہ اتنا بڑھتا گیا کہ حضرت چراغ دہلی کو ریاضت و مجاہدہ میں اگلی سی محنت شاقہ کرنے کے لئے وقت نہ ملتا تھا، خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید شاعر کو ایک روز مخاطب کر کے فرمایا اب مجھ کو خلوت میں عبادت کرنے کی فرصت نہیں ملتی، دن بھر اللہ کی مخلوق کے ساتھ رہتا ہوں، اکثر قیلولہ بھی میسر نہیں آتا، قیلولہ کرنا چاہتا ہوں تو لوگ آکر جگا دیتے ہیں، کہ فلاں آیا ہے، تم لوگوں کو فرصت ہے، عبادت میں مشغول رہو، مولانا حمید شاعر نے یہ سن کر عرض کیا، کہ ہر چند جناب کا ظاہر خلق اللہ سے مشغول معلوم ہوتا ہے لیکن باطن شریف ہمیشہ حق سے مشغول رہتا ہے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا رات کو البتہ کچھ ذکر یا وظیفہ ہو جاتا ہے، لیکن دن میں کچھ نہیں ہوتا، پھر بھی عنایت ربانی سے ناامید نہیں ہوں، مولانا حمید شاعر کا بیان ہے کہ یہ بات فرما کر حضرت خواجہ نہایت شکستہ دلی سے رونے لگے، اور پھر یہ شعر پڑھا،

این دلو تہی کہ در چہ انداختہ ام   نو امید نیم کہ پر بر آید روزے

حضرت چراغ دہلی کی ذات اقدس سے فیوض و برکات کا چشمہ برابر جاری رہا، پھر بھی وہ فرماتے کہ میں کس لائق ہوں کہ شیخ بنوں اب یہ کام بچوں کا کھیل ہو گیا ہے، اور اسی کے ساتھ حضرت ثنائی کا یہ شعر پڑھتے،

مسلمانان مسلمانان مسلمانی مسلمانی   ازین آئین بے دینان پشیمانی پشیمانی

---

[1] خیر المجالس مجلس دوازدہم [2] اخبار الاخیار ص ۷۶،

شاہی دربار سے تعلقات معاصر تاریخوں میں تو نہیں لیکن بعض تذکروں میں ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت چراغ دہلی کو ایذا پہنچانے کی کوشش کی سیر العارفین میں ہے[1]۔

"ایک روز سلطان محمد تغلق نے ابتدا و زمانہ سلطنت میں حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو اپنے گھر بلا کر اپنی داہنی جانب بٹھلایا، اور التماس کیا میں خراسان کی طرف جانے والا ہوں مجھے منظور ہے کہ تم بھی میرے ہمراہ چلو، یہ سن کر شیخ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ تب بادشاہ نے کہا یہ لفظ انشاء اللہ تعالیٰ کا واسطے تبعید کے واقع ہوا ہے شیخ نے فرمایا، ہرگز یہ کلمہ کہنے سے کسی کام میں تبعید واقع نہیں ہوتی، بلکہ یہ لفظ واسطے تاکید ہے، اس درمیان میں سلطان نے طعام طلب فرمایا، اور یہ قصد کیا کہ اگر شیخ کھاویں تو اُن کو ایذا پہنچاؤں جب دسترخوان بچھایا گیا، حضرت شیخ نے بکراہت تمام کھانا شروع کیا، اس کے بعد سلطان نے کہا یا شیخ مجھے کوئی نصیحت ایسی کیجئے جس پر میں عمل کروں شیخ نے فرمایا کہ یہ درندوں کا سا غصہ جو تمھاری عادت اور طبیعت میں داخل ہے، اس کو چھوڑ و بعد اس کے سلطان نے ایک بدرہ زر سفید کا اور دو قطعہ صوف سبز اور سیاہ کے شیخ کے پیش نظر کئے، مقصود اس کا یہ تھا کہ شیخ یہ عطیہ خود اٹھا دیں لیکن شیخ بالکل متوجہ نہ ہوئے، اسی اثنار میں خواجہ نظام الدین دبیر مقرب خاص سلطانی جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کا مرید تھا، اُس نے حضرت شیخ کے آگے سے وہ صوف اور زر نقد اٹھا لیا، اور کفش شیخ درست کرکے سامنے رکھدیں، جب حضرت شیخ سلطان کی مجلس سے باہر آئے، مقرب سلطانی نے وہ صوف اور زر نقد خادم کے سپرد کیا اور پیشانی اپنی شیخ کے خاکپا پر مل کر رخصت حاصل کی، بادشاہ مقرب نظام الدین پر از حد غیظ و غضب میں ہوا، یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلوار پر ہاتھ لے گیا، اور لال ہو کر کہا اے شیخ

---

[1] یہ عبارت سیر العارفین کے ترجمہ کی نقل ہے، ج دوم ص ۴۴،

تیری کیا مجال اور قدرت تھی جو تونے بدرۃ اور صوف شیخ کے سامنے اٹھا کر اُن کی کفشین میرے
سامنے لا کر درست کر کے رکھدین خواجہ نظام الدین مذکور میانہ قد تھا، اور حضرت شیخ
نظام الدین اولیاء قدس سرہ کا منظور نظر تھا، اور شعر گوئی مین حضرت خواجہ امیر خسرو
علیہ الرحمہ کا شاگرد تھا، فی الفور بادشاہ کو جواب دیا کہ اگر مین اس صوف اور زر نقد کو نہ
اٹھاتا تو وہ آپ کے ڈولچہ ہی مین پڑا رہتا، اور شیخ ہرگز اپنا ہاتھ اس پر نہ بڑھاتے،
اور کفشون کا درست کر کے رکھنا یہ میرا عین فخر تھا، واللہ اگر اس وقت سلطان عالم مجھکو
قتل بھی فرما دین گے تو مین نہایت خوشنود اور راضی ہون گا، اس واسطے کہ آپ کی تنگ
صحبت سے مجھکو قیامت تک کے واسطے خلاصی ہو جائے گی، یہ سب کچھ کہہ گیا اور شیخ کی
برکت سے بادشاہ اس کا کچھ نہ کر سکا"

حضرت خواجہ نصیر الدین کی طبیعت بڑی نرم اور میٹھی تھی، اس لئے سلطان کو اُن کا جو انجام اوپر
نقل کیا گیا ہو، اُن کی طبیعت اور فطرت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، یہ روایت اس لئے بھی مشکوک
معلوم ہوتی ہے کہ یہ تمام باتین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت مولانا
فخر الدین زرادی کے حالات مین بھی بیان کی جاتی ہین، اخبار الاخیار مین ہے،

"جب محمد تغلق نے دہلی کے لوگون کو دیوگیر بھیجا تو ان ہی دنون یہ چاہا کہ ملک ترکستان
اور خراسان کو تسخیر کر کے وہان سے چنگیز خانیون کو نکال دے، شہر کے صدور اور اکابر
کو حکم دیا کہ جمع ہون اور ایک بڑا خیمہ نصب کر کے اس کے نیچے اپنے بیٹھنے کے لئے ایک
منبر رکھا، تاکہ اس منبر پر لوگون کو جہاد کی ترغیب دے، اسی دن مولانا فخر الدین زرادی،
شیخ شمس الدین یحیی اور شیخ نصیر الدین محمود کو بھی بلایا، خواجہ قطب الدین دبیر جو شیخ
نظام الدین اولیاء کے مریدون مین اور مولانا فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے، مولانا کو

سب سے آگے سلطان کے دربار میں لے گئے، مولانا بارہا فرماتے تھے، میں اپنے سر کو اس مرد کے سامنے پڑا ہوا دیکھتا ہوں، میں اس کی موافقت کرنی نہیں چاہتا، جب سلطان سے مولانا کی ملاقات ہوئی، تو خواجہ قطب الدین دبیر نے مولانا کی جوتیاں اٹھا کر بغل میں لے لیں، اور کھڑے ہو گئے، سلطان نے یہ دیکھ کر کچھ نہ کہا، اور مولانا فخر الدین زرادی سے باتوں میں مشغول ہوا، اُس نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ چنگیز خانیوں کو نکال دوں، آپ اس کام میں میرے ساتھ دیں گے، مولانا نے فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ، سلطان نے کہا یہ تو کلمہ شک ہے، مولانا نے کہا آنے والی بات کے لئے یہی کہا جاتا ہے، سلطان نے پیچ و تاب کھایا، اور کہا آپ مجھکو نصیحت کیجئے، تاکہ میں اس پر عمل کروں، مولانا نے فرمایا اپنا غیظ و غضب روکو، سلطان نے کہ کونسا غیظ و غضب؟ مولانا نے کہا وحشیانہ، سلطان کو بڑا غصہ آیا، لیکن اُس نے حکم دیا کہ کھانا لاؤ، جب کھانا لایا گیا تو مولانا نے کراہت کے ساتھ تھوڑا سا کھانا کھایا، جب کھانا ختم ہو چکا تو ان بزرگوں کو جو وہاں موجود تھے، ایک ایک جامۂ صوف اور ایک ایک بدرۂ سیم پیش کیا گیا، شیخ نصیر الدین محمود اور مولانا شمس الدین یحیٰ اور دوسرے بزرگ جیسا کہ مشہور ہے، ان چیزوں کو ہاتھوں میں لے کر باہر نکلے، لیکن مولانا فخر الدین کے جامہ و سیم کو خواجہ قطب الدین دبیر نے خود لے لیا، وہ جانتے تھے، کہ مولانا نہیں لیں گے، اور اُن کی ہتک ہو گی، جب یہ تمام بزرگ واپس گئے تو سلطان محمد نے خواجہ قطب الدین دبیر سے کہا اے فریبی، بدبخت! تو نے یہ کیا حرکت کی کہ فخر الدین زرادی کو میری تلوار سے خلاصی دلا دی، خواجہ قطب الدین نے کہا وہ میرے استاد ہیں اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں، مجھ پر لازم تھا کہ میں اُن کا ادب کرتا، سلطان نے کہا۔ ایسے کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو، ورنہ تجھ کو مار ڈالوں گا، خواجہ قطب الدین نے کہا زہے قسمت کہ میں اپنے مخدوم کی خاطر مارا جاؤں (ص ۲۰۴ - ۲۰۵)

اسی اخبار الاخیار میں سلطان محمد تغلق اور حضرت خواجہ نصیر الدین کے ناخوشگوار تعلقات کا جو ذکر ہے، وہ سیر العارفین کے بیانات سے مختلف ہے، ملاحظہ ہو:-

"بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمد تغلق حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو اُن کے کمالات کے باوجود ایذائیں دیتا، اور اپنے ساتھ سفر میں لیجاتا، کہتے ہیں کہ سلطان نے ان کا اپنا جامہ دار مقرر کیا تھا، وہ ان تمام باتوں کو اپنے پیر کی وصیت کے مطابق برداشت کرتے، اور دم نہ مارتے تھے، ایک دفعہ سلطان محمد تغلق نے شیخ نصیر الدین محمود کے لئے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا بھیجا، مقصد صرف تکلیف پہنچانا تھا، کہ اگر وہ کھانا نہ کھائیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ کیوں نہیں کھایا، اور اگر کھا لیا، تو سوال کیا جائے گا، کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھا کر خلاف شرع کام کیوں کیا، جب کھانا شیخ کے سامنے پیش کیا گیا تو کچھ نہ بولے، لیکن سونے کے پیالہ سے کچھ یخنی نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھی، اور پھر اس کو چکھا، دشمن ناکام واپس ہوئے،" (ص ۸۵)

تاریخ فرشتہ میں تو بعض ایسی عجیب وغریب باتیں ہیں جو اور تذکروں میں نہیں ہیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

"بادشاہ محمد تغلق شاہ اپنے قتل وخون کی وجہ سے خونی کہلاتا تھا، اس کو درویشوں سے بھی سوء ظن تھا، چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ تمام درویش خدمت گاروں کی طرح اس کی خدمت کریں، ایک اس کو پان کھلائیں، ایک اس کی دستار باندھیں، اسی طرح بہت سے مشائخ کو مختلف کاموں کے لئے مقرر کیا، شیخ نصیر الدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی کو کپڑا پہنانے پر مامور کیا، لیکن انھوں نے اس خدمت کو انجام دینے سے انکار کیا، سلطان کو غصہ آیا، اور ان کو قید کر دیا، شیخ کو اپنے پیر شیخ نظام الدین اولیاء کی

بات یاد آئی، اور وہ مجبوراً سلطان کی خدمت کرنے پر راضی ہو گئے، قید سے اُن کو نجات ملی،
اسی مدت میں سلطان کو طرح طرح کے جھگڑے پیش آئے، اور اس کی موت جلد ہو گئی جس
سے خدا کے بندوں کو نجات ہوئی، (تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۹)

حضرت چراغ دہلی کے پیر بھائی خواجہ سید مبارک امیر خورد اپنی تصنیف سیر الاولیاء میں
حضرت چراغ دہلی اور سلطان کے تعلقات کا ذکر اس مختصر طریقہ پر کرتے ہیں،

"سلطان محمد تغلق نے جس نے مملکت ہندوستان کے طول و عرض کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا، شیخ
نصیر الدین محمود رحمہ اللہ کو جن کو تمام عالم بالاتفاق شیخ عصر تسلیم کرتا تھا، اور جن کے بہت سے
لوگ مرید تھے، ایذائیں پہونچائیں، لیکن شیخ نصیر الدین محمودؒ نے اپنے پیرون کے اتباع میں
تمام باتون کو برداشت کیا، اور بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی، بادشاہ نے اپنی عمر کے آخری
زمانہ میں ٹھٹھہ کی مہم پر گیا، جو شہر دہلی سے ہزار کروہ پر واقع تھا، وہان پہنچ کر شیخ
نصیر الدین محمود کو علما، اور بزرگان دین کے ساتھ طلب کیا، اور بیجا طور پر ان کا احترام نہیں
کیا، ان لوگون نے تحمل سے کام لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اس کو تخت سلطنت سے اُتار کر
تختۂ تابوت پر شہر لائے، شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو اس
بادشاہ نے ایذا کیون پہنچائی، تو انھون نے فرمایا کہ یہ معاملہ میرے اور حق جل وعلیٰ کے
درمیان تھا، اس کو اسی طرح مین نے برداشت کیا (ص ۲۴۴ - ۲۴۵)

تعجب ہو کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت شیخ نصیر الدین کو ایذائیں دین، کیونکہ اس کو خود سلسلۂ
چشتیہ میں حضرت شیخ علاء الدین نبیرۂ حضرت شیخ فریدالدینؒ سے ارادت تھی، اس کے علاوہ وہ حضرت
خواجہ نظام الدین اولیاء کا بھی معتقد رہا، ایک روایت کے مطابق آپ کے جنازہ کو کاندھا
بھی دیا، حضرت خواجہ صاحب کے روضۂ مبارک کی عمارت اسی نے بنوائی، (سیر الاولیاء ص ۱۵۴) ایسی

حالت میں اُن کے جانشین کو ایذا دینا موجب حیرت ہو، اس کو اولیاء اللہ سے عقیدت بھی تھی، چنانچہ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری کے لئے زبردستی خانقاہ بنوائی، اور ان کو جاگیر دی،

اسی طرح حضرت شیخ رکن الدین کی وفات کے بعد اُن کے مزار کے پاس ایک خانقاہ تعمیر کی، اور اس کے لئے کچھ گاؤں وقف کئے (الدر المنظوم ملفوظات حضرت جہانیاں جہاں گشت اردو ترجمہ ص ۵۲۵)

اوپر کے اقتباسات سے بھی ظاہر ہوگا کہ دربار میں بزرگان دین آتے، تو ان کو خلعت اور ندرانے بھی دیتا، حضرت برہان الدین غریب سے اس کی خوش عقیدگی کا ذکر پہلے گذر چکا ہے، اسی طرح اُس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ایک دوسرے خلیفہ شیخ قطب الدین منور سے بھی اپنی عقیدت کا اظہار کیا، ان کے پاس چند گانوں کا فرمان قاضی کمال الدین صدر جہان کے معرفت بھیجا، لیکن انھوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا میرے خواجگان ایسی چیزوں کو قبول نہیں کرتے تھے، ان گاؤں کے جو طالب ہوں ان ہی کو دو، سلطان محمد تغلق ایک موقع پر ہانسی گیا، یہاں حضرت قطب الدین کی خانقاہ تھی، لیکن سلطان ان سے مل نہ سکا تو ان کو دہلی آنے کی دعوت دی، چنانچہ وہ بادل ناخواستہ دہلی تشریف لے گئے، اور جب دربار میں پہنچے، تو اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے،

"چون سلطان......شیخ را دید طاقت نیاورد، بتعظیم تمام پیش آمد و مصافحہ کرد،

سلطان پر شیخ کا ایسا رعب طاری ہوا، کہ وہ ان کا بیحد معتقد ہو گیا، اور عرض کیا کہ میں جب آپکے شہر میں حاضر ہوا تو آپ نے کچھ تربیت نہیں فرمائی، اور نہ اپنی ملاقات کا شرف بخشا، شیخ نے فرمایا پہلے ہانسی کو دیکھو پھر درویش بیچارہ ہانسی کو، یہ درویش اپنے کو اس لائق نہیں سمجھتا ہے کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے، ایک گوشہ میں بیٹھا بادشاہوں اور تمام اہل اسلام کے لئے دعائیں کرتا رہتا ہے، اس کو معذور رکھنا چاہئے، سلطان اس بات سے متاثر ہوا، اور شہزادہ فیروز سے جو اس وقت موجود تھا کہا،

"آنچنان کہ مقصود شیخ است ہمچنان کنید،"

شیخ نے فرمایا میرا مقصود فقرا در باپ دادا کا گوشہ ہے، جب شیخ سلطان کے یہان سے واپس تشریف لے گئے، تو اس نے شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکہ اوکران کے پاس بھیجا، شیخ نے اتنی بڑی رقم دیکھکر فرمایا، یہ درویش ایک لاکھ تنکے لیکر کیا کرے گا، شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی سلطان کے پاس واپس گئے، سلطان نے پچاس ہزار تنکے دیکر پھر دونون کو بھیجا، شیخ نے ان کو بھی قبول نہین کیا، بالآخر دو ہزار تنکے بھیجے گئے، لیکن ان کو بھی قبول نہین کیا، اور فرمایا درویش کے لئے دو سیر گیہون اور ایک سیر روغن کافی ہے، دو ہزار لے کر کیا کرے گا، لیکن جب شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی نے بہت اصرار کیا تو دو ہزار کی رقم لیلی، کچھ تو مرشد کے مزار کے لئے محفوظ رکھی، اور بقیہ فقرا مین تقسیم کردی،

مذکورۂ بالا واقعات کا ذکر کرتے ہوئے تذکرہ نویس لکھتے ہین کہ سلطان نے یہ تمام باتین حضرت شیخ قطب الدین منور کو ایذا دینے کے لئے کین[۱] جو بظاہر قرین قیاس نہین ہے، عام طور سے تذکرہ نگار جب بوریا نشینون اور تخت نشینون کے تعلقات کا ذکر کرتے ہین، تو کچھ نہ کچھ ایسی باتین ضرور قلمبند کر دیتے ہین، جن سے ان کے خیال مین درویشی کی شان عظمت و جلالت بڑھ جاتی ہے، اس لئے کیا عجب کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود اور سلطان محمد تغلق کے تعلقات کے دکھانے مین بھی یہی صورت اختیار کی ہو، اس قسم کے واقعات مغلیہ دور کی تصانیف مین زیادہ پائے جاتے ہین، جن کے مصنفین کو تیموریون سے پہلے کے سلاطین کو کسی نہ کسی حیثیت سے مجروح کرنے مین لطف حاصل ہوتا تھا،

شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت نصیر الدین کو ایذا دینے کے لئے ٹھٹھ نہین بلایا تھا، بلکہ وہان اپنے ساتھ لے گیا تھا،

"چو سلطان محمد دنبال طغی در ٹھٹھ رفت خدمت شیخ نصیر الدین را برابر خود برد[۲]

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۸۰-۸۱ [۲] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹،

آگے چل کر مقدمۂ دوازدہم میں ہے،

"خدمت شیخ نصیرالدین محمود علیہ الرحمۃ الغفران را سلطان محمد در ٹھٹھہ برابر خود بردہ بود و اندران ایام کہ سلطان محمد در زمین ٹھٹھہ بحضرت الٰہی پیوست و حضرت فیروز شاہ بعون اللہ بر بادشاہی نشست خدمت شیخ نصیرالدین محمد برابر سلطان فیروز گشت[1]"

حضرت چراغ دہلی اور سلطان فیروز شاہ | مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی (ص ۵۳۵) سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ نصیرالدین محمود ان علماء مشائخ و اکابر کے ساتھ شریک تھے جنھوں نے ٹھٹھہ میں بالاتفاق فیروز شاہ کو سلطان محمد کا جانشین بنایا، لیکن شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی کے بیانات نسبتہً زیادہ واضح ہیں، فیروز شاہ کی تخت نشینی کے سلسلہ میں ہے،

"جب سلطان محمد تغلق ٹھٹی کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ٹھٹھہ گیا، تو وہ حضرت شیخ نصیرالدین کو اپنے ساتھ لے گیا، سلطان محمد نے ٹھٹھہ میں وفات پائی، اور سلطان فیروز شاہ بادشاہ ہوا، حضرت شیخ نصیرالدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ آپ وعدہ کریں کہ خلق کے ساتھ عدل و انصاف کریں گے، ورنہ ان بیکس بندوں کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دوسرا فرمانروا طلب کیا جائے، سلطان فیروز نے جواب کہلا بھیجا کہ میں خداوند تعالیٰ کے بندوں سے حلم و بردباری کے ساتھ پیش آؤں گا، اور اُن پر انصاف و محبت سے حکومت کروں گا، حضرت شیخ نے یہ جواب سُنا تو کہلایا کہ اگر آپ خلق کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آئیں گے، تو ہم بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے آپ کے لئے چالیس سال کی حکومت کے لئے دعا کریں گے، اور آخر کار وہی ہوا، جو حضرت شیخ نے فرمایا تھا، سلطان فیروز نے چالیس سال تک حکومت کی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ نصیرالدین محمود نے سلطان فیروز شاہ کو اتنا لیس خربوزے بھیجے،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۸۲،

جو بشارت پر بشارت خیال کی گئی، (ص ۲۹)

حضرت چراغ دہلی اور خانجہان

سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خانجہان حضرت چراغ دہلی کا مرید تھا، یہ نسباً تلنگی ہندو تھا، سلطان محمد تغلق کے پاس حاضر ہو کر ایمان لایا، اور اپنی غیر معمولی استعداد اور صلاحیت کی بنا پر ترقی کرکے محمد تغلق ہی کے زمانہ مین وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا، فیروز شاہ کے عہد مین بھی وزارت کی باگ اسی کے ہاتھ مین رہی، جب وہ حضرت چراغ دہلی کے حلقۂ ارادت مین داخل ہوا تو مرشد سے اپنے لئے عبادت و ریاضت کی تفصیل پوچھی، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا تم وزیر مملکت ہو، تمھاری عبادت یہی ہے کہ حاجت مندون کی حاجت برآری مین انتہائی کوشش کرو، خانجہان نے اوراد و وظائف کے لئے اصرار کیا، فرمایا اگر تم ہمیشہ باوضو رہو تو تمھارے لئے یہی بہتر ہے، چنانچہ خانجہان مرشد کی ہدایت کے مطابق ہمیشہ باوضو رہنے لگا، شمس سراج عفیف مصنف تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ اس امر مین خانجہان اتنی احتیاط کرتا تھا کہ اگر دربار مین مسند وزارت پر اس کو وضو کی حاجت ہو جاتی تو فوراً اٹھ کر وضو کر لیتا، اور رات کو جب اپنے بستر حریر پر سونے کے لئے جاتا، تو پلنگ کے پاس ایک آفتابہ اور ایک طشت رکھوا لیتا، اور جب آنکھ کھلتی فوراً پلنگ سے اتر کر وضو کر لیتا، وفات کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے قریب دفن ہوا، تمام خلقت خدا نے اس کے لئے ماتم کیا، اور جیسا کہ شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ ہر شخص تعزیت مین مسجدون اور مقبرون مین جا بیٹھا، لیکن یہ کہنا صحیح ہوگا کہ خانجہان کی خدا ترسی اور عدل پروری حضرت چراغ دہلی ہی کے فیض صحبت کا نتیجہ تھی، اس کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے شمس سراج عفیف رقمطراز ہے،

خانجہان وزیر صاحب تدبیر اور خدا ترس تھا، ہر وقت رعایا کی بہتری و فلاح کی کوشش میں لگا رہتا، کسی شخص پر ذرہ برابر بھی ظلم روا نہ رکھتا، اگر کوئی مقطع ظلم کرتا اور مال لے کر آتا، تو خانجہان مال کے اس اضافہ کو پسند نہ کرتا، ہر وقت رعیت کی راحت رسانی

میں سرگرم رہتا، کام کرنے والے گروہ کی حمایت کرتا اور دل وجان سے اس کے قصور کی

پردہ پوشی کرتا، اور اگر کسی عامل سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو نہایت عمدہ طریقہ پر اس

کا حال بادشاہ سے عرض کرکے اس کو شاہی بازپرس سے بری کرا دیتا، خانجہاں کی وفات

پر تمام خلقت خدا نے ماتم کیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام آثار اس کی مغفرت کی دلیل ہیں'

(تاریخ فیروز شاہی ص ۴۲۲ و ۴۲۳)

حضرت چراغ دہلی اور حضرت قطب الدین منور کی ملاقات

جب حضرت چراغ دہلی سلطان فیروز شاہ کے ساتھ ٹھٹھہ سے واپس ہورہے تھے، تو انھوں نے حضرت قطب الدین منور کی ملاقات کے لئے ہانسی کا رُخ کیا، حضرت قطب الدین منور کو جب معلوم ہوا کہ حضرت چراغ اُن کی خانقاہ کے قریب پہنچ گئے ہیں، تو برہنہ پا دوڑے، اور دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے، حضرت منور نے حضرت چراغ کے قدموں کی جانب ہاتھ بڑھایا، اور حضرت چراغ نے شیخ منور کے قدم لینے کا ارادہ کیا، اس تواضع کے بعد دونوں بڑی محبت و یگانگت کے ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے خانقاہ تشریف لائے، اور اپنے پیر و مرشد کو یاد کرکے بہت روئے، اس کے بعد محفل سماع منعقد ہوئی، جس میں دونوں بزرگوں پر سکر کا عالم طاری ہوا، سماع کے بعد عصر کی نماز کا وقت آیا، تو حضرت شیخ منور نے حضرت چراغ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ امامت کریں، حضرت چراغ نے حضرت منور کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا، امامت آپ کے لئے زیبا ہے، یہ بھی فرمایا، کہ اگرچہ پیر و مرشد نے ہم دونوں بھائیوں کو ایک ہی روز خرقۂ خلافت عطا کیا تھا، لیکن آپ کو چاشت کے وقت خلافت ملی اور مجھ کو ظہر کی نماز کے وقت مشرف فرمایا اس لئے امامت کے لئے بھی آپ ہی کا حق مقدم ہے مرشد کے ذکر پر حضرت شیخ منور امامت کے لئے آگے بڑھے، شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ جب دونوں عارفان حق نماز ادا کر رہے تھے، تو معلوم ہوتا تھا کہ فرش زمین پر قرانِ السعدین ہے[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۸۰ - ۸۱

دونوں بزرگوں میں شروع سے آخر تک غیر معمولی محبت رہی، حضرت شیخ منور کے یہاں جب حضرت چراغ دہلی کا کوئی مرید آیا، تو فرماتے آؤ میرے قریب بیٹھو، تم میرے برادر زادہ ہو، پھر اس پر بیحد کرم فرماتے، اسی طرح اگر کوئی شخص ہانسی سے حضرت چراغ کی قدمبوسی کے لئے آتا تو آپ اس کو اپنی آغوشِ شفقت میں لیتے، اور اپنی خانقاہ میں اعزاز و اکرام کے ساتھ مہمان رکھتے،[۵۱]

ذوقِ سماع | خواجگانِ چشت کی طرح حضرت چراغ بھی سماع کا ذوق رکھتے تھے، ایک مرتبہ خانقاہ کی ایک مجلس سماع میں حسب ذیل شعر پر وجد آیا،

جفا بر عاشقان گفتی نخواہم کرد ہم کردی
قلم بے دلان گفتی نخواہم راند ہم راندی

مولانا مغیث شاعر نے ایک رسالہ میں اس محفل کا پورا حال بیان کرکے یہ اعتراض کیا کہ اس شعر میں کوئی بات نہیں ہے، اگر جور و جفا کی نسبت خداوند تعالیٰ کی جانب کی جائے، تو یہ کفر ہے، اس قسم کے اور اعتراضات بھی تھے، مولانا مغیث نے یہ رسالہ مولانا معین الدین عمرانی کو دیا، انھوں نے حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے اس کو پڑھا، لیکن کچھ ارشاد نہیں فرمایا، اور رسالہ واپس کر دیا، کچھ دنوں کے بعد ایک اور مجلس میں حضرت چراغ کو اس شعر پر بڑی بے قراری ہوئی

ما طبل مغانہ دوش بے باک زدیم | عالی علمش بر سر افلاک زدیم
از بہر یکے مغ بچۂ خوارہ | صد بار کلاہ توبہ بر خاک زدیم

اور اسی بے قراری کے عالم میں چھت پر تشریف لے گئے، اور مولانا مغیث کو بلایا، جب وہ سامنے آئے تو فرمایا ہاں مولانا بنویس این جا چہ حیلہ بود"[۵۲]

---

[۵۱] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۸۲ [۵۲] جوامع الکلم ملفوظات حضرت گیسو دراز، و اخبار الاخیار ص ۷۷،

جب کبھی سماع کی وجہ سے سکر کا عالم طاری ہوتا، تو بھی نماز قضا نہ ہونے پاتی، ایک بار ظہر کے وقت وجد آیا، جو تہجد کی نماز تک قائم رہا، لیکن اس اثنا میں جب نماز کا وقت آتا، تو ہر بار وضو کر کے نماز ادا فرماتے[1]

سماع کے ساتھ مزامیر پسند نہیں فرماتے تھے، ایک روز حضرت محبوب الٰہی کے مریدوں نے مجلس سماع منعقد کی، قوالوں نے دف کے ساتھ گانا شروع کیا تو حضرت چراغ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، لوگوں نے بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا یہ خلاف سنت ہے، حضرت محبوب الٰہی کو یہ واقعہ سنایا گیا، تو آپ نے فرمایا وہ سچ کہتے ہیں، اور حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں[2]

ایک بار کسی نے مجلس سماع میں آپ سے مزامیر، دف، رباب اور رقص کے متعلق استفسار کیا، تو فرمایا مزامیر بالاجماع مباح نہیں ہیں، اگر کوئی طریقت سے گرے، تو کم سے کم شریعت میں رہے اور اگر شریعت کا بھی نہ ہوگا، تو پھر کہاں کا رہے گا، اول تو سماع ہی میں علماء کا اختلاف ہے، اگرچہ کچھ شرائط کے ساتھ اس کو مباح کہا گیا ہے، لیکن مزامیر تو بالاتفاق حرام ہیں،

سماع کے متعلق فرمایا،

دار وے درد مندان است[3]

اور سماع میں ذوق درد دل سے ہوتا ہے، نہ کہ مزامیر سے،

قاتلانہ حملہ | ایک روز حضرت چراغ نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ سے آکر اپنے حجرۂ خاص میں مراقبہ میں مشغول تھے، کہ ایک قلندر مسمی تراب وہاں پہنچا، اور چھری سے پے در پے آپ پر حملے کئے، خون حجرے کے باہر بہنے لگا، لیکن آپ کے استغراق میں فرق نہیں آیا، خون دیکھ کر مریدین حجرے میں گئے، اور قلندر کو سزا دینی چاہی، لیکن حضرت چراغ نے روکا، اور اپنے مریدین خاص قاضی عبد المقتدر، شیخ

---

[1] مفتاح العاشقین ص ۶۵، [2] اخبار الاخیار ص ۸۱ [3] خیر المجالس مجلس ہشتم و اخبار الاخیار ص ۸۱،

صدر الدین طبیب اور شیخ زین الدین علی کو پاس بلاکر قسم دی، کہ کوئی شخص قلندر کو ایذا نہ پہنچائے، پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر چھریاں مارنے وقت تمہارے ہاتھ کو تکلیف پہونچی ہو تو معاف کرنا، اور بیس تنکۂ زر دے کر اس کو رخصت کیا، ان ہی اوصاف کی بنا پر کہا جاتا ہے، کہ چشتیہ سلسلہ میں صبر رضا و تسلیم کا خاتمہ آپ پر ہوگیا[1]

وصال | اس قاتلانہ حملہ کے بعد تین سال تک خلق اللہ کے رشد و ہدایت میں مشغول رہے، ۱۸ رمضان المبارک شب جمعہ ۷۵۷ھ میں رحلت فرمائی،

وفات سے پہلے مولانا زین الدین علی نے عرض کیا، کہ آپ کے اکثر مرید اہل کمال ہیں، کسی کو سجادہ نشین مقرر فرمادیں تاکہ سلسلہ جاری رہے، فرمایا ان درویشوں کے نام لکھ کر لاؤ جن کو تم اس لائق سمجھتے ہو، مولانا زین الدین نے تین قسم کے درویشوں کا انتخاب کیا، اعلیٰ، اوسط، اور ادنیٰ، حضرت خواجہ نے ان کے نام دیکھ کر فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کا غم کھائیں گے، لیکن دوسروں کا بار نہ اٹھا سکیں گے، اس کے بعد وصیت فرمائی کہ دفن کرنے وقت حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کا خرقۂ مبارک میرے سینہ پر، ان کا عصا میرے پہلو میں، ان کی تسبیح میری شہادت کی انگلی میں، ان کا کاسہ خشت کے بجائے میرے سر کے نیچے اور ان کی چوبین نعلین میرے بغل میں رکھدی جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز نے غسل دیا، اور جس پلنگ پر غسل دیا گیا، اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کرکے اپنی گردن میں ڈال لیں، کہ میرے لئے یہی خرقہ ہے، اور یہی کافی ہے، مزار اقدس دہلی میں ہے،

لطافتِ طبع | آپ کی طبیعت میں بہت پاکیزگی، اور مزاج میں بڑی لطافت تھی، آپکے مرید حضرت سید گیسو دراز اپنے ملفوظات جوامع الکلم (ص ۱۱۲) میں فرماتے ہیں کہ جس جگہہ وہ بیٹھتے وہ بہت ہی پاک، صاف اور روشن ہوتی، وہاں ایک تنکہ بھی دکھائی نہیں دیتا، کسی وقت یہ نہیں معلوم ہوتا، کہ جسم مبارک

---

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۴۴،

پر جو کپڑا ہے، وہ کل زیب تن فرمایا ہے، یا آج پہنا ہے، دامن اور آستینوں کی شکن سے کچھ اندازہ ہوتا، کہ وہ دن کا پہنا ہوا ہے، دائیں بائیں پھولوں کا انبار لگا رہتا تھا،

تجرد مرشد کی سنت کی پیروی میں تمام عمر ازدواجی تعلق سے آزاد رہے،

بزرگی خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید قلندر رقمطراز ہیں کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود علم میں ابوحنیفۂ وقت اور زہد و ورع میں حضرت شیخ نظام الدین کی جگہ پر تھے[1]، مفتاح العاشقین کے مرتب مولانا محب اللہ نے حضرت خواجہ کو عمدۃ الابرار قدوۃ اخیار، ملک السالکین، برہان العاشقین اور ختم المشائخ کے القاب سے یاد کیا ہے[2]،

لطائف اشرفی میں ہے:- (ص ۳۶۲)

"حضرت قدوۃ الکبری می فرمودند کہ ہر چند کہ خلفاء حضرت سلطان المشائخ ہمہ بر مسند شیخوخیت وارشاد و بر جادۂ شریعت و اتقیا بودند، اما حضرت شیخ نصیر الدین محمود را حق تعالی ولایتے کرامت کردہ بود کہ بدان رتبہ ہیچ کس از خلفاء نتواند رسید، و آن مقدار آثار ولایت و کرامت و انوار ہدایت و عظامت کہ از حضرت شیخ نصیر الدین ظہور پیوست از ہیچکس ظاہر نشد، بلکہ در ہمہ ہندوستان ہیچ صاحب ولایتے مقاومت ایشان نتوانست،

سیر العارفین میں ہے کہ

"وہ مبارز بزرجہاد اکبر، وہ شاہد شہود اطہر، وہ صنوبر ریاض ہدایت، وہ نیلوفر فیوض افادت، وہ مثال تنزیہ و تشبیہ، وہ عامل تنقیح و توضیح، وہ برگزیدہ معبود احد الواحد، وہ مشائخ کبار میں ممتاز و مستثنیٰ مجردان روزگار میں اولی الابصار تھے[3]،

---

[1] خیر المجالس مجلس دوم [2] مفتاح العاشقین، تمہید،

[3] سیر العارفین جلد دوم صفحہ [illegible]،

مولانا عبد الحق نے اخبار الاخیار میں حضرت خواجہ کو مستغرق بحر شہود کے لقب سے یاد کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنے شیخ کا بہت اتباع کرتے تھے، ان کا طریقہ فقر، صبر، رضا اور تسلیم تھا، [1]

سفینۃ الاولیا (ص ۱۰۱) میں ہے کہ حضرت خواجہ سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں، کہ سلطان المشائخ کے کسی مرید سے اتنی ظاہر نہ ہوئی ہوں گی، خزینۃ الاصفیا میں ہے،

"صاحب الاسرار، زبدۃ الابرار، عابد عظیم و زاہد کریم بود (ص ۳۵۲)

ملفوظات | حضرت چراغ کے ملفوظات کے دو مجموعے مشہور ہوئے، (۱) خیر المجالس مرتبہ مولانا حمید قلندر شاعر (۲) مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ، ان دونوں میں خیر المجالس زیادہ مقبول ہوئی اس میں ۷۵۵ھ سے ۷۵۶ھ تک کی سو مجلسوں کے ملفوظات ہیں، تمام صوفیانہ رموز و نکات لذیذ حکایتوں کے پیرایہ میں واضح کئے گئے ہیں، اس لئے پوری کتاب شروع سے آخر تک دلچسپ ہے، گذشتہ صفحات میں اس کی تعلیمات کا ذکر جستہ جستہ آچکا ہے، جگہ کی قلت کی وجہ سے ہم اس کے اور مسائل کو تفصیل کے ساتھ قلم بند کرنے سے معذور ہیں، پھر بھی کچھ مباحث ہدیہ ناظرین ہیں،

جذب و سلوک | فرمایا سلوک میں ارادت ضروری شرط ہے، تاکہ مرشد طریقہ ذکر و فکر کی تعلیم دیکے، اور جہاں ایک سالک کو وقفہ عارض ہو، وہاں مرشد دست گیری کرے، ایک سالک متدارک بجذبہ اور اور ایک مجذوب متدارک بہ سلوک ہوتا ہے، سالک متدارک بجذبہ وہ ہے، جو علم، عمل اور ارادت کی قوت سے پہلے سلوک اور پھر بعد میں جذبہ حاصل کرتا ہے، وہ اپنے اعمال میں خون جگر پیتا ہوا رنج و تعب اٹھاتا ہے، اس کو نفس اور شیطان معصیت میں آلودہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ تائب ہوکر عابد و زاہد رہتا ہے، اور مجذوب متدارک بہ سلوک وہ ہے، جو پہلے جذبہ اور آخر میں سلوک حاصل کرتا ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے، جذبہ کی قوت سے کرتا ہے، شیطان اور نفس دونوں کو اس کے یہاں دخل نہیں، حضرت چراغ کی رائے ہے کہ سالک متدارک بجذبہ اور متدارک بہ سلوک دونوں

---

[1] اخبار الاخیار ص [illegible]

کی متابعت کی جا سکتی ہے، لیکن مجذوب مطلق اور سالک نا متدارک جذبہ اتباع کے لائق نہیں ہوتے،
حضرت چراغ کے نزدیک سالک متدارک بجذبہ مجذوب متدارک بہ سلوک سے افضل تر ہے، سالک
کی ایک قسم واقفت بھی ہوتی ہے، جو علم اور مجاہدہ کے زور سے سلوک حاصل کر لیتا ہے، لیکن کسی لغزش
کی وجہ سے آگے نہین بڑھنے پاتا، ایسی حالت مین مرشد مدد کرتا ہے، ورنہ اس کو شیطان طمانچے مار مار کر ہٹا دیتا ہے[1]

حال و مقام فرمایا ایک مبتدی تلاوتِ کلام پاک، نماز اور فکر مین وقت صرف کرتا ہے، اور
جب وہ اپنے اوقات کو عبادت و ریاضت سے معمور کر لیتا ہے، تو وہ صاحب وقت کہلاتا ہے،
اس کے بعد ایک حال قائم ہوتا ہے جس مین انوار نازل ہوتے ہین اس کا اثر دل پر پہنچتا ہے، اور
دل سے اعضا مین سرایت کرتا ہے، لیکن اس حال مین دوام نہین ہوتا، اگر اس کو دوام
حاصل ہو جاتا ہے، تو یہ مقام ہے، اور جب مقام کو دوام حاصل ہوتا ہے، تو مبتدی منتہی کے درجہ پر
پہنچ جاتا ہے، اور وہ صاحب انفاس کہلاتا ہے[2] اس کی ہر سانس پاکیزہ ہوتی ہے، اور وہ غیر حق
کے تمام خیالات دل سے محو کر دیتا ہے،

صحتِ نفس حضرت چراغ نے نفس کی تربیت پر بڑا زور دیا، فرمایا محافظت نفس کے لئے مخالفتِ
نفس ضروری ہے، چنانچہ ایک موقع پر اپنی ساری تعلیم کا لبِ لباب اس شعر مین پیش کیا،

صحتِ نفس و قوت یک روزہ
بہتر از تاج و تخت فیروزہ[3]

مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ اٹھائیس صفحے کا ایک مختصر رسالہ جو مطبع مجتبائی
دہلی مین چھپ گیا ہے، اس کے مطبوعہ نسخہ کے آخر مین ہے:-

"تمام شد ملفوظ حضرت سلطان المشائخ شیخ نصیر الحق والشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز"

---

[1] خیر المجالس مجلس دہم و مجلس سی و نہم [2] ایضاً مجلس دوازدہم [3] ایضاً مجلس دوازدہم و سی نہم،

تاریخ سیزدہم ماہ صفر ۸۸۶ھ ہجری نبوی روز پنجشنبہ وقت نماز ظہر،

۸۸۶ھ کتابت وطباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حضرت چراغ کا وصال ۷۵۷ھ مین ہوا،

مفتاح العاشقین مین صرف دس مجلسون کے ملفوظات ہین، اس مین سے بھی کچھ باتین پیش کیجاتی ہین ۔

غسل کی قسمین | فرمایا ایک مرید کے لئے تین قسمون کا غسل ضروری ہے، (۱) غسل شریعت یعنی جسم سے ناپاکی کو دور کرنا، (۲) غسل طریقت یعنی تجرد اختیار کرنا، (۳) غسل حقیقت یعنی باطن کا توبہ کرنا، (ص ۴)

چار عالم | فرمایا ایک مرید کو راہِ سلوک مین حسب ذیل چار عالم سے واقف ہونا ضروری ہے، اور اگر وہ واقف نہین ہے تو وہ دروغ گو ہے،

(۱) ناسوت (۲) ملکوت (۳) جبروت (۴) لاہوت ،

عالم ناسوت حیوانات اور نفس کی دنیا ہے، اس مین حواس خمسہ سے افعال صادر ہوتے ہین سالک اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے اس عالم سے گذر کر عالم ملکوت مین پہنچتا ہے، جہان اس کے افعال صرف تسبیح، تہلیل، قیام، رکوع اور سجود تک محدود ہوتے ہین، اس عالم کو طے کرکے وہ عالم جبروت مین آتا ہے، جہان صرف شوق، ذوق، محبت، اشتیاق، طلب وجد، سکر، سہو، ہجد اور محو کے سوا کچھ اور نہین ہوتا، اس کے بعد وہ عالم لاہوت مین داخل ہوتا ہے، جو بالکل لامکان ہے، یہان نہ گفتگو ہے، اور نہ جستجو، عالم ناسوت نفس کی صفت، عالم ملکوت دل کی صفت، عالم جبروت روح کی صفت اور عالم لاہوت "نظر رحمان" کی صفت ہے،

تجلیہ روح | ایک دوسری جگہ فرمایا کہ سالک جب تک تزکیہ، تصفیہ اور تجلیہ حاصل نہین کرتا، اس

مین درویشی کا جوہر پیدا نہین ہوتا، ان ہی کے ذریعہ سے شریعت، طریقت اور حقیقت کے مراتب حاصل ہوتے ہین، حصولِ شریعت سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے، اور اس کے لئے کم کھانا، اور رات کو نوافل پڑھنا ضروری ہے، حصولِ طریقت سے تصفیۂ دل ہوتا ہے، اس کے لئے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، اور ذکر جلی کرنا لازمی ہے، حصولِ حقیقت سے تحلیۂ روح ہوتا ہے،

اس کے لئے روزے رکھنا اور ذکر خفی کرنا ضروری ہے، تجلیۂ روح سے مراد دل کے سات گوہر کا روشن ہونا ہے، وہ سات گوہر یہ ہین،

(۱) گوہر ذکر (۲) گوہر عشق (۳) گوہر محبت (۴) گوہر سیر (۵) گوہر روح، (۶) گوہر معرفت، (۷) گوہر فقر،

گوہر ذکر کی روشنی سے سالک موجودات کی کل چیزون مین منفرد ہو جاتا ہے جس کے بعد گوہر عشق روشن ہو جاتا ہے، اس مین شوق اشتیاق، درد، اندوہ حیرانی اور بیخودی رہتی ہے، اس کے بعد گوہر محبت مین روشنی پیدا ہوتی ہے جس سے سالک کے دل مین خدا کے سوا کسی اور کی محبت نہین رہتی ہے، اور وہ ہر حال مین راضی برضا ہوتا ہے، اسی اثنا مین وہ واردات اور مواہب الٰہی سے آگاہ و سرفراز کیا جاتا ہے جس سے گوہر سیر روشن ہوتا ہے، اس کے بعد روح کا گوہر چمکتا ہے جب کے سالک کا کوئی لمحہ خدا کی طاعت سے خالی نہین رہتا ہے، پھر گوہر معرفت اور آخر مین گوہر فقر روشن ہوتے ہین، گوہر معرفت کے روشن ہونے پر سالک جو کچھ سنتا ہے، خدا سے سنتا ہے، جو کچھ کہتا ہے خدا سے کہتا ہے، جب کبھی چلتا ہے تو خدا کے لئے چلتا ہے، اور جب فقر کا گوہر روشن ہوتا ہے تو سالک دنیا اور دنیا کی تمام چیزون سے مستغنی ہو جاتا ہے،

اور جب سالک ان مراتب کو پہنچتا ہے، تو انوار تجلی سے متصف ہو کر اٹھارہ ہزار دنیا کو اپنی دو انگلیون کے درمیان پاتا ہے، اور وہان خدا کی قدرت سے چرند اور چگون کا تماشا دیکھتا ہے،

قربت خداوندی میں جو کچھ چیزیں ہیں وہ اس کی زودی ہوتی ہے مگر سالک کو اختیار رکھنا چاہئے کہ

کہ اس سعادت سے محروم (بے نصیب) نہ ہو جائے (ص ۱۱)

محبت کی قسمیں | ایک مجلس میں خاص محبت پر ارشادات ہیں، فرمایا کہ محبت کی دو قسمیں ہیں، محبت ذات، محبت صفات، محبت ذات وہبی ہے اور محبت صفات کسبی ہے، ابتدا میں سالک کو خلق، دنیا نفس اور شیطان جادۂ محبت سے گمراہ کرتے ہیں، مگر خلق سے پرہیز کے لئے عزلت نشینی، دنیا کو نظر انداز کرنے کے لئے قناعت پسندی اور نفس اور شیطان سے بچنے کے لئے عبادت گذاری ضروری ہے،

خاص محبت وہ ہو کہ دوست کے لئے دنیا کی ہر چیز ایثار کر دے، اور محبت میں صادق وہی ہو کہ اگر اس کو کاٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے تو بھی وہ ثابت قدم رہے،

خلفاء | حضرت چراغ دہلی کے جلیل القدر خلفاء میں حضرت سید محمد بن جعفر المکی الحسینی بھی تھے، ان کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے،

"حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس اللہ سرہ کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں، توحید و تفرید میں مقام عالی رکھتے تھے، اُن کا شمار منفرد اولیاء میں کیا گیا ہے، انھوں نے اپنے ظاہر و باطن کے جو احوال لکھے ہیں، اُن کو پڑھ کر عقل حیران رہتی ہے، اگر بغیر کسی تاویل کے صرف ان کا ظاہر مراد ہے تو اپنے زمانہ کے بڑے کامل تھے، اُن کی ایک تصنیف بحر المعانی ہے جس میں حقائق توحید، علوم قوم اور اسرار معرفت بیان کئے گئے ہیں، طرز بیان متانہ ہے، اسی کتاب میں دو اور کتابوں دقائق المعانی اور حقائق المعانی کے لکھنے کا وعدہ کیا گیا ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں لکھی گئیں یا نہیں، ان کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں، ایک رسالہ روح کے بیان میں لکھا ہے، اس کا نام پنج نکات ہے، بحر الانساب نام کی بھی ایک تصنیف ہے اس میں اہل بیت رسالت کا نسب نامہ ہے، جس میں اپنے نسب کو

بھی ملایا ہے، وہ صاحب دعوی کثیر ہیں، اور اُن کے بیانات سے اُن کے دعوی کی تصدیق ہوتی ہے، بڑی عمر پائی، محمد تغلق کے زمانہ سے سلطان بہلول لودی کے زمانہ تک زندہ تھے، اس حساب سے ان کا سن سو سال سے زیادہ ہوتا ہے، آبا و اجداد مکہ معظمہ کے اشراف میں سے تھے، وہاں سے دہلی آئے، پھر سرہند میں اقامت گزین ہوئے، اور یہین مدفن ہے، (ص ۱۲۸)

حضرت سید محمد کے مزید حالات اور اُن کی تصنیف بحر المعانی کے کچھ اقتباسات مذکورہ بالا تذکرہ مین ملین گے، (دیکھو اخبار الاخیار ص ۱۲۳-۱۲۰)

حضرت چراغ کے بعض اور خلفار کے اسمائے گرامی یہ ہین :-

حضرت میر سید محمد گیسو دراز (گلبرگہ شریف) خواجہ کمال الدین (احمد آباد گجرات بھیجے گئے، یہان کے اطراف و جوانب مین لوگون کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ اپنا معتقد بنایا - مزار دہلی ہی مین ہے) شیخ دانیال (سترکھ) شیخ صدر الدین علم طب مین اُن کی ایک تصنیف نیسح دمتین مشہور ہے، دہلی مین مدفون ہین) خواجہ معین الدین خورد (مرگھا) شیخ سراج الدین (پاک پٹن) شیخ یوسف حسینی (علم دین مین اُن کی ایک کتاب فیض انتساب تحفۃ النصائح مشہور ہے) شیخ عبد المقتدر (مناقب الصدیقین مین اپنے مرشد کے فضائل تحریر کئے، خانقاہ جونپور مین ہے) حضرت شیخ سعد اللہ کیسہ دار، حضرت مولانا خواجگی (کالپی) شیخ احمد تھانیسری کالپی، شیخ محمد متوکل کنتوری (بہرائچ) شیخ قوام الدین (لکھنؤ)

اسلامی ہند کے تمدّنی کارنامے

عمارتین

از

مولانا عبدالسلام ندوی

(۴)

شاہجہان کے علاوہ امراے شاہجہانی مین جن لوگون نے مختلف مقامات مین عمدہ عمارتین بنوائین اُن کے نام حسب ذیل ہین :-

اعتقاد خان اس نے آگرہ مین جدید وضع کی ایک حویلی تعمیر کروائی، جو وہان کی اور حویلیون سے بہتر تھی، مآثرالامرا مین لکھا ہو کہ سب سے پہلے آگرہ مین تین شخصون یعنی خواجہ جہان جہانگیری خواجہ ویسی دیوان سلطان پرویز اور اعتقاد خان نے جدید وضع کی حویلیون کی بنیاد ڈالی، لیکن ان مین سب سے بہتر حویلی اعتقاد خان کی تھی، چونکہ وہ شاہجہان کو پسند آئی، اس لئے اعتقاد خان نے بطور پیشکش کے اس کو شاہجہان کی نذر کیا، اور بعد کو شاہجہان نے امیرالامرا علی مردان خان کو بطور انعام کے دیا[1]،

احمد نیازی خان بڑا صاحب امیر تھا، اس کے باپ نے اشٹی بہار مین توطن اختیار کیا تھا، اور وہین اس کی قبر تھی، اس تعلق سے احمد نیازی خان نے اس قصبہ کی آبادی بڑھانے کی کوشش کی اور ایک باغ لگوایا، ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی، اور اپنے باپ کا مقبرہ بنوایا[2]،

---

[1] مآثرالامرا، جلد اول ص ۲۰۲ [2] ایضاً ص ۲۵۱،

بشاہجہانی عہد میں بھرجی بیرم ساہ (ایک امیر تھا جو بگلانہ کا زمیندار تھا جب اس کا انتقال ہوگیا تو اس کے لڑکے بیرم شاہ کو شاہجہاں نے مسلمان کرکے دولت مند خان کا خطاب دیا، اور پرگنہ پونا رخاندیس کو بطور انعام کے مرحمت کیا، اوس نے اوس قصبہ مین نہایت پرتکلف عمارتین بنوائین جن کے آثار صاحب ماثر الامراء کے زمانہ تک باقی تھے[۱]،

خان دوران نصرت جنگ | دکن کا صوبہ دار تھا اس نے دکن کا انتظام اس خوبی سے کیا کہ قدیم زمانہ بالکل بدل گیا، اور ملک کی آبادی ترقی کر گئی، چنانچہ برہانپور کی تمام عمدہ عمارتین اسی کے دور کی یادگار ہین، صاحب ماثر الامراء لکھتے ہین۔

"بیشتر عمارات عمدہ برہانپور در وقت او شدہ، مندوی زمین آباد کنانید و از دست دار سر ویج تا برہانپور بدہ کروہی سراہا ساختہ اوست[۲]"،

رشید خان انصاری | بڑا فیاض امیر تھا، اس نے برہان پور کی عیدگاہ کی توسیع کرائی، اور اس مین نہر کا پانی لایا[۳]،

سرفراز خان دکنی | مضافات ناندیر مین پرگنہ لوہ گانون اس کی جاگیر مین تھا، اس نے اس پرگنہ کے ایک گانون بولی نامی مین توطن اختیار کیا، اور اس مین ایک مسجد اور دوسری بلند عمارتین بنوائین جن کی وجہ سے اس گانون کو دوسرے قصبات پر تفوق حاصل ہوگیا[۴]،

وزیر خان حکیم علیم الدین | پنجاب کے ایک قصبہ چنیوٹ مین پیدا ہوا تھا، ۱۰۵۰ھ مین انتقال کیا، اور نہایت کثرت سے عمارتین اپنی یادگار چھوڑین، چنانچہ لاہور مین حمام، بازار اور متعدد حویلیان اور ایک جامع مسجد بنوائی، لاہور کے پاس وزیرآباد کے نام سے ایک قصبہ آباد کیا، اور قصبہ چنیوٹ کے گرد ایک پختہ فصیل قائم کی، اور بہت سی پختہ عمارتین بنواکر وہان کے لوگون کو دین، بازارون مین سڑکین اور دوکانین

---

[۱] ماثر الامراء حصہ اول ص ۴۳۱، [۲] ایضاً ص ۷۵۶، ۷۵۵، [۳] ماثر الامراء ج ۲ ص ۵۰۲، [۴] ایضاً ص ۴۵۱،

مسجدین، مدرسے، شفاخانے، کنوئین، اور حوض بنوا کر وہان کے لوگون پر وقف کئے، غرض صاحب ماثر الامرا کے الفاظ ہین :-

"تو نوے وطن ما آما ست کہ این دولت بہیچ امیرے دیگر در ہندوستان میسر نشدہ"[1]

اسلام خان | اس کو میر محمد نعمان رحمۃ اللہ کے ساتھ خاص عقیدت تھی، اس لئے ان کے مزار کے پاس ۱۰۵۸ء مین ایک عظیم الشان مسجد بنوائی، کشمیر کی عیدگاہ بھی اسی کی بنوائی ہوئی ہے[2]

شاہجہان کے بعد عالمگیر کا دور حکومت آیا، جو سادگی اور کفایت شعاری کا دور ہے، اس لئے اس دور مین جدید عمارتین بہت کم تعمیر ہوئین، صرف ضروری عمارتون کی تعمیر اور مرمت و اصلاح کی گئی، مثلاً شہر بیجاپور اور اس کے آس پاس کی آبادیان چونکہ مسلسل لڑائیون کی وجہ سے بالکل ویران ہو گئی تھین، اس لئے عالمگیر نے وہان چھاونی قائم کی، اور عمارتین بنوائین[3]، قلعہ ستارہ اور قلعہ پرلی مین شاہان بیجاپور نے جو مشہور مسجدین تعمیر کی تھین چونکہ ہندوؤن کی دست برد سے بالکل ویران ہو گئی تھین، اس لئے عالمگیر نے دوبارہ اُن کی تعمیر کا حکم دیا[4]، اسی طرح جلوس کے پہلے ہی سال جب اس کو اطلاع ملی کہ بہت سی مسجدین اور عبادتگاہین بے رونق اور ویران ہو گئی ہین، تو حکم دیا کہ ممالک محروسہ مین جہان کہین اس قسم کی مسجدین پائی جائین، اُن کی ترمیم و تجدید کی جائے، اور امام موذن اور نوکر اور فرش اور روشنی کے مصارف مقرر کئے جائین[5]، چنانچہ اس حکم کے موافق احمد آباد کی بہت سی مسجدون کی مرمت ہوئی[6]

سلاطین تیموریہ کے عہد مین جدید عمارتون کی تعمیر کا ذوق لازمۂ امارت ہو گیا تھا، لیکن عالمگیر نے شرعی حیثیت سے عہد قدیم کے تمام امیرانہ و شاہانہ سازوسامان کی اصلاح کی، اور اپنے جلوس کے اکیسوین سال حکم دیا کہ

---

[1] ماثر الامرا حصہ سوم ص ۹۳۵-۳۶ و [2] ایضاً حصہ اول ص ۲۱۹-۲۲۰ [3] خافی خان حصہ دوم ص ۴۱ [4] ایضاً ص ۲۰۲، [5] عالمگیر نامہ جلد دوم ص ۱۰۰۵، [6] مراۃ احمدی جلد دوم ص ۱

(۱) اہلِ قلم نقرئی دوات کے بجائے چینی و سنگ ملمع کی دواتیں استعمال کریں،

(۲) طلائی و نقرئی عود سوز دربارِ خاص و عام میں نہ سلگائے جائیں،

(۳) انعامات کی رقمیں بجائے خوانہائے نقرہ کے سپرین رکھ کر ملاحظۂ عالی میں لائی جائیں،

(۴) خلعت خانہ میں بجائے مغرق کپڑوں کے کلابتونی کپڑے استعمال کئے جائیں،

اور انہی احکام کے سلسلہ میں امراء کے تعمیری ذوق پر بھی پابندی عائد کی، اور حکم دیا کہ چہار صدی سے بالاتر امراء بلا حکمِ شاہی جدید عمارتوں کے تعمیر کی جرأت نہ کریں[1]،

چہار صدی سے بالاتر امراء کی تخصیص سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے امراء جو عمارتیں تعمیر کرواتے تھے، اُن سے صرف نام و نمود کا اظہار مقصود ہوتا تھا، جو شرعی حیثیت سے ناپسندیدہ امر تھا، اس لئے عالمگیر نے ان پر پابندی عائد کر دی تاکہ غیر ضروری عمارتوں کے بجائے ضروری عمارتیں تعمیر ہوں، لیکن باایں ہمہ عالمگیری دور بھی امراء کی تعمیرات سے خالی نہیں ہے، اور اس دور میں بھی متعدد امراء نے عمارتیں تعمیر کروائی ہیں، چنانچہ اُن کے نام حسبِ ذیل ہیں،

خانزمان | اس نے برار کی صوبہ داری کے زمانہ میں موضع ہرم میں توطن اختیار کر لیا تھا، اور اس کا نام خانزمان نگر رکھا تھا، اور یہاں بہت سی شاندار عمارتیں بنوائی تھیں، جن کے آثار صاحبِ مآثر الامراء کے زمانے تک باقی تھے، اُس نے برہان پور میں بھی ایک حویلی بنوائی تھی[2]،

عبد الغنی | عالمگیر کے زمانہ میں متھرا کا فوجدار تھا، اور وہاں ایک مسجد بنوائی تھی[3]، عالمگیر کے بعد اگرچہ تنزل کا دور شروع ہو گیا، تاہم اس دور میں بھی امراء کا ذوقِ تعمیر قائم رہا، اور انھوں نے متعدد عمارتیں بنوائیں، چنانچہ امرائے محمد شاہی میں امین الدولہ امین الدین خان سنبھلی نے اپنے وطن میں نہایت عمدہ عمارت، باغ اور سرائے بنوائی[4]، عضد الدولہ عوض خان نے شاہ گنج واقع شہر خجستہ بنیاد میں ایک مسجد

---

[1] ترجمہ مآثر عالمگیری ص ۱۱۱، [2] مآثر الامراء حصہ اول ص ۹۲، [3] ایضاً جلد دوم ص ۲۲۲، [4] ایضاً حصہ اول ص ۳۵۰

بنوائی مسجد کے سامنے جو حوض پڑتا تھا، اس کو اگرچہ حسین علی خان نے بنوایا تھا لیکن عوض خان نے اس کو اور وسیع کیا، اس شہر مین اُن کی حویلی اور بارہ دری بھی مشہور تھی[۱]

نواب آصف جاہ نے ۱۱۴۰ھ مین برہانپور کی شہر پناہ کی بنیاد ڈالی، جو مدتون مین تیار ہوئی اس کے علاوہ مسجد کاروان سرا اور دولت خانہ بنوایا[۲]

ہندوستان کے طول وعرض مین مسلمانون نے جو عمارتین تعمیر کرائین، یہ اُن کی نہایت مختصر اور نامکمل تاریخ ہے، کیونکہ

۱- اس سلسلہ مین ہمارے مورخین نے صرف ان امرا و سلاطین کا نام لیا ہے جنھون نے تعمیرات مین خاص شہرت و ناموری حاصل کی ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو امرا و سلاطین اس معاملہ مین بہت زیادہ شہرت نہین رکھتے تھے انھون نے بھی کچھ نہ کچھ عمارتین ضرور تعمیر کروائی ہون گی،

۲- مشہور سلاطین و امرا کی تمام عمارتون کا تفصیلی ذکر بھی تاریخ کی کتابون مین نہین ہے بلکہ ضمنی موقعون پر خاص خاص عمارتون کے نام آگئے ہین،

۳- رفاہ عام کے سلسلہ مین جو عمارتین تعمیر ہوئین، وہ اس سے الگ ہین،

۴- مسلمان امرا و سلاطین نے جو شہر اور قصبے آباد کئے، اُن کی عمارتین بھی اس مین داخل نہین

تاہم عمارتون کی کثرت اور وسعت کا اندازہ مختلف طریقون سے ہو سکتا ہے مثلاً

شفاخانے | جہانگیر نے تمام بڑے بڑے شہرون مین شفاخانے تعمیر کروائے تھے، دوسرے امرا و سلاطین نے جو شفاخانے بنوائے تھے، وہ اس سے الگ ہین،

سرائین | سرایون کا ایک طویل سلسلہ دلی سے دولت آباد، اور لاہور تک بنگالہ اور سُنار گانون سے آب سندھ تک، اور جگت آباد سے اکبر آباد تک اور لاہور سے کابل تک پھیلا ہوا تھا اُن

---

[۱] مآثر الامرا حصہ دوم ص ۴۰۴، [۲] ایضاً حصہ سوم ص ۲۰۰،

شیر شاہ نے دہلی سے لاہور تک دو دو کوس اور بنگالہ اور سنار گانوں سے آب سند تک اور آگرہ سے مانڈو تک آدھ آدھ کوس کے فاصلہ پر سرائیں بنوائیں اور چونکہ بنگالہ اور آب سند کی درمیانی مسافت ڈیڑھ ہزار کوس اور آگرہ سے مانڈو تک کی مسافت تین سو کوس کی ہے، اس لئے بنگال اور سندھ کے راستہ میں ڈیڑھ ہزار اور آگرہ اور مانڈو کے راستہ میں تین سو سرائیں تعمیر ہوئیں، شیر شاہ نے بنگال کے راستہ میں جو سرائیں تعمیر کروائی تھیں، اُن میں دو سراوں کے درمیان اس کے جانشین سلیم شاہ نے ایک اور سرائے کا بھی اضافہ کیا، اور اس طرح یہ تعداد اور بھی زیادہ ہوگئی، متفرق سرائیں ان سے الگ ہیں، اور مہمان خانے بھی اسی سلسلہ میں داخل ہیں،

حمام | متفرق حماموں کے علاوہ عالمگیر نے اورنگ آباد سے اکبر آباد تک اور لاہور سے کابل تک جو سرائیں بنوائی تھیں، ان میں ہر سرائے کے ساتھ ایک حمام اور ایک بازار کا ہونا لازمی تھا؛ سکندر لودی نے ان تمام مقامات میں جہاں ہندو اشنان کرتے تھے، بازار قائم کئے تھے۔

مساجد | سکندر لودی نے ان مقامات پر مسجدیں بھی تعمیر کروائی تھیں، اور عالمگیر کی تعمیر کردہ سراوں میں ہر سرائے کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی تھی، اُن کے علاوہ مسجدوں کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ سلطان احمد نے احمد آباد کے باہر جو گانوں آباد کرائے تھے، اُن میں ایک ہزار مسجدیں تھیں،

مقبرے | قبروں کی تعداد غیر محدود تھی، دار السلطنتوں اور ان شہروں میں جہاں امراء و سلاطین کے ساتھ علماء، مشائخ، اور فقراء و صوفیہ کثرت سے بستے تھے، ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، آگرہ میں شہر کے چاروں طرف خصوصاً لب جمنا کوسوں تک باغات کے اندر ان مقابر کا سلسلہ چلا گیا تھا اب امتداد زمانہ سے اگرچہ اکثر مقبرے منہدم ہوگئے ہیں، تاہم اب بھی شہر کے قرب و جوار میں کوسوں تک مقبروں کے شکستہ گنبد اور تہ خانے نظر آتے ہیں، چونکہ یہ مقبرے اکثر زندگی ہی میں تعمیر کرائے

بنوائی، مسجد کے سامنے جو حوض پڑتا تھا، اس کو اگرچہ حسین علی خان نے بنوایا تھا، لیکن عوض خان نے اس کو اور وسیع کیا، اس شہر مین اُن کی حویلی اور بارہ دری بھی مشہور تھی،[۱]

نواب آصف جاہ نے ۱۱۴۱ھ مین برہانپور کی شہر پناہ کی بنیاد ڈالی، جو مدتون مین تیار ہوئی، اس کے علاوہ مسجد کاروان سرا اور دولت خانہ بنوایا،[۲]

ہندوستان کے طول و عرض مین مسلمانون نے جو عمارتین تعمیر کرائین، یہ اُن کی نہایت مختصر اور نامکمل تاریخ ہی، کیونکہ

۱۔ اس سلسلہ مین ہمارے مورخین نے صرف ان امراء و سلاطین کا نام لیا ہے جنھون نے تعمیرات مین خاص شہرت و ناموری حاصل کی ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو امراء و سلاطین اس معاملہ مین بہت زیادہ شہرت نہین رکھتے تھے انھون نے بھی کچھ نہ کچھ عمارتین ضرور تعمیر کروائی ہون گی،

۲۔ مشہور سلاطین و امراء کی تمام عمارتون کا تفصیلی ذکر بھی تاریخ کی کتابون مین نہین ہے بلکہ ضمنی موقعون پر خاص خاص عمارتون کے نام آگئے ہین،

۳۔ رفاہ عام کے سلسلہ مین جو عمارتین تعمیر ہوئین، وہ اس سے الگ ہین،

۴۔ مسلمان امراء و سلاطین نے جو شہر اور قصبے آباد کئے، اُن کی عمارتین بھی اس مین داخل نہین

تاہم عمارتون کی کثرت اور وسعت کا اندازہ مختلف طریقون سے ہو سکتا ہی مثلاً

شفاخانے | جہانگیر نے تمام بڑے بڑے شہرون مین شفاخانے تعمیر کروائے تھے، دوسرے امراء و سلاطین نے جو شفاخانے بنوائے تھے، وہ اس سے الگ ہین،

سرائیں | سراؤن کا ایک طویل سلسلہ دلی سے دولت آباد، اور لاہور تک بنگالہ اور گنگا کے دہانون سے آب سندھ تک، اورنگ آباد سے اکبر آباد تک اور لاہور سے کابل تک پھیلا ہوا تھا اُن مین

---

[۱] مآثر الامراء حصہ دوم ص ۴۰۳ [۲] ایضاً حصہ سوم ص ۸۷۷،

شیر شاہ نے دہلی سے لاہور تک دو دو کوس اور بنگالہ اور سنار گاؤں سے آب سند تک اور آگرہ سے مانڈو تک کوس کوس بھر کے فاصلہ پر سرائین بنوائین اور چونکہ بنگالہ اور آب سند کی درمیانی مسافت ڈیڑھ ہزار کوس اور آگرہ سے مانڈو تک کی مسافت تین سو کوس کی ہے، اس نے بنگال اور سندھ کے راستہ مین ڈیڑھ ہزار، اور آگرہ اور مانڈو کے راستہ مین تین سو سرائین تعمیر ہوئین، شیر شاہ نے بنگال کے راستہ مین جو سرائین تعمیر کروائی تھین، اُن مین دو سرایون کے درمیان اس کے جانشین سلیم شاہ نے ایک اور سرائے کا بھی اضافہ کیا، اور اس طرح یہ تعداد اور بھی زیادہ ہو گئی، متفرق سرائین اُن سے الگ ہین، اور مہمان خانے بھی اسی سلسلہ مین داخل ہین،

حمام | متفرق حمامون کے علاوہ عالمگیر نے اورنگ آباد سے اکبر آباد تک اور لاہور سے کابل تک جو سرائین بنوائی تھین، ان مین ہر سرائے کے ساتھ ایک حمام اور ایک بازار کا ہونا لازمی تھا؛ سکندر لودی نے ان تمام مقامات مین جہان ہندو اشنان کرتے تھے بازار قائم کئے تھے۔

مساجد | سکندر لودی نے ان مقامات پر مسجدین بھی تعمیر کروائی تھین، اور عالمگیر کی تعمیر کردہ سرایون مین ہر سرائے کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی تھی، اُن کے علاوہ مسجدون کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سلطان احمد نے احمد آباد کے باہر جو گانون آباد کرائے تھے، اُن مین ایک ہزار مسجدین تھین،

مقبرے | مقبرون کی تعداد غیر محدود تھی، دارالسلطنتون اور ان شہرون مین جہان امراء وسلاطین کے ساتھ علماء، مشائخ، اور فقراء وصوفیہ کثرت سے رہتے تھے، ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، آگرہ مین شہر کے چارون طرف خصوصاً لبِ جمنا کوسون تک باغات کے اندر ان مقابر کا سلسلہ چلا گیا تھا اب امتداد زمانہ سے اگرچہ اکثر مقبرے منہدم ہو گئے ہین، تاہم اب بھی شہر کے قرب وجوار مین کوسون تک مقبرون کے شکستہ گنبد اور تہ خانے نظر آتے ہین، چونکہ یہ مقبرے اکثر زندگی ہی مین تعمیر کرائے

جانتے تھے، اس لئے ہر شخص اپنی یا اپنے محبوب کی آخری یادگار کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنانے کی کوشش کرتا تھا، چنانچہ ابو الفضل دلّی کے متعلق لکھتا ہے،

"و بسا زندگان براے خواب واپسین دل گزین جا ہا و باغہا برساختہ اند"

یہ ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا، کہ انسان تو انسان گھوڑون، کتون اور ہرنون وغیرہ کی یادگارین بڑی بڑی عمارتین اور مورتین بنائی جاتی تھین، چنانچہ آگرہ مین اس قسم کی متعدد یادگارین موجود ہین،

اس قسم کی عمارتین زیادہ تر امراء و سلاطین تعمیر کرواتے تھے، عام رعایا کی عمارتین اُن سے الگ ہین، اور اُن کا اندازہ صرف مورخین کے اجمالی بیانات سے ہو سکتا ہے، مثلاً جہانگیر تزک مین آگرہ کی نسبت لکھتا ہے، کہ

"اس کی کثرت عمارت کا یہ حال ہے کہ عراق خراسان اور ماوراء النہر کے شہرون کے مثل متعدد شہر آباد ہو سکتے ہین، اکثر آدمیون نے سہ منزلہ اور چہار منزلہ عمارتین بنوائی ہین، آدمیون کی کثرت کا یہ حال ہے کہ کوچہ و بازار مین بہ مشکل چل پھر سکتے ہین[1]"

ابو الفضل آئین اکبری مین دلی کے متعلق لکھتا ہے،

"و عمارات عالی از سنگ و خشت فروغ افزاے چشم و عشرت فرو زدل[2]"

پل، تالاب، حوض، کنوئین، اور منارے سلسلۂ عمارات سے الگ ہین، اور ان سب کے مجموعے نے اسلامی ہندوستان کا جو نقشہ قائم کر دیا تھا، وہ صاحب خلاصۃ التواریخ کے الفاظ مین حسب ذیل ہے:-

"ہندوستان اس قدر وسیع ملک ہے کہ دوسرے ممالک اس کی عشر عشیر وسعت بھی

---

[1] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲ [2] آئین اکبری ج ۲ ص ۱۳۴

نہین رکھتے لیکن باوجود اس وسعت کے ہر جگہ آباد ہے اور ہر طرف، ہر ضلع مین، ہر شہر مین،
ہر قصبے اور گاؤن مین اور ہر رباط اور قلعے مین مسجدین، عبادتگاہین، خانقاہین، صومعے، اور
دوسری قسم کی عمدہ عمارتین، باغات، درخت ہری بھری زراعت اور نہرین اس کثرت سے
ہین کہ دوسرے ممالک مین اس قسم کی آبادی کا بہت کم پتہ چلتا ہے،

عام گذرگاہون مین ہر نہر اور ہر نالے پر مضبوط پل بندھے ہوئے ہین، اور دریاؤن مین
کشتیان تیار رہتی ہین، ہر کوس کے فاصلہ پر بلند مینارے بنے ہوئے ہین، جو کوس کی علامت
ہین، اور ان سے راستون کی رہنمائی بھی ہوتی ہے، دو کوس کے فاصلہ پر مسافرون کے اترنے
اور آرام کرنے کے لئے سرائین بنی ہوئی ہین، جن مین ہمہ وقت کھانے پینے کی چیزین، دوائین
عطر اور دوسرے ضروری سامان موجود رہتے ہین، تمام راستون مین سایہ دار اور میوہ دار
درخت، کنوئین اور تالاب ہین جو خوشگوار پانی سے لبریز رہتے ہین، مسافر درختون کے سایہ
مین سیر کرتے ہوئے، میوے کھاتے ہوئے، سرد پانی پیتے ہوئے گویا باغ کی روشون پر چلتے ہین

مقدمۂ رقعاتِ عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشاء اور
شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشاء کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے
ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشاء اور اس کی تاریخ کے مآخذ اور عالمگیر کی ولادت سے
برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات وسوانح پر خود ان خطوط ورقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث
کی گئی ہے، قیمت: عہ

منیجر

سنگِ شبام

یہود وحمیر کی تاریخ کا ایک مشترک ورق

از

جناب مولانا ابو الجلال صاحب ندوی،

(۲)

یہ پتھر جس کو ہم نے سنگِ شبام کا نام دیا ہے، اگرچہ حضرموت کی وادی مین ملا لیکن اس کی تحریر کا مضمون بتاتا ہے، کہ یہ وہی پتھر ہے جس کا ذکر تکوین ۳۳-۲۰ مین ہے اور جس کا نام ہے،

اَل = ہرگز نہین[1]،

الوہی = اے معبود

یشرائیل = اسرائیل،

یہ نام اس پتھر کو اس لئے دیا گیا تھا، کہ لوگون نے اس مقدس پتھر کے پاس جمع ہو کر (تکوین ۳۲:۲) کے اندر مذکورہ خبر کی تکذیب کی تھی، جس تکذیب کی بنا پر یہ فیصلہ سنایا گیا تھا کہ

وکین اور ایسا

---

[1] אל کو تین طرح سے پڑھا جا سکتا ہے، אל کو اَل ہم نے ایسا ہی پڑھا ہے، אל کو اِل یعنی تک ایسا کسی نے نہین پڑھا ہے אל کو ایل (خدا) نصرانی مترجمون نے ایسا ہی پڑھکر اس کا ترجمہ کیا ہے "خدا اسرائیل کا معبود" ایک پتھر کو یہ نام دینے مین پلو سے شرک آتی ہے،

. لا . نہین

یعنی کیا تھا اس نے (تکوین ۴۴: ۷)

سنگ شبام | ۱۹۳۸ء مین مسز ہیوڈ ونبٹ نے اپنے شوہر کے ساتھ وادی حضر موت کے ایک شہر شبام کی زیارت کی وہ فرماتی ہین کہ

"۲۵ جنوری کو ہم شبام کو روانہ ہوئے، یہ مقام القطن سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے، اور وادی حضر موت کے بڑے شہرون مین سے ہی..... قدیم عرب مؤلفین ہم کو بتاتے ہین کہ اس مقام مین بنو حمیر عیسوی سنہ کے آغاز مین شبوہ سے آئے لیکن ہم کو یہان اس سے زیادہ قدامت کا ثبوت ایک مہر کی شکل مین اور ایک دوسرے کتبہ کی شکل مین ملا جس کے اندر شبام کا نام ہے، اور جس کا زمانہ یقیناً تیسری صدی قبل مسیح ہے، (سدن عربیا ص ۱۲۲ و ص ۱۴۲)

افسوس ہی کہ موصوفہ نے اس کی وجہ نہین بتائی کہ انھون نے کیون اس کو ۳۰۰ ق م کا کتبہ قرار دیا، یہ دوسرا کتبہ ایک مذبح ہے، اس کے وسط مین خون کے جمع ہونے کا ایک حوض ہے، ایک طرف ایک نالی ہے، جس پر جانور ذبح ہوتا تھا، ایک حاشیہ پر ایک سطر منقوش ہے،

ꩠ... (South Arabian script line)

ذ شکم ماعص ال اذی شبلم ذعوبیا

یہ سطر خون کی نالی پر ختم ہوتی ہے، دوسرے حاشیہ پر خون کی نالی کے پاس حسب ذیل عبارت منقوش ہی:

(South Arabian script line)

... نسا و قنینا عم سلو هعنا ذی سمای

(South Arabian script line)

واذت ځن ځن شش ما نعم نفی عصیتا

الفاظ کتبہ اَل (بنین) عمد (قوم) هعنا (رنجیدہ کیا) شش (چھ) کے معانی عبرانی لغت سے معلوم ہوئے، شکم، سلم (شالم) جو توراتی اسماء ہیں شبام بھی نام ہے، ما (نہین) عصر (زناکی) دسا (عورتین) ذو او ذی (صاحب) نحن (ہم) ماثہ (سو) نعم (انعام) نصیبہ (حِصّہ) (عصینا (تلوار سے کاٹا) ہم نے متعارف عربی کے الفاظ ہین، قنیت الجاریۃ کے معنی ہین لڑکی شادی کے قابل ہوگئی، اس لئے پردہ مین بٹھا دی گئی، اسی سے قنحا کو مشتق مانا جاسکتا ہے، راذت کے معنی نہ عربی لغت سے معلوم ہوئے، نہ عبرانی سے، دوسری سامی زبانون کا کوئی لغت میرے سامنے نہین ہے، چونکہ اس مین خطا کی قربانی کا ذکر ہے، جو خطا معاف کرانے کی غرض سے کی جاتی تھی، اس لئے قیاس کہتا ہے، کہ رَاذَتَ کے معنی ہین خطا معاف کر،

ذعوبسا جان کا لفظ ہے بابلی اور مصری کتبات مین سَا اورس فارسی ضمیرش کا مرادف ہے، ذعوب کو ہم داعب کی قدیم شکل باور کرسکتے ہین،

عربون مین ایک کھیل نہایت قدیم زمانہ سے جاری تھا، جسے طبنہ کہتے تھے، غالبًا ذعوبسا لکہ کراسی قسم کے کھیل کا ذکر ہے، ایلیہ کے ایک کتبہ مین جس کی ابھی صرف چند سطرین حل کرسکا ہون آخر مین لکھا ہے،

"وآمنتا شیمنی۔ وآمنتا حیونا وموتنا شکن اخلقا کطبنن"

چونکہ ابھی پورا کتبہ حل نہین ہوا ہے، اس لئے نہین کہہ سکتا کہ (آمنتا) عربی صیغہ آمَنَتَا (وہ دونون ایمان لائین) یا عبرانی صیغہ سَبقتا (سبقت) ہے یا اُس وقت صیغہ واحد حاضر قرار دیکر اس کا ترجمہ کرتا ہون،

ایمان لائے تو تقدیر پر اور ایمان لائے تو کہ ہماری زندگی اور موت، دو کھلاڑی جن کی خلقت طابون کی سی ہے،

کھلاڑی کے لئے شُنگذا کا لفظ ہے، جسے ہم شاگردان (دوانگلی کرا دینے والے) سمجھ سکتے ہیں،

معلوم ہوتا ہے کہ طبنہ کے کھیل میں ایک دوسرے کو چھو دینے کی کوشش کرتا تھا،

طبنہ ایک گول دائرہ ہوتا تھا، جوہری کا بیان ہے کہ اسے فارسی میں سہ درہ کہتے تھے اس لئے

اس دائرہ کی شکل ایسی (د) فرض کی جاسکتی ہے، اس کھیل کو رحی (چکی) بھی کہتے تھے، اس سے ظاہر ہے کہ

لڑکے اس دائرہ کے گرد اس طرح کھیلتے تھے، جیسے کہ چکی کا پاٹ گھوم رہا ہو،

طبن کے معنی گڈھے میں راکھ تلے آگ دفن کرنا بھی ہیں، جس شخص کو طابن چھو دیتا وہ مطبون

یعنی طبنہ کے اندر قید ہو جاتا تھا، یہ کھیل زیادہ تر لڑکیاں ہی آپس میں کھیلتی تھیں،

یبتن یلعبن حوالی الطبن

کبھی کبھی لڑکیوں کے ساتھ لڑکے بھی اس کھیل میں شریک ہو جاتے تھے، چنانچہ ایک شاعر

کہتا ہے :-

تل کلفت بعدی والھتھا الطبن

ونحن نعد و بالخبار والجرن

میرے بعد اس نے کسی اور کو میسر نہ ہونے دیا، حالانکہ وہ طبنہ کھیلتی رہی اور ہم سب نرم

وسخت زمین میں دوڑتے رہے،

کنواری لڑکیوں کے ساتھ جب کنوارے لڑکے اس کھیل میں شریک ہو جاتے، تو یہی

کھیل نکاح اور مستقل اتحاد کی تمہید بن جاتا تھا، لڑکی جس لڑکے کو پسند کر لیتی، اس کو چھوڑ کر سب کے لئے

دکھ بن جاتی، طبانۃ کے معنی ہیں کہ

ان ینظر الرجل الی جلیلتہ فاما — مرد اپنی بی بی کو عزیز کر دیکھے پھر اسے یا

ان یخطل واما ان یغضب — تو باہر نکلنے دے، یا خفا ہو جائے،

اس سے معلوم ہوا کہ ہوتا یہ تھا کہ لڑکی کو جب لڑکا چھوڑ دیتا تو وہ طبنہ کے اندر قید ہو جاتی اور موقع پاکر تین دروازوں میں سے کسی سے باہر نکل جانے کی کوشش کرتی، طابن فوراً دروازہ پہنچ کر اسے غریبتا، اگر وہ اس کا منظور نظر ہوتا تو وہ باہر نکلنے سے باز رہتی گویا اس کی حکومت اپنے اوپر تسلیم کر لیتی، ورنہ دکلہ (بے سری) بن جاتی اور اسے فریب دیکر باہر آجاتی، شاعر نے جو یہ کہا، کہ میرے بعدہ وکلہ بن گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کسی اور کی ہونا پسند نہیں کیا،

اس کھیل میں عموماً ایسا ہوتا کہ لڑکا ایک خاص لڑکی کے لئے طبنہ کھیلتا تھا، اور اسی کو جیتنے کے لئے چن لیتا تھا، اسی طرح لڑکی ایک خاص لڑکے کو اس کے مقابل ہارنے کے لئے چن لیتی تھی، اس طرح کھیل ہی کھیل میں دونوں میاں بیوی بن جاتے تھے، اسی کھیل میں کسی لڑکے کا کسی لڑکی کو بار بار جیت لینا گویا فریقین کے بزرگان خاندان کو یہ مشورہ دینا تھا کہ ہم دونوں کی شادی کر دی جائے پست درجہ کے لوگوں میں یہ کھیل ہی گویا شادی تھا،

طبن لھا بجاعت بو لل،   اس کے لئے کھیلا پھر اس نے ایک لڑکا جنا،

اس کھیل میں لڑکے کے کسی لڑکی کو جیتنے کی خبر جیسا کہ ایلہ کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے "شکزہا" کنکر دی جاتی تھی، صراح میں ہے کہ "شکز" (ربع ٹ ص ۲) انگشت خلانیدن وبزبان رنجانیدن و نیزہ زدن وجماع کردن"،

"دعوبسا" لکھ کر کاتب نے اگر اسی کھیل کا ذکر کیا ہے، اور یقیناً اسی کا ذکر کیا ہے تو لفظ بسا کے پہلے کوئی ایسا لفظ تھا جس کے معنی تھے، دُوار تھی بولیں،

ترجمہ | اب کتبہ کا ترجمہ پڑھئے،

"صاحب شکم نے زنا نہیں کی تہم کو نہیں ستایا، اس کو کھیل میں جیتا، دُوار تھی بولیں عورتیں اور لڑکیاں، باشندگان سلم نے آسمان کے خدا کو ناراض کر دیا، خطا معاف کر جو رکی ہم نے

۲۰ سو جانور چیدہ قربان کئے،

توراۃ اور کتبے کا مقابلہ | دیکھو اس کتبہ کا مفہوم توراتی قصہ سے کتنا گہرا تعلق رکھتا ہے تکوین ۳۴: ۳ میں شکم پر حضرت دینہ کی بابت الزام ہے کہ

ویقحوا وتا کا ویشکب اوتا ہا، اسے لیا اور اس کے ساتھ سویا،

یہ کتبہ اس کی تردید کرتا ہے، اور کہتا ہے،

ذو شکم ماعہر صاحب شکم نے زنا نہیں کی

اس تردید کی تصدیق تکوین ۳۴: ۷ کا یہ فقرہ کرتا ہے،

وکین لا یعشہ ایسا اُس نے نہیں کیا،

تکوین ۳۴: ۲ میں ہے کہ

ویعنہ، اور اسے ستایا،

یہ کتبہ اس کی تردید کرتا ہے، اور کہتا ہے،

الا ذی شبم شبام کو نہیں ستایا،

توراۃ کے مقابلہ سے معلوم ہو گیا کہ شبام حضرت دینہ کا لقب ہے، شبام ایک گھاس ہے جس سے مہندی کے رنگ کو تشبیہ دی جاتی ہے، حضرت یعقوب کے بھائی حضرت عیسو کو ادوم (سرخ) کہا جاتا تھا، ادوم کی بھتیجی اور حمود (سرخ) کی بہو کا شبام (سرخ) کہلانا کوئی حیرتناک بات نہیں ہے،

توراۃ کے غیر مکذوب اور صحیح جزو نے ہم کو یہ خبر دی کہ دینہ اور شکم کی بابت ایک بری خبر حضرت یعقوب کے کانوں تک پہنچی جو غلط تھی لیکن اس خبر کی بنیاد نہیں معلوم ہوئی، یہ کتبہ حقیقت واقعہ بتاتا ہے کہ دونوں ایک کھیل کھیلے جس میں شکم نے شبام کو جیت لیا، اور دونوں آپس کی آزاد مرضی سے کھیل ہی میں میاں اور بیوی بن گئے، شرفاء کے دستور کے مطابق صرف والد شکم اور والد شبام کی توثیق

کی کسر باقی رہگئی تھی جو توراۃ کے بیان کے مطابق پوری ہوگئی،

سکم اور شبام مین سے ایک یا دونون خدا کی نظر مین ایسے محبوب تھے کہ کھیل کے نتیجہ کی خبر دو ادرھی الفاظ مین مشہور کرنے کی وجہ سے آسمان کا خدا سکم (شالم) کے باشندون سے ناراض ہوگیا توراۃ کے بیان کے مطابق شمعون اور لادی کو غصہ آگیا تھا، ممکن ہے انھی پیغمبر زادون کی ناراضی کو خدا کی ناراضی کا قرینہ قرار دیا گیا ہو،

اس کتبہ کی روشنی مین توراۃ کو پڑھئے پورا قصہ یون تھا کہ حضرت دینہ شہر شالم کی لڑکیون سے ملنے گئین، سکم نے ان کو اور انھون نے سکم کو دیکھا، دونون نے ایک دوسرے کو پسند کیا، حضرت یعقوب اور حمور حمدی کو ایک دوسرے کی پسند سے باخبر کرنے کے لئے دونون نے طینہ کے کھیل کا انتظام کیا، اس کھیل مین جان بوجھ کر جناب دینہ نے سکم کو موقع دیا کہ وہ ان کو جیت لے، چنانچہ اس نے ان کو جیت کر کھیل والے گھروندے مین بند کر دیا، اس کی اطلاع حضرت یعقوبؑ کو ایسے الفاظ مین پہنچی، جو عربی لفظ "سکز ہا" جیسا دو ارتھی تھا، حضرت یعقوبؑ اصل حقیقت سمجھ گئے، اور اپنے لڑکون کی آمد کا انتظار کرنے لگے، اور کچھ نہین کہا، حمور کے کان مین یہ خبر پہنچی، تو اپنے لڑکے کو لیکر حضرت یعقوبؑ کے پاس آیا، لیکن حضرت یعقوبؑ کے بیٹے شمعون و لادی نے حقیقت ماجرا کو نہین سمجھا، غصہ مین آکر ایک آدمی اور ایک بیل کا خون کر دیا، غالباً آدمی وہ ہوگا جس نے اُن کو اس واقعہ کی برے الفاظ مین خبر دی تھی، حضرت یعقوبؑ نے اپنے فرزندون کو اس جلد بازی پر ملامت کی، اور بشرط ختنہ نکاح کا منظور کیا، لوگون نے سکم کے سمجھانے سے ملت ابراہیم قبول کی، اور ہر شخص نے اپنا اپنا ختنہ کرایا، ختنہ کیساتھ قربانی کا بھی رواج تھا، اور ہے، لوگون نے ۰۰ جانور بطور خطا کی قربانی کے ذبح کئے اور شبام و سکم کی پاک دامنی کا مستقل ثبوت مہیا کرنے کے لئے اس بات کو اختصار کے ساتھ پتھر پر منقوش کر دیا،

زمانۂ تحریر | مسٹر تھیودور بنٹ نے اگر اس کتبہ مین شبام کے علاوہ کچھ اور بھی پڑھا ہوتا، اور

اس کتبہ کے مضمون کا توراۃ سے مقابلہ کیا ہوتا، تو وہ اس کا زمانۂ تحریر سنہ ۳۰۰۰ ق م قرار نہ دیتے، بلکہ اس کتبہ کی بنا پر یہ بھی کہتے کہ یورپ میں قیاس بازوں کا یہ کہنا بے جا ہے، کہ

"سبائی نقوش فنیقی سے ماخوذ ہیں، فنیقی حروف کی قدامت سنہ ۱۰۰۰ ق م پہنچتی ہے"[1]

سبائی تحریروں کی قدامت سنہ ۱۰۰۰ ق م تک قرار دینا بے خطر ہوگا (عرب قبل محمد ص ۸۹)

اس کتبہ کا زمانۂ تحریر حضرت یعقوب کے ورود مصر سے پہلے باور کیا جا سکتا ہے، حضرت سلیمان کے زمانہ سے (۴۸۰+۴۳۰=۹۱۰) ۹۱۰ برس پہلے یعنی سنہ ۱۹۱۰ ق م یا اس سے دس بیس برس پہلے کو اس کتبہ کا زمانۂ تحریر قرار دینا چاہئے،

زبان کتبہ کتبہ کی زبان عبرانی نہیں معلوم ہوتی، حجازی عربی سے بہت مشابہ ہے، یمن کے جو کتبات پڑھے گئے ہیں، اُن سے اُس کی زبان زیادہ صاف ہے، یہ قدیم حمیری ہے جس میں ابھی حبشی اور ایرانی الفاظ کی آمیزش نہیں ہوئی تھی، ہم جس عبرانی سے واقف ہیں، وہ تورانی عبرانی ہے جس پر مصری زبان کا نیز بابلی بولی کا اور ایک حد تک لاطینی کا کافی اثر ہے، اس میں صرف ذعوبسا کی ضمیر واحد مونث غائب بابلی اور مصری سے اثر پذیری ظاہر کرتی ہے جس زمانہ کا یہ کتبہ ہے ان دنوں شام کے تین قومیں باقاعدہ برسرپیکار تھیں (۱) اہلِ بابل جن کے حملہ کا حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ میں بیان آیا ہے (۲) بنو حور اور اُن کے خلفا جن کو شاہان بابل نے شکست دی، (۳) اہلِ مصر جن کو حضرت موسیٰؑ سے پہلے آثارِ مصر کی شہادت اور بعض قرآنی آیات کے اشاروں کے مطابق ہم اس دیار پر جو بنی اسرائیل کو بطور میراث ملا، فرمان روا پاتے ہیں، بنو حور اور اُن کے خلفا، کو حضرت یعقوبؑ کے زمانہ کے بعد تاریخ عرب کے اندر عرب کے مختلف حصوں میں آباد دیکھتے ہیں، اس لئے اس کتبہ کی زبان کا عہد قرآن کی حجازی عربی اور عبرانی کا آمیزہ ہونا حیرتناک نہیں ہے،

شام وین اب سوال یہ ہے کہ کتبہ تو نکل گیا اس شہر میں جس کا نام پہلے شالم تھا، پھر سکم ہوا،

پھر نابس کہا جانے لگا، پھر یہ یمن میں کیوں ملا، اس سوال کا جواب ہم کو شام و یمن کے تعلقات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالنے سے مل سکتا ہے،

حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں دیار شام کے اندر جو قومیں آباد تھیں، اُن میں دس کے نام تکوین ۱۵: ۱۹ و ۲۰ میں مذکور ہیں، چار اقوام کے نام تقویم ۱۴: ۵ و ۶ میں مذکور ہیں، حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے حضرت یعقوب کے زمانہ تک اس دیار میں چودہ قومیں آباد تھیں، حضرت موسیٰ جب اس دیار میں آئے تو ان چودہ میں سے آٹھ کو موجود پایا، غائب شدہ چھ میں سے تین کا ذکر توراۃ میں نہیں ہے کہ وہ کیا ہوئیں، ان اقوام کا قرآن کریم نے المؤتفکات (الٹی ہوئی بستیوں) کے نام سے ذکر کیا ہے، باقی تین اقوام کی بابت توراۃ میں ہے کہ

۱۔ حوریوں کو بنو عیسو نے ان کے دیار سے نکال دیا (مثنیہ ۲: ۱۲)

۲۔ ایمیم کو بنو موآب نے ان کے دیار سے نکال دیا، (مثنیہ ۲: ۱۰)

۳۔ زمزومیم کو بنو عمون نے ان کے دیار سے نکال دیا، (مثنیہ ۲: ۲۰)

یہ سب کچھ بنو اسرائیل کے مصر سے واپس آنے کے پہلے کا واقعہ ہے، زمزومیم کا نام چاہ زمزم کے نام سے بہت مشابہ ہے، سفر تثنیہ میں تو ان کا یہ نام ہے، بنو عمون ان کو زمزومیم کہتے تھے، لیکن سفر تکوین میں ان کا نام زوزیم ہے، اور مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں ان کو کدرلاعمر وغیرہ بادشاہوں نے اُن کے ہام میں مارا (تکوین ۱۴: ۵) ہام ان کے شہر یا علاقہ کا نام تھا، باشندۂ ہام کی عبرانی جیرہام ہوتی ہے، اب تاریخ مکہ میں دیکھو نابت بن اسماعیل کے بعد مکہ میں زمزم کے پاس جرہم تھے، جو اپنا نسب قحطانی یعنی توراتی یقطان تک پہنچاتے تھے، بنو قحطان کی ایک شاخ ہام میں جا بسی جیرہام کہلائی پھر زمزم کے پاس آبسی اس لئے عمونیوں کی زبان پر زمزومیم کہلائی،

ایمیم تاریخ عرب کی تباہ شدہ قوم امیم تھے جو جنوبی عرب کے شرقی حصہ میں آباد تھے،

حمدیم کے قبائل میں سے ایک کا توراتی نام بنوحمد ابی سکم ہے، حضرت یعقوبؑ وغیرہ جب مصر جانے لگے، تو اُن کے ساتھ بنو سکم بن حمد مصر چلے گئے، باقی بنو حمد یہین رہ گئے، حضرت موسیٰؑ کے خروج سے بہت پہلے بنو عیسو اور بنو حمد وغیرہ دوسرے حوریون سے جنگ ہوئی، اور وہ اس دیار سے نکلے، اسی قوم کو بعد مین ہم حمیر اصغر کے نام سے یمن کے اندر آباد پاتے ہین بنو حورین سے ایک شخص یا ایک خاندان کا نام توراۃ مین ہم کو حمدان ملتا ہے، (تکوین ۳۶: ۲۶) اس قوم کو ہم بنو ہمدان کی شکل مین یمن کے اندر آباد دیکھتے ہین، بنو عیسو نے جب حوریون کو ملک بدر کیا، تو خود بنو عیسو کے بعض قبائل نے بنو حود کا ساتھ دیا، حضرت ایوبؑ بنو عیسو سے تھے، ان کی بیٹی کا نام یمامہ تھا جس کی نسل نے یمامہ کو اسکا نام دیا حضرت عیسو کے ایک پوتے کا نام تھا تیمن بن الیفز- اس نام کا ترجمہ ہے الیفز کا بیٹا یمن کو روانہ ہوا،

تیمن کی ماں کا نام تمنع تھا، جو لوطان حوری کی بہن تھی، (تکوین ۳۶: ۲۱) پلنی نے اس نام کے ایک شہر کا بہو دبہ کے ساحلی شہر غازہ سے ۴۳۴ میل یا اونٹون کی رفتار سے ۶۵ میل کی مسافت پر حضرموت کے مغرب مین پتہ دیا ہے،

زیر بحث کتبہ جس مقام پر ملا، وہ اب تو شبام کہلاتا ہے لیکن یہ مقام بعینہ وہی جگہ ہے جس کا نام پلنی کے زمانہ مین تمنع تھا، اس کتبہ کے ساتھ جو مہر ملی، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مسٹر تھیوڈور بنٹ نے لکھا ہے،

"یہ مہر خاص طور پر دلچسپ ہے اس پر یرکل رئیس شبام کا نام کندہ ہے، ہالیوی نے جو کتبات شائع کئے ہین، ان مین اس نام کے دو شخصون اور اس خاندان کے کئی افراد کے نام شاہان جبانتی کے ماتحت رئیسون کی حیثیت سے ملتے ہین، جبانتی کا پایۂ تخت پلنی کے بیان کے مطابق تمنع تھا، اس مہر سے قدیم جغرافیہ نویس کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ تمنع جبانتی کا پایۂ تخت تھا، جبانتی ایک حمیری قبیلہ تھا جو حضرموت کے مغرب مین بستا تھا"

یرحل کے نام پر غور کرو بالکل یروشلم جیسا نام ہے جس کے معنی ہیں "جوار سلامتی" جس طرح ہندوانی شہرون کے نام، پراگ، اجودھیا، کاشی، اور متھرا اشخاص کے نام بھی ہوتے ہیں، اسی طرح مقامات کے نام عرب مین بھی شخصون اور قومون کے نام بن جاتے تھے، یرحل (سحل کا جوار) پہلے شخص کا نام نہین بلکہ شہر کا نام تھا، سحل کے نام کی عربی شکل ۔۔۔۔ سحول ہے، یہ ایک قبیلہ کا نام تھا، جو بنو قعلن سے تھا، جن کے نام نے القعلن کو اس کا نام دیا، یہ شبام سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ایک شہر کا نام ہے بنو قعلن کو بنو حمیر بن سبا کی اولاد بتایا جاتا ہے، (معجم البلدان)

یمن مین جو دو بستیان تھین، ان مین سے ایک کا نام سخیم اور ایک کا نام شبام بتایا جاتا ہے، ایک مقام کا نام شبام سخیم ہے، عربون کی روایت کے مطابق اس شہر مین شبام اور سخیم دو مردون کی نسلین ملی جلی بستی تھین، مگر ہم بتا چکے ہین، کہ شکم کے نام کا دوسرا تلفظ سخم ہے، اس کتبہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شبام اور سخیم دو مختلف قومون کے نام نہ تھے، بلکہ شبام سخیم ایک ہی قوم کا نام تھا، جو شبام زوجہ سخیم کی نسل سے تھی،

بنو شکم جو باپون کی طرف سے بنو حمور یعنی بنو حمیر سے تھے، مگر ماؤن کی طرف سے بنو یعقوب بنو یوسف اور بنو منسی تھے ۱۲۰۰ ق م کے قریب ابی ملک کے مقابلہ مین جنگ کر کے جب ناکام ہوئے تو ارض اسرائیل سے نکلے، اور بنو تبع کے پاس آکر آباد ہوئے، بنو تبع باپون کی طرف سے بنی حمور عدی کے قرابت مند تھے، ماؤن کی طرف سے وہ بنو ابراہیم سے تھے، اس لئے بنو شکم نے ان کے جوار کو پسند کیا اور وہان سے چلے تو اپنے ساتھ یہ مقدس پتھر بھی لیتے آئے،

ارض القرآن حصہ دوم

قرآن مجید کے اندر جن قومون کا ذکر ہے ان مین سے مدین اصحاب لایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل اصحاب الرس اصحاب الحجر، بنو قیدار انصار اور قریش کی تاریخ وغیرہ پر تفصیلی مباحث (زیر طبع) "منیجر"

یحییٰ بن آدم اور ان کی کتاب الخراج

از

جناب مولوی مجیب اللہ صاحب قاسمی ندوی رفیق دار المصنفین

(۲)

تصانیف امام نووی نے یحییٰ کی تصنیفات میں صرف کتاب الخراج کا تذکرہ کیا ہے، امام ذہبی نے لکھا ہے کہ "ھو صاحب التصانیف" وہ صاحب تصانیف ہیں، لیکن انھوں نے بھی کتاب الخراج کے علاوہ کسی دوسری کتاب کا تذکرہ نہیں کیا ہے، ابن ندیم نے کتاب الخراج کے علاوہ دو اور کتابوں کا بھی تذکرہ کیا ہے کتاب الزوال اور کتاب الفرائض اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بہت بڑی کتاب ہے، مگر ان میں کتاب الخراج کے علاوہ کسی کتاب کے موجود ہونے کا کوئی علم نہیں ہے،

کتاب الخراج بھی اب تک ناپید تھی، لیکن ایک فرانسیسی مستشرق ڈاکٹر جانبول (Juynboll) کے ذریعہ چند سال ہوئے کہ سامنے آئی ہے،

ڈاکٹر جانبول کو کتاب الخراج کا ایک قدیم نسخہ ایم شارل شیفر (M-C Charles Schefer) کے یہاں جو پیرس میں علوم مشرقیہ کے صدر رہے ملا، انھوں نے بڑی دیدہ ریزی سے اس کی تصحیح کی، اور اس پر فرنچ میں ایک مقدمہ لکھ کر ۱۸۹۶ء میں مطبعہ بریل، لیڈن سے شائع کیا، یہ نسخہ پانچویں صدی کے آخر کا لکھا ہوا ہے اور اس کی ضخامت ۹۵ صفحات ہے،

۱؎ تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۲۲ ۲؎ ڈاکٹر جیوتبول اور ابو الاشبال دونوں مصححین میں سے کسی کی نظر ابن ندیم

کتاب سے صاحب نسخہ کے نام کا پتہ نہین چلتا، لیکن کتاب کی پشت پر انھون نے اپنے شیخ اور اپنے معاصرین کی سماع کی جو یادداشت لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب نسخہ نے ابو عبد الرحمن بن علی البسری سے جو کتاب کے مرتب اور جن پر اس کتاب کی تمام سندین منتہی ہوتی ہین، براہ راست سماع کیا ہے، شیخ بسری کے سماع کی یادداشت یہ ہے،

سمعت بقراءة محمد بن علی	مین نے محمد بن علی کی قرأت سے اس کتاب
بن مخلد الیٰ آخرہ وسمع ذالک	کو آخر تک سنا ہے، اور میرے علاوہ ابو القاسم
ابو القاسم علی بن احمد بن البسری	شیخ بسری کے پوتے، اور ان کے لڑکے ابو
البنید اہرو رلدلا ابو عبد اللہ	عبد اللہ اور نوفل وغیرہ نے بھی سماع کیا
الحسین و نوفل بن علی محمد بن علی	ہے، اور یہ سماع محرم ۴۱۶ھ میں ہوا،
الانسائی فی المحرم سنۃ ست عشرۃ	

دوسری یادداشت مین کچھ اپنے ہم عصر سامعین کے نام بھی لکھے ہین، اُن کے نام کے ذکر کے بعد لکھتے ہین کہ ان لوگون نے جمادی الاولیٰ ۴۴۶ھ مین سماع کیا ہے، غالبًا یہ اختتام سماع کی تاریخ ہے، لیکن کہین بھی اپنے سماع کی تاریخ نہین لکھی ہے، کتاب کے ہر حصہ کے شروع مین

اخبرنا الشیخ ابو عبد اللہ البسری	شیخ بسری نے ہم سے بیان کیا،

کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا سماع شیخ بسری سے براہ راست ہے، اور چونکہ ۴۴۶ھ سے پہلے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۵) نہین تھی، اسی لئے انھون نے تصنیفات مین صرف کتاب الخراج کا تذکرہ کیا ہے ۵۳ ابن ندیم مین کتاب الفرائض کے بعد ڈیش ہے، اس کے بعد کبیر الگ ڈیش کے ساتھ لکھا ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو کتابین ہین لیکن مین نے اس کو طباعت کی غلطی سمجھ کر کبیر کو کتاب الفرائض کی صفت قرار دیدیا ہے،

۵۴ اصل مین اس طرح لکھا ہوا ہے کسی مصحح نے اس کے متعلق کچھ کہا بھی نہین ہے لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ انسائی ہے،

انھون نے اپنی یا کسی دوسرے کی سماع کی تاریخ نہین لکھی ہے، اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ ۲۸۵ھ ہی اُن کے سماع کی بھی تاریخ ہو گی،

بسری[1] نے اس کتاب کا سماع اپنے شیخ ابو محمد عبد اللہ بن یحییٰ السکری سے ۳۱۶ھ مین کیا تھا، سماع کے وقت اُن کی عمر ۱۰ برس سے زائد نہین تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر کی روایات پر پورے طور پر اعتماد نہین کیا جا سکتا، لیکن بسری کی مرویات کو اس درجہ قبولیت حاصل ہوئی کہ ان کی کم عمری اعتماد و اعتبار کے لئے مانع نہین رہی،

ڈاکٹر جانبول نے کتاب کی تصحیح و تحشیہ مین کافی محنت کی تھی، لیکن پھر بھی اس مین کچھ نہ کچھ خامیان رہ گئی تھین، اس لئے قاضی ابو الاشبال احمد شاکر مصری نے دوبارہ اس کی تصحیح کی، جہان جہان ڈاکٹر صاحب کی تصحیح مین غلطی تھی، اس کی نشاندہی[2] کی اور دوسرے ماخذون سے ہر مسئلہ کی مراجعت کر کے اسکی تخریج کی، اور یحییٰ بن آدم کے سوانح حیات[3] اُن کے شیوخ و تلامذہ کی فہرست کے ساتھ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء مین دوبارہ مطبعہ سلفیہ قاہرہ سے شائع کی، فجزاہ اللہ احسن الجزاء،

قاضی صاحب نے اس سلسلہ مین سب سے بڑا کام یہ کیا ہے کہ کتاب کے رجال کی پوری تحقیق کی ہے اور اُن کی تعدیل و جرح کے سلسلہ مین جو کچھ کہا گیا ہے، اس کو نقل کر دیا ہے علاوہ برین جو مسائل امام ابو یوسف اور یحییٰ کی کتابون مین مشترک ہین، حاشیہ مین ان کی بھی تصریح کر دی ہے، یہ حاشیہ اپنی افادیت کے لحاظ سے کتاب کی ایک مختصر شرح ہے، لیکن انھون نے یہ نہیں لکھا کہ اس کتاب کا کیا درجہ ہے؟ اس کی خصوصیات کیا ہین اور امام ابو یوسف اور یحییٰ کی کتابون مین ... جو ایک ہی موضوع سے متعلق ہین کیا فرق ہے؟

---

[1] بسری بغداد کے مشہور محدثین مین ہین، ۴۰۹ھ یا ۴۱۱ھ مین اُن کی ولادت ہوئی تھی، اور ۴۹۴ھ مین وفات پائی، سمعانی نے ان کا تذکرہ کیا ہے، (ص ۱۸) [2] مثلاً ص ۶۳ ص ۱۲۲، و ص ۱۲۳ [3] مین اس کی تفصیل موجود ہے،

آیندہ سطور مین اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے،

پوری کتاب چار حصون مین ہے جن مین ۲۳ ابواب اور ۳۰۶ مسئلے ہین، مؤلف نے صرف دو آخری حصون کی تبویب کی تھی، باقی دو حصون کی تبویب مصحح نے کی ہے، اور اوپر حاشیہ مین عنوانات کی سرخیان قائم کر دی ہین،

یحییٰ کی روایات اور ان کے اقوال عام طور پر مشہور ہین، اور تمام متقدم اور متاخر محدثین نے اپنی اپنی کتابون مین ان کو جگہ دی ہے، لیکن بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون اولیٰ مین ان کی کتاب الخراج کے ساتھ زیادہ اعتنا نہین کیا گیا اور نہ اس کے نسخے زیادہ مروج تھے، چنانچہ امام مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ، امام نووی، حافظ ابن حجر، بلاذری وغیرہ نے متعدد جگہ ان کی روایات اور ان کے اقوال اپنی اپنی کتابون مین نقل کئے ہین، لیکن ان مین سے کسی نے بھی کتاب الخراج کا ذکر نہین کیا ہے، اور نہ کہین اس کا حوالہ دیا ہے،

کتاب کی خصوصیت اور امام ابو یوسف اور ان کی کتاب مین فرق

(۱) اسلامی مالیات کے جن شعبون کے متعلق قرآن پاک کی آیات مین اشارات موجود ہین، یحییٰ بن آدم نے ہر عنوان کے تحت ان آیات کا تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد حدیث و آثار سے استدلال کیا ہے، مثلاً فئی، غنیمت، تجارت، زراعت، صدقات، ما یکرہ فی الصدقہ، جذاذ و حصاد وغیرہ کے سلسلہ مین اس کی تفصیل مل سکتی ہے،

(۲) طریقہ تصنیف محدثانہ ہے، یعنی ہر مسئلہ مین انھون نے اپنے شیوخ یا تابعین کے اقوال یا پھر صحابہ کے آثار یا احادیث نبوی کا تذکرہ کیا ہے، اور خود اپنی رائے پوری کتاب مین مشکل سے دو چار جگہ دی ہے،

(۳) فقہ مین کسی خاص مسلک کے پابند نہین تھے، لیکن پھر بھی انھون نے متعدد جگہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کی رائے سے اختلاف کیا ہے، اور اس کے بعد محدثین کی رائے کو پیش کر کے اس کو ترجیح دی ہے، مگر جہان بھی اختلاف کیا ہے، وہان امام صاحب کا نام نہین لیا ہے، بلکہ بعض وغیرہ کا لفظ استعمال کیا ہے،

مثلاً اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی رس پڑتی زمین کو آباد کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے یا نہیں، دوسرے ائمہ کی رائے ہے کہ اس کو اختیار ہے کہ وہ آباد کرلے اور وہ اس زمین کا مالک ہوگا، خود امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے بھی یہی ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک اس میں امام کی اجازت کی ضرورت ہے، طرفین کے اقوال ذکر کرنے کے بعد یحییٰ نے دوسرے ائمہ کے اقوال کی تائید میں یہ حدیث ذکر کی ہے،

من احیا ارضا میتۃ فی غیر حق	جو کسی ایسی پڑتی زمین کو آباد کرے جو کسی مسلم یا
مسلم و لا معاھد فھی لہ (ص۸۶)	معاہد کی نہ ہو تو وہ زمین اس کی ہے،

اس کے بعد لکھا ہے کہ حدیث میں امام سے اجازت کا ذکر نہیں ہے، جس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کی رائے اُن کے نزدیک صحیح نہیں ہے،

بعض جگہ وہ دوسرے ائمہ کی بھی مخالفت کرتے ہیں، مثلاً اس مسئلہ میں کہ خراج کی زمین پر دوسرے محاصل عائد کئے جا سکتے ہیں یا نہیں، ائمہ ثلاثہ کی رائے ہے کہ دوسرے محاصل عشر وغیرہ اس میں لئے جا سکتے ہیں، امام صاحب کی رائے ہے کہ خراجی زمین میں خراج کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں لی جا سکتی، اس مسئلہ میں یحییٰ امام صاحب کے ساتھ ہیں، اور فریقین کے استدلالات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں،

قال جماعۃ من اصحابنا لیس مما	ہمارے اصحاب میں سے بعض لوگوں نے کہا
علی الارض الخراج عشر انما	ہے کہ خراب زمین پر عشر نہیں ہے، اس پر
علی الارض الخراج و لیس فی	صرف خراج ہے، اور اس زمین کی زراعت
زرعھا و لا فی ثمارھا شیٔ	اور اس کے پھل میں کوئی محصول نہیں ہے!

ا زراعت کے سلسلہ میں آج کل اس قسم کے قوانین روزانہ بنتے رہتے ہیں لیکن اسلام نے آج سے تیرہ سو برس پہلے یہ قانون دنیا کے سامنے پیش کر دیا تھا لیکن بُرا ہو تعصب کا کہ اُس نے دنیا کو اندھا کر دیا ہے،

لمسلم او لغیرہ (صفحہ ۱۶) وہ زمین مسلمان کی ہو یا غیر مسلم کی،

دوسری جگہ اس مسلک کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ میرے بعض بصری اصحاب کی بھی یہی رائے ہے" (ص ۱۶۷)

زکوٰۃ کے سلسلہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ اگر مختلف قسم کے غلے اتنی تھوڑی مقدار میں پیدا ہوں کہ نصاب زکوٰۃ تک نہ پہنچے ہوں لیکن اگر ان سب کو یا ان کی قیمت کو ملا دیا جائے تو وہ نصاب تک پہنچ جاتے ہوں، تو ایسا کرنا چاہئے یا نہیں، امام صاحب تو غلہ میں سرے سے نصاب کے قائل ہی نہیں ہیں، اُن کے نزدیک غلہ کی جتنی مقدار بھی ہو اس میں عشر یا نصف عشر دینا چاہئے، بقیہ ائمہ غلّہ کا نصاب پانچ وسق مقرر کرتے ہیں، اس لئے ان کے یہاں یہ سوال اہمیت رکھتا ہے، امام شافعیؒ ایک غلہ کو دوسرے غلہ سے یا اس کی قیمت کو ملا کر عشر ادا کرنے کو جائز نہیں سمجھتے، امام احمد کا خیال ہے کہ ایک دوسرے کو ملا کر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے، امام مالکؒ صرف جو اور گیہوں کو ایک دوسرے سے ملانے کے قائل ہیں یحییٰ چونکہ مطلق ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانے کے قائل نہیں ہیں، اس لئے انھوں نے امام مالکؒ کے مسلک کو بھی پسند نہیں کیا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اصحاب امام مالک نے جو اور گیہوں کو یکساں سمجھا ہے لیکن یہ بھی جائز نہیں ہے" یہی مسلک امام شافعیؒ نے اختیار کیا اور بعد میں یہ انہی کی طرف منسوب ہو گیا،

۴۔ کتاب میں بعض ایسی روایتیں بھی ہیں، جن میں مصنف منفرد ہیں، مثلاً یہ روایت

من احیا ارضاً میتۃً فھی لہ و لیس لعرق ظالم حق (صفحہ ۸۵) جو پرتی زمین کو آباد کرے، وہ اس کی ہے،

ان الفاظ کے ساتھ کسی نے بھی یہ روایت نہیں کی ہے، ابن حجر نے فتح الباری ج ۵ ص ۱۳ میں یحییٰ کی اس روایت کو نقل کیا ہے لیکن انھوں نے بھی یحییٰ کے علاوہ کسی دوسرے سلسلۂ سند کا ذکر نہیں کیا ہے،

اسی طرح بعض "والعشرین او الذی" والی حدیث میں بھی غالباً صاحب کتاب منفرد ہیں، ابن ماجہ نے اس روایت کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، لیکن ان کا سلسلۂ سند بھی یحییٰ ہی پر ختم ہوتا ہے (صفحہ ۱۲۳)

امام ابو یوسف اور یحییٰ کی کتاب میں چند ظاہری اور معنوی فروق یہ ہیں،

(۱) اوپر لکھا جا چکا ہے کہ یحییٰ کی کتاب الخراج کی طرف علماء نے بہت کم اعتنا کیا ہے بخلاف اس کے امام ابو یوسف کی کتاب الخراج کو تمام متقدمین و متاخرین ائمہ کے نزدیک ایک خاص درجہ حاصل رہا ہے اور مشکل سے حدیث و فقہ کی کوئی کتاب اس کتاب کے ذکر سے خالی ہو گی،

(۲) امام ابو یوسف کی کتاب میں ۳۷ ابواب اور یحییٰ کی کتاب میں کل ۳۳ ابواب ہیں، اس ظاہری فرق کے علاوہ معنوی حیثیت سے بھی امام ابو یوسف کی کتاب بہت بلند ہے، اس میں ہر عنوان کے تحت جزئیات اور بہت سے مجتہدانہ نکات اور متنوع مسائل ملتے ہیں،

(۳) امام ابو یوسف کی کتاب میں بعض مباحث ضمناً آگئے ہیں لیکن یحییٰ نے ان کے مستقل ابواب قائم کئے ہیں، مثلاً تحجیر، شراب کی تجارت پر ذمیوں سے ٹیکس لینے جذا ذوحصا د یا سبزی میں زکوٰۃ وغیرہ کے مباحث کو امام ابو یوسف نے ضمناً ذکر کیا ہے، لیکن یحییٰ نے ان کے لئے الگ الگ ابواب قائم کئے ہیں،

(۴) امام ابو یوسف کی کتاب میں گو جزئیات اور متنوع مسائل زیادہ ہیں، لیکن پوری کتاب تقریباً تمام تر حنفی مسلک کے مسائل تک محدود ہے، اس کے مقابلہ میں یحییٰ کا طریقہ تصنیف محدثانہ ہے، اور وہ ہر عنوان کے تحت مختلف احادیث، آثار اور اقوال نقل کر دیتے ہیں اور خود اس کا فیصلہ بہت کم کرتے ہیں، اس سے یہ فائدہ ہے کہ پڑھنے والے کو ہر موضوع پر خود سوچکر کسی امام کی رائے کو راجح یا مرجوح قرار دینے کا موقع ملتا ہے،

علمی حیثیت سے کتاب میں بعض تسامحات بھی ہیں مثلاً

۱۔ زکوٰۃ پر بحث کی ہے لیکن زکوٰۃ کے مصرف کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے یا دریا سے حاصل کی جونی اشیار کے بارے میں کوئی بحث نہیں ہے،

۲۔ ان کے شیوخ اور سلسلہ سند کے رواۃ میں بہت سے ضعیف اور بعض مجہول اشخاص بھی ہیں، مثلاً شیوخ میں محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی، ایوب بن جابر بن سیار، عبد الجبار الزبیدی، ان کو کذاب تک کہا گیا ہے، سنان بن ہارون، الصلت بن عبد الرحمٰن، عثمان بن مقسم، عمر بن ہارون، عمرو بن ثابت بن ہرمز، قیس بن الربیع، مفضل بن صدقہ وغیرہ، عام رواۃ میں مغلس (ص ۸۸) جن کا تذکرہ رجال کی کسی کتاب میں نہیں ملتا، عبد الرحمٰن الفاری (ص ۱۵) کا تذکرہ بھی کسی کتاب میں نہیں ہے اسی طرح محمد بن مساور، عبادہ بن نعمان، ابو علی الصفار وغیرہ کا تذکرہ بھی متداول کتابوں میں موجود نہیں ہے، اسی طرح ابراہیم بن محمد (ص ۳)، عبد الرحمٰن بن معاویہ (ص ۳)، اسماعیل بن ابی سیکر (ص ۱۰۴)، ابو حماد (ص ۱۰۵) وغیرہ کو علماء نے ضعیف اور ان میں سے بعض کو وضاع حدیث تک لکھا ہے،

پوری کتاب میں سیکڑوں لغات اور فقرے ایسے ہیں، جن کی مکمل تشریح کی ضرورت تھی، ان کے حل کئے بغیر عبارت کا مفہوم واضح نہیں ہوتا، ضرورت تھی کہ کتاب کے ساتھ ایسے الفاظ کی ایک فہرست بھی منسلک ہوتی، مثلاً اس اثر

لیس علی عربی ملک — یعنی عربی النسل پر کسی کی ملکیت نہیں ہو،

کے نقل کرنے کے بعد یہ جملہ ہے،

ولکنا نقومهم الملة خمیس من الا بل کا مطلب بالکل واضح نہیں ہوتا، مصنف سے اس آیت "قری ظاہرۃ" کی تشریح کے سلسلہ میں بھی فروگذاشت ہوگئی ہے، گو عام ائمہ تفسیر کی طرح انھوں نے بھی اس کی تشریح قری عربیۃ کے لفظ سے کی ہے، مگر انھوں نے اس سے ایک خاص

سرزمین مراد لی ہے جو یمن ہے،

تفسیر ابن کثیر سے ابن عباسؓ کی یہ روایت موجود ہے کہ

هي قرى عربية بين المدينة والشام — مدینہ اور شام کے درمیان جو آبادیاں ہیں

قرى ظاهرة اي بينة واضحة يعرفها المسافرون، — وہی قری عربیہ ہیں، ان کو ظاہرہ اسلئے کہا گیا ہے کہ ان کو مسافرین عام طور پر

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مخصوص خطہ کا نام نہین ہے، بلکہ مدینہ و شام کے درمیان کی آبادیوں کو قری ظاہرہ کہتے ہین، پھر معجم البلدان کتب لغت تاریخ وغیرہ مین کوئی مقام اس نام کا نہین ملتا، اس لئے ظاہر ہے کہ مصنف کو اس مین سہو ہو گیا ہے،

تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس مین ہر دور کی فقہ اور فقہاء پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے، جس سے جدید فقہ کی ترتیب مین مدد مل سکتی ہے،

قیمت :- ہےر

القضاء فی الاسلام

اس مین طریقۂ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابون سے اخذ کرکے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے، ضخامت: ۳۰ صفحے، قیمت :- ۱۲ر

"منیجر"

ارگجہ

(ایک نایاب مخطوطہ)

از

جناب سید عزیز مہدی صاحب بخاری بنگلوری

"فارسی زبان کی شاعری خصوصاً اس کی شاعرانہ صنعتوں کا مذاق ہندوستان سے بالکل اٹھتا جاتا ہے، اور گو اس قسم کی شاعری تصنع سے خالی نہیں ہوتی، لیکن اس کے ادبی کمال ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اس لئے اس کے کچھ قدیم نمونے یادگار پاستان کی حیثیت سے شائع کئے جاتے ہیں"
(م)

ارگجا ہندی لفظ ہے، اس کے معنی ایک خوشبو مرکب کے ہیں، جو مشک، عنبر، گلاب، صندل، کافور وغیرہ سے بنایا جاتا ہے، آخر کے الف کو ہاے ہوز سے بدل کر اس کو مفرس کر لیا گیا ہے،

نواب حیدر علی خان بہادر بانی سلطنت خداداد سرینگ پٹن کے عہد حکومت میں محمد کمال بن نور محمد مہدوی ایک باکمال شاعر گذرے ہیں، اُن کے آبا و اجداد کا وطن برار تھا، نواب سعادت اللہ خان نواب ارکاٹ کے عہد میں محمد کمال برار سے ارکاٹ آئے، پھر وہان سے سرینگ پٹن آکر یہان سکونت اختیار کر لی، انھون نے ایک بیاض مین بہت سے اولیا، اللہ صوفیاے کرام اور متقدمین شعراء کا فارسی اور دکنی منظوم کلام جمع کیا ہے، اس بیاض کی خصوصیت یہ ہو کہ اس مین دکنی شعراء مثلاً ولی، نصرتی، ہاشمی، مومن، یوسف، سراج، سلطان عبد اللہ قطب شاہ وغیرہ ریختہ گو شعراء کا بے شمار نایاب کلام موجود ہے،

یہ منظوم کلام مختلف اصناف سخن مثلاً رباعی، مخمس، مثمن، ترجیع بند، مستزاد، ہجویات، قصائد، کبت، دوہرہ، بحر طویل، جھونا وغیرہ پر مشتمل ہے، کلام کی اس ہیئت مجموعی کے لحاظ سے جامع نے اس بیاض کو ارگجہ کے نام سے موسوم کیا ہے،

مرزا عبد اللہ بیگ ایک معاصر شاعر نے اس بیاض پر ۳۳ اشعار کا ایک قصیدہ دکنی زبان میں لکھا ہے، مرزا عبد اللہ بیگ نے نفس ارگجہ کی تعریف کے لحاظ سے اس بیاض کے الفاظ، فقروں، مصرعوں اور اشعار کو مختلف عطریات اور ان کے خوشبودار اجزائے ترکیبی سے تشبیہ دی ہے، پھر انھوں نے اس بیاض کو ایک رنگین چمن قرار دیکر اس کے اشعار کو چمن کے لوازمات یعنی مختلف اقسام کے پھولوں، پھلوں اور اشجار سے تشبیہ دی ہے، غرض یہ قصیدہ بہت دلچسپ ہے، اس قصیدے کے چھٹے اور ساتویں شعر میں انھوں نے اس امر کا اشارہ کیا ہے، کہ حافظ محمد کمال نے اس بیاض کو ترتیب دیکر کسی حاکم وقت کی نذر گذرانی تھی، اگرچہ حاکم وقت کے نام کی صراحت نہین ہے، تاہم قیاس کیا جاتا ہے کہ غالباً نواب حیدر علی خان بہادر کی نذر گذرانی ہوگی،

اس بیاض کی تقطیع ۶ × ۱۰۳ انچ ہے، اور تقریباً چھ سو صفحات کی ضخامت رکھتی ہے، اس پر حافظ محمد کمال کی مہر جا بجا لگی ہوئی ہے، مہر کے اندر ۱۱۶۱ھ کندہ ہے، جلد چمڑے کی ہے، جو نہایت دلآویز ہے، اسکے دونوں پشتوں کے حاشیہ پر ڈیڑھ یا دو انچ لمبی مہر کا نقش ہے جس مین لا یمسہ الا المطہرون لکھا ہوا ہے،

مذکورہ بیاض مین سے تھوڑا سا نایاب کلام انتخاب کر کے بغرض اشاعت مرسل ہے، امید ہے کہ انجناب ازراہ علم پروری اس کو معارف مین شائع کر کے ممنون فرمائیں گے،

یہ قصیدے جناب یحیٰی نور اللہ المتخلص بہ یحیٰی کے ہین، جو جامع بیاض حافظ محمد کمال کے فرزند ارشد ہین یحیٰی عربی فارسی اور ترکی زبانون مین خاصی مہارت رکھتے تھے، اور نواب حیدر علی خان بہادر کے عہد کے سرآمد شعرائے وقت سے تھے، انھین دکنی یعنی ریختہ شاعری مین بھی ید طولیٰ حاصل تھا،

حافظ محمد کمال کے پیر و مرشد بندگی سید یحیٰی تھے، جن کا قیام آرکاٹ مین تھا، اور جن کا انتقال

۱۲۲۵ھ میں ہوا، جو غالباً حافظ صاحب نے اپنے فرزند ماجد کا نام اپنے پیر و مرشد کے نام پر رکھا ہے، [illegible]
صاحب کی پیدائش اور انتقال کی تاریخ نہیں معلوم ہو سکی، ان کے بچپن اور تحصیل علم کے بارے میں بھی
معلومات فراہم نہ ہو سکے، البتہ انھوں نے مختلف اشعار میں چند اشارات کئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ
...... اپنے والد بزرگوار سے تحصیل علم کی ہے،

مخمس در منقبت شاہ مردان علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

در مصرع اول مرصع

اے ز رواق خطۂ خضرائے زرنگار — وے ہفت طاق قطعۂ غبرائے نوبہار
از یک اشارت نقش گشت استوار — افروخت شمعہا ز مہ و مہر تابدار
مہ لعلہا و گوہر مکنون و شاہوار

مرصع

خمخانہا ز شہد میش شکرین مذاق — پروانہا ز شمع رخش آتشین نطاق
ویرانہا ز نور مہش خوشترین رواق — افسانہا ز عشق لبش برترین وثاق
روشن چو کرد خیر رسل سرور کبار

مجنس

صد تحفۂ درود مبارک بآنجناب — بادا نزول از حرم کبریا نقاب
اے دل بسوی مدحت آن صف شکن شتاب — الہام گر ضیای ز لایش فگند تاب
یعنی علی ولی علی شاہ ذوالفقار

(شیر حق برآید از توشیح)

شاہے سریر سلطنت داد گستری — یوسف بحسن طلعت او یافت برتری

روشن ز لمعہ اش شدہ خورشید خاوری حاجت روائے ہر دو جہان شد ز صفدری

قدرش قوی و قبلۂ اربابِ اقتدار

لاحق تجنیس

اے صاد صفدری شدہ از صولتت صحیح وے صارم تو صیحۂ روح الامین صحیح

صدق صفائے صفوتِ تو صادر صریح صدر النہار صفحۂ تو صبح رامتریح

صیت صلابتت ز صمصامت آشکار

مرصع مجنس

روشن ز ماہتاب کمال تو شمع طور گلشن ز آب و تاب جمالِ تو جمع حور

این ز آفتابِ جلالِ تو لمعِ نور معدن ز کامیاب مقالِ تو جمع دور

مخزن ز انتساب لآل تو درج زار

معادر د العجز علی الصدر

گیسوے عنبرینش معنبر چو لیل قدر قدرے فزود مطلعِ مہرش بصبحِ فجر

فجرے روان گلاب طرازش برو صدر صدرش ز نور قدس خدا روشنی چو بدر

بدرش بمہر دادہ ضیاے بیادگار

تجنیس مکرر

زور شک گلشنِ تو بہ گلنار نار ناز از تیغ دوز بانت بکار کار کاز

شد پردہ نوات برخسار ساز ساز بر بود شفقتِ تو زادبار بار باز

زاصحاب مصطفٰی شدہ ز اخیار یار باز

مصرع اوّل مقلوب مجنح دوم مقلوب کل وسیوم وچہارم مقلوب بعض وپنجم مقلوب مستوی

ماہی سپہر اوج ہمایون بظل ہما		قندیل عرش شرع زامن است رہنما

شکر زشکر شربت بہات از خدا		رشک بہ نیشکر بغز ودواے شہ علا

دان بانر حرفزا بلب از فرح زاب نار

مقطع معطل

آوردہ روح در دم اول وراد رود		وارد وداد آدم در راح یا وودد

آرام روح درارم در دا و ورود		ادراک را دوار و در درک وسع روز

رودادہ روح را درا ورا دوار

موصل دوحرفی

مرقومہ مدحت کرمش پی ندید شد		موشح بزیب موکب عالی پدید شد

تا یافت ہالہ تابش ماہش فرید شد		با فر فرجد لعلش چو مومن مرید شد

باشد صریح صدمت نامش شر ربہار

موصل سہ حرفی

لعل لبش قلم سطر سلک سین کشد		لعل یمن بناصیۂ مرجبین کشد

کلک قضا بخط خفی نسخ کین کشد		مشک ختن علم بسر تخت چین کشد

شمس ضحی خش بہ حسن او شمار

مجنس موصل چہار حرفی

لطفش محیط چنبر نیلم چنین متین		حلمش نہفت پنجۂ بیضا جبین مبین

چید نسیم غنچۂ شبنم نگین نگین،		بلبل بعشق بسمل تیغش ہمین یکین

گلشن شگفت تختۂ فیضش سپہر داد

مجنس موصل پنج حرفی

تشبیہ طلعتش بتبسم نہفتہ یافت تمکین شعشعہ بتکلم نہفتہ تافت
کیفیت جنبش طلسمی شگفتہ تافت تیغ مشتمل زبخبل شکستہ یافت
بینش مشتہر بشہنشاہ کامگار

موصل تمام مصرع

تشبیہ طینتش بہ ختن مشک نے پسند لعل یمن بہ لعل لبش حلی سیم گند
بے غم جبین گلست تحنتش بسے بلند فیضش مبین بشعشعہ غیبیہ قبل (؟) بند
تنک بہ گنج فیض یقین معطی ہزار

مصرع اول مقطع و دوم موصل دو حرفی و سیوم سہ حرفی و علی ہٰذا القیاس

وارد و در آرزوے درش دل ز ذوق زر چرخ برق بر تربیتش بس بریں چو مہ
ہر نیف فیض بخش خضر نسق سلطت بین ہمہ بینش صبح طلعت سبحہ بتصفیہ
منظور مصطفیٰ است بکرم با تشدد ار

موشح موصل الشفتین کہ بطریق مدور نگاشتہ

مہر منیر مرکز تمت فی معاد مظہر صبح مسجد معمور مستفاد
معنی مفید مالک ملک ملک مراد مارا معین مکارم مہرش ہمین مراد
مشہور میر معرکۂ محتشم مدار

رقطا

آن صبح نو بفر جدی سپر تحفہ یاب زائرا بحضرتِ عظم قرب از سیاب (؟)
عبرت رباے از اثر بوش شکناب دیدم نسیم باغ وی از مغک شدخوشتاب
نعت منارش لب حیران کند ہزار

خیفا

وارو جبین ہر ز فیضش مرادہا آرد تجنت دہر ز تبین عمادہا
معمورحیش حلم ز بحتش سوادہا آمد شفیق بر ہمہ ضیفی ارادہا
سالار غیب سرور بشین مارکار

تجنیسِ خط

اے روشن از جبین مبین شمس سان توئی وی گلشن زمان زمن چون جنان توئی
شیرین مذاق وذوق و خوش چنان توئی وی معدن امان و امین لعل کان توئی
زین صحن چون چمن گل خندان توئی بہار

واسع الشفتین

اے شہسوار صفتِ دیران اصفہان سرلشکرِ جنود دلاور غضنفران
سازند سجدہ درگہ او سرا سخنوران عالی قدر دلیلِ نکوئی شہ شہان
زینت فضائے تختہ این تازہ لالہ زار

معرب و مخرج

اول مصراع فتحات متوالیہ وثانی کسرات وثالث ضمات ورابع تسفوی وخامس نفوی،

ای سطح چرخ از حرمِ عظمتش سر سما میر ہشت گیر ز زیبی می صنیا

گلشن شگفت خوش گلِ باد چون خمی
ماہ سپہر برتری با منظرش سپا

شائستہ منفردی زسیادت ذوالافتخار

مکرر

بر چرخ از شعاع رخت آنچہ رفت رفت
بر لعل از صفائی خطت آنچہ رفت رفت

بر باغ از نسیم رخت آنچہ رفت رفت
بر مشک از شمیم لبت آنچہ رفت رفت

ہم آنچہ رفت رفت سوئے خطۂ تتار

ملمع

ان یلتفت کمالہ بالشرح والکتاب
بینید چو مہر روشن و چون آئینہ بتاب

ان ینظر غمامہ فی البحر والحباب
اندر کند ز نور چو مہتاب و آفتاب

للارض یجلو نورہ کاللیل والنہار

معنی اول بر دوم ۲ و بر ۳ و بر ۴ دہم بر ۵ موقوف

آید بدرگہ کرمش آفتاب تا
سازد ز نور انور او اقتباس یا

صد سجدہ از نیاز گذارد بخاک یا
صدق طویت دہد و بر سپہر تا

بر روشنان چرخ زند کوس اشتہار

ترجمہ

کہ دو مصرع اول ترکی، و در سیوم و چہارم معنی اول بفارسی وعلی ہذا القیاس

آئی گک کرسدن و غرقیت یلدزے
یو باقی یول آتلۂ آغرش ترسے

مہتاب آسمان ہدی راست اخترے
رنگ رہی سوار نبردی بزودوے

اق کندزی شدہ یقین اسفید چون نہار

سیاقِ اعداد و معمّا

دہ چند کرد روشنیش نہ سپہر را — از ہشت باغ کردہ چو ہر ہفت شش ہا

پنج اصبعش چار عناصر نمودہ دا — ہر سہ حروف تہجی او دو ہلال ہا

از تاج زر بسر شدہ یک زاوش (؟) قرار

بیت خواجہ حافظ

افگندہ پرتوی توضیا بر بہشت و تبت — پرہاے شاہباز بہ پرواز تست ست

طبعم ز قول خواجہ بصدر توحید جست — زانجا کہ پردہ پوشی خلق کریم تست

بر قلب ما بنجش کہ نقدیست کم عیار

معنی ہر مصرع بر پنجم موقوف

باروند ابر قطرۂ لولوے زر فشان — بخشد زمین زمعدن خود لعلہا بجان

خیزد ز خاکِ غنچہ درستی شدہ عیان — آرد ہزار بدرۂ زر صبح ز آسمان

قصد عطا اگرچہ کند آن علا و قار

بند ہندی کہ مصرع پنجم فارسی

لالہ کے لب سے لیکے عقیقی کٹوریان — نرگس کے پھول سو جو کرین قہوہ خوریان

مرغولہ ریزا وس کی ثنا سے ہو قمریان — ..... حور بہشت چمن مین ہو حوریان

آزدا زوا اگرچہ مے ارغوان بکار

حسنِ مقطع

اے قصر بر تریش بسا بر تر از ہلال — وے مہر انوریش بسا انور از جلال

یحییٰ بوارقات سخن یافت از کمال[1] — از ابر جنبش شدہ سرسبز چون نہال

یارب دوام سایۂ او زرفشان بدار

در مدح حیدر علی بہادر

اے تازگی ز فتحت دین پیمبری را — وے روشنی ز تیغت خورشید خاوری را

فرمان پذیر گردد این چار دانگ عالم — بکشی چو از نیامت صمصام صفدری را

عدلت علم کشد چون بر خطۂ کواکب — از بیخ چرخ کند د طرح ستمگری را

بکشاید از نگینت قلاع ہفت اقلیم — تیرت کند مشبک سد سکندری را

تا گشت فایحہ زن بو از شمیم خلقت — در خلق شد رواجی این مشک اذفری را

مجموعۂ صنائع ہیر انسخۂ زبانت — دیباچہ شود خوش نحو زمخشری را

در جویبار حسرت غرقے کند سراسر — رفتار خوش خرامت سرو صنوبری را

زیور طراز گلشن وقت تفرج تو — شوید بآب شبنم رخسار عبہری را

از گفتگوے تازی شعر ستایش تو — آرد بیاد خاطر اشعار انوری را

شیرازۂ شفق را صحاف چرخ بندد — بر صفحہ بیاض وصف تو زیوری را

اے کامیاب مطلب امداد غوث اقطاب — حرز یمانی آمد بازوے برتری را

چلہ نشین گردون پرکرد ذو الکتاب — بر دور رایت تو تعویذ یاوری را

از فیض بخشی تو عالم شود تونگر — بکشاید از بدرہ دینار جعفری را

ریزی چو گنج جوہر بر جندیان پردل — ہم چون صدف شود وا دست برآذری را

---

[1] اس آخری بند کے تیسرے مصرع مین جو لفظ کمال آیا ہے وہ اُن کے والد کی جانب اشارہ کرتا ہے جن کا اسم گرامی حافظ محمد کمال المتخلص بہ کمال تھا،

در دارِ ملکِ دوران در داده دولتِ تو — در ہر دمے دمادم دادِ دلاوری را
افواجِ غیب دایم حامیِ عسکرِ تو — نصرت خدات بخشد طرزِ تہوری را
چو آہوانِ صحرا بر مد سپاہِ دشمن — یا بدچہ در بیابان بوسے غضنفری را
روزِ مصافِ اعدا از بہرِ خوردنِ خون — باشد دہن کشادہ ضرغامِ اژدری را
بر قلعۂ مقرنس عزمِ یورش چو سازی — بیمِ ہلاکت آمد مریخ و مشتری را
از دستِ دستِ تیغت دستانِ تنگدستان — دستے دہد اگر چہ دستِ تو داوری را
در بحرِ خونِ اعدا از بس بسالتِ تو — گلگونِ برق تا زد خواہد شناوری را
اے فیض بخش عالم جم جاہ با تہور — جمشید حشمت آمد افواجِ سروری را
نوابِ ذو المناقب حیدر علی بہادر — بفزودہ آب از تو نامِ بہادری را
ہر چند انتظامِ مدحِ مبارکِ تو — رونق فزا شدہ خوش مرا سحرِ(؟) دری را
در چار بیت آخر از گفتگوے تازی — ریزم بصحنِ معنی گنجِ ہنر وری را
یحییٰ لہٰذہ الشعر اختم علی التحیۃ — قل یا الٰہی اعطہ من فضلک کثیرا
یا مالک الممالک اجلہ من جلوس — توجہ بالعدالت زین برسر(؟) برا
نورہ من فیوض ایدک الٰہی — کالبدر فی الظلام والشمس مستنیرا
کرمہ یا کریم فتحہ یا مفتح[1]
واعززہ یا معزز وانصرہ یا نصیرا

---

[1] ان نظموں کے جن مصرعوں یا الفاظ کی صحت میں شبہہ تھا، ان پر سوالیہ نشان بنا دیا گیا ہے،

ادبیات

حشر جذبات

از جناب سید ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری

ہجر میں تیرے میں بے تاب و توان اور بھی
یعنی غم میں مری ہستی کا زیاں اور بھی

گل ہیں افسردہ، بہاروں سے چمن ہی محروم
ہے یہی رنگ خزاں کا تو خزاں اور بھی

محرم جلوۂ رنگین دل وارفتہ ہے
یہ تجلی ہے تو وہ جلوہ کناں اور بھی

لب ہیں خشک، آنکھ ہے خوننابہ فشاں جب یہ ہے
جذبۂ غم میری صورت سے عیاں اور بھی

رنگ عشرت میں تو آبو سے نہ ہوگا کوئی فرق
تیری محفل میں مری ایک فغاں اور بھی

اب تو اخفائے محبت کی بھی کوشش ہے فضول
جب ہے صورت سے عیاں اشک رواں اور بھی

آستاں میں ہیں تری جذب ہزاروں سجدے
مرے سجدے کا وہاں ایک نشاں اور بھی

یوں تو ہیں سیکڑوں شک تیری طرف سے لیکن
اس محبت میں ترا وہم و گماں اور بھی

مری صورت سے سمجھنا تو نہ تھا کچھ دشوار
میں نے مانا کہ محبت کی زباں اور بھی

یوں تو دلکش ہے ترے وعدۂ رنگیں کا فریب
دل کی تسکین کے لئے حسن بیاں اور بھی

آشیاں جب ہے مرا برق کی زد میں ثاقب
نالۂ غم مرا اک شعلہ فشاں اور بھی

باب التقریظ والانتقاد

مشکلات القرآن

از جناب مولانا داؤد اکبر صاحب اصلاحی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۰ صفحے، قیمت: عہ، پتہ:-

ابوالخیر صاحب مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور ضلع اعظم گڈھ،

یہ مولانا داؤد اکبر اصلاحی کے چند مضامین کا مجموعہ ہے، جو مختلف اوقات میں ترجمان القرآن (لاہور) وغیرہ میں شائع ہوئے،

اس مجموعہ میں ۱۲ مضامین ہیں جن میں سے ۶ کا تعلق قرآن مجید کی اقسام سے ہے ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے مولانا فراہی کی تحریرون سے کافی استفادہ کیا ہے، ایک مضمون سورۂ قمر کی ایک آیت (للقد یسرنا القرآن) سے متعلق ہے، ایک مضمون سورۂ اعراف کی ایک آیت پر روشنی ڈالتا ہے، ان مضامین پر کوئی خاص تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ان مضامین سے مجھے تھوڑا اختلاف ہے جس کو ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہون، ممکن ہے بلکہ مجھے یقین ہے کہ مولانا داؤد اکبر اگر غور فرمائین گے تو اپنی راے سے میری بات کی طرف رجوع کرنے مین کوئی دشواری محسوس نہ کرین گے،

ذبح بقرا ور قتل نفس | ذکر بقرہ ۸: ۶۷ تا ۷۱ مین خدا نے ایک گاے کے ذبح کرنے مین بنو اسرائیل کی ٹال مٹول کا ذکر کیا ہے، پھر بقرہ ۹: ۷۲ اور ۷۳ مین ایک قتل نفس کا تذکرہ ہے، عام مفسرین کے نزدیک یہ دونون قصے ایک ہی واقعہ کی دو کڑیان ہین، مفسرین کا بیان ہے کہ ایک قاتل کا سراغ دینے مین لوگون نے حیلے بہانون سے

کام لیا، تو ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، اس حکم کی بار بار کے سوال و جواب کے بعد تعمیل کی گئی، پھر خدا نے حکم دیا، اور گائے کے لوتھڑون سے مقتول کو مارا گیا، تو وہ جی اٹھا، اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتا دیا، مولانا کو اس تفسیر کی صحت تسلیم نہین ہے، اس مین وہ حق بجانب ہین لیکن ان کا یہ ارشاد نظر ثانی کا محتاج ہے کہ

"بظاہر قرآن ٹکڑون سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گائے کے گوشت کے ٹکڑے سے حسب حکم مقتول پر ضرب لگائی گئی اور وہ زندہ ہو گیا، (ص ۱۷)

اگر قرآن سے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے تو پھر یہ کہنا جسارت ہے کہ

"لیکن بات یون نہین ہے بلکہ (اضربوہ ببعضہا) مین ہ کا مرجع بتاویل مذکر مقتول ہے اور ھا کا مرجع نفس غیر مقتول ہے، یعنی جس کسی پر شبہہ ہو اور اس کے قاتل ہونے کی قوی قرائن سے تائید ہوتی ہے، اس سے مقتول پر ضرب لگاؤ یعنی چسپان کرو، چنانچہ تفتیش ہوئی اور قاتل کا سراغ لگ گیا، ایسا ہوتا تھا کہ یکایک پوری جماعت بنی اسرائیل جو بمنزلہ ہوتے (مردہ) کے تھی اسے زندگی نصیب ہو گئی، (ص ۱۷)

افسوس ہے کہ صاحب مضمون نے زیر بحث آیتین یک جا لکھ کر ان کا ترجمہ نہین کیا ہے، یہ نہین معلوم کہ (اضربوہ ببعضہا) کو اردو مین وہ کیسے ادا کرتے" مارو اس (مذکر) کو اس (مونث) کے بعض سے" کا مطلب نہ معلوم یہ کہان سے ہو گیا کہ جس پر قاتل ہونے کا شبہہ ہو اس سے مقتول پر ضرب لگاؤ یعنی چسپان کرو" اس عجیب عبارت کا مفہوم شاید ناظرین سمجھ سکتے ہون، مین تو فہم سے قاصر ہون،

مولانا فرماتے ہین کہ "قرآن پاک اور کلام عرب مین اذ مستقل واقعہ کی تعبیر کے لئے آتا ہے (ص ۱۰) عام خیال کی رو سے ترتیب واقعہ وہ نہ ہونی چاہئے جو پائی جاتی ہے، بلکہ پہلے قتل نفس، پھر ذبح بقرہ کا ذکر ہونا چاہئے (ص ۱۲) اذ کے استعمال اور بیان واقعہ کی ترتیب کا اقتضا ہے کہ ذبح بقرہ اور قتل نفس کو دو مستقل واقعہ قرار دیا جائے، اور دونون کے ذکر کی علت جدا جدا ٹھرائی جائے، (ص ۱۱) لیکن میرے خیال مین مولانا کی اپنی دلیل

کے ان عناصر پر از سرنو غور کرنا چاہئے بقرہ ۲: ۳ میں (واذ نجیناکم) فرما کر پھر ۲: ۴ میں (واذ فرقنا بکم) بول کر ایک ہی واقعہ کی دو کڑیوں کا جدا جدا ذکر کیا گیا ہے، واقعہ کے آخری جزء کا بیان میں مقدم ہونا کوئی عجیب بات نہیں ہے، بقرہ ۲: ۶ کو اگر مولانا کا اصول تسلیم کر لیا جائے، تو (۲: ۷) کے بعد ہونا چاہئے کیونکہ بنی اسرائیل کا گناہ تو (۲: ۷) کے حکم کی تعمیل کے بعد معاف ہوا،

ذبح بقرہ کے حکم کی بابت مولانا نے فرض کیا ہے کہ "یہ خطا کی قربانی ہے" (ص ۵ ۱) "یہ حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ پوری قوم کی جانب سے گوسالہ پرستی کے گناہ کا کفارہ ہو" (ص ۱۶) لیکن آیت کے سیاق و سباق سے اس مفروضہ کی کوئی گنجایش نہیں نکلتی، یہ سچ ہے کہ بنی اسرائیل میں خطا کی معافی کے لئے دعا کرتے وقت قربانی کا دستور تھا، مگر گئو سالہ پوجا وہ گناہ نہ تھا جو خطا کی قربانی سے معاف ہو جاتا، بقرہ ۲: ۷ اور خروج ۳۲: ۲۶ تا ۲۹ کے مطابق اس گناہ کا کفارہ یہ تھا کہ ۳ ہزار اشخاص جنھوں نے گوسالہ کو پوجا تھا قتل کئے گئے،

خطا کی قربانی کے لئے خاص قسم کی بچھیا یا بچھوے کی تعیین نہ تھی (تثنیہ ۲۱: ۱ تا ۹) کے مطابق آئین تھا کہ جب قتل ثابت ہو جاتا، قاتل کا پتہ نہ لگتا، تو ایک مادہ بچھیا ذبح کی جاتی، اور اس بچھیا پر اپنے ہاتھ دھو کر لوگ قسم کھاتے تھے کہ ہمارے ہاتھ نے یہ کام نہیں کیا ہے، اور نہ ہماری آنکھوں نے دیکھا ہے، اس بچھیا کے لئے ضروری تھا کہ اس سے ہنوز کچھ خدمت نہ لی گئی ہو، اور جوئے تلے نہ آئی ہو، اس خصوصیت کو سمجھ کر جب ہم قرآنی الفاظ (لاذلول تثیر الارض ولا تسقی الحرث) پر غور کرتے ہیں، تو صاف نظر آتا ہے، بقرہ ۸: ۶ تا ۱۰ میں اسی تثنیہ ۲۱: ۱ تا ۹ کی بچھیا کا کچھ مزید خصوصیات کے ساتھ ذکر ہے، اور اس لئے میرے نزدیک واقعہ کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص کے قاتل کا سراغ لگانے کی غرض سے بنی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، وہ جانتے تھے کہ اس حکم کا مقصد کیا ہے اس لئے ٹال مٹول کی باتیں شروع کیں کہ ان کے جواب میں ایسی خصوصیات کا اضافہ کیا گیا جن کی بدولت وہ مصر کی زرین معبودہ ہاتور یا حاتحور بن گئی اور تلاش کر کے ذبح

کی گئی، اس واقعہ کے ذکر کے بعد (بقرہ ۲: ۸) میں منقول حکم کی علت خدا نے یہ فرمایا کہ یاد دلائی کہ

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا،

اور (یہ بھی یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا پھر ہر ایک تم میں سے الزام تم لگانے لگا تھا، اور اللہ اس کو ظاہر کر کے رہنے والا تھا، جسے تم چھپاتے، چنانچہ (وہ ظاہر ہو گیا) ہم نے کہا اُسے اس کے بعض سے مارو،

اضربوہ کی ضمیر کا مرجع ما کنتم تکتمون ہے اور ببعضہا کا مرجع یقیناً البقرہ صفراء ہے اس گائے کے مل جانے پر خواہ مقاومت کی وجہ سے خواہ اس وجہ سے کہ یہی گائے وجہ قتل تھی نامعلوم قاتل کی ہستی جس کو چھپایا جا رہا تھا ظاہر ہو گئی خدا نے فرمایا اسے (جسے تم چھپاتے تھے) اس (گائے) کے بعض سے مارو، تلوار سے قصاص لینے کی بجائے گائے کی ہڈیوں کے ذریعہ انتقام لیا گیا کیونکہ کیونکہ آئین یہ تھا کہ مقتول جس طرح سے قتل ہوا، سو قاتل کو بھی اسی طرح کی سزا دی جائے، چونکہ یہ کا حکم دراصل قصاص کا حکم تھا، اس لئے اس کے بعد خدا نے فرمایا،

وَكَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

(اور اس طرح (قصاص کے ذریعہ) اللہ مُردوں کو زندہ رکھتا ہے، اور تم کو اپنی آیتیں دکھاتا ہے تاکہ تم لوگ سمجھو،

اس آیت میں خدا نے کسی متعین مردے کے جی اٹھنے کا نہیں بلکہ عام مُردوں کو موت سے بچانے کے ایک طریقہ کا ذکر کیا ہے، اس لئے موتیٰ سے مراد من مات نہیں بلکہ (من قضی علیہم الموت) ہے، اور احیاء موتیٰ کو مُردہ جلانا نہیں بلکہ زندہ رکھنا مراد ہے مُردوں کا جی اٹھنا کوئی عجیب بات نہیں ہے اگر اس جگہ (فاحیاہ اللہ) ہوتا تو ہم بھی یہ ماننے پر مجبور تھے، کہ مردہ جی اٹھا اور اس نے قاتل کا نام بتا دیا لیکن قرآن مجید کے الفاظ ایسا نہیں بتاتے، بلکہ بتاتے ہیں کہ اس طریقہ سے اللہ مرنے والوں کو مارے جانے سے بچاتا ہے،

قصۂ اسیرانِ بدر | تیسرا مضمون انفال ۹، ۳ تا ۵ پر روشنی ڈالتا ہے، ان آیتون کی عام تفسیر یہ ہو کہ حضرت رسول خدا نے اسیرانِ بدر کی بابت صحابہؓ سے رائے لی، حضرت عمرؓ نے سب کو قتل کر دینے کی رائے دی، حضرت ابوبکرؓ نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا، انکی رائے پر عمل کیا گیا، تو یہ آیتین عام مسلمانون پر عتاب کے لئے نازل ہوئین، اگر تفسیر اسی حد تک ہوتی تو معقول بات تھی، مگر روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو حضرت عمرؓ کی رائے پسند تھی، حضرت ابوبکرؓ کی راے جسے رسول نے پسند کیا تھا، خدا کو پسند نہین تھی، فاضل مضمون نگار نے اس روایتی تفسیر کے ناقابل تسلیم ہونے پر جو دلیلین دی ہین، وہ قوی اور حق بجانب ہین لیکن خود جو تفسیر کی ہے وہ تسلی بخش نہین ہے، اُن کے نزدیک یہ آیتین یہود کے ایک اعتراض کے جواب مین ہین، ان کے بیان کئے ہوئے مطلب پر اعتراض اور اُن کی رائے سے اختلاف کی وجہین بتانے مین ناظرین کا کافی وقت لینا ہوگا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اختصار کے ساتھ اپنی تفسیر پیش کردون،

ان آیتون کے نزول سے پیشتر خدا نے حکم دیا تھا کہ

فَاِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ	جب (میدانِ جنگ میں) کافرون سے
الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا	مڈبھیڑ ہو تو گردنین مارنا یہان تک کہ جب
الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً	اُن سے جنگ کر چکو تو مضبوط جکڑ لینا پھر
حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا	یا تو احسان کرنا، یا فدیہ لینا، تا آنکہ لڑائی
(محمد ۱: ۴)	اپنے اوزار رکھدے،

سورۂ انفال مین اس آیت کی طرف اشارہ موجود ہے، میدان بدر مین کچھ لوگ اسیر ہوئے ان اسیر ہونے والون مین حضرت عباسؓ اور حضرت عقیلؓ وغیرہ بھی تھے، جو لڑنے کو جبراً لائے گئے تھے ان لوگون نے لڑے بھڑے بغیر اپنے آپ کو اسیر ہو جانے دیا، چاہئے تو یہ تھا کہ ان کو محض احسان و تبرع کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا، لیکن رائے عامہ کے مطابق ان سے فدیہ لیا گیا، اس لئے واقعہ پر عتاب کے لئے

نہین بلکہ آیندہ احتیاط برتنے کی ہدایت دینے کے لئے خدا نے فرمایا،

ما کان لنبیٍّ ان یکون لہ اسریٰ حتّٰی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا والله یرید الاخرة والله عزیز حکیم لولا کتاب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم، فکلوا ممّا غنمتم حلالاً طیبًا واتقوا الله والله غفور رحیم،

کسی نبی کے لئے مناسب نہین کہ زمین (یعنی میدان جنگ) مین خوب جنگ کرنے سے پہلے اس کے پاس اسیر ہون، تم لوگ دنیا کی دولت چاہتے ہو اور خدا آخرت چاہتا ہے، اور اللہ عزیز ہے حکیم ہے، اگر پہلے سے اللہ کا ایک نوشتہ (محدا: م) موجود نہ ہوتا تو تم نے جو (فدیہ) لیا ہے، اس کی بدولت تم کو بڑا عذاب چھوتا، مگر (اب) کھاؤ اس چیز مین سے جو تم کو غنیمت ملی ہے حلال (اور) طیب (جان کر) اور (آیندہ) اللہ سے ڈرتے رہنا، بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے

اس کے بعد کی آیت مین اسیرون کو تسکین دی گئی ہے، کہ اگر تمھارے قلوب مین خیر ہے تو وہ تم کو اس سے بہتر دے گا، جو تم سے لیا گیا، "کتاب من اللہ سبق" کی تعیین کے لئے قرآن کی ورق گردانی کے بدلے اقوال کی جستجو اور "اثخان" کا ترجمہ "جنگ" کی بجائے "خونریزی" سمجھنے سے آیت کا مفہوم جو کسی مزید تشریح کا محتاج نہین ہو دشوار ہو گیا تھا، اس آیت کے سیاق وسباق مین کوئی ایسی آیت نہین ہے جس کی وجہ سے اسے یہود کے کسی اعتراض کا جواب سمجھا جائے، یہ آیت یقیناً مسلمانون کو مخاطب کرتی ہے، فدیہ لینا روا تھا، مگر اس سے بہتر احسان تھا، زیادہ بہتر کام پر مسلمانون نے کم بہتر کو ترجیح دی تھی، اور وجہ ترجیح خیال آخرت نہین، بلکہ دنیاوی مفاد کی محبت تھی، یہ بات مسلمانون کے لئے زیبا

نہیں تھی، اسی حقیقت کو بتانے کے لئے یہ آیتیں اُتری ہیں، ان آیتوں کو عتاب سمجھنا کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ نے ان آیتوں میں قہر و غضب کے اعلان کی بجائے مغفرت و رحمت کا اعلان کیا ہے، مغفرت کا لفظ بتاتا ہے کہ جو ہوا وہ مناسب نہ تھا، لیکن پھر بھی قابل درگذر کام تھا، اگر یہی کام کتاب اللہ کی روادار سے استدلال کے بغیر بطور خود مفاد دنیا کی خاطر ہوا ہوتا تو یقیناً موجب عذاب ہوتا، یہ تنبیہ ہے نہ کہ عتاب۔

ایذاے موسیٰ | جو تھا مضمون سورۂ احزاب کی آیت (لا تکونوا کالذین اذوا موسیٰ) کی بابت سے فاضل مضمون نگار نے کافی غور سے کام لیا ہے، آیت کے اندر مذکور ایذا کی تعیین میں جو حضرت موسیٰ کو دی گئی تھی، موصوف کو ناکامی ہوئی، اس لئے فیصلہ کیا ہے کہ "نہیں کہا جا سکتا، کہ ایذا کی فلاں سی نوعیت موسیٰ علیہ السلام کو دکھ دینے کی استعمال کی گئی" اس فیصلہ کا ان کو یقیناً حق تھا، لیکن شاید ان کا یہ آشا اپنی حد سے تجاوز ہی ہوگا کہ جو کچھ بھی اس بابت کہا جائے گا ظن قیاس سے زیادہ اس کی حیثیت نہ ہوگی، میرے خیال میں ان کو باور کرنا چاہئے، کہ فوق کل ذی علم علیم ہو سکتا ہے، کہ آیت کے ابتدائی مخاطبوں کی طرح اب بھی کسی کو اس خاص اذیت کا علم ہو جس کی طرف خدا نے اشارہ کیا ہو، یہ آیت (یا ایھا الذین امنوا) سے شروع ہوتی ہے عہد نبوت کے مومنین صادقین کی بابت ضرور ہم کو بہت بلند قسم کا حسن ظن رکھنا چاہئے، لیکن اس حسن ظن کو ایسا بھی نہ ہونا چاہئے کہ جن کو خدا نے (الذین امنوا) کہا ان کو ہم بزور تاویل (الذین نافقوا) بنا دیں، عہد نبوت میں جو لوگ مسلمان ہوئے وہ اپنے ایمان کی آخری منزل تک بتدریج پہنچے، ایمان و اسلام کے ابتدائی مرحلہ میں ایسے مسلمانوں نے جو بعد میں شیخین کی نظیر بن گئے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یا حضرت موسیٰ کی شان میں کوئی بات ایسی کہہ دی ہو جو مناسب نہ تھی تو اس میں کیا استبعاد ہے؟

حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کے اذیت دینے کا ذکر قرآن کی دو آیتوں میں ہے، سورۂ صف

مین ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے کہا لمر تؤذوننی "اس آیت کی تفسیر کے لئے کسی معین واقعہ کی تلاش ضروری نہین ہے قولاً اور فعلاً جو اذیت بھی حضرت موسیٰؑ کو دی گئی تھی اسی مراد لیا جا سکتا ہو لیکن سورۂ احزاب مین خدا نے مسلمانون سے فرمایا،

لا تکونوا کالذین آذوا موسی	ان جیسے نہ بنو جنھون نے موسیٰ کو اذیت
فبرأه الله مما قالوا وکان	دی، پھر اللہ نے موسیٰ کو ان کے قول سے
عند الله وجیها	بری کیا اور وہ اس کے پاس وجیہ تھے،

حضرت موسیٰ کی وجاہت کے برخلاف اُن کی شان مین ایک تکلیف دہ بات کہی گئی جو بالکل غلط تھی، یہ آیت سورہ احزاب مین ہے جس کے اندر حضرت زینبؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی بابت لوگون کی چہ میگوئیان کا جواب ہو ما کان علی النبی من حرج (۵۰۵) سے پتہ چلتا ہے کہ بعض لوگ اس نکاح کو ایام جاہلیت کے دستور کی ترازو پر تولتے تھے، اور اس نکاح کو جائز خیال نہین کرتے تھے، بعینہ اسی طرح ایک زمانہ مین سفر عدد کے بیان کے مطابق

مریم اور ہارون نے موسیٰ کا شکوہ اس کوشی عورت کی بابت کہا تھا، جو اُس نے لی تھی، کیونکہ اس نے ایک کوشی عورت لی تھی،⊙ ..... چنانچہ خداوند نے یہ سنا⊙ سو خداوند نے ناگہان موسیٰ کو اور ہارون کو اور مریم کو فرمایا ......⊙ ...... میرا بندہ موسیٰ ایسا نہین ہو وہ میرے سارے گھر مین امانت دار ہے،⊙ ۱۲ عدد،

سورۂ احزاب کی آیت مین اسی بات کی طرف اشارہ ہے آیت احزاب مین سفر عدد کے مولف کی اس بیان کی اصلاح بھی کردی گئی ہو، حضرت موسیٰ کی شان مین ایک کوشی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی بابت نامناسب بات کہنے والون مین حضرت ہارون اور ان کی بہن مریم شامل تھین قرآن کے بیان کے مطابق وہ عام بنو اسرائیل تھے جنھون نے نامناسب بات کہی تھی،

اب رہے وہ الفاظ جو حضرت موسیٰ کی شان میں کہے گئے وہ نہ تو توراۃ میں مذکور ہیں، اور نہ قرآن میں، اتنا سمجھ لینا ہمارے لئے بس ہے کہ وحشی عورت کے ساتھ نکاح کو تکلیف دہ پیرایہ بیان میں نامناسب بتایا گیا تھا ٹھیک الفاظ تصنیف کرنے کا ہم کو حق نہیں ہے حضرت رسول خدا کی شان میں جو الفاظ کہے گئے تھے، ان کی تلاش روایات میں کی جاسکتی ہے لیکن یہ آپ کی شان میں ہماری گستاخی ہوگی، فہم قرآن کے لئے صرف نوعیت کا علم کافی ہے،

مولانا کے اور مضامین کے اندر بھی کچھ باتیں ایسی ہیں جن سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، ہر دو آدمی کے فہم میں تباین ہونا قدرتی بات ہی میرے نزدیک ہر اختلاف رائے واجب الاظہار نہیں ہوتا، ان تین مضامین کے متعلق چونکہ میں توقع رکھتا ہوں کہ فاضل مضمون نویس صاحب کو اپنی رائے پر اصرار نہ ہوگا اور وہ غور فرمائیں گے تو میرے مؤید ہو جائیں گے، اس لئے میں نے یہ سطریں لکھیں، باوجود اس کوشش کے کہ تبصرہ مختصر تر ہو، اچھا خاصہ طویل ہوگیا ہے،

بہرحال اس اختلاف رائے کے باوجود فاضل صاحب قلم کو میں یہی رائے دوں گا کہ وہ قرآن پر غور و فکر کا سلسلہ جاری رکھیں اور اس قسم کے مضامین سے لوگوں کو استفادہ کا موقع دیتے رہیں، دل میں اگر تقوی اور خلوص ہے تو یقیناً ان کو اجر اور پڑھنے والوں کو قرآن فہمی نصیب ہوتی رہیگی،

سیرت سید احمد شہید بریلویؒ

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی استاذ ندوۃ العلماء کی مشہور تالیف جس میں مسلمانوں کے جانبازی اس راہ میں ان کی قربانیوں اور ہندوستانی مسلمانوں کی تجدید و اصلاح کی مفصل تاریخ بیان کی گئی ہے، قیمت للعہ دار المصنفین سے طلب کیجئے،

"منیجر"

وفیات

مولانا اصغر حسین صاحب مرحوم سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدی پٹنہ

از جناب ابو محفوظ الکریم صاحب معصومی

افسوس ہے کہ ۱۶ ذوالحجہ شب جمعہ کو بوقت نماز عشاء مولانا اصغر حسین بنولوی سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدی پٹنہ نے داعی اجل کو لبیک کہا انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم محلہ بنولیہ بہار شریف کے رہنے والے اور صوبۂ بہار کے طبقہ علماء کے فضلاء میں سے تھے معقولات کیساتھ منقولات میں بھی ید طولی رکھتے تھے، حدیث و سنن سے خاص شغف تھا،

طالب علمی میں عسرت کی زندگی بسر کی، آپ کی تعلیم کے ابتدائی مراحل مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں طے ہوئے امیر شریعت حضرت مولانا سجاد صاحب مرحوم و مغفور سے شرف تلمذ تھا، دار العلوم دیوبند میں تکمیل کی تھی اور حضرت حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے مشکوۃ علم و عمل سے اقتباس نور کیا تھا، فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ بہار میں درس و تدریس کے مسند پر جلوہ فرما ہوئے یہیں سے مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ گئے اور مولانا حاجی معین الدین ندوی مرحوم کے بعد اس کے پرنسپل ہوئے تقریباً دو برس ہوئے اس سے ریٹائر ہوئے اور اپنے وطن میں تبلیغ دین و تصنیف و تالیف میں مصروف تھے کہ ۱۶ ذوالحجہ کو سفر آخرت کیا، کل نفس ذائقۃ الموت" موصوف کی یادگار صرف لڑکیاں ہیں، اولاد ذکور میں کوئی نہیں،

آپ کو تصنیف و تالیف کا بھی ذوق تھا، مدرسہ کے فرائض اور ذمہ داریوں کے باوجود آپنے جو قلمی کام کئے وہ اگرچہ مختصر لیکن مفید و قابل قدر ہیں، سوال و جواب کی شکل میں ترمذی شریف کی ایک مفید شرح لکھی جس کا نام تنزیل الشوہی ہے یہ شرح اگرچہ نامکمل چھپی ہے لیکن اپنے اختصار و جامعیت کی وجہ سے عربی درسگاہوں میں مشہور و متعارف ہے، اس کا اردو ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے، سفرنامۂ حجاز بھی مرتب کیا تھا جس کا نام ارمغان حجاز ہے اسکی اشاعت بھی ہو چکی ہے، فی الحال تفسیر المنار کو اردو کا جامہ پہنا رہے تھے، کہ زندگی کی آخری منزل ہی طے ہو گئی، اس ترجمہ کے بعض اجزاء مثلاً تمہید تفسیر قرآن و مقدمۂ تفسیر قرآن شائع ہو چکے ہیں،

مطبوعات جدیدہ

جب خون بہہ رہا تھا: از جناب ابو سعید صاحب بزمی ایم اے، تقطیع چھوٹی

ضخامت:- ۵۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد سے رہے

کتاب منزل کشمیری بازار لاہور،

مصنف اخبار مدینہ کے مشہور اڈیٹر اور مخلص قوم پرور تھے، آزادی ہند کی جدوجہد مین بڑی مصیبتین جھیلین، لیگ کے عروج کے زمانہ مین تحریک پاکستان کے شدید مخالف تھے، پھر کانگریس کے تقسیم ہند کی تجویز مان لینے کے بعد ان کے خیالات بدل گئے، اور وہ پاکستان کے حامی بن گئے، اُن کی عمر کا بڑا حصہ سیاست وصحافت کے میدان مین گذرا، اس لئے ہندوستان کی سیاست کے جملہ نشیب وفراز اور اس کے ہر گوشہ پر اُن کی نگاہ تھی، چنانچہ اس کتاب مین انھون نے پاکستان کے قیام کی تاریخ تحریر کی ہے، اور واقعات سے دکھایا ہے، کہ اس کی ذمہ داری تنہا مسلمانون پر نہین بلکہ ہندوستان کی عام فرقہ وارانہ ذہنیت پر ہے، اس سلسلہ مین تحریک پاکستان کے اسباب، قیام پاکستان کے پہلے کے حالات اس کے بعد جو خونین واقعات پیش آئے، اور لیگ کے لیڈرون کی غلطیون سے جو نقصانات اٹھانا پڑے، اُن کی تفصیل ہے، اور پاکستان کی مخالفت کے خطرناک سیاسی واقتصادی نتائج پاکستانیون کے فرائض اُن کی ذمہ داریون اور پاکستان کے آیندہ نظام پر بحث کی ہے، اور قیام پاکستان کے جو نقصانات ظاہر کئے جاتے ہیں، اُن کی تردید کی ہے، اس کے علاوہ پاکستان کے ماضی و حال

اور مستقبل کے تمام اہم واقعات اور مسائل پر نگاہ ڈالی ہے، مصنف کہنہ مشق صاحب قلم ہیں، اس لئے ان خشک سیاسی مباحث میں بھی پوری ادبی شان قائم ہے، مصنف نے ایک مورخ کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کردیا، اس پر نقد و تبصرہ آیندہ [illegible] کا کام ہے لیکن اب ماضی سے زیادہ حال اور مستقبل پر غور کرنے کی ضرورت ہے، جو کچھ ہونا تھا، وہ ہوچکا، اب دونوں حکومتوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ گذشتہ تلخیوں کو فراموش کرکے اتحاد و اتفاق کے ساتھ اپنے اپنے ملکوں کی ترقی کی کوشش کریں کہ یہی ان کی فلاح کا صحیح راستہ ہے،

Persian Psalms (یعنی زبور عجم کا انگریزی ترجمہ) از آرتھر جے۔ آربری، استاذ عربی، کیمبرج یونیورسٹی، ضخامت، ۱۲۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت:- ہے، پتہ:- محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور،

کیمبرج یونیورسٹی کے عربی کے پروفیسر ڈاکٹر آرتھر جے۔ اربری، ڈاکٹر اقبال کی شاعری کے بڑے قدر دانوں میں ہیں، زبور عجم کے انگریزی ترجمہ سے پہلے انھوں نے اقبال کی نظم لالۂ طور کا بھی انگریزی ترجمہ کیا ہے، زبور عجم میں ان کو بہت سی خوبیاں نظر آئیں چنانچہ لکھتے ہیں:-

"کہ زبور عجم کی غزلوں میں بڑی تازگی اور خوبصورتی ہے، ان کے اظہار بیان میں بڑی وسعت اور گہرائی ہے، پڑھنے والے ان میں خیالات و جذبات کی ایک نئی دنیا پاتے ہیں، وہ ان میں ایک ایسا عالم دیکھتے ہیں، جو امید اور بلند ہمتی سے لبریز ہے، وہ ان میں ایک ایسی دنیا محسوس کرتے ہیں، جس میں ایک بڑے مفکر نے اپنے خیالات پیش کرکے یہ بتایا ہے، کہ اس آلام و مصائب کے زمانہ میں ایک نئے زمانہ کی صبح نمودار ہونے والی ہے"

فاضل مترجم نے ان ہی تاثرات کی بنا پر زبور عجم کا انگریزی ترجمہ شروع کیا، یہ ترجمہ منظوم ہے، کسی نظم کا نظم میں ترجمہ کرنا بہت مشکل کام ہے، کیونکہ منظوم ترجموں میں ایک شاعر

کے معانی ومطالب تو بیان کئے جا سکتے ہین، لیکن اس کی شاعری کے صوری اور لفظی محاسن زائل ہو جاتے ہین، اس لئے عام طور سے اس قسم کی کوشش کامیاب نہین ہوتی، تاہم فاضل مترجم کا بیان ہے کہ ترجمہ مین انھون نے کافی احتیاط مدنظر رکھی ہے، اور ایک غیر زبان مین ترجمہ کی دقتون کو سامنے رکھتے ہوئے حتی الوسع اقبال کے خیالات کی پوری ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہے، سب سے پہلے ڈاکٹر نکلسن نے اسرار خودی کا انگریزی مین ترجمہ کرکے اقبال کا فلسفۂ خودی اہلِ مغرب کو سمجھانے کی کوشش کی تھی، امید ہے کہ زیرِ ترجمہ کے اس انگریزی ترجمہ کے ذریعہ سے وہ اقبال کے دوسرے افکار وتصورات کے سمجھنے کی کوشش کرین گے، اور لائق مترجم کی یہ محنت مشکور ہوگی،

ارمغان آلام ازجناب ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر ترقیات صوبہ بہار تقطیع چھوٹی ضخامت: ۱۹۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت تحریر نہین، پتہ:- نظامی پریس بدایون،

فاضل مؤلف سیاسیات کے ساتھ علم وادب کا بھی سنجیدہ اور ستھرا مذاق رکھتے ہین، جس سے اصحابِ علم واقف ہین، قلعہ احمد نگر کی اسیری کی تنہائی مین انھون نے اردو فارسی اور کچھ عربی اور ہندی کے پسندیدہ اشعار کا انتخاب کیا تھا، اور نثر مین بھی اپنے بعض خیالات وتاثرات قلمبند کئے تھے، جس کو نظامی پریس بدایون نے بیاض کے طور پر شائع کر دیا ہے، اس کی تحریر کے وقت اس کی اشاعت کا کوئی خیال نہین تھا، اس لئے اشعار مین کوئی ترتیب نہین ہے، اشعار کی پسند کا تعلق انفرادی ذوق سے ہے، یہ ضروری نہین ہے، کہ ایک شخص کا انتخاب دوسرے کے لئے بھی پسندیدہ ہو، لیکن مجموعی حیثیت سے اس انتخاب مین مصنف کا حسن مذاق نمایان ہے، نثر کا حصہ اگرچہ برائے نام ہے تاہم اس سے بھی مصنف کے افکار وتصورات کا اندازہ ہوتا ہے،

تاریخ سندھ

مؤلفہ مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ

ہندوستان مین مسلمانون کا پہلا قافلہ سندھ مین اترا تھا، اور ان کی پہلی حکومت یہین
قائم ہوئی تھی اور وہ ایک ہزار سال سے اوپر یہان حکمران رہے۔ آج بھی سندھ کے
در و دیوار سے ان کے آثار نمایان ہین، لیکن اس کے باوجود اردو مین اسلامی سندھ
کی کوئی مفصل و محققانہ تاریخ موجود نہین تھی، دار المصنفین نے تاریخ ہندوستان کے سلسلہ
مین یہ جامع و محققانہ تاریخ مرتب کرائی ہے، اس مین سندھ کا جغرافیہ، مسلمانون کے حملے
سے پہلے کے مختصر اور اسلامی فتوحات کے مفصل حالات، خلافت راشدہ کے زمانہ سے
لے کر آٹھوین صدی ہجری تک سندھ جن جن حکومتون کے ماتحت رہا، ان کی پوری تاریخ
اور ان تمام دورون کے نظام حکومت، علمی و تمدنی حالات اور رفاہ عام کے جو جو کام
انجام پائے، ان سب کی پوری تفصیل ہے، مسلمان اس قدیم اسلامی خطہ کی تاریخ فراموش
کر چکے تھے، اب پھر اس کو یاد کرنے کی ضرورت ہے، یہ کتاب ایسے وقت مین شائع
ہو رہی ہے، جب کہ سندھ کی تاریخ کا ایک نیا باب کھل رہا ہے، اور وہان ایک نئی
حکومت کی بنیادین استوار ہو رہی ہین،

ضخامت: ۴۰۰ صفحے قیمت: چھ روپیے،

"منیجر"

دارالمصنفین کی دو نئی علمی و ادبی کتابیں

اقبالِ کامل

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین، رسالے اور کتابیں لکھی گئیں لیکن ان کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایاں نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس میں ان کے مفصل سوانح حیات کے علاوہ ان کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارناموں کے اہم پہلوؤں کی تفصیل کی گئی ہے۔ سوانح حیات کے بعد پہلے ان کی اردو شاعری ... شاعری پر ان کے بہترین اشـ... انتخاب کے ساتھ مفصل تبصرہ کیا گیا ہے، اور ان کے کلام کی تمام ادبی خوبیاں دکھلائی گئی ہیں، پھر ان کی شاعری کے اہم موضوعوں یعنی فلسفۂ خودی، فلسفۂ بیخودی، نظریۂ تعلیم، سیاست، صنفِ لطیف (یعنی عورت) فنونِ لطیفہ اور نظامِ اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، مرتبہ مولانا عبد السلام ندوی۔ ضخامت ... صفحے، قیمت: [illegible]

بزمِ تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہلِ قلم تھا، ہمایوں نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اٹھا، جہانگیر نے ادب و انشاء کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء اور فضلاء کو سیم و زر میں تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشاء پردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، تیموری دور کے آخری بادشاہوں نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے عروسِ سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شہزادوں اور شہزادیوں نے بھی علم و ادب کی محفلیں سجائیں، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء نے شاہانہ سرپرستی میں گوناگوں کمالات دکھائے، ان سب کی تفصیل مذکورۂ بالا کتاب میں ملاحظہ فرمایئے، مرتبہ سید صباح الدین عبد الرحمن ایم اے۔ قیمت: معہ

"منیجر"

(پرنٹر و پبلشر صدیق احمد)

"منیجر"

سلسلۂ تاریخ اسلام

دارالمصنفین کے سلسلۂ تاریخ اسلام کو بڑا حسن قبول حاصل ہوا، علمی و تعلیمی اداروں نے خصوصیت سے اس کی قدردانی کی، بعض یونیورسٹیوں نے اس کو اسلامی تاریخ کے نصاب میں داخل کر لیا، اس لئے چند برسوں کے اندر تقریباً اس کے سب حصے ختم ہو گئے جن کے دوسرے اڈیشن مزید اصلاح و ترمیم اور اضافوں کے ساتھ چھپ کر تیار ہو گئے ہیں اور بعض زیر طباعت ہیں، اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے۔

تاریخ اسلام حصۂ اول

(عہد رسالت و خلافت راشدہ)

یعنی آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ۔ ضخامت ۵۹۴ صفحے قیمت: سے/

تاریخ اسلام حصۂ دوم

(بنو امیہ)

یعنی اموی سلطنت کی صد سالہ سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ کی تفصیل۔

ضخامت ۳۶۳ صفحے۔

قیمت سے/

تاریخ اسلام حصۂ سوم

(بنی عباس اول)

یعنی ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ ۷۵۰ء سے ابو اسحٰق متقی للہ ۳۳۳ھ ۹۴۴ء تک دو صدیوں کی سیاسی تاریخ۔ (زیر طبع)

تاریخ اسلام جلد چہارم

(بنی عباس دوم)

یعنی مستکفی باللہ کے عہد سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ۔ ضخامت:- ۴۳۲ صفحے

قیمت:- عہ/

"منیجر"

جلد ۶۴ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۹ء عدد ۶

مضامین

شذرات	شاہ معین الدین احمد ندوی	۴۰۲-۴۰۴

مقالات

ہندوستان میں توپ کی تاریخ	مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی	۴۰۵-۴۲۹
عربی نظم ونثر کی تاریخ،	مولانا عبد السلام ندوی	۴۳۰-۴۵۰
ابوحنیفہ دینوری کی کتاب النبات	جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ایم اے، پی۔ ایچ۔ ڈی،	۴۵۱-۴۶۳
تاریخ یمن کی ایک سطر	مولانا ابو الجلال صاحب ندوی رفیق دار المصنفین	۴۶۴-۴۷۴

ادبیات

درس حیات	جناب شفیق جونپوری	۴۷۵-۴۷۶
غزل	جناب سید شاہ ولی الرحمن صاحب ایم اے آنرز	۴۷۶
مطبوعات جدیدہ	"م"	۴۷۷-۴۸۰

افسوس ہو کہ گذشتہ مہینہ جماعت اہلحدیث کے مشہور و ممتاز عالم اور نامور مناظر مولانا محمد ابو القاسم صاحب سیف بنارسی نے ۱۰ سال کی عمر میں انتقال کیا، مرحوم کی ساری عمر دین و علوم دینیہ کی خدمت میں گذری، مدرسہ سعیدیہ بنارس میں چالیس سال تک حدیث نبوی کا درس دیا، جو اُن کی سب سے بڑی فضیلت ہو، درس و تدریس کے ساتھ وعظ و تبلیغ اور تالیف و تصنیف کا شغل بھی تھا، لیکن اُن کی بیشتر تصانیف مناظرانہ ہیں، آریوں، عیسائیوں اور قادیانیوں سے بڑے معرکہ کے مناظرے کئے، احناف سے بھی اسکی نوبت آجاتی تھی، ادھر چند برسوں کے اندر ان پر فالج کے کئی ہلکے حملے ہوئے جس سے اُن کی صحت بگڑ گئی تھی اس کے باوجود اُن کے علمی و تعلیمی مشاغل جاری تھے، کہ گذشتہ ۲۵ نومبر کو جمعہ کے دن پھر اچانک حملہ ہوا اور چند گھنٹوں کے اندر قال اللہ و قال الرسول کی یہ آواز ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگئی، مرحوم کے انتقال سے ہندوستان کے طبقۂ علماء میں ایک ممتاز جگہ خالی ہوگئی، اللھم اغفرہ مغفرۃ واسعۃ،

دوسرا قومی حادثہ مدراس کے مشہور تاجر سیٹھ جمال محمد کی وفات ہو، مسلمانوں میں صاحب ثروت تاجروں کی کمی نہیں لیکن مرحوم کے اوصاف و خصوصیات کی مثال مشکل سے ملیگی، دولت دنیا کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دینداری کی دولت بھی عطا فرمائی تھی، اور ان کا دل ملک و ملت کی محبت سے بھی معمور تھا، انھوں نے بڑی دولت پیدا کی اور اسی فیاضی سے اس کو قوم و ملک کی راہ میں صرف کیا، ہندوستان میں مسلمانوں کی کوئی ایسی تحریک نہیں تھی جس میں اُن کی امداد شامل نہ رہی ہو، مذہبی اور تعلیمی کاموں سے خصوصیت کیساتھ بڑی

دلچسپی تھی، ندوۃ العلماء لکھنؤ، دار العلوم دیوبند، مدرسۃ العلوم علی گڈھ، مسلم یونیورسٹی آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، جامعہ ملیہ اور اس قسم کے تمام دوسرے اداروں کے وہ معاون و مددگار تھے، شہر مدراس اور اس کے مضافات میں کئی عربی مدرسے اپنے صرف سے چلاتے تھے، مدراس میں انگریزی خوان مسلمان طالب علموں کے لئے ایک ہوسٹل بنوایا جس میں اُن کی مذہبی تعلیم و تربیت کا بھی انتظام تھا، سیکڑوں غریب طالب علموں کو وظائف دیتے تھے، حضرۃ الاستاذ مدظلہ کے خطبات مدراس، محمد مارماڈیوک پکتھال اور سر اقبال مرحوم کے انگریزی خطبات بھی مرحوم ہی کے جذبۂ دینی کی یادگار ہیں،

مرحوم کو سیاسی کاموں سے بھی دلچسپی تھی، تحریک خلافت میں اُن کا بڑا حصہ تھا، اس میں انھوں نے یکشت ایک لاکھ کا عطیہ دیا تھا، ایک زمانہ تک کانگریس کے بھی سرگرم رکن رہے، لیکن پھر سیاست سے الگ ہو گئے تھے، اپنی زندگی میں انھوں نے لاکھوں روپیے دین و ملت کی راہ میں خرچ کئے، مدراس میں اُن کا دولتکدہ اہلِ حاجت کا ملجاء و ماویٰ تھا، لیکن اس دولت و ثروت کے ساتھ خود اُن کی زندگی نہایت سادہ تھی اور ہر چند برسوں سے ان کا کاروبار بگڑ گیا تھا، لیکن اس حالت میں بھی جو پہلے کے مقابلہ میں گویا غربت کی حالت تھی، اُن کی فیاضی میں فرق نہیں آیا، افسوس ہے کہ ۸ نومبر کو اس محسن قوم کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ اُن کے حسنات کے طفیل میں عالم آخرت کی تونگری عطا فرمائے،

حکومت افغانستان حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۂ قرآن پاک اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے حاشیہ موضح الفرقان کا فارسی ترجمہ مع متن قرآنی بڑے اہتمام سے شائع کر رہی ہے، یہ ترجمہ و تفسیر تین جلدوں میں ہے، دس دس پاروں کی ایک جلد ہے، اس کی پہلی جلد کئی سال ہوئے شائع ہوئی تھی، اور دار المصنفین میں ہدیۃً آئی تھی، اب دوسری جلد موصول ہوئی ہے، غالباً تیسری جلد بھی جلد شائع ہو، اللہ تعالیٰ حکومت افغانستان کی اس دینی خدمت کو قبول فرمائے،

ہمارے رفیق سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب نے بزم صوفیہ کے نام سے ہندوستان کے قدیم صاحب تصنیف صوفیائے کرام کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے، اردو میں صوفیہ کے تذکروں کی کمی نہین، لیکن وہ عموماً کشف وکرامات کے حالات پر مشتمل ہین، بزم صوفیہ تاریخی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہی، اور اس مین صوفیائے کرام کی مذہبی وعلمی زندگی، اُن کے اخلاق وسیرت اور تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے، اس موضوع پر اردو مین اس نوعیت کی پہلی کتاب ہو گی، یہ کتاب قریب قریب چھپ کر تیار ہوگئی ہے، امید ہے کہ اس مہینہ کے آخر تک شائع ہو جائیگی،

اردو زبان کی موجودہ حالت کا اس کے حامیون کو پورا احساس ہی، اور اُن کے دل مین اسکی بقا وترقی کا جذبہ بھی ہے لیکن ابھی تک اس کے لئے کوئی عملی قدم نہین اٹھایا گیا ہے، ضرورت ہے کہ اردو کے اصحاب علم وقلم کم ازکم اس کی بقا وترقی کے ذرائع پر اپنے خیالات پیش کرین تاکہ اردو کے عام ہمدردون کے سامنے بھی اس کے سب پہلو آجائین، اس کے لئے معارف کے صفحات حاضر ہین، اردو کے اصحاب فکر ادیبون کو خصوصیت کے ساتھ اس کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت ہی،

گذشتہ مہینہ ارکان دارالمصنفین کی درخواست پر بزرگ محترم مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدظلہ تشریف لائے تھے لیکن فرصت کی قلت کی بنا پر موصوف کا قیام مختصر رہا، تاہم اس مختصر قیام مین رفقا کے کامون کو ملاحظہ اور مفید علمی مشورون سے مستفید فرمایا، حضرت الاستاذ مدظلہ حج کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے، اور وہان عام معمول کچھ زیادہ قیام کا ارادہ تھا، اس لئے ابھی تک ان کی واپسی کی کوئی اطلاع نہین ہے لیکن یقین ہے کہ وسط ستمبر تک انشاء اللہ مراجعت ہو جائیگی،

مقالات

ہندوستان مین توپ کی تاریخ

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی

"اس مضمون کا انگریزی ترجمہ اسلامک کلچر حیدرآباد مین شائع ہوچکا ہے، مضمون کی اہمیت کے لحاظ سے اصل اردو معارف مین شائع کیا جاتا ہے،" "م"

ہندوستان مین توپ ہندوستان مین توپ کا استعمال کب سے شروع ہوا، اس کے متعلق کوئی صحیح تاریخ (سنہ) نہین بتائی جا سکتی، البتہ ضیاء برنی نے محاصرۂ رنتھنبور ۶۹۹ھ کے موقع پر ایک جگہ تحریر کیا ہے:

روزے نصرت خان نزدیک حصار	ایک دن نصرت خان قلعہ کے پاس
رفتہ بود و در بستن پاشیب و برآوردن گرگج	گیا ہوا تھا، اور سرکوب اور دمدمہ بنانے
جدی کرد، و از درون حصار سنگ مغربی	کی فکر مین مشغول تھا، اور قلعہ سے سنگ
روان می داشتند، ناگاہ سنگے بر نصرت خان	مغربی برابر آرہے تھے کہ اچانک ایک
رسید و او بدان مجروح گشت[1]،	پتھر نصرت خان پر گرا جس سے وہ زخمی ہوگیا"

آگے چل کر ایک دوسری جگہ اسی واقعہ کی نسبت تحریر کرتا ہے کہ جب محاصرہ مین زیادہ دن گذر گئے

---

[1] فیروز شاہی ص ۲۷۲ کلکتہ،

تو ریت بھر کر خندق کو پاٹنے کی کوشش کی گئی، اس حالت میں راجپوت اندرونِ قلعہ سے آگ اور پتھر برساتے تھے،

واز اطرافِ ممالک حیریان آوردند	اطرافِ ممالک سے بورے اور تھیلے طلب
و خریطہ با فندہ بر لشکر قسمت نمودند و خریطہا	کرکے فوج میں تقسیم کئے، ان میں ریت بھر کر
را ریگ پر کردند، و در غاری انداختند، و	غار کو پاٹنے لگے، اور ان پر سرکوب اور
وبہاٹ ہائے پاشیب می بستند، و گرگج بر	دمدمے تیار کئے گئے، اور سنگِ مغربی
می آوردند و سنگ مغربی ہا نصب کردہ بودند	نصب کئے گئے، اور اسی سے دمدمون
و بسنگِ مغربی پاشیب را خراب می کردند	کو خراب کرتے تھے، اور قلعہ کے اوپر سے
واز بالا حصار آتش می ریختند،[۱]	آگ برساتے تھے،

سنگِ مغربی کی تحقیق اس سے بہت پہلے منجنیق اور آگ کا استعمال ہندوستان میں عام ہو چکا تھا، اسلئے یہ بات ضرور قابلِ غور ہے کہ یہ سنگ یا سنگِ مغربی کیا چیز ہے، فرشتہ نے اس کو منجنیق قرار دیا ہے لیکن اگر واقعی یہ منجنیق ہی تھی، تو ضیاء برنی کو اس جدید لفظ کے استعمال کی کیا حاجت تھی، وہ منجنیق ہی استعمال کر سکتا تھا، جیسا کہ جابجا استعمال کیا ہے، میرا خیال ہے کہ درحقیقت یہ توپ تھی، جو چھٹی صدی ہجری میں ایجاد ہو چکی تھی، اور ساتوین صدی کے آخر اور آٹھوین صدی کی ابتدا مین، اسپین، افریقہ، مصر اور عرب مین رائج تھی، چونکہ یہ جدید آلہ اسپین اور افریقہ سے دوسرے ملکون مین رواج پذیر ہوا، اور ان ممالک کو عربی مین "ممالک مغرب" کہتے ہین، اس لئے اس کا نام سنگِ مغربی رکھا، جس کو عربی مین "مدفع" کہتے ہین،

محمد بن عمر کی جو عرصہ تک عرب مین مقیم رہ چکا ہے، اپنی تاریخ مین جو ۶۹۹ھ کے محاصرہ حجاب کے متعلق ہے لکھتا ہے،

---

[۱] فیروز شاہی ص ۲۷۲،

ورتب يوماً نصرت خان وجاد
بالعسكرهم وقصد على المدافع المقابلة
للبرج الذي يكون فيه "هنبرديو"
وكان اذ ذاك محمد شاه في
جانب منه فلما رأى نصرت خان
عرفه فقال لهنبرديو ان الراكب
فلان فما لي منك ان اصبته
قال قلادتي، هذه، واشار
باصبعه اليها وكانت من ذهب
مرصعة بجواهر مثمنة، فرماه
بالمدافع فاصابه، فتمايل عن
سرجه ولحق بالارض فضج اهل
البرج استحسانا وفرحا بسقوط
الفارس[1]

اور ایک دن نصرت خان نے لشکر کو مرتب
کیا، اور لشکرگاہ (کیمپ) یا چھاونی کے
گرد گھوم کر اس توپ کے پاس کھڑا ہوا جو
ہنبردیو کے برج کے سامنے تھا، اور اسوقت
اس میں محمد شاہ موجود تھا، اُس نے جب
نصرت خان کو شناخت کیا، تو ہنبردیو سے
کہا کہ یہ فلان سوار ہے، اگر میں اس کو
قتل کر دوں تو کیا انعام دوگے؟
اس نے اپنے ہاتھ کے اشارہ سے کہا کہ یہ
گلوبند جو قیمتی جڑاؤ سونے کا تھا، اس نے
تاک کر ایک گولہ مارا جس سے اس کا خاتمہ
ہو گیا، جب وہ زین سے گر کر زمین پر
آیا، تو اس کے گرنے کی خوشی میں برج
والے چیخ اٹھے، اور ایک شور برپا
ہو گیا،

یہی مصنف ایک دوسری جگہ لکھتا ہے :-

وجدّ في ارتفاع المدافع الى
فتح القلعة وكذلك الساباط فكانت
المدافع تضرب وتخرب من الجانبين

قلعہ کو فتح کرنے کے لئے توپ اور دمدمہ
کو بلندی پر لیجانے کی کوشش کرنے لگے
غرض توپیں دونوں طرف سے چل رہی

[1] ظفر الوالہ ص ۰۰۰ مجلد لیڈن

ویسلط اھل القلعۃ علی تخریب	تھیں، اور نقصان پہنچا رہی تھیں، اور
الساباط وحرقہ والقاء الاعمال	قلعہ والے دمدمہ کو تباہ کرنے جلانے اور
النادیۃ،	آگ برسانے میں زیادہ کامیاب ہورہے تھے،

اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ فرشتہ کی طرح مصنف نے بھی غلطی کی، اور سنگ مغربی کا ترجمہ بجائے منجنیق کے، دفع کر دیا، بلکہ مورخ ضیا برنی نے جہاں منجنیق استعمال کیا ہے مصنف نے بھی منجنیق ہی لکھا ہے، چنانچہ سلطان علاء الدین خلجی کے ابتدائی حالات میں لکھتا ہے،

خرج علاء الدین من کڑہ الی	علاء الدین کڑہ سے چل کر دہلی کے سامنے
ان نزل بظاھر دھلی کان قطار	مقیم ہوا، اور مال والوں کی صفیں اس
المال یسایرہ امامہ، والمنجنیق	کے آگے آگے رہتی تھیں، اس کے ساتھ
معہ، فمن استقبلہ من الملوک	منجنیق تھی، ملوک اور امراء میں سے جو
والامراء الجلالیۃ امر باکیاس	اس سے ملنے آتا، تو اشرفیوں کی تھیلیاں
التکلۃ الذھب توضع فی المنجنیق	منجنیق کے ذریعہ اس کی طرف پھینکی
ویرمی بھا الیہ[1]	جاتیں،

مصنف عرصہ تک عرب میں رہ چکا تھا، اور سنگ مغربی سے واقف تھا، اسی لئے اس نے صحیح ترجمہ مدفع کیا، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

اما ضیاء برنی فروی انہ رکب	ضیا برنی نے لکھا ہے کہ ایک دن وہ
یوما الی الحصار ودنا منہ وبینھما	سوار ہو کر قلعہ کے پاس گیا، اور اس کے
یجتھد فی رفع الساباط، اصابہ	قریب دمدمے کو بلند کرنے کی کوشش

---

[1] ظفر الوالہ ص ۷۷۹،

جر المدافع و مات بعد یومین،[۵۱] کرتا تھا کہ توپ کا ایک پتھر لگا اور دو دن کے بعد مر گیا،

اس تحریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مصنف نے ضیاء برنی کے "تنگ منجنیق" کا ترجمہ "مدفع" تحقیقی علم کے ساتھ کیا ہے، مصنف کے بیان کی تائید طبقات بہادر شاہی سے بھی ہوتی ہے، اس کا مصنف بابر اور ہمایون کا ہم عصر ہے،

سلیمان شاہ خان نے جب سلطان علاء الدین کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور علاؤ الدین بچکر اپنے خیمہ کے پاس چلا آیا، اور اس کے لشکر والون نے اس کو دیکھ کر جس طرح خوشی منائی ہے اس کو مصنف مذکور اس طرح ادا کرتا ہے،

وکان فی العسکر من الفرح بحیث
ما کان یشبہ ضجۃ البعث النفیر
من جانب و النقارۃ من جانب
و الندا ء من جانب و الافیال
من جانب و قرقعۃ البنادق من
جانب و رعد المدافع من جانب[۵۲]

چھاؤنی مین خوشی کی ایسی دھوم تھی کہ
گویا حشر برپا ہے، کہین نفیری اور نقارہ
کی آواز، کہین انسانون اور ہاتھیون
کی چیخ، کسی طرف بندوقون کی آواز
کسی جانب توپون کی گرج تھی،

یہ توپ اس قدر وزنی تھی کہ اس کو ایک سو بیل کھینچتے تھے جب وہ چلتی تھی تو زمین ہل جاتی تھی، یہ تعداد مین چار تھیں[۵۳]

علاء الدین کے عہد مین دکن کی حالت | سلطان علاء الدین خلجی متوفی ۷۱۶ھ کے عہد مین جنوبی ہند

---

۵۱ ظفر الوالہ ص ۵۰۰ ۵۲ طبقات بہادر شاہی بحوالہ ظفر الوالہ جلد ثانی صفحہ ۵۰۳، لیڈن

۵۳ الیٹ جلد ششم ضمیمہ ص ۴۶۶،

دکن کی چار ریاستیں مشہور تھیں، تلنگانہ، مہاراشٹر، چولا، پانڈیا، چیرہ، ہوئیسالا، لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد پانڈیا خاندان معبر (مدراس) کی چولا سلطنت میں مدغم ہوگئی، اور مہاراشٹر کو جس کا پایۂ تخت دیوگیر (دولت آباد) تھا، علاء الدین خلجی نے اپنے مقبوضات میں شامل کرلیا، باقی تمام ریاستیں باجگذار ہوگئیں، قطب الدین خلجی متوفی ۷۲۰ھ کے عہد میں ان ریاستوں نے بغاوت کی جس کے تدارک کے لئے خسرو خان پہنچا، اوس نے معبر کو فتح کرلیا اور باقی ریاستیں بدستور باجگذار رہیں،

سلطان محمد تغلق متوفی ۷۵۲ھ کے زمانہ میں دولت آباد (مہاراشٹر) اور معبر (مدراس) کی دو اسلامی ریاستیں پیدا ہوئیں، جن کا پایۂ تخت گلبرگہ اور مدورا تھا، باقی تین ریاستیں رہ گئی تھیں، ان میں سے چیرہ کے محاصل کا بڑا حصہ چونکہ مسلمان تاجروں کے ذریعہ حاصل ہوتا تھا، اس لئے وہاں کا راجہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا تھا، یہ ریاست نواب حیدر علی تک قائم رہی، باقی دو ریاستیں ایک تلنگانہ جس کا پایۂ تخت ورنگل تھا، اور ہوئیسالا خاندان کی جس کا پایۂ تخت دھورسمندر تھا، کافی طاقتور تھیں، مسلمانوں کے بار بار حملے سے دھورسمندر اپنی رونق کھو بیٹھا تھا، اس لئے یہاں کا راجہ تنور چلا گیا،[۱] محمد تغلق کے عہد میں گرشاسپ کی بغاوت کے وقت راجہ کمپلہ کی ریاست جو ہوئیسالا خاندان کے ماتحت تھی، اسلامی مقبوضات میں شامل ہوگئی تھی،

فرشتہ راوی ہے کہ ورنگل کی حکومت بھی بغاوت کی وجہ سے محمد تغلق نے فتح کر لی، اور اس کا راجہ کنّا (کرشنا) بن لدر دیو بھاگ کر ہوئیسالا خاندان کے راجہ بلال دیو کے پاس تنور پہنچا، اور اس سے امداد طلب کی، اور دونوں کی رائے سے یہ طے پایا، کہ بلال دیو، تنور کو چھوڑ کر اسلامی مقبوضات کی سرحد پر پایۂ تخت بنائے، اور کرشنا کو مدد دیکر ورنگل پر قبضہ کرادے، چنانچہ اس نے اپنے لڑکے بجن کے نام پر "بجن نگر" آباد کیا، جو آخر میں بیجانگر ہوگیا،

---

[۱] سفرنامہ ابن بطوطہ کا حاشیہ ص ۱۶۲ دہلی،

اس زمانہ مین محمد تغلق پے درپے بغاوتون کے باعث پریشان تھا، اس سے فائدہ اٹھا کر بلال دیونے کرشنا نگاور تگل پر قبضہ کرا دیا، اس وقت دکن مین بہمنی سلطنت کی ابتدا ہو چکی تھی، اسی کے دوش بدوش بیجا نگر نے جلد جلد ترقی شروع کر دی، اور آخر چند ہی دنون کے بعد وصور سمندا در مہر کی اسلامی ریاستون کا خاتمہ کر دیا، اور ان اطراف کے تمام علاقون پر قبضہ کر کے بڑا طاقتور راجہ بن گیا، سول وجیا نگر مین ہی کپیلہ مین فتح ہو توہری ہر اور بکا دو بھائی وہان سے بھاگ نکلے، اور کپیلہ مین آکر ملازم ہو گئے، اور فتح کپیلہ کے بعد جب یہان کی حکومت مسلمان نہ سنبھال سکے، تو ان دونون بھائیون کو دیدی، جو درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے وزارت تک پہنچ چکے تھے، ہری ہر جو راجہ ہو گیا تھا، اُس نے اپنے گرو ودیا ماینا کے نام پر ایک شہر بسایا، جس کا نام ودیا جا رکھا، جو بیجا نگر ہو گیا،

دکن مین بندوق | دکن کے متعلق اس قدر سمجھ لینے کے بعد اب یہ معلوم کرنا ہے کہ یہان توپ کب سے استعمال کی گئی، یون تو دکن مین بھی ہر قسم کے آلاتِ حرب کا استعمال رائج تھا، چنانچہ محمد شاہ بہمنی نے جنگ تلنگانہ ۷۶۶ھ مین منجنیق استعمال کی تھی،[۴۵] مگر توپ کے متعلق کوئی صحیح تاریخ نہین بتائی جا سکتی البتہ یہ صحیح ہے کہ دکن مین عرصہ سے یہ مستعمل تھی، اور یہان کے راجہ اس سے بخوبی واقف تھے، مسلمانون کو سب سے پہلے محمد شاہ بہمنی کے عہد مین اس سے سابقہ پڑا کیونکہ اس زمانہ مین بندوق کا بھی عام رواج ہو چکا تھا، چنانچہ تلنگیون نے واپسی کے وقت محمد شاہ بہمنی کے لشکر کو اس سے سخت نقصان پہنچایا، یہان تک کہ خود محمد شاہ کے بازو پر بھی اس سے چوٹ آئی،[۵۳]

بیجا نگر مین توپ خانہ | توپ کا بھی استعمال دکن مین جاری تھا، اور طاقت ور راجے اس کو کام مین لاتے تھے، ۷۶۷ھ کی جنگ بیجا نگر مین راجہ میدانِ جنگ مین کوئی سو توپین لایا تھا، جو شکست کے بعد محمد شاہ بہمنی کے ہاتھ لگین، فرشتہ لکھتا ہے،[۵۵]

---

۵۱ بحوالہ تاریخ معبری علی گڈھ، ۵۲ فرشتہ ص ۲۸۰، ۵۳ فرشتہ ص ۲۹۰ لکھنؤ، ۵۵ ایضاً ص ۲۸۰

بروایت تحفۃ السلاطین دو ہزار فیل وسی	تحفۃ السلاطین کی روایت کے مطابق
صد ارابہ توپ وضرب زن وہفت صد اسپ	دو ہزار ہاتھی، اور تین سو گاڑی توپ،
ویک صد سنگاسن مرصع داخل سرکار	سات سو گھوڑے ایک سو جڑاؤ پالکی شاہی
بادشاہی شدہ، باقی غنائم بامرا متصرف	ملکیت میں داخل ہوئی، باقی پر امراء
گردیدند،	قابض ہوئے،

سلاطین بہمنی کا توپ خانہ اس کے بعد فرشتہ لکھتا ہے کہ محمد شاہ بہمنی نے اس کی طرف خاص توجہ کی، اور اس کے لئے ایک مخصوص محکمہ قائم کیا، اور ایک اعلیٰ افسر کا تقرر عمل میں لایا جس کا نام مقرب خان تھا، جو سیستان کا رہنے والا تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں،

سلطان محمد شاہ بہمنی) بصلاح خان محمد	سلطان محمد شاہ بہمنی بمشورہ خان محمد قلعہ
عمل کردہ پیرامون تسخیر قلعہ نگردید و	فتح کرنے کے پیچھے نہ پڑا، اور تمام ملک اور
فرامین مطاعہ بجمیع قلعہ و ممالک محروسہ	قلعوں میں فرمان بھیج کر توپیں طلب کیں،
مرسول داشتہ توپ وضرب زن بسیار طلب	اور آتش بازی (توپ سازی) کا کارخانہ
کردہ کارخانہ آتشبازی راکہ پیش ازان	(جو دکن کے مسلمانوں میں اس وقت
دردکن میان مسلمانان شائع نبود محل اعتنا	تک رائج نہ تھا) قائم کرکے اس کا علحدہ
ساختہ سرکار آنرا بمقرب خان ولد صفدر	ایک محکمہ بنایا، اور مقرب خان ولد صفدر
خان سیستانی کہ از امرائے معتمد بود رجوع	خان سیستانی کو جو معتمد امراء میں سے تھا،
فرمود، وجمیع رومیان و فرنگیان[1] کہ ملازم	اس کا افسر بنایا، اور تمام رومی (ترکی)
آن موکب منصور بودند تابع مقرب خان شدہ	اور فرنگی (؟) کو جو اس لشکر میں نوکر تھے،

---

[1] فرنگی اس عہد میں ہندوستان نہیں آئے تھے، غالباً سہو مصنف یا کاتب ہے،

توپ خانہ بزرگ ترتیب یافت، اس کے ماتحت بنایا، اور اس طرح ان لوگوں
کے ذریعہ ایک بڑا توپ خانہ تیار کرلیا،

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام صوبۂ دکن (جنوبی ہند) میں اس سے قبل توپ کا رواج نہ تھا، غالباً اس سے فرشتہ کی مراد سلطنت بہمنی ہے، جو صرف چند سالوں سے قائم ہوئی تھی، ورنہ اس سے پہلے جنوبی ہند میں توپ رائج ہو چکی تھی، جیسا کہ خود فرشتہ نے لکھا ہے کہ راجہ بیجانگر نے تین سو توپیں میدانِ جنگ میں چھوڑیں، جو اس کا ثبوت ہے کہ جنوبی ہند میں اس کا عام رواج ہو چکا تھا، ورنہ ہندو ریاست بیجانگر میں اتنی توپیں کہاں سے آتیں، درحقیقت جنوبی ہند کے مسلمان اس کو عرصہ سے استعمال کر رہے تھے،

یہ مسلمان زیادہ تر یمن، بصرہ، عراق، مصر اور ایران کے تھے، جیسا کہ تمام عرب سیاحوں نے اس کا تفصیل ذکر کیا ہے،

جنوبی ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی

جنوبی ہندوستان میں ہر جگہ مسلمان پھیلے ہوئے تھے، اور تقریباً تمام جنوبی ہندوستان میں ہندو راجاؤں کی حکومت تھی لیکن مسلمان بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے، ان حکومتوں کے عرصۂ دراز تک شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کے مقابل قائم رہنے کا سبب بھی انہی مسلمانوں کا وجود تھا، جو ملازم کی حیثیت سے ان راجاؤں کے پاس رہتے تھے، ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی کے وسط میں ہندوستان کی سیر کی ہے، لکھتا ہے :-

"دو دن کے بعد ہم فاکنور پہنچے، (جس کو آج کل برکور کہتے ہیں، احاطۂ مدراس میں داخل ہے، بیجانگر کے ماتحت تھا) ...... اس شہر میں بہت سے مسلمان ہیں، ان میں سب سے بڑا حسین سلطا ہے ...... اس شہر کے راجہ کا نام باسدیو ہے، تیس جنگی جہاز اس کے پاس ہیں، لیکن سب کا افسر لولا (لولی) نامی مسلمان ہے۔ (ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۳۷ مطبوعہ مصر)

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے،

"شہر ہنور کے زیر بیجا نگر کے ماتحت تھا، اب اس کو ہونور کہتے ہیں، اور علاقہ بمبئی میں شامل ہے) مسلمان باشندے شافعی مذہب ہیں، وہ دیندار نیک، اور بحری طاقت کے لئے مشہور ہیں، یہاں ایک خانقاہ ہے جس کے منتظم شیخ محمد ناگوری ہیں، فقیہ کا نام اسماعیل ہے، عہدۂ قضا پر مولانا نور الدین ہیں، ایک عالم خطیب بھی مقرر ہیں، شہر میں ۲۳ مدرسے لڑکوں کے اور ۱۳ لڑکیوں کے لئے ہیں، لڑکیاں اکثر حافظ قرآن ہوتی ہیں، مالابار کے لوگ سلطان جمال الدین کو کچھ خراج بھی دیتے ہیں، کیونکہ اُن کے پاس بحری طاقت بہت بڑی ہے، وہ چھ ہزار پیادہ اور سوار بھی رکھتا ہے، یہ بڑا نیک بخت ہے، اور ایک ہندو راجہ کا ماتحت ہے، جس کا نام "ہریب" ہے[۱] (صحیح نام ہری ہر ہے جو بیجا نگر کا راجہ تھا)

شہر منگلور کے حال میں لکھتا ہے :-

" اس شہر میں فارس اور یمن کے اکثر سوداگر آتے ہیں، ...... یہاں کا راجہ مالابار میں سب سے بڑا حکمران ہے، اس کا نام "رامدیو" ہے، اس شہر میں چار ہزار مسلمان رہتے ہیں، اُن کی آبادی شہر کے باہر ہے، کبھی کبھی شہر والوں سے اُن کی لڑائی بھی ہو جاتی ہے، تو راجہ دونوں میں صلح کرا دیتا ہے، شہر کا شافعی قاضی بدر الدین معبری نامی ہے، اس کا بیان ہے کہ فاکنور میں مسلمانوں کی آبادی کم اور اُن کی قوت کچھ نہیں ہے، لیکن اس شہر میں راجہ ہم سے خود خوف کھاتا ہے، اور اس نے کسی یرغمال کی ضرورت نہیں،[۲]

کالی کٹ بہت بڑا بندرگاہ ہے، یہاں چین، فارس بلکہ تمام دنیا کے جہاز آتے ہیں، یہاں

[۱] ابن بطوطہ جلد ۲ مطبوعہ مصر ص ۱۳۲ [۲] ایضاً ص ۱۳۷۔

کا راجہ ہندو ہے جس کا نام ساری ہے، یہاں کے پورٹ کمشنر کا نام ملک التجار ابراہیم ہے، شہر کا قاضی فخرالدین عثمان اور خانقاہ کا ناظم شیخ شہاب الدین گاذرونی ہے، ناخدا انتقال تاجر اعظم اسی شہر میں رہتا ہے، جس کے جہازات ہندوستان، چین، یمن، فارس جاتے ہیں، فتح گوا (سندا پور) کے موقع پر لکھتا ہے،[1]

سلطان جمال الدین (والی ہنور ماتحت بیجا نگر) کے پاس ۵۲ جنگی جہاز تھے،......شنبہ کے دن چل کر منگل کے دن ہم سندا پور پہنچے، اور کھاڑی میں داخل ہوئے، معلوم ہوا، کہ سندا پور کے باشندے لڑائی کے لئے تیار ہیں، اور منجنیق لگائے ہوئے ہیں، رات کو ہم ٹھہرے رہے صبح ہی جنگ شروع ہو گئی، اور دشمنوں نے جہاز پر منجنیق سے پتھر پھینکنے شروع کر دیئے، ایک شخص جو بادشاہ کے قریب تھا، اس کو پتھر لگا،........ہم تلوار پکڑ کر شہر میں داخل ہوئے، اکثر ہندو اپنے راجہ کے محل میں پناہ گزین ہو گئے، ہم نے ان پر آگ برسائی تو وہ نکل پڑے، ان سب کو گرفتار کر لیا گیا، جو دس ہزار کے قریب تھے،[2]

وصاف نے معبر کے (مدراس) حال میں لکھا ہے، کہ وہاں کے راجہ کا نام سندر پانڈے ہے[3] وزیر کا تقی الدین عبدالرحمن ہے ۱۲۹۳ء میں اس راجہ کی وفات ہوئی" مدورا اس کا پایۂ تخت تھا، ۱۳۱۱ء میں جب کافور نے معبر (مدراس) کو مطیع کیا تو یہاں کے راجہ کا نام "ویرا پانڈے" تھا،[4] ۱۳۱۶ء، ۱۶؁ھ میں راجہ کے سرکشی پر ملک خسرو خان گجراتی نے سلطان قطب الدین خلجی کے عہد میں اس کے ملک کو ممالکِ اسلامیہ میں داخل کر لیا، ۷۳۵؁ھ میں سید حسین کیتھلی نے یہاں خود مختار حکومت قائم کی، جس کو راجہ بیجانگر نے آہستہ آہستہ دبانا شروع کیا تا آنکہ ۱۳۷۸ء، ۷۸۰؁ھ میں اس کا بالکل خاتمہ کر دیا، بیجانگر کے اس راجہ کا نام "ہری ہر دوم" تھا،[5]

---

[1] ابن بطوطہ ص ۱۷۳ [2] ابن بطوطہ [3] حاشیہ ابن بطوطہ ص ۲۶۳ [4] دہلی [5] تاریخ معبر ص ۱۹ علی گڈھ،

معبر کے حال مین ابن بطوطہ لکھتا ہے،

"اس بادشاہ (غیاث الدین شاہ معبر) کے قرب وجوار مین ایک راجہ بلال دیو تھا، یہ عظیم الشان راجہ تھا، اس کا لشکر ایک لاکھ کے قریب تھا، ان مین سے بیس ہزار مسلمان تھے،[۱]"

یہ بلال دیو دھور سمندر کا راجہ تھا جیسا کہ دوسری تاریخون مین تحریر ہے،

مندرجۂ بالا بیان سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ جنوبی ہندوستان کی ہندو ریاستون مین مسلمان ملکی اور فوجی اعلیٰ عہدون پر فائز تھے، اور ان کے تعلقات ان تمام اسلامی ملکون کے ساتھ قائم تھے، جہان توپون کا رواج عام طور پر ہو چکا تھا،

دکن مین توپون کا رواج نہ صرف بیجا نگر میں تھا، بلکہ دوسری ہندو ریاستون نے بھی اسکی تقلید کی تھی، چنانچہ چولا خاندان نے بھی اپنی فوج مین توپون کو رائج کیا، یہ توپین بڑی بھی ہوتی تھین اور چھوٹی بھی، انھی مین سے ایک توپ آج کل تنجور (مدراس) کے قدیم قلعہ مین رکھی ہے، جس کا نام راج گوپال ہے، اس توپ کی لمبائی ۲۴ فٹ ۶ انچ اور قطر ۳ فٹ ۹ انچ ہے، اگرچہ اس کے ڈھلنے کی تاریخ معلوم نہین ہے، لیکن قیاس ہے، کہ جنگ تالی کوٹہ کے بعد ڈھالی گئی ہے،

اسی لیے وہ عادل شاہی توپ لم چھڑی اور لنڈے قصاب اور نظام شاہی توپ ملک میدان کے لگ بھگ ہے،[۲]

آٹھوین صدی کے آخر اور نوین صدی کی ابتدا مین توپ خانہ اس قدر ترقی کر گیا کہ مجاہد شاہ متوفی ۷۹۹ھ فیروز شاہ بہمنی متوفی ۸۲۵ھ اور ہندوستان کے دوسرے بادشاہون کے فتوحات کا دار و مدار اسی پر ہو گیا تھا، اور اب توپ خانہ کا استعمال قلعہ شکنی کے کام کے علاوہ میدان جنگ مین

---

[۱] ابن بطوطہ ص ۹۴، [۲] رپورٹ محکمۂ آثار قدیمہ ہند ۱۹۳۶ء (بحوالہ زمیندار یکم نومبر ۱۹۳۸ء)

مختلف طریقون سے ہونے لگا تھا،

توپون کا قلعہ | ۸۲۵ھ کی جنگ بیجا نگر مین احمد شاہ بہمنی نے جب دیکھا کہ دشمنون کی تعداد بہت زیادہ ہی اور شب کو لوٹ مار کر بازار زیادہ گرم ہو جاتا ہے، تو اُس نے توپ خانہ کا حصار قائم کیا، یعنی فوج کے چارون طرف اس طرح سے توپین نصب کین کہ دشمن قریب نہ آسکے، یہ طریقہ غالبًا ترکون کی ایجاد ہے، اسی لئے اس طریقۂ جنگ کو رومی طرز کہتے ہین،

فرشتہ لکھتا ہے:۔

و بنا بر آن کہ قریب ۲ ۰ لک پیادہ و	قریب دس لاکھ پیادہ اور توپچی، اور
توپچی و کماندار در لشکر غنیم بود، و در شب	کماندار دشمن کے لشکر مین موجود تھے جو
بطریق دزدان خرابی بسیار می کردند،	چورون کی طرح لشکر مین گھسکر نقصان
و اسپ و آدم می کشتند، ہر آئینہ سلطان	پہنچاتے، گھوڑون اور آدمیون کو مارڈالتے،
احمد شاہ بطریق روم عرادہائے آتش	سلطان احمد شاہ رومی طریقہ پر توپون کو
خانہ کہ عدد آن قریب دو ہزار بود در	جن کی تعداد تقریبًا دو ہزار تھی، لشکر کے
لشکر کشیدہ مدت چہل روز بہ نشست [1]	اردگرد قائم کرکے چالیس روز بیٹھا رہا،

کشمیر مین توپ | ۸۲۶ھ مین کشمیر کے بادشاہ سلطان زین العابدین کے پاس حبیب (رجب) نامی ایک شخص نے جو اس فن کا بڑا ماہر شخص تھا، اس کو کشمیر مین بڑی ترقی دی، اور بارود بنانا، اور توپ اور بندوق ڈھالنا کشمیریون کو سکھایا، اس کی اس فیاضانہ تعلیم سے کشمیر مین اس فن کے بڑے بڑے ماہر پیدا ہوگئے، فرشتہ لکھتا ہے،

و در عہد سلطان (زین العابدین) حبیب	سلطان زین العابدین کے زمانہ مین حبیب

[1] فرشتہ ص ۳۲۰ نولکشور، [2] کتاب مذکور ص ۳۴۴،

نام آتشبازے پیدا شد کہ چشم روزگار پیش | (رجب) نامی ایک ایسا آتش باز کشمیر
از آن ندیدہ بود، و در فن آتشبازی | مین آیا، کہ زمانہ مین اس کی مثال نہ تھی،
اختراعات کردہ کہ مردم حیران ماندند ودر | اس نے ایسی ایسی ایجادین کین کہ لوگ
کشمیر تفنگ او پیدا کرد، و در حضور سلطان | متحیر ہوگئے، کشمیر مین بندوق اُسی نے ایجاد
دارد با ساخت و ہنرہا نمود، و مردم را | کی، بادشاہ کے سامنے باروے مختلف قسم
تعلیم داد[1] | کے ہنر دکھائے اور پھر لوگون کو اسکی تعلیم دی،

اس بادشاہ کے آخر عہد مین توپ خانہ اس قدر ترقی کر گیا تھا، کہ کشمیر اور تبت جیسے پہاڑی مقام کے اکثر قلعے اسی کے ذریعہ سے فتح ہوئے، اور سلطان کا بڑا لڑکا آدم خان اسی کے ذریعہ اپنی فتح کا ڈنکا بجاتا رہا۔ فرشتہ مین ہے،

و آدم خان پسر بزرگ سلطان از کشمیر بحکم | سلطان کا بڑا لڑکا آدم خان اپنے باپ
پدر برآمد، بجمعیت تمام از سوار و پیادہ | کے حکم سے سوار، پیادہ، توپچی، اور تیرانداز
و توپچی و تیر انداز بہم رسانیدہ، و ولایت | کا لشکر لیکر کشمیر سے نکلا، اور تبت کو آسانی
تبت را بآسانی فتح نمود، و غنائم بے شمار | کے ساتھ فتح کر ڈالا، اور بے شمار لوٹ
نزد شاہ آورد[2] | کا مال باپ کے پاس لایا،

گجرات مین توپ گجرات مین توپ کا استعمال ہو گیا تھا، اور سلطان احمد شاہ اول نے ۸۲۵ھ کی جنگ مالوہ مین اس کا استعمال کیا، اور غالبًا اسی کی بدولت تمام گجرات کے راجاؤن اور ہمسایہ سلطنتون پر اس کو تفوق حاصل تھا، فرشتہ احمد شاہ کے حال مین لکھتا ہے،

و از گجرات آلات قلعہ کشائی از منجنیق و | اور گجرات سے قلعہ فتح کرنے کا سامان

---

[1] فرشتہ ص ۳۴۴ نولکشور [2] ایضاً ص ۳۴۵،

ارابہ [illegible] وغیرہ طلب کیا،

یہاں [illegible] لیکن اصطلاح [illegible] اس گاڑی کو کہتے ہیں

جس پر توپ [illegible] ظفر الوالہ میں ہے،

والعرابۃ [illegible] من آلۃ الحرب ذات اربع
تجرہا [illegible] وعلیہا المدفع بالہند[2]

ارابہ سے مطلب ایسی ہی گاڑیاں
ہیں جن کو دو جانور (بیل) کھینچتے ہیں
اور ہندوستان میں اسی پر (توپ)

اس کی تائید گجرات کی ایک قلمی تاریخ سے بھی ہوتی ہے جس میں احمد شاہی افسروں کی ایک فہرست مع تنخواہ کے دی ہے، جس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ اس عہد میں توپیں اتنی وزنی تھیں کہ اس کو ہاتھی کھینچتے تھے، چنانچہ کتاب مذکور میں لکھا ہے کہ تنخواہ داروغہ توپ خانہ فیل دو ہزار تنکہ تھی،[3]

مالوہ میں توپ

مالوہ میں بھی توپ کا رواج ہو چکا تھا، اور قلعہ کشائی کے موقع پر اس کو استعمال میں لاتے تھے، سلطان محمود خلجی شاہ مالوہ کے حال میں فرشتہ نے لکھا ہے کہ محاصرہ منڈل گڑھ کے وقت توپوں کے صدمہ سے حوض کا پانی خشک ہو گیا، چنانچہ ۸۶۱ھ کی جنگ کے متعلق لکھتا ہے، کہ

و در اندک مدت حصار را بدستیاری
توفیق کشودند، اما خلقے کثیر اسیر گشت و
بقتل رسید، و راجپوتان بقلعۂ دیگر کہ
بر کوہ بود، پناہ بردہ، باستحکام و تحصن
آن مغرور گشتند، و چون آب حوضہائے
بالائے قلعہ بواسطہ صدائے توپ فرو رفت

تھوڑی سی مدت میں قلعہ فتح کر لیا، لیکن
بہت آدمی قید اور قتل ہوئے، راجپوت
دوسرے قلعہ میں جو پہاڑ پر تھا چلے
گئے، اور اس کو محفوظ اور مستحکم کر کے مغرور
ہو بیٹھے، مگر جب توپ کی دھمک سے
قلعہ کے تالاب کا پانی زمین کے اندر چلا گیا

---

[1] فرشتہ ص ۱۰۹۶ جلد دوم [2] لغات کشوری [3] ظفر الوالہ ص ۲۶۳ دفتر اول لیڈن [4] تاریخ گجرات قلمی ملوکہ بی بی فضل النساء موضع وڈیا متصل بھروچ،

وآبے کہ در قلعہ بماول بود بدست لشکر محمود	اور پہلے قلعہ کا پانی محمود کے قبضہ مین ہو گیا
افتاد واز بے آبی نالہ و فغان برداشتہ از	تو پانی نہ ہونے کے باعث لوگ پیاسے مرنے
العطش گویان امان خواستند[1]	لگے، اور امان مانگنے پر مجبور ہو گئے،

محمود شاہی توپین | گجرات مین سلطان محمود بیگڑہ کا عہد انتظام مملکت اور ترقی کے لحاظ سے بڑا اہم ابار کے خیال کیا جاتا ہے، اس زمانہ مین اس کا توپخانہ اتنا طاقتور اور اعلیٰ درجہ کا تھا کہ ہمسایہ سلطنتون مین کوئی بھی اس کی ہمسری نہین کر سکتا تھا، اس کے پاس ہر قسم کی توپین تھین، محاصرہ کی توپ اور میدانی توپ کے علاوہ بحری بیڑے کے لئے بھی توپین تیار کی گئی تھین، مالابار کی بحری لڑائی مین اس کے استعمال سے نمایان فتح حاصل کی، فرشتہ مین ہے،

و در ماہ رجب ۸۸۸ھ داعیہ نمود کہ جیمے را	رجب ۸۸۸ھ مین خیال تھا کہ کچھ فوج
در آنجا گذاشتہ عازم تسخیر چاپانیر گردید،	اس جگہ چھوڑ کر چاپانیر کو فتح کرے کہ
ازان اثنا خبر رسید کہ ملیباریان کشتی بسیار	اس کو خبر ملی کہ مالاباری لوگ کچھ کشتیون
گرد آوردہ می خواہند کہ مترددین دریا را	کے ذریعہ مسافرون کو تکلیف دینا چاہتے
آزار و مزاحمت رسانند، سلطان فسخ عزیمت	مین، سلطان نے ارادہ بدل دیا، اور
مذکور کردہ، در جہاز سوار شد و با چندین	جہاز پر سوار ہو گیا، اور چند جہازون کو
جہاز آراستہ، و دیگر مشحون از مردان کار	جنگی آدمیون، توپ، تیر و کمان وغیرہ
و توپ و تفنگ و تیر و کمان بسیار بدفع	سے بھر کر اُن لوگون کو نکالنے کے لئے
آن جماعت روانہ شد[2]	روانہ کیا،

فرشتہ کے مشہور ترین قلعہ چاپانیر کو جو اس عہد تک کسی سے فتح نہ ہوا تھا ۸۸۸ھ مین

[1] فرشتہ جلد دوم ص ۲۵ [2] ایضاً ص ۱۹۴

محمود بیگڑے کے توپ خانہ نے اس طرح نقصان پہنچایا کہ آخر مفتوح ہوگیا، فرشتہ لکھتا ہے،

اتفاقاً قبل از ان بچند روز از مغرب روبہ
توپے بزرگ بر دیوار قلعہ بزرگ انداختہ بودند
شگافہا در آن پدید آمدہ، در آن روز ملک
ایاز سلطانی فرصت یافتہ، باتفاق جمعے
از سپاہیان خود بآن شگاف رسانیدہ
از آنجا بحصار بزرگ درآمد،[1]

اتفاقاً چند روز پہلے مغرب کی طرف ایک بڑی
توپ سے قلعہ کی دیوار گرادی تھی جس سے شگاف
ہوگیا تھا، اس دن ملک ایاز سلطانی نے موقع
دیکھ کر کچھ سپاہیون کے ساتھ اس شگاف
سے بڑے قلعہ مین پہنچ گیا،

سنہ ۹۱۳ھ مین سلطان کا بحری بیڑا زبردست ہوگیا تھا، کاٹھیاواڑ سے لے کر مالابار کی سرحد تک اس کے ذریعہ حفاظت ہوتی تھی، ملک ایاز اس زمانہ مین امیر البحر تھا، جب پرتگیزون نے ایک ساحلی مقام پر قلعہ تعمیر کرانا چاہا اور اسلامی ملکون کے جہازون کی آمد و رفت پرتگیزون کی لوٹ مار سے بند ہونے لگی، تو ایک طرف سے ترکی سلطان نے اپنا جنگی بیڑا پرتگیزون کو شکست دینے کے لئے روانہ کیا، اور دوسری طرف سے سلطان محمود نے ملک ایاز کو حکم دیا کہ وہ دیو بندر دمن اور تھانہ وغیرہ کے بیڑے لے کر رومی، (ترکی) جہازون کے ساتھ ملکر جنگ کرے، چنانچہ اس جنگ مین ترکی اور گجراتی توپ خانہ نے اپنی آتش فشانی سے متعدد جہاز غرق کرکے کامل فتح حاصل کی، فرشتہ نے لکھا ہے،

سلطان غلام خود ایاز را کہ امیر الامراء
سپہ سالار بود از بندر دیپ (دیو) با چند
کشتی خاصہ مشحونہ از ابطال و رجال و
مملو از آلات قتال بدفع فرنگیان

سلطان نے اپنے غلام ایاز کو جو امیر الامرا
اور سپہ سالار بھی تھا، بندر دیو سے چند
کشتیون [illegible] جنگی [illegible]
[illegible] فرنگیون [illegible]

---

[1] فرشتہ جلد ۲ ص ۲۰۲

مدت کفار قلعہ عاجز آمدند[۱]	اور دمدمون کو اس طرح تیار کردیا کہ تھوڑی ہی مدت مین قلعہ کے لوگ عاجز آ گئے

رومی خان ترکمان خاندان سے تھا، اس کا اصلی نام مصطفےٰ خان ہے، جو کسی غلامون کی طرف سے مصر مین تھا، وہان سے یمن آیا، پھر عدن مین رہا۔ کچھ دنون کے بعد ۹۳۷ھ مین بندر دیو (کاٹھیاواڑ) پہنچا، یہان بہادر شاہ گجراتی نے اس کی بڑی قدر دانی کی، اور رومی خان کا خطاب دے کر افسر توپ خانہ بنایا،[۲]

رومی خان اپنے ساتھ ایک بہت بڑی توپ لایا تھا، اس کا نام عام طور پر لوگون نے بعد کو مصری توپ رکھا، اس کے متعلق مراۃ سکندری مین ہے،

سلطان بخطہ دیو تشریف برد واز دیو توپ	سلطان دیو پہنچا اور چتوڑ فتح کرنے کی
کلان مصری کہ رومی خان آوردہ بود آن	نیت سے وہ مصری بڑی توپ جو رومی
توپ را بجانب محمد آباد فرستاد مع صد	خان لایا تھا، دیو سے محمد آباد مع دوسری
توپ دیگر، بہ نیت فتح چیتوڑ می گویند	سو توپون کے بھجوایا، کہتے ہین کہ علاوہ
کہ درار گاوان بسیار کہ بآن می بستند سی صد	بہت سے بیلون کے جو اس مین جوتے
نفر کسار آن را می کشیدند تا از جا می جنبید[۳]	گئے تھے تین سو کمہار اس کو کھینچتے تھے تاکہ
	اپنی جگہ سے جنبش کرے،

اس توپ کا اصلی نام "لیلیٰ" تھا، سلمان ترکمان نے اس کو مصر مین سلطان سلیمان ترکی کے نام سے تیار کرایا، جب کامران کے قریب سلمان شہید ہو گیا، تو امیر مصطفےٰ توپ خانہ اور جہاز لے کر بندر دیو چلا آیا، اور بہادر شاہ کے حکم سے ایک دوسری توپ اس کے مقابل کی تیار کرائی جس کا نام "مجنون" رکھا،

---

[۱] مراۃ سکندری ص ۲۴۳ بمبئی طبع دوم [۲] ظفر الوالہ ص ۲۱۰، جلد اول لیڈن [۳] مراۃ سکندری صفحہ ۲۳۲،

ظفر الوالہ میں ہے:-

وکان من ھدایتہ لہ مدفع صنبہ	اور اس کے تحفون میں سے سلطان کے لئے
سلمان باسم سلیمان صاحب	ایک توپ تھی جس کو سلمان نے سلطان
الروم سماہ لیلی، فصب مدفعًا	روم سلیمان کے نام سے ڈھال کر اُس
باسم بہادر سماہ مجنون وکان	کا نام لیلی رکھا تھا، اُس نے ایک دوسری
کمجنون ولیلی یضرب بھا	توپ بہادر شاہ کے نام سے تیار کی
المثل،[1]	جس کا نام مجنون رکھا، اور دونوں
	مثل مجنون اور لیلی کے تھے،

یہ مصری توپ عہد اکبری میں چانپانیر میں تھی، یہاں سے سورت بندر پہنچی، اور آج کل جوناگڈھ کے قلعہ میں مسجد کے سامنے رکھی ہے، کتابون میں گو اس کو سلیمانی توپ کہتے ہیں، مگر کرانال کے نام سے عوام میں مشہور ہے، یہ توپ ۱۳ فٹ سات بالشت لمبی ہے، اور تقریبًا ۲ فٹ کا دہانہ ہے، اس کا گولہ پتھر کا تھا، جو کئی من وزن کا ہوتا تھا، جب میں پہلی مرتبہ جوناگڈھ ۱۹۲۶ء میں گیا تھا، تو عجائب خانہ کے دروازے پر اس کا گولا بطور نمونہ کے پڑا تھا، آج کل یہ توپ بیکار کر دی گئی ہے، اس کے ڈھالنے والے کا نام "محمد بن حمزہ" ہے، ہندو عوام اس کی پرستش کرتے تھے، چنانچہ میں نے جب اس کو دیکھا تو اس وقت بھی سیندور لگا تھا،

اس توپ پر مندرجہ ذیل عبارت منقوش ہے،

امر بعمل ھذہ المکحلۃ فی	یہ توپ خدا کی راہ میں (کام کرنے کے لئے)
سبیل اللہ تعالیٰ سلطان العرب	بحکم عرب اور عجم کے بادشاہ سلطان سلیمان خان

---

[1] ظفر الوالہ دفتر اول ص ۲۲۰،

والعجم سلطان سلیمان خان	ابن سلیم خان (خدا اس کی مدد کو غالب کرے)
محمد بن سلیم خان عز نصرہٗ	خدا اور دین کے دشمن ہند مین داخل ہونے
لقھر اعداء اللہ واللدین الکفار	والے ملعون پرتگالیون کو شکست دینے
الداخلین ببلاد الھند پرتغال	کے لئے مصر مین ڈھالی گئی، ۹۳۷ھ
اللعین فی مصر وستہ مصر ۹۳۷ھ	بنانے والا محمد بن حمزہ،

عملہ محمد بن حمزہ

ایک دوسری توپ اسی عہد کی مگر اس سے چھوٹی قلعہ کی فصیل پر اُس جگہ رکھی ہے، جہان پانی کے حوض بنائے گئے ہین، اس کا بنانے والا بھی محمد بن حمزہ ہے، اس کا گولہ ایک من کا ہوتا تھا، جیسا کہ اس کے اوپر کندہ ہے،

لیلیٰ کا حال تو آپ نے معلوم کر لیا، مجنون کی سرگذشت بھی سُن لیجئے، مجنون کا دوسرا نام توپ بہادر شاہی ہے، یہ توپ چانپانیر (گجرات) مین رکھی ہوئی تھی، جب بہادر شاہ گجراتی ہمایون سے شکست کھا کر جزیرہ دیو مین پناہ گزین ہوا اور ہمایون چانپانیر پہنچا، تو قلعہ والون نے تمام توپین اندر کر لین، اس توپ کو وسط کوہ تک لے کر پہنچے تھے کہ ہمایون نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، اہلِ قلعہ نے توپ کو کیل مار کر بیکار کر دیا، ہمایون اس کو دیکھ کر مایوس ہو گیا، لیکن جب رومی خان نے (جو سلطان بہادر شاہ سے غداری کرکے ہمایون سے مل گیا تھا) اسکو دیکھا تو کہا مین اس کا علاج کردون گا، اور اس کی مرمت کرکے درست کر دیا، لیکن پہلے کے بہ نسبت قد مین چھوٹی ہو گئی، بارود بھی کم لینے لگی، مگر اس پر بھی اس کا جو حال تھا، اس کا اندازہ مرآۃ سکندری کے بیان سے ہو سکتا ہے،

اما ان قدر کہ ہم ماندہ بود آفت و بلائے خدا	لیکن جو کچھ بھی باقی رہ گئی تھی، وہ

بود، می گویند کہ چون رومی خان مجرا کرد
بضرب اوّل دروازہ اوّل را بر انداخت،
و بضرب دوم درختے عظیم قریب دروازہ
بود آن را از بیخ و بن بر انداخت در میان
اہل قلعہ از مشاہدہ این حال زلزلہ افتاد[1]

آفت اور بلائے آسمانی تھی، کہتے ہیں کہ
جب رومی خان نے اس کو چھوڑا تو پہلے
ہی گولہ سے آگے کے دروازہ کو گرا دیا،
اور دوسرے گولہ سے ایک عظیم الشان
درخت جو دروازے کے قریب تھا، جڑ
سے گر گیا، اس کو دیکھ کر قلعہ والوں
پر لرزہ طاری ہو گیا،

یہ حال دیکھ کر اختیار خان وزیر بہت پریشان ہوا، لیکن رومی خان کے حریف فرنگ خان نے کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں اس توپ کو ابھی بیکار کئے دیتا ہوں، اختیار خان نے کہا کہ اگر تم نے بے کار کر دیا تو میں تم کو نہال کر دوں گا، چنانچہ فرنگ خان نے اس پر تاک کر ایسا گولہ مارا کہ یہ بہادر شاہی توپ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، مرآۃ سکندری میں ہے،

اختیار خان گفت اگر تو توانی ترا نہال
خواہم کرد، او مجرائے اوّل چنان زد بر
دہن دیگ کہ پارہ پارہ گشت اہل قلعہ
خوش شدند، اختیار خان چیزے کم
بہ او داد، اما راجہ نرسنگھ دیو، ہفت
من طلا با و انعام نمود[2]

اختیار خان نے کہا کہ اگر تم سے یہ ہو سکے
تو تم کو نہال کر دوں گا، اس نے نشانہ
لگا کر اس کے دہانہ پر ایسا مارا کہ پہلے
ہی گولہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، قلعہ
والوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی،
اختیار خان نے اس کو کچھ کم دیا، لیکن
راجہ نرسنگھ دیو نے سات من سونا
انعام میں دیا،

---

[1] مرآۃ سکندری ص ۱۵۲ بمبئی [2] ایضاً

۹۴۰ھ میں بہادر شاہ کو معلوم ہوا کہ پرتگیز دیو پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، اس وقت وہ مالوہ میں تھا، چنانچہ یلغار کرتا ہوا، جزیرہ دیو میں پہنچا، پرتگیز اس کی آمد کو سُن کر اس بدحواسی سے بھاگے کہ اپنی سب سے بڑی توپ چھوڑ گئے، اور یہ توپ بہادر شاہ کے ہاتھ لگی، جس کو اس نے چانپانیر بھجوادیا، اس کے متعلق فرشتہ کا بیان ہے،

چو قریب بہ بندر دیو رسید فرنگیان فرار	جب بندر دیو کے قریب پہنچا تو فرنگی بھاگ
نمودند و توپ بزرگ ایشان کہ بہ	گئے، اور اپنی ایک بہت بڑی توپ
کلانی آن توپ در دیار ہندوستان	جس کے مقابل میں ہندوستان میں کوئی
نبود بدست آمد، شاہ او را بہ جرثقیل	توپ نہ تھی، چھوڑ گئے، بادشاہ نے اس کو
بمحمد آباد چانپانیر فرستاد[۱]	آلہ جرثقیل کے ذریعہ محمد آباد چانپانیر بھجوادیا'

اس کا نام توپ فرنگ رکھا گیا،

یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ بہادر شاہ گجراتی جس کے پاس بہتر سے بہتر توپ خانہ تھا، آخر اسی کی بدولت اس کا زوال ہوا، فتح چتوڑ کے بعد جب ہمایون نے بہادر شاہ پر حملہ کیا ہے تو رومی خان کے مشورہ سے توپوں کا قلعہ بنا کر بہادر شاہ مع تمام لشکر کے بیچ میں ہو گیا، ہمایون نے یہ تدبیر کی کہ اس کا محاصرہ کرکے خاموش بیٹھ رہا۔ اور رسد کی آمد و رفت بند کر دی جس سے لشکر میں ایسا قحط پڑ گیا، کہ آخر سلطان بہادر کو بھاگ جانا پڑا، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت سلطان کے پاس کتنی بڑی تعداد میں توپیں موجود تھیں،

اس وقت تک توپیں قلعہ اور میدان میں کام لیا جاتا تھا، لیکن مجرموں کو سزا دینے کیلئے کبھی استعمال نہیں کی گئی تھی، جب سلطان سکندر گجراتی قتل کر دیا گیا، اور سلطان بہادر شاہ تخت نشین ہوا،

---

[۱] فرشتہ جلد دوم ص ۲۲۲، نولکشور،

اور قاتل پکڑ کر اس کے سامنے لائے گئے، تو اس نے قاتل عماد الملک حوش قدم کو توپ سے اڑانے کا حکم دیا ہے، گجرات میں یہ پہلا واقعہ ہے،

ظفر الوالہ میں ہے :-

وفی اثناء ذالک جئی بعماد الملک	اس درمیان میں عماد الملک حاضر کیا
وامر بہ فی فم المدفع ففعل	گیا، حکم ہوا کہ توپ کے منہ پر رکھ کر اس
بہ ما یفعل بالعطب قوس	کو اڑا دو، جب توپ چھٹی، تو وہ ایسا
الندّاف[1]	تھا جیسے نداف روئی دھنک دیتا ہے،

[1] ظفر الوالہ دفتر اول ص ۴۰ الیڈن،

(باقی)

مقدمہ رقعات عالمگیر

اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشاء کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشاء، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے نام رقعات وسوانح پر خود ان خطوط اور رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے، قیمت :- صہ

رقعات عالمگیر

اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسیوں حقایق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت للعہ ضخامت ۴۰۰ صفحے،

"منیجر"

عربی نظم و نثر کی مختصر تاریخ

دورِ جاہلیت

از

مولانا عبد السلام ندوی

یہ بتانا سخت مشکل ہے کہ زمانۂ جاہلیت مین عربی شاعری کی ابتدا کب سے ہوئی؟ کیونکہ قدرتی طور پر ہر چیز ابتدا مین ناقص ہوتی ہے، پھر رفتہ رفتہ ترقی کرکے درجۂ کمال کو پہنچتی ہے لیکن زمانۂ جاہلیت کے جو اشعار ہم تک پہنچے ہین، وہ صورۃً اور معنیً ہر حیثیت سے مکمل ہین، نہ اُن کے وزن مین کوئی خرابی ہے، اور نہ اُن کے معنی مین کوئی نقص ہے، نہ طریقۂ ادا مین کوئی ناہمواری ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان اشعار سے پہلے شعراء کا ایسا کلام ضرور موجود رہا ہوگا جس مین اس قسم کے تمام نقائص موجود رہے ہون گے، پھر رفتہ رفتہ ترقی کرکے اس نے موجودہ قصائد اور معلقات کی شکل اختیار کی ہوگی، عرب کے قدیم ترین شعراء کے کلام سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُن سے پہلے بھی چند شعراء موجود تھے، جن کا کلام ہم تک نہین پہنچا، مثلاً امرؤ القیس جو عربی زبان کا پُرانا شاعر ہے کہتا ہے :-

عوجا علی الطلل المحیل لعلنا   نبکی الدیار کما بکی ابن خذام

"کھنڈرون پر ٹھہر جاؤ کہ ہم اُن اجڑے ہوے گھرون پر ابن خذام کی طرح روئین"

لیکن ابن خذام کا کوئی شعر ہم تک نہیں پہنچا ہے،

عنترہ کہتا ہے :-

هل غادر الشعراء من متردم

کیا شعراء نے کوئی مضمون چھوڑ دیا ہے

لیکن ان شعراء کے کلام سے ہم ناواقف ہیں،

عربی زبان کے قدیم ترین اشعار جو ہم تک پہنچے ہیں، وہ جنگ بسوس کے زمانہ میں یا اوس سے کچھ پہلے کے گئے ہیں، یعنی ہجرت سے ایک سو تیس سال پہلے کے اشعار کا ہم کو علم ہے، لیکن اس زمانہ سے پہلے جو شعراء گذرے ہیں، اُن کے کلام کا کوئی علم نہیں تاہم اس زمانہ کے شعراء جو کچھ کہتے تھے، اُن کی تعداد چند اشعار سے زیادہ نہیں ہوتی تھی، اس کے بعد دوسرے شعراء نے ترقی کی، اور قصائد کہنے لگے، اور مورخین کے بیان کے مطابق سب سے پہلے امرؤ القیس کے ماموں مہلہل بن ربیعہ اور خود امرء القیس نے پانچویں صدی عیسوی کے اخیر میں طویل قصائد لکھے، بہر حال عربی شاعری کی ابتداء رجز سے ہوئی جس کی بحر نہایت آسان تھی، اس کے بعد شعراء نے دوسری بحروں میں اشعار کہے، اور زمانۂ جاہلیت میں نہایت کثرت سے شعراء پیدا ہوئے اور تقریبًا ہر قبیلہ میں شعراء کی ایک خاصی تعداد موجود تھی لیکن سب کے سب نے عام شہرت حاصل نہیں کی، بلکہ جن شعراء نے حاصل کی وہ سب کے سب شمال یعنی حجاز اور اس کے طبقات کے باشندے تھے، ان میں بعض تو یمنی تھے، جو شمال میں آکر آباد ہو گئے تھے، مثلاً امرء القیس، ابو دؤاد اور حاتم طائی یمنی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن انھوں نے شمال میں آکر شہرت حاصل کی، اور بعض عدنانی قبائل سے تعلق رکھتے تھے، مثلاً مہلہل، مرقش اکبر، مرقش اصغر، طرفہ، حارث بن حلزہ، متلمس اور اعشی قبیلہ ربیعہ کے شاعر تھے اور بعض کا تعلق قبیلہ مضر سے تھا،

جن قبائل مین مشہور شعراء پیدا ہوئے، وہ صرف دو ہین،

۱۔ **قیس**:۔ نابغہ ذبیانی، زہیر بن ابی سلمیٰ، کعب لبید اور حطیہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے،

۲۔ **تمیم**:۔ اوس بن حجر اسی قبیلہ سے تھا،

مورخین ادب کا بیان ہے کہ سب سے پہلے شاعری قبیلہ ربیعہ سے شروع ہوئی، پھر قبیلہ قیس مین منتقل ہوگئی اس کے بعد قبیلہ تمیم مین جاکر پختگی حاصل کی،

اہل عرب کی زندگی پر شاعری کا اثر

عرب مین شاعر ہر قبیلہ کے لئے ایک ضروری شخص تھا، جو اس کے فضائل کا اعلان کرتا تھا، اپنے اشعار کے ذریعہ سے اس کے دشمنون کی چالون کو ناکامیاب بناتا تھا، لڑائیون مین اس کو جوش دلاتا تھا، اور صلح مین اس کو سوجھ بوجھ کی باتین سکھاتا تھا، اس لئے ہمارے زمانہ مین مختلف پارٹیون کے اخبارات کا جو درجہ ہے، وہی زمانۂ جاہلیت مین ہر قبیلہ کے شاعر کا تھا، بالخصوص جنگ کے زمانہ مین وہ ایک فوجی باجہ تھا، جو لڑنے اور مرنے کا جوش دلون مین پیدا کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ہر قبیلہ اپنے شاعر پر فخر کرتا تھا، ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین لکھا ہے، کہ

"جب عرب کے کسی قبیلہ مین کوئی اچھا شاعر پیدا ہوتا تھا، تو تمام قبائل آآکر اس کو مبارکباد دیتے تھے، دعوتین ہوتی تھین، عورتین شادی بیاہ کی تقریبات کی طرح جمع ہوکر گاتی بجاتی تھین، مرد اور بچے سب کے سب خوشیان مناتے تھے"

شاعر کی مدح و ذم کا یہ اثر تھا کہ وہ اپنی مدح کے ذریعہ پست درجہ اشخاص کو بلند اور ہجو کے ذریعہ بلند رتبہ اشخاص کو پست کر دیتا تھا، یہی وجہ ہے کہ لوگ شعراء کی بڑی عزت کرتے تھے تاکہ اُن کی ہجو سے بچ جائین، یا ان کی مدح سے متمتع ہون،

اس کے علاوہ زمانۂ جاہلیت کے شعراء ذہنی اور عقلی حیثیت سے بھی ممتاز ہوتے تھے، اور انھوں نے زندگی کے بہت سے مسائل کو اور لوگوں سے بہتر طریقہ پر سمجھا، اور اُن کو شاعرانہ قالب مین ڈھالا، بہت سے مسائل ایسے تھے جن کو اہلِ عرب سمجھتے تو تھے لیکن ان کو بہترین طریقہ پر بیان نہین کر سکتے تھے، لیکن شعراء نے اون کے جذبات اور محسوسات کو عمدگی کے ساتھ بیان کیا، غیر متمدن قومون مین شعراء کی حیثیت وہی ہوتی ہے، جو متمدن قومون مین علماء و حکماء کی ہوتی ہے، اور زمانۂ جاہلیت کے شعراء نے عرب مین یہی حیثیت حاصل کر لی تھی،

زمانۂ جاہلیت کے انواع شاعری اہلِ یورپ نے شعر کی چار قسمین کی ہین،

۱۔ رزمیہ جس مین صرف جنگی اور فوجی واقعات بیان کئے جاتے ہین،

۲۔ تاریخی جس مین قومی مفاخر قصے کی صورت مین بیان کئے جاتے ہین، مثلاً ہومر کی ایلڈ اور فردوسی کا شاہنامہ،

۳۔ غنائی جس مین ایک شاعر صرف اپنے جذبات کو ظاہر کرتا ہے، مثلاً غزل اور فخریہ،

۴۔ تمثیلی یعنی ڈرامہ جس مین چند اشخاص کسی واقعہ کو مجسم شکل مین نمایان کرتے ہین،

ان اقسام مین زمانۂ جاہلیت کے شعراء نے طویل رزمیہ نظمین نہین لکھین، اگرچہ زمانۂ جاہلیت مین اس کثرت سے لڑائیان ہوئین کہ اگر اُن کے واقعات نظم کئے جاتے، تو طویل رزمیہ داستانین تیار ہو جاتین، لیکن ابھی تک اہلِ عرب کے تخیل مین اس قدر وسعت پیدا نہین ہوئی تھی کہ وہ ان طویل واقعات کو شاعرانہ قالب مین ڈھال سکتے، اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ رزمیہ شاعری ایک قسم کی ادبی تاریخ ہوتی ہے، یعنی تاریخی واقعات کو شاعرانہ قالب مین ڈھالنا پڑتا ہے، لیکن تاریخی واقعات کی نظم و ترتیب کے لئے تمدنی ترقی کی ضرورت ہے، اور اہلِ عرب نے اس قدر تمدنی ترقی نہین کی تھی، بااینہمہ چھوٹے چھوٹے سادہ قصے عربی شعراء نے نظم کئے ہین،

مثلاً عمرو بن کلثوم اور حارث بن حلزہ کے معلقات میں اس قسم کے قصے موجود ہیں،

یہ بات بھی تعجب انگیز ہے کہ دورِ جاہلیت کی شاعری مذہبی اثرات سے بالکل خالی ہے، عرب ایک بت پرست قوم تھی، اور وہاں سیکڑوں بت پوجے جاتے تھے، لیکن اُن کی شاعری میں کہیں ان بتوں کا نام اور اُن کی پرستش کے طریقوں کا ذکر نہیں آتا، کبھی کبھی وہ لات و عزّیٰ کی قسم تو کھا لیتے ہیں، لیکن عام طور پر اُن کی شاعری مذہبی تاثرات و جذبات سے خالی ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ دورِ جاہلیت کے شعراء ہر زمانہ کے شعراء کی طرح آزاد خیال اور مذہبی جذبات سے خالی ہوتے تھے، اس کا دوسرا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمانہ اسلام کے راویانِ اشعار نے اس قسم کے اشعار کی روایت کو مذہب کے خلاف سمجھ کر چھانٹ دیا، بہرحال دورِ جاہلیت کی شاعری تاریخی واقعات اور مذہبی اثرات سے خالی ہے، عام طور پر اُن کی شاعری غنائی ہے اور اس صنف کے تحت میں غزل، فخریہ، مرثیہ، مدح و ذم اور وصف داخل ہیں، اور دورِ جاہلیت کی عربی شاعری کا تمام تر سرمایہ یہی ہے، بقیہ انواع جستہ جستہ اُن کے کلام میں پائے جاتے ہیں، لیکن ان اصناف میں بھی ہجو کا عنصر عربی شاعری کا جزوِ غالب ہے، کیونکہ قبائلِ عرب میں متصل لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اور جاہلی شعراء تلوار کی زبان کا جواب اپنی شاعرانہ زبان سے دیا کرتے تھے، اسی سلسلہ میں اگر ایک طرف وہ اپنے دشمنوں کے معائب کو دل کھول کر بیان کرتے تھے، تو دوسری طرف اپنی قوم کے محاسن کو خوب چمکاتے تھے، اس لئے ہجو کے بعد فخریہ ان کی شاعری کا دوسرا نمایاں عنصر تھا،

یہی حال غزل کا بھی تھا کہ وہ قصائد کی تشبیب میں عورتوں کے حسن و جمال اور اپنے عشق و محبت کے واقعات کا ذکر کرتے تھے، البتہ اس صنف میں شعراء کی حالت مختلف تھی، امرء القیس کے مضامین میں عریانی اور فحاشی پائی جاتی تھی، اس کے بخلاف عنترہ اور زہیر کے عاشقانہ

خیالات، نہایت متین، سنجیدہ اور پاکیزہ ہوتے تھے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ شعرائے جاہلیت کے کلام میں شراب وکباب کا ذکر بہت کم آتا ہے، اور جہاں آتا ہے اس کا تعلق ایرانی شاعری کی طرح بزم عیش کی رنگینیوں سے نہیں ہوتا، بلکہ اس پردے میں وہ اپنی فیاضی پر فخر کرتے ہیں،

وہ حکیمانہ اور اخلاقی شاعری بھی کرتے تھے، اور شنفری اور زہیر نے اس صنف میں امتیازی حیثیت پیدا کی ہے،

اپنے گرد وپیش کے مناظر کی تصویر بھی جس کو شاعرانہ اصطلاح میں وصف کہتے ہیں، وہ نہایت خوبی کے ساتھ کھینچتے تھے، مثلاً امرؤ القیس نے رات، لبید، اور طرفہ نے اونٹنی کی رفتار، شنفری نے بھوکے بھیڑیوں، نابغہ نے نہر فرات، عنترہ نے نیزوں کے چلنے کی حالت اور کیفیت کا منظر نہایت خوبی کے ساتھ دکھایا ہے، اور اس صنف میں انھوں نے نہایت عمدہ تشبیہات پیدا کی ہیں، جو بالکل خیالی نہیں ہیں،

لفظی اور معنوی حیثیت سے دورِ جاہلیت کی شاعری کی خصوصیات

دورِ جاہلیت کی شاعری اہلِ عرب کی اجتماعی زندگی کا نہایت صحیح مرقع تھی، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ شاعری عرب کا دفتر تھی، جس میں اُن کی لڑائی، تاریخ، اخلاق وعادات، عقل وذہانت کے رجسٹر مرتب کرکے رکھے جاتے تھے، اور دورِ جاہلیت کا ہر شاعر ان رجسٹروں میں وہی واقعات درج کرتا تھا، جن کو وہ آنکھوں سے دیکھتا تھا، اور دل سے محسوس کرتا تھا، اور ان واقعات کو وہ انھی الفاظ میں بیان کرتا تھا، جو نہایت صحت کے ساتھ ان پر دلالت کرتے تھے، یہ وہ خصوصیت ہے جس میں دورِ جاہلیت کے شعراء کا کلام بعد کی عربی شاعری سے علانیہ ممتاز نظر آتا ہے، کیونکہ جاہلی شعراء کا کلام ایجاد تھا، تقلید نہ تھا، لیکن بعد کے عربی شعراء نے صرف اُن کی تقلید کی، اس لئے ان کی شاعری اُن کی زندگی کی اصلی تصویر نہ تھی،

شعراے جاہلیت کے کلام کی ایک اور خصوصیت بے تکلفی اور سادگی ہے، اور یہ اُن کی سادہ بدویانہ زندگی کا لازمی نتیجہ ہے، اس بنا پر اُن کے اشعار غلو اور مبالغہ سے خالی ہوتے ہین، اُن کے الفاظ مین بھی یہی سادگی ہوتی ہے، اس لئے ان کے کلام مین لفظی صناعیان بہت کم پائی جاتی ہین،

اگر ہم مرثیہ کو مستثنیٰ کرین تو ان کے قصائد کا ایک ہی انداز ہوتا ہے، پہلے وہ کسی عورت کے ساتھ تشبیب کرتے ہین، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک جگہ سے سفر کرتے ہین، راہ مین معشوق کے کھنڈر پر گذر ہوتا ہے، تو وہان ٹھہر کر گریہ و زاری کرتے ہین، اور اسی سلسلے مین اس کے حسن و جمال اور اپنے عشق و محبت کا ذکر بھی کرتے ہین پھر اپنے گھوڑے یا اونٹنی کی تیز رفتاری کا تذکرہ کرتے ہین، اور اُن کو اُن جنگلی جانورون سے تشبیہ دیتے ہین جن سے وہ واقف ہوتے ہین، جو چیزین راستہ مین اُن کی نظر سے گذرتی ہین، اُن کا ذکر بھی کرتے ہین، اس کے بعد اصل مطلب پر آتے ہین، لیکن اُن کی تشبیب اور گریز مین کوئی ربط و علاقہ نہین ہوتا، قصیدے کا خاتمہ بھی اسی بے تکلفی سے کرتے ہین، کبھی کبھی قصیدے کے اخیر مین چند حکیمانہ شعر بھی کہہ جاتے ہین،

ان تمام خصوصیات کی واضح ترین مثال وہ قصائد ہین، جو "معلقات" کے نام سے مشہور ہین، ان مین سب سے بڑے قصیدہ کے اشعار کی تعداد ایک سو پانچ شعر اور سب سے چھوٹے قصیدہ کے اشعار کی تعداد ۶۴ ہے،

اس موقع پر دو باتون کا ذکر نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے،

۱- ایک یہ کہ شعراے جاہلیت کا کلام خلافت عباسیہ کے پہلے دور مین قید تحریر مین آیا، اس دور سے پہلے اس کی روایت زبانی طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ زمانہ جاہلیت مین ہر شاعر کے اشعار کا ایک خاص راوی ہوتا تھا، جو اس کے اشعار کو یاد کرتا اور اس کی روایت کرتا تھا، اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جو شخص راوی ہوتا تھا، وہ خود بھی شاعر ہوتا تھا، مثلاً امرؤ القیس، ابی

دواد الایادی ، زہیر اوس بن حجر تمیمی اور حطیئہ عیسیٰ زہیر مزنی کے راوی تھے، اور خود بھی بہت بڑے شاعر تھے، لیکن چونکہ شعر کہنے کے ساتھ ہی اشعار جاہلیت قید تحریر مین نہین لائے جاتے تھے اس لئے شعرائے جاہلیت کے بعض اشعار مشکوک سمجھے جاتے ہین اور بہت سے اشعار کی روایت مختلف الفاظ مین کی جاتی ہے،

۲۔ دوسرے یہ کہ زمانۂ جاہلیت کے تمام اشعار ہم تک عدنانی زبان مین پہنچے ہین، یمنی زبان کا کوئی شعر ہم تک نہین پہنچا ہے، حالانکہ یمنی زبان عدنانی زبان سے بہت سی باتون مین مختلف تھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جزیرۂ عرب کا شمالی حصہ دورِ جاہلیت کی شاعری کا مرکزی مقام تھا، اور اسلام سے بہت پہلے ایسے مؤثرات پیدا ہوگئے تھے جنھون نے عرب کی زبانون مین اتحاد پیدا کر دیا تھا، اور قریش کی زبان کو ان سب پر فضیلت حاصل ہوگئی تھی،

۱۔ ان مین پہلا موثر تو یہ تھا کہ بہت سے یمنی قبائل قبیلۂ مضر کے وطن یعنی شمال مین ہجرت کرکے آگئے تھے، اور انھی کی زبان بولنے لگے تھے، خانۂ کعبہ کی زیارت کے لئے قریش کے وطن مکہ مین جو مختلف قبائل آتے رہتے تھے، وہ بھی قریش کی زبان سے متاثر ہوتے رہتے تھے،

۲۔ دوسرا موثر یہ تھا کہ عرب کے مختلف بازارون اور میلون مین عرب کے قبائل جمع ہو کر اپنے اشعار اور اپنے خطبات پیش کرتے تھے، اور ان مین سب سے اہم عکاظ کا بازار تھا جو مکہ کے قریب تھا،

۳۔ تیسرا سبب یہ تھا کہ قرآن قریش ہی کی زبان مین نازل ہوا تھا، اس لئے راویون نے اس زبان کے علاوہ دوسری زبانون کے اشعار کی روایت ہی نہین کی، کیونکہ ان زبانون کے اشعار سند مین پیش نہین کئے جا سکتے تھے، اور حمیر کی زبان مضر کی زبان کے مقابل مین ایک عجمی زبان سمجھی جاتی تھی، بااین ہمہ یمنی شعراء کے اشعار حمیری الفاظ سے بالکل خالی نہین ہین، مثلاً امرء القیس جو یمنی قبائل سے تعلق

رکھتا ہے کہتا ہے :۔

"وانّ شنائی عبرۃ مہراقۃ"

اس شعر میں "اہراق" کا فعل یمنی زبان کا لفظ ہے، اس کے برخلاف مضری زبان کا لفظ "اراق" ہے،

معلقات شعرائے جاہلیت کے قصائد میں چند طویل قصیدوں کا نام "معلقات" ہے جس کے معنی لٹکائے جانے کے ہیں اور اُن کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ اہل عرب نے قدیم شاعری کے سات قصیدوں کا انتخاب کیا، اور اُن کو عمدہ ریشمی کپڑوں میں سنہرے حروف سے لکھ کر خانہ کعبہ کے پردوں میں آویزاں کیا، اسی بنا پر ان قصیدوں کو معلقات کی طرح مذہبات بھی کہا جاتا ہے، یعنی وہ قصیدے جو سنہرے حروف میں لکھکر خانہ کعبہ کے پردوں میں لٹکائے گئے، ابن عبدربہ نے اپنی کتاب عقد الفرید میں، ابن رشیق نے اپنی کتاب العمدۃ میں اور ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اسی روایت کی تائید کی ہے، اور یہ تینوں مصنف مغرب یعنی اندلس کے رہنے والے ہیں لیکن بہت سے علماء نے اس روایت کا انکار کیا ہے، اور ان کا خیال ہے کہ عباسی دور میں حماد راویہ المتوفی ۱۵۶ھ نے جب دیکھا کہ لوگوں میں شاعری کا ذوق کم ہو رہا ہے، تو اس نے ان قصائد کو جمع کیا، اور ان کا نام "مشہورات" رکھا، بہرحال ان علماء کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ یہ قصائد خانہ کعبہ کے پردوں میں آویزاں کئے گئے، اس مسئلہ میں دورِ جدید کے محققین میں بھی باہم اختلاف ہے، اور سب نے مختلف دلائل سے اپنے اپنے نظر کی تائید کی ہے،

ان قصائد اور ان قصائد کے کہنے والے شعراء کی تعداد میں بھی اختلاف ہے، بعض کے نزدیک اُن کی تعداد آٹھ اور بعض کے نزدیک دس ہے، لیکن اُن کی مشہور تعداد سات ہے، اور جن شعراء نے یہ قصائد کہے ہیں، ان کے نام یہ ہیں، امرؤ القیس، زہیر، طرفہ، لبید، عنترہ، عمرو بن کلثوم، حارث بن حلزہ،

۱- امرء القیس | امرء القیس شاہی خاندان کا آدمی تھا اور رندانہ زندگی بسر کرتا تھا، اس لئے اسکی شاعری اس کی زندگی کا صحیح مرقع ہے جس مین سیر و شکار، شراب و کباب اور معشوقون کے اختلاط اور میل جول کا ذکر اکثر آتا ہے لیکن وہ عاشقانہ مضامین کو اس قدر عریانی اور بیباکی کے ساتھ بیان کرتا ہے، جو فحاشی کی حد تک پہنچ جاتی ہے، بااین ہمہ تمام مورخینِ ادب کے نزدیک سب سے پہلے اس نے عربی شاعری مین نئے نئے مضامین پیدا کئے، اور اس مین نئے نئے اصناف کا اضافہ کیا، سب سے پہلے اس نے غزل کی ابتدا کی، اور مناظر قدرت پر طویل نظمین لکھین، اور نئی نئی تشبیہیں پیدا کین، اس کے مجموعۂ اشعار مین سب سے زیادہ شہرت اس کے معلقہ کو حاصل ہے، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اس کو اپنے ایام شباب مین کہا ہے اور اس مین اپنی چچا زاد بہن عنیزہ کے ساتھ اپنے عشق و محبت کا واقعہ بیان کیا ہے، اس مین سب سے پہلے اس نے معشوق کے کھنڈر پر گریہ وزاری کی ہے، پھر عاشقانہ خیالات کا سلسلہ شروع کیا ہے، اور دوستون کے ساتھ اپنی رندانہ صحبتون بالخصوص دارۂ جلجل کے دن کا ذکر نہایت عریان الفاظ مین کیا ہے، اس کے بعد بہت سے قدرتی مناظر دکھائے ہین، اور اس سلسلہ مین سب سے پہلے رات کی درازی کی تصویر کھینچی ہے، پھر ایک ویران میدان کا نقشہ کھینچا ہے، اس کے بعد اپنے گھوڑے کے ڈیل ڈول اور اس کی تیز رفتاری کا منظر دکھایا ہے، پھر نیل گاؤ کے شکار کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد بجلی کے چمکنے اور پانی کے برسنے کی کیفیت دکھائی ہے، اور ان سب کا خاتمہ اس پر کیا ہے کہ چڑیون نے جب بارش اور بارش کی پیدا کی ہوئی تر و تازگی دیکھی ہے تو چہچہانے لگی ہین،

اس کے دیوان مین اور بھی بہت سے بڑے بڑے قصیدے ہین، جن کا امتیازی وصف منظر نگاری ہے، بالخصوص وہ گھوڑے، اور سیر و شکار کا منظر نہایت خوبی کے ساتھ دکھاتا ہے، اسی طرح وہ نئی نئی تشبیہات کا ڈھیر بھی لگا دیتا ہے، مثلاً عورتون کو ہرن، اور انڈے سے اور گھوڑے کو عقاب اور

عصا سے سب سے پہلے اُسی نے تشبیہ دی ہے، اور اس کے بہت کم اشعار تشبیہ سے خالی ہوتے ہیں، اُس نے شام اور یمن کے جو بہت سے سفر کئے ہیں، انھوں نے بھی اُس کے خیالات میں وسعت پیدا کی ہے، اور نئے نئے الفاظ کے استعمال کا موقع دیا ہے، چنانچہ اُس نے اپنے محبوب کے جلوؤں کو راہب کے چراغ اور اس کے سینے کو سجنجل سے تشبیہ دی ہے، اور سجنجل رومی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی آئینہ کے ہیں،

امرؤ القیس نے بہت سے اشعار ایسے لکھے ہیں، جو عربی زبان میں ضرب المثل ہوگئے ہیں،

۲- طرفہ | طرفہ قبیلہ ربیعہ کا شاعر ہے اور وہ اپنی قوم کے ساتھ بحرین میں رہتا تھا، مختلف شہروں کی سیاحت کر کے رندانہ زندگی بسر کرتا تھا، اس طرح جب اُس نے شراب و کباب میں اپنا سارا مال ضائع کر دیا تو پھر اپنے اعزہ و اقربا کے پاس واپس آیا، اور اس کے بھائی نے اس کی مالی امداد کی، لیکن اس مال کو بھی اُس نے اُڑا دیا، اس کے بعد اس نے عمرو بن ہند کے دربار کا قصد کیا، جو ۵۵۴ء میں تخت نشین ہوا تھا، اور شعراء کا بڑا قدردان تھا، عمرو بن ہند نے اس کا خیر مقدم کیا، اور اپنے بھائی قابوس کا مصاحب بنا دیا، جو رندانہ زندگی بسر کرتا تھا، اور سیر و شکار کا بڑا شوقین تھا، طرفہ بھی اس کی رنگین صحبتوں میں شریک ہوتا تھا، اور اُس کے ساتھ سیر و شکار کو بھی جاتا تھا، لیکن وہ بذات خود ایک آزاد شخص تھا، اور مصاحبت کی ذلیل زندگی کو ناپسند کرتا تھا، اس لئے اُس نے عمرو بن ہند اور اس کے بھائی قابوس کی ہجو لکھی، جس کے پاداش میں عمرو بن ہند نے اُس کو حیلہ سے قتل کرا دیا،

اس نوجوان شاعر کا جس نے ۲۶ سال کی عمر میں وفات پائی سب سے بڑا شاعرانہ کارنامہ اس کا یہی طویل معلقہ ہے، جس کے اشعار کی تعداد ۱۰۵ ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے عمرو بن ہند کے دربار میں پہنچنے سے پہلے اس معلقہ کو لکھا ہے جب کہ وہ اپنا تمام مال رندی اور اوباشی میں تلف کر چکا تھا، اور اپنی قوم میں خالی ہاتھ واپس آیا ہے، اس کے معلقہ کا موضوع خود اس کے ذاتی حالات اور زندگی کے متعلق اس کا خاص زاویۂ نگاہ ہے، اُس نے اس میں کسی کی مدح نہیں کی ہے، اور تغزل کے جو

اشعار اوس نے لکھے ہین، وہ صرف رسمی ہین، خود اس کے معلقہ کا اصلی موضوع نہین ہے، اس کے
اشعار سے علانیہ اس کے وطن اور اس کے ماحول پر روشنی پڑتی ہے، کیونکہ ہم ابھی بیان کر چکے ہین
کہ وہ بحرین یعنی خلیج فارس کا باشندہ تھا، جہان کشتی رانی کا منظر ہمیشہ اس کی آنکھون کے سامنے
رہتا تھا، اسی لئے اُس نے اپنے معشوقہ خولہ کی سواری کو کشتی سے اور اونٹ کی رفتار کو کشتی کے
چلنے سے تشبیہ دی ہے، اوس نے اپنی معشوقہ کی اونٹنی کے وصف کو بھی نہایت طول دیکر لکھا ہے
اور اس کے متعلق ۳۰ شعر لکھے ہین، جس مین نئی نئی تشبیہین پیدا کی ہین، مثلاً اس کی ہڈیون کو تابوت
کے تختے سے اُس کے دُم کے بال کو گدھ کے سفیدی مائل پرون سے، اس کی رانون کو شاندار محل
کے پھاٹک سے، اس کے قد و قامت کی بلندی کو رومی پل سے اور اس کی گردن کو کشتی کے تیوار
سے تشبیہ دی ہے، اس کے بعد اس نے قصیدہ کے اصل مقصد کی طرف گریز کی ہے یعنی اپنی ذات پر
فخر کیا ہے، اور اپنے اوصاف گنائے ہین، اور یہ دکھایا ہے کہ اوس نے زندگی کو کس نگاہ سے دیکھا
ہے، اس کے ذاتی اوصاف یہ ہین کہ وہ بڑا بہادر، بڑا فیاض، صاحب رائے اور بڑا عالی نسب ہے،
اس نے اپنی رندی و ہوسناکی کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ وہ اس مین اس قدر منہمک ہوا کہ اس کو اسکی
قوم نے برادری سے خارج کر دیا، پھر ان لوگون پر خود لعنت ملامت کرتا ہے کہ جب زندگی چارون
کی چاندنی ہے، تو اس کو لطف و مسرت کے ساتھ کیون نہ گذارا جائے، گویا وہ پہلا عربی شاعر ہے
جس نے سب سے پہلے خواجہ حافظ اور خیام کے فلسفہ زندگی کی بنیاد قائم کی، سب سے اخیر مین اس نے
چند حکیمانہ اشعار پر اس قصیدہ کو ختم کیا ہے، بہرحال یہ قصیدہ عرب کے بہترین قصائد مین اسلئے
شمار کیا جاتا ہے کہ وہ چند جدید مضامین پر مشتمل ہے جو الفاظ کی سلاست اور معانی کی وضاحت
کے ساتھ بیان کئے گئے ہین، اور قبیلہ ربیعہ کی تمام شاعری کا یہ امتیازی وصف ہے، اس قصیدہ
کا ایک خاص امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ وہ عرب کے ایک خاص طبقہ یعنی لذت پرست لوگون کی

اجتماعی زندگی کا نہایت عمدہ خاکہ قائم کرتا ہے، جو شراب و کباب پر اپنی دولت کو قربان کر دیتا اور چند روزہ زندگی کو ہیچ سمجھتا ہے، اس کے برعکس عرب مین ایک طبقہ اور بھی تھا جس کی زندگی کی شرح و تفسیر جیسا کہ آگے آئے گا زہیر کرتا ہے،

۳۔ عمرو بن کلثوم | قبیلہ تغلب سے تعلق رکھتا ہے، جو جزیرہ اور جزیرہ کے اطراف مین رہتا تھا، اور عرب کا معزز ترین قبیلہ شمار کیا جاتا تھا، اس کا باپ اپنی قوم کا سردار تھا، اور اسکی ماں عرب کے مشہور شاعر مہلہل کی بیٹی تھی، قبیلہ تغلب اور قبیلہ بکر مین ہمیشہ جنگ رہا کرتی تھی، اور جنگ بسوس جو عرب کی مشہور لڑائیوں مین ہے، انہی دونون قبیلون مین ہوئی تھی لیکن حیرہ کے بادشاہ منذر نے ان دونون قبائل مین مصالحت کرا دی، اور جب اس کا بیٹا عمرو بن ہند اس کی جگہ حیرہ کا بادشاہ ہوا، تو اس نے بھی اپنے باپ کی تقلید کی، سوء اتفاق سے ایک موقع پر پھر دونون قبیلون مین جنگ کی صورت پیدا ہو گئی، جس مین قبیلہ تغلب کے بہت سے لوگ کام آئے، قبیلہ تغلب نے قبیلۂ بکر سے اُن کی دیت طلب کی، اور عمرو بن ہند کے سامنے اس معاملہ کو فیصلہ کے لئے پیش کیا، اور دونون قبیلون نے اس موقع پر باہم مفاخرت کی، اس وقت قبیلۂ تغلب کا سردار عمرو بن کلثوم اور قبیلۂ بکر کا شاعر حارث بن حلزہ تھا، اسی موقع پر عمرو بن کلثوم اور حارث بن حلزہ نے اپنے اپنے معلقہ کا ایک حصہ کہا جس مین دونون نے اپنے اپنے قبیلے کے مفاخر بیان کئے،

ایک روایت یہ ہے کہ حیرہ کے بادشاہ عمرو بن ہند نے ایک بار اپنے ہمنشینون سے کہا کہ "کیا تمھارے علم مین عرب کا کوئی شخص ایسا بھی ہے، جس کی ماں میری ماں کی خدمت گذاری کو اپنے لئے عار سمجھے" اُن سب نے کہا کہ "صرف عمرو بن کلثوم کی ماں لیلی ایک ایسی عورت ہے کیونکہ اس کا باپ مہلہل اور اس کا چچا کلیب وائل عرب مین سب سے زیادہ معزز سمجھے جاتے ہین، اور اس کا شوہر کلثوم بن عتاب عرب کا سب سے بڑا شہسوار اور اس کا بیٹا عمرو بن کلثوم اپنے قبیلے

کا سردار ہے" یہ سُن کر عمرو بن ہند نے عمرو بن کلثوم سے ملاقات کی خواہش کی، اور ساتھ ساتھ یہ پیغام بھی دیا کہ اس کی ماں بھی اس کی ماں سے ملاقات کرے، اور عمرو بن ہند نے اس کی خواہش پوری کر دی، عمرو بن ہند نے پہلے ہی سے اپنی ماں کو سمجھا دیا تھا کہ وہ خادمون کو اپنے پاس سے ہٹا دے اور جب لیلی آئے، تو اس سے خدمت گذاری کا کام لے، اس بنا پر عمرو بن ہند کی ماں نے لیلی سے کہا کہ "مجھے یہ طشت اٹھا کر دیدو" لیلی نے کہا کہ صاحب حاجت کو اپنی حاجت خود پوری کرنی چاہئے، اس نے پھر یہی خواہش کی، اب لیلی بے اختیار پکار اٹھی کہ" ہائے قبیلۂ تغلب کی ذلت" عمرو بن کلثوم نے اپنی ماں کی یہ آواز سُنی تو غصہ سے تلملا اوٹھا، اور خود عمرو بن ہند کی تلوار سے جو سامنے لٹک رہی تھی، عمرو بن ہند کا کام تمام کر دیا، اور اُس نے اپنے معلقہ کے ایک حصہ مین اسی واقعہ کا ذکر کیا ہے، اگرچہ عمرو بن کلثوم نے بڑی عمر پائی، لیکن اس معلقہ کے سوا اس کے بہت کم اشعار ہم تک پہونچے ہین، اس معلقہ کی ابتدا مین اس نے اپنی شراب خواری کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد چند شعر غزل کے کہے ہین، پھر قصیدہ کے اصل موضوع کی طرف رجوع کیا ہے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہو کہ اس موضوع کے دو حصے ہین، اور دونون مختلف اوقات مین کہے گئے ہین، پہلا حصہ اوس وقت کہا گیا ہے، جب اس کی قوم کا معاملہ فیصلہ کے لئے عمرو بن ہند کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اور اس موقع پر قبیلہ بکر و تغلب مین مفاخرت ہوئی ہے، اور اس نے اپنی ذات اپنی قوم اور اپنی قوم کے جنگی کارنامون پر فخر کیا ہے،

اس معلقہ کا امتیازی وصف سلاست، زور بیان اور اپنے اور اپنی قوم پر انتہائی تفاخر ہی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار ایک قوم کے سردار کے دل و زبان سے نکلے ہین،

قبیلۂ تغلب پر اس معلقہ کا نہایت گہرا اثر پڑا، اور انھون نے اس کو اپنا قومی ترانہ بنا لیا،

۴- حارث بن حلزہ | حارث بن حلزہ قبیلہ بکر کا سردار تھا، اور جیسا کہ ہم نے ابھی بیان

کیا ہی، قبیلہ بکر و تغلب مین باہم سخت دشمنی تھی، جس نے لڑائیون کا ایک طویل سلسلہ قائم کر دیا تھا:
جس کے انسداد کے لئے لوگون نے مصالحت آمیز کوششین کین، لیکن یہ مصالحت بہت دنون تک
قائم نہ رہ سکی،

ہم نے عمرو بن کلثوم کے تذکرے مین بیان کیا ہے کہ عمرو بن کلثوم قبیلہ تغلب کا سردار
اور شاعر اور حارث بن حلزہ قبیلہ بکر کا شاعر تھا، اس لئے جب دونون قبیلون کا معاملہ تصفیہ
کے لئے عمرو بن ہند کے سامنے پیش ہوا، تو اس موقع پر عمرو بن کلثوم نے اپنے فخریہ معلقہ کا ایک حصہ
کہا، اور اس کے جواب مین حارث بن حلزہ نے اپنی قوم کے فخرآمیز کارنامے بیان کئے، اور عمرو
ابن کلثوم کے قول کی تردید کی، اور عمرو بن ہند کے سامنے اپنا معلقہ پڑھ کر سنایا،

اگرچہ عمرو بن کلثوم نے اپنے قصیدہ مین نہایت پرزور طریقہ پر فخاری کی، لیکن عمرو بن ہند
نے اس کی طرف توجہ نہین کی، اور اس کی اور اس کی قوم کی عظمت کا اعتراف نہین کیا، بلکہ اسکے
اشعار مین ایک قسم کا اوچھاپن پایا جاتا ہے، لیکن حارث بن حلزہ ایک باوقار، بردبار اور مسن شخص ہی،
اس لئے وہ عمرو بن کلثوم کی تردید بھی باوقار طریقہ پر کرتا ہے، لیکن اس کی مٹھاس مین تلخی بھی پائی
جاتی ہے، وہ اپنی قوم کے جنگی کارنامون کو گنتا ہے، تو جنگ کے ناگوار نتائج کو تغلب کے سرتھوپ
دیتا ہی، اور آہستہ آہستہ عمرو بن ہند کو اپنی جانبداری کی طرف مائل کرتا ہے، اس لئے اس کی اور
اُس کی قوم کی مدح کرتا ہے، یہان تک کہ اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے، اور اس سے اپنے قبیلہ کے
موافق فیصلہ کرا لیتا ہے،

اوس نے معلقہ کی ابتدا غزل یعنی تشبیب سے کی ہے، اور اپنی اونٹنی کے اوصاف گنائے ہین
لیکن اس سے سرسری طور پر گذر کر اپنا اصل مقصد شروع کر دیا ہے، اور اخیر مین بہت سے ایسے اشعار
لکھے ہین، جو تاریخی اور سیاسی حیثیت سے بہت اہم سمجھے جاتے ہین، بہرحال عمرو بن کلثوم نہایت

خوددار اور بلند مرتبہ شخص تھا جس نے اپنی ذات اور اپنی قوم کو عمرو بن ہند کی ذات اور اس کی قوم کے ہم پلہ بنا دیا ہے لیکن حارث بن حلزہ ایک ہوشیار مدبر شخص ہے جس نے اپنے سامنے ایک مقصد رکھا ہے جس کو تدبیر، اشارات اور خوشامد سے حاصل کر لیا ہے،

۵۔ عنترہ وہ قبیلہ مضر کے ایک مشہور قبیلہ عبس سے تعلق رکھتا ہے، جو نجد مین رہتا تھا، اس کی ماں جس کا نام "زبیبہ" تھا، ایک حبشی لونڈی تھی، اور اہل عرب لونڈیون کی اولاد کو اپنا غلام سمجھتے تھے البتہ اگر وہ کوئی بڑا کام کرتے تھے، تو ان کو اپنا لڑکا تسلیم کر لیتے تھے، اسی طریقہ کے مطابق عنترہ کو اس کا باپ اپنا غلام سمجھتا تھا لیکن ایک بار قبیلہ طے کے کچھ لوگ قبیلہ عبس کے کچھ اونٹ لوٹ لے گئے، تو عنترہ نے ان پر حملہ کیا، اور اونٹون کو واپس لایا، اس کارنامہ کے صلہ مین اس کے باپ نے اس کو آزاد کر دیا، اور اپنا بیٹا تسلیم کر لیا،

عنترہ اپنی ماں کی طرح سیاہ فام تھا، اور اس جسمانی عیب پر اپنی بہادری اور شجاعت سے پردہ ڈالتا تھا، وہ اپنی آزادی سے پہلے اپنی چچازاد بہن "عبلہ" پر فریفتہ تھا لیکن اُس کا چچا اپنی بیٹی کو ایک غلام کے نکاح مین دینا پسند نہین کرتا تھا، اس لئے عنترہ غلامی کے اس داغ کے مٹانے کے لئے مجد و شرف کے حاصل کرنے کی سعی بلیغ کرتا تھا، اور اس جد وجہد نے اس کی شاعرانہ قوت کو ابھار دیا، اور اوس مین شاعری، غیر معمولی بہادری اور مروت کے جوہر پیدا ہو گئے، اور اس طرح جب وہ ایک آزاد سردار ہو گیا، تو اُس کے چچا نے عبلہ سے اس کی شادی کر دی،

اوس نے داحس اور غبرا کی لڑائی مین بھی شرکت کی، اور اس مین اپنی پامردی سے اپنی قوم کے نام کو روشن کیا،

اس کے اشعار مین اس کا معلقہ سب سے زیادہ شہرت رکھتا ہے جس کا امتیازی وصف شجاعت اور بدویانہ اخلاق فیاضی اور مروت کی تعریف ہے، اس معلقہ کی ابتدا اُس نے عبلہ کے عشق و محبت

سے کی ہے، اور چونکہ اپنے حسن و جمال اور اصل و نسب کے ذریعہ سے اس کو اپنی طرف مائل نہین کر سکتا تھا، اس لئے اپنے جنگی کارنامون کے ذریعہ سے اس کو اپنی طرف مائل کیا ہے، ان جنگی کارنامون کے علاوہ اس معلقہ مین اکثر مکارم اخلاق کا ذکر بھی کرتا ہے،

اس کی شجاعت نے اس قدر دلچسپی پیدا کر لی کہ لوگون نے اس کے متعلق بہت سے من گڑھت قصے بنائے، اور اس کے دیوان مین ایسے بہت سے قصائد شامل کر دیے جو ثقات کے نزدیک صحیح نہین ہین، بالخصوص عنترہ کے قصہ مین جو واقعات اور اشعار مذکور ہین، وہ بالکل خیالی ہین،

۶۔ زہیر | وہ مضر کے ایک قبیلہ مزینہ سے تعلق رکھتا ہے، جو بلاد غطفان مین آباد تھا، وہ ایک ایسے خاندان کا آدمی ہے جس مین بہ کثرت شعراء پیدا ہوئے، مثلاً اس کے باپ کا ماموں بشامہ ابن الغدیر شاعر تھا، اور شاعری کے ساتھ حکیمانہ خیالات رکھتا تھا، اور صائب الرائے تھا، اس لئے قبیلۂ غطفان کے لوگ جب جنگ کرنا چاہتے تھے، تو اس سے مشورہ لیتے تھے، اور اس کے مشورون پر عمل کرتے تھے، اور جب جنگ کر کے واپس آتے تھے، تو مال غنیمت مین سے اس کو وہی حصہ دیتے تھے، جو اپنے بہترین شخص کو دیتے تھے، زہیر نے اس کی صحبت مین اپنے اندر یہ دونون خصوصیتین پیدا کین، اسی طرح اس کی مان کا شوہر اوس بن حجر، اس کا باپ، اس کی بہن سلمی، اور اس کے دونون بیٹے کعب اور بجیر سب کے سب شاعر تھے،

قبیلۂ غطفان کے دو قبیلے عبس و ذبیان مین سخت عداوت تھی، اور اس عداوت نے غطفان کے ملک کو ایک میدان جنگ بنا دیا تھا، اور اس جنگ نے زمانۂ جاہلیت کے ادبی سرمایہ مین بڑا اضافہ کر دیا تھا، اور اس سلسلہ مین بہت سے فخریہ اشعار لکھے گئے تھے، بہت سی ہجوین لکھی گئی تھین، بہت سے اشعار کے ذریعہ سے جنگ و انتقام پر بھڑکایا گیا تھا، اور واقعات جنگ نے رزمیہ داستانون کا ایک ذخیرہ مہیا کر دیا تھا، عنترہ عبسی کے بہت سے اشعار اسی جنگ کے آخری حالات سے تعلق رکھتے ہین،

اور زہیر نے بہت سے اشعار کے ذریعہ سے ان دونون قبیلون کو مصالحت کی طرف مائل کیا ہے، قبیلۂ ذبیان کے دو سردار ہرم بن سنان اور حارث بن عوف نے ان دونون قبیلون مین صلح کرانے کی انتہائی کوشش کی تھی، اور مقتولین کی دیت کا بار بھی اپنے سر لے لیا تھا، اس بنا پر زہیر نے بھی اُن کی تائید کی اور ان دونون کی مدح مین اشعار کہے، بالخصوص ہرم بن سنان کی بہت زیادہ مدح کی، اور ہرم نے بھی اس کو گران قدر صلے دیئے،

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زہیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر وفات پائی،

زہیر کی شاعرانہ خصوصیات یہ ہین کہ وہ ہرزہ گوئی سے نہایت احتراز کرتا تھا، بہت سے معنی کو تھوڑے سے الفاظ مین بیان کر دیتا تھا، غیر فصیح اور نامانوس الفاظ کو استعمال نہین کرتا تھا، اور ہر شخص کی مدح انہی اوصاف کے ساتھ کرتا تھا، جو درحقیقت اس مین موجود ہوتے تھے، وہ نہایت غور و فکر کے ساتھ شعر کہتا تھا، چنانچہ ایک مہینہ مین ایک قصیدہ لکھتا تھا، اور پورے ایک سال تک اسکی کانٹ چھانٹ مین مصروف رہتا تھا، اس بنا پر لوگ اس کے قصائد کو "حولیاتِ زہیر" کہتے تھے، لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا محو و اثبات اس کے معلقہ اور چار طویل قصائد کے ساتھ مخصوص ہے، تاہم غور و فکر کا اثر اس کے تمام اشعار سے علانیہ ظاہر ہوتا ہے، اور اس کے اس غور و فکر مین ثبات اور سنجیدگی کے آثار نمایان ہوتے ہین، وہ اپنے موضوع کے مناسب مضامین کا انتخاب کرتا ہے اور ان مضامین کو بہترین الفاظ مین بیان کرتا ہے، نرمی کے مواقع پر نرمی سے اور سختی کے مواقع پر سختی سے کام لیتا ہے،

اسی طرح اس کا میلان حکیمانہ خیالات کی طرف پایا جاتا ہے، اُس نے زمانہ کا خوب تجربہ کیا ہے، اور لوگون کی نفسیات کا بڑا ماہر ہے، اور ایسے مضامین ایجاد کئے ہین جو اس سے پہلے کسی کے خیال مین نہین آئے تھے، ابتدائے اسلام مین مسلمانون نے اس کے حکیمانہ خیالات کو

بہت پسند کیا ہے، اور بعض مسلمانون نے اس کو تمام شعراء پر ترجیح دی ہے، کیونکہ اس کے کلام مین صداقت پائی جاتی ہے، اور اس کے بعض خیالات اسلامی اصول کے ساتھ مطابقت رکھتے ہین،

اس کا بہترین قصیدہ اس کا یہی معلقہ ہے، جس کے اشعار کی تعداد ۵۹ ہے، اس کا موضوع قبیلۂ عبس و ذبیان مین مصالحت کرانا اور ہرم بن سنان اور حارث بن عوف کی مدح کرنا ہے، جنھون نے اس مصالحت کے لئے کوششین کی ہین، اس معلقہ کے ابتدائی ۱۵ اشعار مین اُس نے ام اوفی کے ساتھ تشبیب کی ہے، جو اس کی بی بی تھی، پھر ۱۰ شعر ہرم بن سنان اور حارث ابن عوف کی مدح مین کہے ہین، اس کے بعد آٹھ شعرون مین دونون جنگجو گروہون کو مخاطب کیا ہے، اور اُن کو مصالحت کی ترغیب دی ہے، اور ان اشعار مین جنگ کے مصائب اور صلح کی فضیلت کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے، پھر حصین بن ضمضم پر چوٹ کی ہے جس نے فریقین کے آمادۂ صلح ہوجانے کے بعد دوبارہ آتشِ جنگ کو بھڑکانا چاہا ہے، ۴۸ شعر تک پہنچکر اس نے چند حکیمانہ اشعار پر اپنے معلقہ کو ختم کیا ہے، اور ان مین بعض اشعار اُن کے اصل موضوع یعنی دعوتِ صلح سے مناسبت رکھتے ہین،

لیکن اس کے بعض اشعار بظاہر اس موضوع کے مخالف ہین، مثلاً اس شعر مین:-

ومن لا یذد عن حوضہ بسلاحہ یھدم ومن لا یظلم یظلم

جو شخص اپنے حوض کی مدافعت اپنے ہتھیار سے نہین کرتا، اس کا حوض ڈھادیا جاتا ہے،

اور جو شخص ظلم نہین کرتا اوس پر ظلم کیا جاتا ہے"،

اُس نے ظلم کرنے اور ہتھیار اٹھانے کی ترغیب دی ہے، اور غالباً اس نے اپنے موضوع کو چھوڑ کر اہلِ عرب کی اصلی زندگی کو نمایان کیا ہے،

۷- لبید | وہ مضری قبیلہ کا آدمی ہے، اور اس کی مان قبیلۂ بنو عبس سے تعلق رکھتی ہے،

زمانۂ جاہلیت مین وہ ایک بہادر اور فیاض شاعر تھا، اور زمانۂ اسلام مین مسلمان ہوکر مدتون زندہ رہا، یہان تک کہ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت مین وفات پائی، اوس نے زیادہ تر اشعار زمانۂ اسلام سے پہلے کہے ہین، اور اسلام لانے کے بعد اُس نے بہت کم شعر کہے، وہ ایک بدوی شاعر تھا اور اپنے اشعار مین بدویانہ صحرائی زندگی کا وصف بیان کرتا ہے، اس کے معلقہ مین اسی زندگی کے خال وخط نظر آتے ہین، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوس نے اس کو اپنے عہدِ شباب مین لکھا ہے، اور اس سے قبیلۂ مضر کی شاعرانہ متانت اور قوت کا اظہار ہوتا ہے،

اس معلقہ مین اوس نے سب سے پہلے اہل عرب کے عام دستور کے مطابق معشوق کے مٹے ہوئے کھنڈر پر ٹھہر کر گریہ وزاری کی ہے، پھر اپنی اونٹنی کے اوصاف بیان کئے ہین، اور اس کی تیز رفتاری کو بہت سی تشبیہات کے ذریعہ سے نمایان کیا ہے، کبھی اس کو بادل سے جس کو دکن کی ہوا اڑائے ہوئے لئے جارہی ہے، کبھی جنگلی گدھے سے کبھی نیل گاؤ سے جس کا بچہ گم ہوگیا ہے، اور وہ اس کی تلاش مین دوڑ دھوپ کر رہی ہے تشبیہ دی ہے، اور ہر تشبیہ مین مشبہ بہ کے تمام اوصاف کا استقصار کیا ہے، جن سے ان تشبیہات مین نہایت زور اور مبالغہ پیدا ہوگیا ہے، اس کے بعد اپنی خودداری اور فیاضی کا ذکر کیا ہے، پھر اپنی قوم کی شجاعت، ذہانت اور دیانت کی تعریف کی ہے، اپنے دورِ شباب کے بعد اُس نے ادھیڑ عمر یا بڑھاپے مین جو اشعار کہے ہین، اُن مین حکمت اور مذہبی احساسات کے آثار نمایان ہین،

اصحابِ معلقات کے علاوہ اور بھی بہت سے جاہلی شعراء ہین جو اُن سے شاعری اور شہرت مین کسی طرح کم نہین لیکن اُن مین نابغہ ذبیانی اور اعشیٰ سب سے زیادہ مشہور ہین، اور بعض علماء نے ان کو بھی اصحابِ معلقات مین داخل کیا ہے،

نابغہ اس درجہ کا شاعر ہے کہ عکاظ کے میلے مین اس کے لئے چمڑے کا ایک خیمہ نصب کیا جاتا تھا

اوراس مین عرب کے تمام شعراء جمع ہوکراس کواپنے اپنے قصائد سناتے تھے، اور وہ یہ فیصلہ کرتا تھا کہ ان مین بہترین قصیدہ کس کا ہے، امرء القیس کے بعد نابغہ نے عربی شاعری کی ترقی کا ایک قدم اور آگے بڑھایا اور سلاست، جزالت اور سادگی کے ساتھ نئے نئے مضامین پیدا کئے، اور وصف نگاری مین خاص شہرت حاصل کی، اعشیٰ ایک سیاح شاعر ہے، اوراس نے تمام جزیرۂ عرب کی سیاحت کی ہے، اوراس سیاحت نے اس کے علم وتجربہ مین بڑا اضافہ کیا ہے، اوراُس نے چند تاریخی واقعات نظم کئے ہین، اوس کے اشعار مین چند فارسی الفاظ پائے جاتے ہین، اور غالبًا اس نے حیرہ کی سیاحت مین یہ الفاظ سیکھے ہین، اس نے شراب وکباب، ندیم، ساقی، رقص وسرود کے متعلق بھی بہ کثرت اشعار لکھے ہین، یہان تک کہ بعض لوگون کا خیال ہے کہ وہ شراب بناتا تھا، اوراس کی تجارت کرتا تھا، بہرحال خمریات کی صنف مین وہ اخطل اور ابونواس کا پیشرو ہے، (باقی)

اعلان

یہ طے پایا ہے کہ خاص خاص موضوعون کی ہندی اور اردو مطبوعہ کتابون پر ہندستانی اکیڈیمی کے ذریعہ دیئے جانے والے سالانہ انعام پھر سے جاری کئے جائین، ۴۶-۱۹۴۹ء کے انعام اپریل ۱۹۴۵ء کے بعد کے چھپے ہوئے افسانون (ناول اور کہانیون) کی بہترین کتابون پر دیئے جائین گے،

یہ انعام پانچ پانچ سو روپیہ کے ہون گے، ایک انعام ہندی اور ایک اردو کے لئے ہے، مصنفین، پبلشر، اور عام اصحاب سے التماس ہے کہ مطبوعہ کتابون کے نام مع ضروری اطلاعات کے ۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء تک جب کہ ان کا ابتدائی انتخاب ہوگا، بھیجنے کی زحمت فرمائین، ابتدائی انتخاب کی منظور شدہ کتابون پر ایک فیصلہ کرنے والی کمیٹی اپنی رائے کا اظہار کرے گی، اور امید کیجاتی ہے کہ انعامون کا اعلان مارچ ۱۹۵۰ء تک ہوگا۔

دھریندر ورما ایم اے ڈی لٹ (پیرس) معتمد خازن ہندستانی اکیڈیمی یوپی الہ آباد،

ابو حنیفہ دینوری کی کتاب النبات

از

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ایم اے پی ایچ ڈی،

مؤلف | دینوری نے "کتاب النبات" کے نام سے نباتیات کی جو انسائیکلو پیڈیا مرتب کی تھی وہ عربی زبان کے ان شہکاروں میں سے ہے، جو عرصہ سے ناپید ہیں، اس کا ایک ٹکڑا ابھی ابھی برآمد ہوا ہے، اور وہی ان سطروں کے لکھنے کا محرک ہے،

اس کے مؤلف ابو حنیفہ احمد بن داؤد بن وَنند کی ولادت شہر دینور میں ہوئی، جو عراق عجم میں ہے، صحیح تاریخ تو معلوم نہیں لیکن تیسری صدی ہجری کے پہلے عشرے کا قیاس ہے، وفات یاقوت (معجم الادبا) کے بیان کے مطابق ۲۶ رجمادی الاولی ۲۸۲ھ کو ہوئی، اُن کے دادا کا نام وَنند ہے جس کے معنی پرانی فارسی میں "نجیاب" کے بیان کئے گئے ہیں،

بنو امیہ کے خاتمہ کے بعد جب عباسیوں کی طویل حکومت میں مستحکم امن میسر ہوا، تو جیان کوفے اور بصرے کی علمی خانہ جنگی کم ہوئی، وہیں مکتب بغداد کے اصول بخذ ما صفا میں پلنے والے عربی زبان کی ہر جہتی ترقی میں، اتنا حصہ لینے لگے کہ یہ دور تاریخ میں سنہرا دور سمجھا جاتا ہے، ہمارے مؤلف کے معصروں میں امام بخاری، امام احمد بن حنبل، امام قشیری، بایزید بسطامی، جاحظ، محمد بن حبیب، ابن قتیبہ، ابو زید بلخی اور دیگر انگشت نما شخصیتیں نظر آتی ہیں، اور اپنے شعبے کی حد تک دینوری کا کارنامہ اور کاوش تحقیق بجز چند محدثین کرام کے کسی بھی بڑے سے بڑے مؤلف سے کم تو کیا، کم ہی لوگ اس کی برابری کا دعویٰ

کر سکتے ہیں:

ہمارے "ہرفن مولی" مولف کو اگر تاریخ اور جغرافیہ سے دلچسپی تھی، تو ساتھ ساتھ، ریاضی اور جبر و مقابلہ و ہیئت سے بھی، لسانیات اور بلاغت سے بھی، طب و نباتات سے بھی،

لسانیات اور صرف و نحو کی تعلیم السکیت اور ابن السکیت سے پانے کا ذکر تو ہمارے مآخذ کرتے ہیں، لیکن دیگر علوم کے متعلق وہ خاموش ہیں، اگر دینوری کی سب تالیفیں ملتیں تو ان میں ذکر کردہ اسناد سے اُن کے دیگر علوم کے اساتذہ کا بھی پتہ چل جاتا، جہاں تک نباتات کا تعلق ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب کی تالیف میں اپنے پیشرؤں سے بھی استفادہ کیا، اور ہمعصروں سے بھی اور خود ذاتی تحقیق اور مشاہدے سے بھی،

ابن ندیم کے بیان کے مطابق وہ ابو علی الحسن بن عبداللہ الاصفہانی کے رفیق درس تھے، اور الفراء[۱] کے راوی کا فرض بھی انجام دیا، یاقوت کے بیان کے مطابق دینوری اپنی زندگی ہی میں بطور انشا پرداز کے جاحظ کے حریف تسلیم کئے جاتے تھے، علم ہیئت کے رصدی مشاہدے انھوں نے پچیس سال کی عمر میں کرکے اپنا سکہ بٹھا دیا تھا، اور دینور میں ان کی خانگی رصدگاہ اُن کے بعد بھی صدیوں کام دیتی رہی،

اصل تالیف | بعض حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ اصل کتاب النبات چھ ضخیم جلدوں میں تھی، مجھے اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا، ہمیں اب جو تین باب دستیاب ہوئے ہیں، ان کے اقتباسات ابن سیدہ کی کتاب المخصص میں بھی ہیں لیکن اس تناسب سے کہ ہماری (۴۰) سطروں سے وہاں صرف (۱۰) سطریں نقل ہوئی ہیں،

---

[۱] ایک غیر متعلق مگر دلچسپ اطلاع یہ عرض کرنی ہے کہ الفراء (المتوفی ۲۰۷ھ) کی تفسیر قرآن مجید مل گئی ہے، اور کتب خانہ وحیبی آفندی استانبول (تفسیر نمبر ۶۶) میں موجود ہے، مشتبہ تفسیر ابن عباسؓ کو چھوڑ کر اب یہ محفوظ و موجود تفسیروں میں قدیم ترین ہو جاتی ہے، حتی کہ امام زید بن علی سے بھی قدیم تر،

اور ابن سیدہ مین دینوری کی کتاب النبات کے جو اقتباسات ہین، وہ کم سے کم دو سو صفحون کی جلد مین سما سکتے ہین، یہ امر قابل وضاحت ہو کہ دینوری نے پودون کے نباتاتی حالات زیادہ دیئے ہین، اور متعلقہ اصطلاحات کی لسانیاتی اور صرفی ونحوی تشریح جو محض ضمنی ہے، مختصر اً دی ہے، اور ابن سیدہ نے زیادہ تر صرف آخری حصہ کو نقل کرکے باقی کو ترک کر دیا ہے، ان حالات مین کتاب النبات کا چھ ضخیم جلدون مین ہونا بعید از قیاس بالکل نہین معلوم ہوتا، البتہ کشف الظنون کا یہ بیان کہ ابن اخت غانم نے کتاب النبات کی شرح ساٹھ جلدون مین لکھی تھی حسن ظن سے بھی کام لین، تو ساٹھ کراسون سے عبارت معلوم ہوتی ہین،

چند سال قبل ۱۹۱۰ء مین بریسلاؤ (جرمنی) کے ایک طالب علم زلبربرگ نے ابن سیدہ لسان العرب وغیرہ سے دینوری کے اقتباسات اکٹھے کرکے ایک مقالہ اپنے امتحان ڈاکٹریٹ کے لئے لکھا تھا، جو ۱۹۱۰ تا ۱۹۱۱ء مین اشٹراسبورگ کے جرمن رسالے "تسائت شرفیت فیور اسوریولوگی" مین چھپا تھا، عربی زبان اور نباتیات دونون مین درک رکھنے اور بعض اچھے اساتذہ کے خانگی جمع کردہ مواد سے بھی نوازے جانے کے باعث اس کے خیالات اصل تالیف کے متعلق دلچسپی کے حامل ہین، اسے البتہ ہمارے تازہ مخطوطے کا علم نہ تھا،

اس کے پیشرو | قبل اس کے کہ زلبربرگ کے کچھ اقتباس دیئے جائین، اپنا ایک ناچیز خیال پیش کرنا چاہتا ہون کہ دیگر علوم وفنون کی طرح مسلمانون مین نباتیات کا ذوق بھی قرآن مجید ہی سے پیدا ہوا ہوگا، دنیا کی مقدس اور الہامی مذہبی کتابون مین سے کسی مین بھی نباتات کا اتنا کثیر ذکر نہین ہے جتنا قرآن مجید مین ہے، ایک دو گھنٹے کی تلاش مین مجھے ایسے (۱۶۹) مقام ملے، ان کی مختصر تحلیل شاید بے محل نہ ہو،

"خدا سارے جہانون کا آقا (رب العالمین) ہے تو عالم نباتات کا بھی وہی آقا ہے یہی نہین

خدا نے اپنا وصف خود نحن الزارعون، نحن المنشئون کے الفاظ مین بیان کیا ہے، قرآن مین بہ کثرت تذکرے مردہ زمین، زندہ زمین، ایک کا دوسرے مین مبدل ہونا اور اس کے اسباب دلچسپ انداز مین بیان ہوئے ہین، آب پاشی کے ذرائع مین سے چشمون، ندیون، کنوؤن، بارش، شبنم کا، ربون، بادلون وغیرہ کا ذکر ہے، تو باغون، کھیتون، چراگاہون جنگلون، سبزہ زارون کا اُن کی زندگی کے مختلف اوقات مین بھی قسم قسم اور رنگ برنگ کے میوے کھجور، انجیر، انگور، انار کا نام آتا ہے تو غلون، ترکاریون مین قثا، فوم، عدس، بصل، خردل، زنجبیل وغیرہ کا نیز چھلکون، چھالون کا کھجور کا تفصیلی ذکر، اس کا تنہ اس کے گچھے، خوشے، گٹھلی، قطمیر، وغیرہ وغیرہ کا ذکر عرب ناظر و سامع کے لئے ناگزیر ہی تھا، انگور کی بیلون، شراب، شہد، زیتون، روح وریحان (زہرۃ الحیٰوۃ کے ذریعہ سے) پھولون کا فور، متی، زقوم، سدرہ بھی مذکور ہین، لکڑی وغیرہ سے بننے والے سامان مین کرسی تخت، دروازہ، سیڑھی، تیر کمان تکیے، قالین، قلم، ریشم، لباس، کاغذ، پکوان کے برتن کے ساتھ ساتھ چرنے والے جانورون مین اونٹ، بھیڑ، بکری، گائے بیل (دودھ) گھوڑے، گدھے، خچر، بندر، سور، ہاتھی، گورخر، ہاتھی، نیز مکھی، شہد کی مکھی، مکڑی بھی مذکور ہین، غلے کے کاروان، کشتیان، تر و خشک ایندھن، لکڑی کا چقماق، ناگر، کٹائی، قحط، طوفان، طغیانی غرض بیسیون اور کے لمبے لمبے تذکرے ہین، اگرچہ ہمارے مؤلف نے پیش نظر مخطوطے مین (جس کو جامعہ کیمبرج یا برلن اکاڈمی شاید شائع کرے گی) صرف چار ہی مرتبہ قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے لیکن اس ٹکڑے کی وارد شدہ اصطلاحات قرآن مجید مین بیسیون ہی ہین،

جاہلیت کا عرب شاعر باریک بینی کے لئے مشہور ہے۔ تو وہین اس کی زبان اتنی متمول نظر آتی ہے، کہ وہ نباتات کے دقیق سے دقیق مسئلے کے لئے بھی کسی غیر زبان کے الفاظ کا محتاج نہین ہوتا کے بعد علمی ترقی یافتہ دور مین بھی چاہے فلسفہ منطق طب وغیرہ مین عربون کو بیرونی اصطلاحات و الفاظ قبول اور رائج کرنے پڑے ہون لیکن فقہ ہی کی طرح نباتات مین بھی یونانی اور سنسکرت وغیرہ کا اثر ناپید ہے،

بجز اس کے کہ عرب یا عربون کی سفرگاہون مین پیدا ہونے والے پودون کے نام ہون، عربی
زبان کا یہ کمال عجیب اور حیرت انگیز تو ہے لیکن نوادر بے وجہ نہین بات یہ ہے کہ یونانیون کے برخلاف
جو حضری اور شہر نشین ہوگئے، عرب مین بدویت اور خانہ بدوشی ہمیشہ باقی رہی، اور اس بے برگ وگیاہ
صحرا مین ہر پودہ، پودے کا ہر جزو وہان کی انسانی اور حیوانی آبادی کو ہر وقت مطلوب ہوتا تھا، اس کے
خوردنی یا ناخوردنی ہونے کی تحقیق آخری حد تک پہنچانی ناگزیر تھی، پھر کسی اور علمی شغلے کی غیر موجودگی
مین اندرونی ایک حساس طبیعتون کو ان مشاہدات کو نظم مین منتقل و محفوظ کرنے کی ہر ترغیب بھی موجود تھی
دینوری اور اس کے ہم عصر نباتاتیون پر تبصرہ کرتے ہوئے جہان زلبر برگ یہ تسلیم کرتا ہے کہ ان
کی تالیفون مین "نہایت ترقی یافتہ فنی اور اصطلاحی الفاظ ہر قدم پر ملتے ہین"، وہین وہ اس پر حیرت ظاہر
کرتا ہے کہ کس طرح ایک جاہل بدوی ریگستان مین اونٹ کے قدم کے نشان" ہی کی طرح پودون کی
ساخت کے نازک سے نازک پہلو اور جزو کو بھی اسی صحت، وضاحت اور پرگو انداز مین منظر عام پر لا سکتا
ہے"، پھر یہ پوچھتا ہے،

> "بہر حال یہ کافی حیرتناک ہے کہ زمانہ قدیم کے سارے نباتیاتی ادب مین ہماری کتب
> کے صرف دو ہی مماثل بیشتر ملتے ہین، یہ کیسے ہوگیا کہ مسلمان اس معاملہ مین اس قدر
> جلد اپنے بھرے یونانیون کے برابر ہی نہین ہوگئے، بلکہ اُن سے بڑھ ہی گئے؟ ..... دیگر
> قومون کے نباتیاتی ادب نے قوم کی ترقی کے زمانہ مین اپنی الگ فنی زبان پیدا کر لی لیکن
> یہان معاملہ الٹا ہے، بدویون کی زبان اس علم کے وجود مین آنے سے بھی پہلے تفصیلات
> تک کے لئے ایک خوب ہی پھیلے ہوئے ذخیرۂ اصطلاحات کی حامل تھی"۔

فنی لغتین | عام لغتون کے ساتھ ساتھ عربون مین خصوصی ایک فنی لغتون کا بھی کم از کم اصمعی کے
دور سے روز افزون شوق پیدا ہوگیا تھا، کتاب الزرع والنخل، کتاب الخیل، کتاب الابل، کتاب النبات،

کتاب الوحوش، کتاب الحیوان، کتاب الانوا، کتاب الارض والسماء، غرض بیسیون ہی نام اس سلسلہ مین لئے جا سکتے ہین جن مین سے بعض اب تک محفوظ بھی ہین، اُن کے متعلق زمانۂ حال کے سب سے بڑے جرمن وراق یا کتب شناس بروکلمان نے ضمیمۂ تاریخ ادبیات عربی ۱۹۳۷ء مین لکھا ہو کہ اس طرح کی یک فنی متون پر لسانیات کے نقطۂ نظر سے نہایت قیمتی ہونے کے باوجود یورپین زبانون مین آج تک بہت ہی کم توجہ ہوئی ہے،

ابتدائی عربی تالیفین | نباتات پر جن ابتدائی عربی تالیفون کا پتہ چلتا ہے، وہ ابن ندیم وغیرہ کے مطابق یہ ہین :-

(۱) ابو عمرو بن العلاء (المتوفی ۱۵۹ھ): کتاب ؟ (بعد والون کے ہان اسکے بکثرت حوالے ہین) (۲) ابو زید (المتوفی ۲۱۵ھ) کتاب الشجر والکلاء (بحوالۂ مزہر سیوطی) (۳) ابو زیاد الاعرابی (ہمعصر خلیفہ مہدی) کتاب النوادر (نباتات سے جزءً بحث) (۴) الاصمعی (المتوفی ۲۱۶ھ) کتاب النبات والشجر (طبع بیروت) (۵) ابن الاعرابی (المتوفی ۲۳۱ھ) کتاب النبات (۶) ابو نصر الباہلی (المتوفی ۲۳۵ھ) کتاب الشجر والنبات (۷) ابن السکیت (المتوفی ۲۴۳ھ) کتاب النبات والشجر (۸) ابو حاتم السجستانی (المتوفی ۲۵۰ھ) کتاب الشجر والنبات (۹) السکری (المتوفی ۲۷۵ھ) کتاب النبات (۱۰) دینوری (المتوفی ۲۸۲ھ) کتاب النبات،

ان کے علاوہ عام لغتون مین بھی نباتات کا کافی ذکر ہے، خلیل (المتوفی ۱۶۰ھ) سیبویہ (المتوفی ۱۶۱ھ) الکسائی (المتوفی ۱۸۹ھ) الفرآء (المتوفی ۲۰۷ھ) ابو عبیدہ معمر (المتوفی ۲۰۸ھ) ابو عبید القاسم (المتوفی ۲۲۳ھ) ابو عمر الجرمی (المتوفی ۲۲۵ھ) کے نام خاص طور پر اس سلسلے مین لئے جا سکتے ہین، ان مین سے ہر ایک نے اپنے پیشروؤن اور اپنے ہمعصرون کی کتابون سے استفادہ کیا ہوگا، اور حسب عادتِ مالوفہ، ان کی کچھ چیزین بلا حوالۂ نقل کی ہون گی تو کچھ اپنی

طرف سے اضافہ بھی کیا ہوگا، اور بہ حیثیت مجموعی علم کو زندہ رکھنے اور اس کی مزید ترقی میں حصہ لینے کا سلسلہ جاری رہا ہوگا،

افسوس ہے اب صرف تالیف نمبر ۴ اصمعی کی کتاب النبات والشجر ملتی ہے، کوئی چالیس برس ہوئے جرمن مستشرق ناگلبرگ نے ابوزید کی طرف منسوب کتاب النبات والشجر شائع کی لیکن اب اندرونی شہادت کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ یا تو ابن خالویہ (المتوفی سنہ ۳۷۰ھ) کی تالیف ہے یا کسی اور کی،

خوشہ چین | ابو حنیفہ دینوری کی یادگار تالیف نے سب کے قلم توڑ ڈالے اور اس کے بعد صرف اسی کے حوالہ سے پودون اور جڑی بوٹیون کے ذکر ہونے لگے، یہ اقتباسات بہت سے ہین، اور انہی سے ایک ضخیم جلد دو تین سو صفحون کی تیار ہو سکتی ہے،

(۱) ابن سیدہ: کتاب المخصص نیز کتاب محکم (۲) ابن سمجون: الجامع فی الادویۃ المفردہ، (۳) الغافقی: شرح العقار (خلاصہ ابن میمون الاسرائیلی) (۴) الصاغانی: العباب (۵) ابن منظور: لسان العرب (۶) فیروزآبادی: القاموس، (۷) مرتضیٰ زبیدی: تاج العروس (۸) ابن البیطار مفردات الادویہ (۹) ابن العوام: کتاب الفلاحت (۱۰) علی البصری: التنبہات علی الاغلاط (۱۱) یاقوت: معجم البلدان (۱۲) المرزوقی: الازمنۃ والامکنۃ"

مین خاص کر دینوری کے اقتباسات ملتے ہین، اور ابن سیدہ کی کتاب المخصص مین سب سے زیادہ ہین، جیسا کہ معلوم ہے اس کتاب مین ایک ایک عنوان لیا گیا ہے، جیسے انسان، زمین، اونٹ، پانی وغیرہ اور اُن کے تحت جملہ متعلقہ ہزارون الفاظ مختصر توضیح کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہین، اس کی بارہ سترہ جلدون کی ورق گردانی مین مجھے جن جن ابواب مین ابو حنیفہ دینوری کے اقتباس نظر آئے مین کی بنیاد پر اصل کتاب النبات کی فہرست مضامین یا کم ازکم اس کی وسعت کا کچھ نہ کچھ

اندازہ ہو جائے گا، ابن سیدہ کی جلد (۱۰ تا ۱۲) میں نباتات و متعلقات کا ذکر ہے، اور شاید یہ فرض کر لیا جا سکتا ہے کہ اصل کتاب النبات کی بھی ویسی ہی ترتیب ہوگی، البتہ ابن سیدہ کا مقصد المخصص میں کتاب النبات سے مختلف ہونے کے باعث کتاب النبات کے مواد کی المخصص میں تقسیم و انتشار بھی ناگزیر ہے، بہرحال المخصص میں دینوری کے اقتباسات زیادہ تر حسب ذیل ترتیب سے ہیں،

کتاب النبات کی تحلیل | المخصص جلد (۴) میں نباتی دباغت پر بہت دلچسپ اور اہم مواد ہے،

" (۵) شہد، شہد کی مکھیاں، کھانا، قے کرنا وغیرہ،

" (۶) تیر کمان کا طویل ذکر،

" (۷) اونٹوں کا چرنا، اور ان کی بیماریاں،

" (۸) ہرن، پرندے، ٹڈی، مکھیاں وغیرہ،

" (۹) آب پاشی، اس کے برتن مثلاً ڈول وغیرہ، رسیاں، پانی رکھنے یا لیجانے کا سامان جیسے مشک وغیرہ،

" (۱۰ تا ۱۲) حسب تفصیل ذیل،

پودوں کیلئے مٹی کی ضرورت ہے، حتیٰ کہ آبی نباتات کے لئے بھی زیر آب زمین درکار ہے، اور چٹانوں پر اگنے والے پودوں کے لئے بھی پتھر پر جمی ہوئی گرد ناگزیر ہے، اسی لئے سب سے پہلے مٹیوں اور زمینوں کا تفصیلی ذکر ہے، آباد، غیر آباد، کم آباد، وبائی علاقے اور اس کے اسباب، موسم، اور محل وقوع کا اثر زمین پر وغیرہ بیان کرنے کے بعد ہمارا مولف پودوں کی ایک بڑی اور بنیادی تقسیم بوئے ہوئے اور خودرو میں کرتا ہے، بونے کے سلسلے میں ناگرا اور دیگر ذرائع سے زمین کو تیار کرنے کی تفصیل آئی ہے، پھر وادیوں حنیاپیوں اور سیلابوں کا ذکر ہے، آب پاشی کا ذکر ابن سیدہ نے

بدد(۹) مین منتقل کر دیا ہو جو غالباً اصل مین یہان ہونا چاہئے تھا، بارش کی پھُتروں کا بھی یہان ذکر آتا ہے،
لیکن دینوری نے اس پر کتاب الانوا ر کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی لکھی تھی، ازین کا ذکر دوبارہ
کرتے ہوے پھر اس کا ذکر ہے کہ کہان پودے جلد اُگتے ہین، کہان دیر سے اور کہان نباتی زندگی
مشکل اور کہان نا ممکن ہے، پھر زرخیز زمین کی عام خصوصیتون کی تفصیل آتی ہے، اور مختلف رنگ کی مٹی
کے ذکر کے بعد امساک باران، پانی کی قلت، موسم کا اچھا یا بُرا ہونا، کاشت مین غیر مطلوب جنگلی خودرو
پودون کا خود بخود اُگ آنا، وغیرہ بیان ہوے ہین،

اس کے بعد گویا اصل کتاب شروع ہوتی ہے، اور نباتات مین تر و خشک گھاس کا بیان
کرنے کے بعد تنے والی نباتات یعنی درختون کا ذکر شروع ہوتا ہے، اور ان کے وہ اوصاف
بھی بیان ہوے ہین، جو سب خاندانون مین مشترک ہین، اور وہ بھی جو بعض بعض سے مخصوص ہین،
درختون کا اُگنا، پھولنا اور اُن پھولون کی خصوصیتین بیان کرنے کے بعد درختون کی ذیلی تقسیم یہ
کی گئی ہے کہ کونسے پھلتے ہین، اور کن مین پھل نہین آتا، اور اس نوبت پر درخت کی ساخت،
جڑ، تنہ، وغیرہ پر بحثین کر کے تنے پر ہونے والے مضر اثرات، کیڑا اور گھن وغیرہ کا ذکر ہے،
اور کم عمر اور پرانے طویل العمر درختون کی تفصیل ہے،

تنے سے لئے جانے والے کامون کی بحث مین بہت سے اُمور آتے ہین، اور تیر کمان سے
بحث کا آغاز ہوتا ہے، پھر شاخون تنون کو کاٹنے اور کاٹنے پھوڑنے چیرنے کے آلات کی پوری
تفصیل ہے، اور ایندھن پر گویا یہ بحث ختم ہوتی ہے، بات مین بات ایندھن مین آگ کا ذکر آتا ہے،
ایک باب اس پر ہے کہ کونسی لکڑیون سے چقماق کا کام (بجائے پتھر اور لوہے کے) لیا جاتا ہے، او
دوسرے مین آگ کی داستان اس کی ولادت سے وفات تک ہے یعنی چنگاری، دھوان، راکھ، اُن
کے مختلف رنگ، اُس کے اسباب، گرمی کی زیادتی اور کمی، لکڑی کا جلنے مین چٹخنا، اور اس کا سبب

جنگلون مین بعض وقت خود بخود آگ کا لگ جانا، اور اس کے اسباب، آگ کو طویل عرصہ تک محفوظ رکھنا، اور اس کے طریقے جن سے بارش اور طوفان مین بھی وہ محفوظ رہے، وغیرہ وغیرہ، یہ دونون باب ہمارے مخطوطے مین ہین، اور ابن سیدہ مین بھی اسی ترتیب سے محفوظ ہین، گو جستہ جستہ جملون کی صورت مین،

پھر درختون کے جھنڈ اور جنگلون کا ذکر ہے، یہان مؤلف اہم درختون کا فرداً فرداً ذکر کرتا ہے، پھر بوئی جانے والی نباتات کا ذکر اس سلسلہ مین دوبارہ کیا ہے، بعد ازان زراعت، زرعی امراض، فصل کاٹنے، دانے اُبھانے اور گودامون مین محفوظ کرنے وغیرہ کی پوری تفصیل ہے، اس کے بعد غلون کا الگ الگ ذکر ہے، جیسے گیہون، جَو، سبزیان، ترکاریان وغیرہ،

اس کے بعد پھلون کا ذکر ہے، سب سے پہلے انگور اور اس کی کاشت اور ضمناً شراب سازی، شراب نوشی، بدمستی، اور اسکے نتائج بہت تفصیل سے آتے ہین، کوئی زاہد تو اس رند پر کفر ہی کا فتویٰ دیدے کہ دختِ رز کے عین بعد مقدس کھجور کا ذکر آتا ہے، عربی مین نخلیات اور تمریات پر مواد کی کیا کمی ہو سکتی ہے، البتہ تفصیل کی نہ مجھے ہمت ہے نہ ناظرین کو صبر و تحمل ہو سکے گا، کھجور کے بعد سیب، بادام، پستے، انار، وغیرہ بہ کثرت پھلون اور میوون کا تفصیلی ذکر ہے،

اس کے بعد گویا کتاب کا حصہ دوم شروع ہوتا ہے، اور ایسے پودون کا ذکر ہے، جو چٹانون، پتھریلی زمینون، غیر مسطح یا مسطح میدانون مین اُگتے ہین، نیز وہ جو پانی مین یا پانی کے بہت قریب ہی اُگ سکتے ہین، ضمناً اُن کا بھی ذکر آ گیا ہے، جو سمندر کے کھاری پانی ہی مین اُگتے ہین، حالانکہ عام طور پر کھاری پانی پودون کے لئے زہر قاتل ہے، پھر مختلف ایسے پودون کا ذکر ہے جن کے لئے محلِ پیدایش کی خصوصیت نہین، نیز وہ پودے جن کے پتون کی سبزی دیر تک رہتی ہے، اور ان کی پت جھڑ دھوپ کالے کے ختم پر ہوتی ہے، پھر کاٹنے والی جھاڑیون کا ذکر اور اُن کی ذیلی قسمین آتی ہین، بلوں

زمین پر پھیلنے والے پودون کا بھی خصوصی ذکر ہے، مسواک اور ان درختون کا جن سے وہ بنتی ہین، الگ آتا ہے، اس کے بعد خوشبودار پودے آتے ہین، اور یہ تفصیل بھی کہ کونسے عرب مین نہین ہوتے، اُس کے ساتھ عطر سازی اور خوشبوؤن کی صنعت کا ذکر ناگزیر تھا، اور مذکور ہے، اس کے بعد رنگون کا ذکر اور رنگ سازی کی صنعت نیز بالون کے خضاب مین کام آنے والے پودون کی تفصیل ہے، پھر ایک اہم باب اُن درختون کے ذکر مین ہے، جن سے عرق نکلتا ہے، اور مختلف قسم کے گوند، لوبان وغیرہ کی تفصیل ہے،

اس کے بعد ایسے پودون کا ذکر ہے جن مین زیر زمین پھل آتا ہے یعنی جن کی جڑون مین خوردنی و ناخوردنی گڈے نکلتے ہین، یہ باب بھی ہمارے مخطوطے مین ہے،

حنظل اور دوسرے کڑوے پھلون والے پودون کے بعد کدو، کھیرے، پیاز اور دیگر طبی نباتات کا ذکر آتا ہے، اور زہریلے پودون کے ذکر کے بعد جانورون کی غذا اور چراگاہون پہ دینوری کے اقتباسات ختم ہوجاتے ہین،

بعض وقت حیرت بھی ہوتی ہے، مثلاً آم کا ذکر دینوری کڑوے اور کھٹے پھلون (حنظل وغیرہ) کے ساتھ کرتا ہے، کیا اب سے ہزار برس پہلے ہمارا تخمی آم واقعی اتنا ہی غیر ترقی یافتہ تھا' پان کا ذکر خوشبودار پودون مین بھی ہے، اور یقطین (کدو کی جنس) کے ساتھ بھی، اور عجیب عجیب خوش فہمیان اس سے وابستہ کیگئی ہین،

ابن سمجون، الغافقی، اور ابن البیطار کے ہان زیادہ تر طبی مفاد کے اقتباسات ہین، ان ممتاز طبیبون نے دینوری کو جو وقعت دی ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مختلف جڑی بوٹیون کے متعلق اقتباسات مین دینوری کا بیان سب سے پہلے آتا ہے، غالباً ہمالیہ تلے کے تبہ اعظم کی طرح قدیم ایران و اندلس مین بھی ہر پڑھا لکھا مسلمان اپنے نصاب تعلیم مین طب کی کتابین بھی پڑھتا تھا،

پادری خاص کر مشنری آج بھی اس پر عامل ہیں، مجھے اپنے سفرون مین ہمیشہ افسوس ہوتا رہا کہ کیون مین مبادی طب سے واقف نہین کہ مریض بندگان خدا کی جنگلون صحراؤن وغیرہ مین کچھ ممکنہ خدمت کرنے اور اُن کی تکالیف کم کرنے مین حصہ لے سکتا یہ ہماری جدید تعلیم ہے، مگر دینوری طب پیشہ چاہے نہ ہو، طب وان ضرور نظر آتا ہے، اور ہر پودے کے ذکر مین اس کی طبی خاصیت ضرور لکھتا ہو،

دینوری کا طریقہ بحث | عربی تمدن اور ذوق کا عکس دینوری کی سطر سطر مین ہویدا ہے، مثلاً جب چقماق کی لکڑیون کا ذکر شروع ہوتا ہے، تو وہ یکے بعد دیگرے ایسے ہر درخت کا نام لیتا ہے، اور جن لوگون نے اس کو دیکھا ہے ان کے منثور و منظوم بیانات درج کرتا ہے، اور اگر اشعار اور ضرب الامثال مین کچھ تلمیحین ہون، یا نامانوس الفاظ غریب اللغات ہون، تو اُن کی تشریح و توضیح کرتا ہے، جابجا قصّے اور لطیفے بھی آجاتے ہین، اور چونکہ ہر باب کے متعلق زبان کے جملہ متعلقہ اسماء و افعال کا یکجا کرنا مقصود ہے، اس لئے کچھ فصلین عام ناظرین کے لئے خشک مگر لسانیات یا صرف و نحو کے طالب علم کے لئے معلومات کی کان بنی ہوئی بھی نظر آتی ہین، مترادفات، اختلاف روایات، سابقہ مؤلفون کی تردید و تصحیح سب ہی کچھ آتی ہی، اور بعض دلچسپ اور اہم ترین معلومات محض ضمناً اور بظاہر غیر متوقع مقام پر ملتے ہین،

موجودہ مخطوطے کی اصلیت | مجھے یہ مخطوطہ ایک مجموعۂ رسائل مین مدینہ منورہ مین ملا، اس کی صحت کو جانچنے کا کوئی ذریعہ ڈھونڈھتا تھا، دنیا مین کہین بھی اس کے کسی اور نسخے کا تاحال پتہ نہین، چند سال قبل کہتے ہین کہ بیت المقدس مین اس کا ایک نسخہ تھا، جو ۱۹۳۹ء مین بھی لاپتہ تھا، نہ معلوم امریکا پہنچ گیا ہے یا یورپ، ابھی ابھی آکسفورڈ کے ایک استاد سے سنا کہ استانبول مین اس کے کسی نسخے کا پتہ چلا ہے، لیکن وہ استانبول کے دیگر قلمی نوادر کے ساتھ صندوقون مین بند اناطولیہ مین تہ خانون مین کسی جگہ چھپا ہوا ہوگا اور مجنون مغرب مین جنگ کا خطرہ گھٹنے تک اس سے استفادہ ممکن نہین ہوگا،

مین نے یہ کیا کہ ابن سیدہ، لسان العرب، ابن البیطار وغیرہ (مذکورۂ صدر خوشہ چینون) سے

دینوری کے اقتباسات، جو سیکڑون ہین، جمع کئے، اور مدینۂ منورہ کے مخطوطہ مین جو مسائل ہین ان کو وہان ڈھونڈنے کی کوشش کی جو کامیاب رہی، بیسیون اقتباسات ایک یا زائد متاخر ماخذون مین دینوری کے حوالہ سے ملے، اور عبارت اتنی ہی ہو بہو اور یکسان ملی جتنی ایک ہی چیز کے متعدد ناقلون کے ہان ہو سکتی ہے، اس طرح کوئی شبہ نہین رہتا کہ مدینہ کا مخطوطہ اصلی اور واقعی دینوری کا ہے، بعد والون کے ہان بعض جگہ حذف و خلاصہ ہے، لیکن ایسی کوئی چیز نہین ملی جس سے یہ گمان ہو کہ مخطوطۂ مدینہ کے ابواب بھی اصلی نہین بلکہ اصل کا خلاصہ یا اقتباس ہون،

مخطوطۂ مدینہ مین صرف تین باب ہین، اور جیسا کہ اوپر بھی اشارہ ہوا، پہلا باب چقماق کی لکڑیون پر ہے، (جس مین آگ جھاڑنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے) دوسرا باب آگ اور شعلے اور دھوئین اور راکھ کے رنگون اور ان کے اختلاف کے اسباب پر ہے، اور تیسرا باب زیر زمین پھلدار پودون پر ہے، مین نہ تو نباتیات کا طالب علم رہا ہون اور نہ عربی ادب کا، محض عربی زبان کی کچھ واقفیت سے اس طرح کی فنی کتاب (جس مین بیسیون نامعلوم پودون کے نام اور دیگر اصطلاحین ہین) کو واحد مخطوطے کی مدد سے طباعت کے قابل بنانا بڑی جسارت ہے، بہرحال کسی اور اہل تر شخص کی آیندہ نظر ثانی کے بھروسہ پر خدا کا نام لے کر اسے اڈیٹ کر دیا گیا ہے، کام حسب دلخواہ نہین ہوا، حوالے کی سب کتابین نہین ملین، سفر نے الگ رکاوٹین ڈالین، جب تک اصل کتاب چھپے یہ تعارف شاید اہل علم کے لئے دلچسپی کا باعث ہو،

تاریخ یمن کی ایک سطر

از

مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

۱۸۳۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کو حضر موت کے حصن غراب پر چند حمیری کتبے دکھائی دیئے، جن کی نقلیں اتار کر ہندوستان اور انگلستان روانہ کیں، یہ کتبے ہیں، جن میں سے ایک تو صرف ایک طرح کا سماتی نقش ہے، تین کتبے حمیری حروف کی تین تحریریں ہیں، ۱۸۳۴ء میں جرمن پروفیسر روئیڈجر نے ۱۸۴۱ء میں پروفیسر جےسینی اس نے اور ۱۸۵۳ء میں ریورنڈ چارلس فارسٹر نے ان کتبات کو پڑھا، فارسٹر صاحب نے اپنی کتاب تاریخی جغرافیۂ عرب میں پوری شرح و بسط کے ساتھ اپنی قرأت پیش کی ہے، افسوس ہے کہ جرمن پروفیسرون کے مقالون کا ترجمہ میری نظر سے نہیں گذرا، فارسٹر نے جغرافیۂ عرب جلد ۲ صفحہ ۳۲۶ میں حاشیہ پر عبرانی حروف میں دہ سطری کتبہ کی ابتدائی دو سطرین روئیڈجر کی قرأت کے مطابق نقل کی ہیں، اور اُن کا ترجمہ جرمنی میں نقل کرکے لکھا ہے کہ پہلے لفظ کے خوش قسمت استثنا کے ساتھ اس قرأت و تشریح کا لفظ تو ایک بھی اصل کتبہ میں نہیں ہے، حروف بمشکل ایک دو ہیں،

پروفیسر جےسینی اس کی بابت یہ بتایا ہے کہ ان کو اس کتبہ میں "شاہ حمیران" کا لفظ ملا ہے، "در یہ غلط ہے، ان دونون پروفیسرون کی قرأت کا ماحصل یہ بتایا ہے کہ اس دہ سطری کتبہ میں حبش "اور حمیر کے تصادم کا ذکر ہے، خود قرأت فرما کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ تحریرین قوم عاد کی ہیں، اور زمانہ تحریر کا طوفان نوح سے ۵۰۰ برس بعد حضرت یوسف اور حضرت یعقوب کے عہد کو قرار دیا ہے،

پادری صاحب کی قرات کے مطابق چونکہ کتبہ کے اندر حضرت ہودؑ کا ذکر ہے، اس لئے مسلمان علما نے اُن کی قرأت پر خوشی سے اعتماد کیا، ان اعتماد کرنے والون مین استاذ محترم مولانا سید سلیمان کی ارض القرآن کی وجہ سے خود مین بھی ایک عرصہ تک تھا لیکن جب تاریخی جغرافیۂ عرب کے مطالعہ کی ضرورت پیش آئی، اور کتبہ کا عکس بچشم خود دیکھ کر پادری صاحب کی قرأت کو پرکھنے کا موقع ملا، تو اُن کی ساری قرأت جعل سازی نظر آئی، اُن کی قرأت پر تو نہین لیکن کتبہ کے زمانۂ تحریر کی بابت اُن کے استدلال پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا، انھون نے وہ سطری کتبہ کو جن دلیلون سے عاؔ کی قرار دیا ہے، وہ دو ہین،

۱۔ جن دنون ہین پر امیر معاویہؓ کی طرف سے عبد الرحمان بن الحکم گورنری کرتے تھے، عدن کے دو قلعون پر دو تحریرین ملین جن کے منظوم ترجمے نویری نے اپنی کتاب آثار البلاد واخبار العباد (لیڈن جلد ۵۱۲ ورق ۵۲ و ۵۷) مین نقل کئے ہین، دہ سطری کتبہ حصن غراب ان مین سے ایک نظم کی ہے، نویری نے ان قلعون کو جن پر یہ تحریرین منقوش تھین، عاد کا قلعہ بتایا ہے لیکن پادری صاحب کو شاید یہ علم نہین کہ عرب کی بول چال مین کسی چیز کو عادیہ کہنے کے معنی صرف نہایت قدیم کہنا ہوتے ہین نہ یہ بتانا مقصود نہین ہوتا کہ یہ چیز اس قوم کے زمانہ کی ہے جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو خدا نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، اور جسے بادِ سموم بھیج کر ہلاک کر دیا گیا،

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ کتبہ نمبر ۲ کا مضمون یہ ہے کہ "حصون مین تقسیم کیا، دائین سے بائین لکھا، نقطے لگائے، اس ترانۂ فتح (یعنی کتبہ نمبر ۱) مین سرکش اور دزدِ رعانے، بیدھا اور شکار کیا، اور سیاہ رو کیا، عوص نے فرزندان عک کو" اور عوص بن ارم ہی کو اہلِ عرب عاد کہتے تھے،

اس ترجمہ مین ایک فقرہ ایسا ہے، جو قرات کو غلط ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، وہ ہے "دائین سے بائین لکھا، اگر دستور یہی تھا تو اسی لکھنے کی اور اگر یہ دستور نہ تھا تو نیا ڈھنگ اختیار کرنے کی حاجت نہ تھی

عہد یوسف کا کتبہ قرار دینے کی بھی دو دلیلیں ہیں، ایک دلیل تو یہ ہے کہ اس کتبہ میں عک بن عدنان کا ذکر ہے، جو حضرت یوسفؑ کا معاصر تھا، دوسری دلیل یہ ہو کہ نویری کے ایک کتبہ میں عہد یوسف کے قحط کا ذکر ہے، یہ دونوں دلیلیں سخت مجروح ہیں،

عک بن عدنان کو حضرت یوسفؑ کا معاصر اس دلیل سے قرار دیا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ عدنان کی بابت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ادو بن زند بن الیری کا بن اعراق الثری کا فرزند تھا" اور حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ زند نام تھا ہمیسع کا الیری سے مراد نبت ہی، اور اعراق الثری حضرت اسمٰعیلؑ تھے، (الروض الانف) اس روایت کو نقل کئے بغیر بادری صاحب فرماتے ہیں کہ ام سلمہؓ کی حدیث کے مطابق معد اور اسمٰعیلؑ کے درمیان صرف چار پشتیں گذریں، ان پشتوں کی عمریں معمولی اور یوسف ویعقوب علیہما السلام کی طویل عمریں فرض کرکے زمانہ ایک کر دیا حالانکہ یہ نسب مختصر ہے، حضرت مسیحؑ کے معاصرین ان کو ابن داؤد کہتے تھے، اسی طرح عرب کے لوگ بھی نسب ناموں میں صرف معروف اکابر کے اسماء محفوظ رکھتے تھے، معد بن عدنان اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان بہ پشتیں گذریں، جناب معد بخت نصر کے معاصر تھے، اس پر مورخین عرب کا تقریباً اجماع ہے،

دوسری دلیل بھی پوچ ہے، نویری کے منظوم ترجمہ میں قحط کا ذکر تو ہی لیکن قحط یوسف کا ذکر نہیں ہی، یہ ثابت کرنے کیلئے کہ عہد یوسف کا قحط یمن پر بھی اثر انداز ہوا تھا، ایک اور کتبہ کی روایت نقل کی ہے جس میں یمن کے قحط کے ساتھ حضرت یوسفؑ کا بھی ذکر ہے، فرض کیا کہ یہ روایت صحیح ہے، مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہو گیا کہ نویری کی نظم میں عہد یوسف ہی کے قحط کا ذکر ہے، نویری کے جن شعروں میں قحط کا ذکر ہے، وہ یہ ہیں کہ

فعشنا بھذا القصر مبعۃ احقب … باطیب عیش جل عن ذکرہ الوصف

فجاءت سنون مجدبات قواحل … اذا ما مضی عام اتی آخر یقفو

اُس قصر میں ، حقبون تک ہم آرام سے رہے ، ایسا آرام جس کی تعریف ضروری نہین ، پھر پے درپے کئی برس قحط وخشک سالی کے آئے "

عربی مین حقب اسّی برس کی مدت کا نام ہے ، جو ایک شخص کی طبیعی عمر خیال کی جاتی تھی ، سات حقب کے معنی ہین ۵۶۰ برس ، اگر یہ قحط حضرت یوسفؑ کے زمانہ کا تھا تو وہ قوم جس کے کاتب نے یہ تحریر لکھی حضرت یوسفؑ کے زمانہ سے ۵۶۰ برس قبل سے یہان آباد تھی ، عوص وعمک کی لڑائی اس سے تین چار سو برس قبل کا واقعہ ہو گی لیکن پادری صاحب نے حقب کا ترجمہ برسون کرکے اپنی دشواری حل کر لی ہے ،

وہ روایت جس کی بنا پر عہد یوسف کے قحط کو یمن پر بھی اثر انداز دکھایا ہے ، یہ ہے کہ ابن ہشام نے کہا کہ سیلاب سے یمن مین ایک قبر کھل گئی ، جس مین ایک عورت پڑی تھی ، جس کے گلے مین موتیون کے سات ہار تھے ، پاؤن اور ہاتھون مین سات سات بازو بند اور کنگن اور پازیب تھے ، ہر انگلی مین قیمتی جواہر جڑے ہوئے چھلے تھے ، اس کے سر کے پاس ، مال ایک تابوت تھا ، اور ایک لوح پر لکھا ہوا تھا ،

باسمك اللّٰھمّ الٰہ حمیر	اے میرے خدا خدائے حمیر تیرے نام سے ،
انا تاجہ بنت ذی شفر	مین ہون ذوشفر کی بیٹی تاجہ (یوسف
بعثت (ما یرنا الی یوسف فابطأ	کے پاس مین نے اپنا خادم بھیجا ، جس نے
علینا فبعثتُ) لاذتی (بمدٍ من	لوٹنے مین دیر کی تب) مین نے اپنی
ورق لتاتینی بمدٍ من طحین	لونڈی کو بھیجا کہ (ایک مد چاندی
(فلم تجد لا فبعثت) بمدٍ من	دے کر) میرے لئے ایک مد آٹا لائے
ذھب فلم تجد لا فبعثت)	(مگر اسے نہین ملا ، تب مین نے ایک مد
بمدٍ من بحری فلم	سونا دے کر بھیجا ، مگر اُسے نہین ملا ،

تجد لا (فامرت بہ
فطحن فلما انتفع بہ) فاقفلت
فمن سمع بی فلیرحمنی وایتہ
امراۃ لبست حلیا من حلیی
فلا ماتت الامیتتی،

تب مین نے اسے بھیجا کر) ایک بد موتی
کے لو (خرید لائے) مگر اس کو دستیاب نہ
ہوا (تب مین نے حکم دیا کہ اسے پیسا جائے
مگر میرے لئے مفید نہ ہوا) تب مین نے
پھاٹک بند کرلئے تو اب جو بھی میرا حال
سُنے مجھ پر رحم کرے، اور جو عورت بھی
میرا کوئی زیور پہنے اسے میری ہی[۴]

میری قرأت کے مطابق حصن غراب کا کتبہ نمبر ۳ چونکہ اسی کتبہ کے ذومراثد کا ہے، اور کتبہ نمبر ۱ مین اس کے بھتیجے ذوشرح کا نام ہے، اس لئے اس کتبہ کا زمانہ اور حصن غراب کے کتبون کا زمانہ تقریباً ایک ہے، اس لئے اس بیان کے نقائص کی طرف خاص توجہ دلانا چاہتا ہون،

پادری صاحب کی نقل کردہ روایت مین قوسین کا اضافہ مین نے کیا ہے کیونکہ قوسین کی درمیانی عبارتین راویون کا اضافہ ہین، یا ربار چاندی، پھر سونا پھر موتی بھیجنے کا ذکر محض مبالغہ در مبالغہ ہے، موتی پیسنے کے تذکرہ نے اس مبالغہ کو قطعی جھوٹ بنا دیا ہے، کسی زمانہ مین انسان روٹی پکاکر کھانے کیلئے موتی پیسنے کا تصور نہین کرسکتا تھا، روایت کے اس نقص پر پادری صاحب کی نظر نہین پڑی، البتہ ایک دوسری دشواری نظر آئی جس کا اُن کے دماغ سے باہر وجود نہین، کتبہ کی موجودہ شکل یہ بتاتی ہے کہ تاجر کا جو آدمی حضرت یوسفؑ کے پاس گیا تھا، اس کے لوٹنے سے پہلے اس نے بازار مین بار بار اپنی لونڈی کو بھیجا تھا، لیکن پادری صاحب کے دماغ مین یہ بات آئی کہ حضرت یوسفؑ نے تاجر کے ساتھ اچھا برتاؤ نہین کیا، یہ بات اُن کے دل مین کھٹکی، مگر سیاسی اغراض پر اخلاق قربان کرنے کی یورپی عادت نے اس کھٹک کا یہ جواب تصنیف کیا، کہ

"یوسف کا حصہ اس کارروائی میں یقیناً وزیرانہ تھا، موسوی تاریخ سے ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ یوسف کے اخلاق بحیثیت خادم خدا اور اُن کے فرائض بحیثیت وزیر اعظم مصر میں کوئی تضاد تھا، ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک سیاس کی طرح اہل مصر کی بدقسمتی سے استفادہ کیا۔ فرعون کے لئے پہلے اُن کے مویشی کو پھر ان کھیتوں کو پھر خود انھیں خرید لیا بالفاظ دیگر محدود ملوکیت کو غیر محدود ملوکیت میں تبدیل کردیا، اپنے بادشاہ کی خدمت کے لئے جو سلوک اہل ملک کے ساتھ روا رکھا، اہل یمن کے ساتھ بھی اسی قسم کا انھوں نے سلوک کیا"

ہم کو پادری صاحب کی یورپ نژاد طبیعت سے اس بات کی تو قطعی توقع تھی کہ حضرت یوسف ؑ تو کیا "خداوند" کا بھی ایسا کیرکٹر تجویز کرنے پر وہ تیار ہوں گے، جو غیر اقوام کے ساتھ لاانسانیت برتنے کا روادار ہو، لیکن اس کی امید نہ تھی کہ بائبل کے ایک بڑے عالم ہونے کے باوجود حضرت یوسف ؑ کو محض وزیر مصر سمجھیں گے حالانکہ توراۃ میں صاف مذکور ہے،

ویوسف هوا عشلیط عل	اور یوسف ہی اس ملک کا
هارص (تکوین ۴۲-۶)	سلطان ہے،

حضرت سلیمان ؑ کے وقت سے حساب لگایئے، تو یوسف ؑ اور سلاطین کا زمانہ بالکل ایک ہوتا ہے صرف چند برسوں کا فرق ہے،

اصل یہ ہے کہ پادری صاحب نے روایت کا جو نشوان[1] نقل کیا ہے، اس میں سے صرف اسی قدر صحیح ہے جس قدر ہم نے توسین میں باہر لکھا ہے، اسی کتبہ کو اصل حمیری الفاظ میں اکلیل ... ہمدانی نے نقل کیا ہے کہ ایک قبر کی لوح پر مکتوب ملا تھا کہ

انا دیباجۃ بنت نوف ذی شفر بن ذو مرثد فهلك لا دی
امرت عبدی

[1] نشوان نے اس کا ذکر شین ق ر کے مادہ میں کیا ہے،

شمرلی منل دوطحین بمنددی بجری قدوسنہ لی فاعتفد[1]
اشترلی ـ بمہ لوٴلوٴ فم یجد اقفلت

معیری فمن سمع بی فلیھرنی فایما اتیتہ لبست حتی لیکونٗ
الباب امراۃ حلی

موتھا جنح موتی،
مثل

"میں ہرن ذو مرثد کے بیٹے، نوف ذو سفر کی بیٹی ویا جہ مین نے اپنے چھوکرے

سے کہا کہ میرے لئے ایک مد موتی کے بدلے ایک مد آٹا خرید لا، مگر اس نے اسے میرے لئے

نایاب[1] پایا، پھر مین نے اپنا دروازہ مقفل کر لیا، تو اب جو بھی میرا حال سُنے، مجھ پر رحم

کرے، اور جو عورت میرا کوئی زیور پہنے میری ہی موت مرے"

اصل حمیری الفاظ کے نیچے جو عربی الفاظ ہین وہ ہمدانی سے ماخوذ ہین، ایک لفظ فلیحرنی کا

ترجمہ ہمدانی نے نہین بتایا، سابق روایت مین اس کی جگہ فلیرحمنی ہے، ایسا نہ ہوتا تو مین اس کا ترجمہ

"مجھ سے نفرت کرے" کرتا، کیونکہ وحر کے معنی عربی مین کینہ رکھنے کے ہین،

دیکھو اصل حمیری عبارت مین نہ تو حضرت یوسفؑ کا نام ہے نہ بار بار چاندی سونا پھر موتی سے آٹا

خریدنے کی کوشش کا ذکر ہے، نہ موتی پیسنے کا تذکرہ ہے، یہ تمام باتین بعد کے قصاصون کا اضافہ

ہین اور دوسرے اضافے اس روایت مین کیسے مل گئے ؟ اس سوال کا جواب ہمارے موضوع سے

خارج ہے، حضرت یوسفؑ کی ... کی وجہ کتبہ کا لفظ "فاعتفد کٹ" ہے، اعتفاد کے معنی ہین گھر کا

دروازہ بند کرکے بھوکون مرجانا، نشوانؔ نے لکھا ہے،

الاعتفاد بلغۃ حمیر اغلاق	حمیر کی بولی مین اعتفاد یہ ہے کہ آدمی
الرجل علیہ باب دارہ لایخرج	اپنے گھر کا دروازہ بند کرکے پھر اس سے
منہا حتی یموت وکانوا یفعلون	نہ نکلے، ایسا حضرت یوسفؑ کے برسون

[1] یہ ترجمہ تفسیر ہمدانی اور روایت سابق کے مطابق ہے، ورنہ ٹھیک ترجمہ ہے اس نے میری نے بدبودار پایا،

ذٰلك وقت انقطاع الحب مِنَ	مین کیا جاتا تھا، تاکہ سوال کی بے غیرتی
الیمن فی سِنی یوسف علیہ السلام	سرزد نہ ہو، پھر دو عورتون نے ادھار
تکلبوا عَنِ السؤال حتّٰی سن السلف	لین دین کی ریت رائج کی،

اعلان مِنصر (صفحہ ۳)

لفظ اعتفاد کی اس تشریح نے قصہ مین حضرت یوسفؑ کا نام ڈال دیا، ورنہ جس عورت کا ذکر ہے، اس کا نسب نامہ بتاتا ہے کہ وہ حضرت یوسفؑ کے عہد سے سیکڑون برس بعد گذری ہے، "سِنی یوسف" کہنے کا مطلب صرف "نہایت سخت قحط کے ایام ہین"، جس طرح ہندوستان کی عورتین فقر و فاقہ کے وقت کو پیغمبری وقت کہتی ہین، اسی طرح شدید قحط کے ایام کو سنی یوسف کہا جاتا تھا، "سنی یوسف" کی بجائے ایام یوسف ہوتا، تب بھی مطلب یہی ہوتا کہ ایسا دستور عہدِ یوسف ہی مین تھا، کبھی اور نہین تھا، لفظ اعتفاد کی اس تشریح نے حضرت یوسفؑ کے ذکر کی طرح روایت کے الفاظ مین تو نہین مگر پڑھنے والے کے تصور مین قحط کو بھی جگہ دے رکھی ہے، لیکن کتبہ مین قحط کا ذکر کہین نہین ہے، جس کا ترجمہ لم تجد کیا گیا ہے، وہ ہے،

قد وسنہ لی

یقیناً اُس نے واسن پایا اس کو میرے لئے

"میرے لئے" کے الفاظ بتاتے ہین کہ خاص کر دیباچہ بنت نوف کے لئے آیا، "واسن" تھا، سب کے لئے نہین "قد وَسَنَہ" کا صحیح ترجمہ لم تجد کی بجائے قد وجد لا واسناً ہے، صاحب صراح نے لکھا ہے:-

وسن الرجل غشی علیہ مِنْ	یعنی آدمی کنوئین کی بدبو سے بیہوش
نتن البئر مثل اَسِنَ"	ہو جائے تو کہا جائے گا وسِنَ جس طرح
	کہا جاتا ہے اسن،

اس سے معلوم ہوا کہ آمن اور وَشن دونون کے معنی بدبو تھے، بدبودار پانی کو عربی میں واسن، آسن اور آجن کہا جاتا ہے، دیباجہ کے خادم کو اٹا ملا تھا، مگر بدبودار اس کتبہ مین جس عورت کا نام ہے وہ تاجہ نہین، تو دیباذ یعنی، یہ نام کتبہ کا عہد بتانے کے لئے کافی ہین، دونون نام ہین فارسی، اس لئے اس کتبہ کا زمانہ وہ قرار دینا چاہئے، جب کہ ایرانی تاجدارون کا طوطی بولتا تھا،

دیباجہ یا تاجہ کے باپ کا نام پادری صاحب کی منقولہ عبارت مین ذوشنفر ہے، اکلیل مین ذوسفر چھپا ہے، شمس العلوم مین ذوشقر ہے، لیکن ایک کتبہ کا عکس میرے سامنے ہے، جسے مین نے ابھی حل نہین کیا ہے، اس مین یہ نام ذوسقر ہے، سقر کے معنی ہین آگ قرآن پاک کی بدولت اب تو ذوسقر کا مطلب جہنمی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنا نام جہنمی نہین رکھ سکتا تھا، یہ کتبہ ایسے زمانہ کا ہے جب ایران کی مجوسیت نے یمن مین قدم جما رکھا تھا، اور آتش پرستی رائج ہو چکی تھی ذوسقر آتش خانہ کا رئیس تھا،

عام طور پر مورخین کو یہی معلوم ہے کہ ایران کا اثر یمن پر ظہور اسلام سے دس بارہ برس پہلے پڑا، لیکن کتبات یمن سے غفلت کا نتیجہ یہ خیال ہے،

وہ سطری کتبہ کے بائین حاشیہ پر چھٹی اور ساتوین سطر کے مابین کے سامنے حسب ذیل نقوش ہین، ×۲ ٦

یہ ایک مہمل لفظ ہے، لیکن نبو سام مین نا معلوم زمانہ سے حروف کو اعداد اور برسون کے عددی اسماء کی طرح استعمال کرنے کا رواج تھا، ×۲ ٦ کو تھک ۲۵ پڑھنا چاہئے، کاف کے نیچے گول گول جو نقطے ہین، وہ عربی عقد انامل کی دسوین گرہ کی شکلین ہین، عربون نے عشراتی طریق حساب کو ایجاد کیا، تو اُسے اکائی کے دائین رکھ کر (اکائی × ۱۰) کا مرادف بنادیا، اور لا محدود حد تک

گنتیان لکھنے کا سہل طریقہ رائج کر دیا، فنیقی مین ٥٥ کے معنی ۴۰ ہین، اور ٥ کے معنی بیس مگر عربون کے نزدیک عشراتی طریق کے رواج سے پہلے ٥ کے معنی ۱۰ تھے، اور ٥٥ کے معنی ۲۰، اس لئے ۲× کے معنی ہوے ۳۴۵ھ حمیری یہ کتبہ یا کتبہ کے اندر مذکور واقعہ کا سال ہے، حمیری سن کی ابتدا ۱۱۵ ق م سے ہوتی ہے، اس لئے دو سطری کتبہ کا زمانہ ۳۳۰ھ اور تین سطر والے مختصر کتبہ حصن غراب کا زمانہ اس سے کچھ پہلے اور دیباجہ یا تاجہ کا زمانہ اس کے کچھ عرصہ بعد ہونا چاہئے،

"خاندان ذومراثد کا نسب نامہ نشوان کی شمس العلوم سے نقل کیا جاتا ہے، نشوان خود کو اسی خاندان کا بتاتا ہے،

بریل ذوسحر

- شرحبیل
  - ۳۳۰ھ ذوشرح (کتبہ نمبر ا حصن غراب)
    - ہدہاد
      - ۳۴۵ھ بلقیس
- مرثد الفع
- حسان ذومراثد
  - نوف ذوستعد
    - دیباجہ یا تاجہ

یمن مین بلقیس نام کی کئی خاتونین گذری ہین سب کو ایک مین ملا کر قصہ گویون نے ہر بلقیس کو عہد سلیمان کی بلقیس بنا دیا ہے، نشوان نے بھی اسے عہد سلیمان کی بلقیس قرار دیا ہے، لیکن ایک بلقیس وہ تھی جس کے باپ ہدہاد کو ۳۴۰ھ مین حبش کے نجاشی علی اسکندری نے اور ۳۴۵ھ مین علی عمیدہ نے شکست دی، جس کے بعد ایزاناس نجاشی ہوا، جس کا ایک کتبہ پڑھا جا چکا ہے، جس مین وہ خود کو حبشہ کے علاوہ یمن کا بھی بادشاہ بتاتا ہے، (تاریخ العرب قبل الاسلام جرجی زیدان وارض القرآن)

اکلیل مین دیباجہ یا تاجہ بنت ذوسقر کی پھوپھی کا بھی ایک کتبہ مذکور ہے، جس کی عبارت حسب ذیل ہے،

انا شمعه بنت ذی مراثد کنک اذا

میں شمعه بنت ذی مراثد ہوتی تھی جب

وحمک ادل فالقشم من ارض

پیٹ سے لایا جاتا خریف کا میوہ زمین

الھند بطله ذاھدا

ہند سے مزے کا تازہ (اکلیل ص ۲۶۱ ج ۲)

مشکل الفاظ کی تشریح ہمدانی نے خود کردی ہے،

پھوپھی کا یہ حال تھا بھتیجی کا یہ حال ہوا کہ موتی کے کروندے سی آم خریدنے کو گئی مگر

خد وسنه لی

یقیناً بدبو دار پایا میرے لئے

ایسا کیوں ہوا؟ اس سوال کا جواب وہ سطری کتبہ کا شمون دے گا،

درسِ حیات

از

از جناب شفیق صدیقی جونپوری

ستم وہ نازک مزاج نکہت جو پھولوں کی گود میں پلی ہے
اسی کو موجِ ہوا چمن سے بہا کے بکھیرے گئی ہے

اگر صداقت کے ساتھ آئے تو نظمِ نو سے مجھے خوشی ہے
کہ میری تہذیبِ زندگی کے ہر ایک سانچے میں ڈھل گئی ہے

ذرا سنبھل جائے موجِ مغرور جس کی رفتار میں کجی ہے
کہ ایک بیباک تند آندھی میرے سفینے میں سو رہی ہے

وہی حقیقت سے باخبر ہے وہی علمدارِ زندگی ہے
جو وقت کے ساتھ ساتھ بھی ہے جو وقت پر سخت گیر بھی ہے

یہ وقت کا انتقام بھی ہے یہ زندگی کا پیام بھی ہے
کہ آج خسرو کے سر کی ٹوپی کلاہِ مزدور بن گئی ہے

نہ ہوگا طوفانِ ابر و باراں سے سرد بازارِ رنگ و نکہت
کہ آتشِ گل تری حرارت چمن کے سینے میں [illegible]

خودی کا اپنی جو لے سہارا تو ہے وہ تنکا بھی ہم کو پیارا
ہے جس پہ یہ راز آشکارا کہ [illegible]

فضا معطر ہوئی تو کیا جب چمن کی مٹی کو بو نہ بخشی
کہ شاخِ گل تیری [illegible]

کئے جو شبنم نے جھک کے سجدے تو پائی پرواز کی بلندی
جو گرم سورج نے سر اٹھایا تو پھر کہاں منہ کو [illegible]

ٹھہر کہ اے چاند جس نے بخشا ہے تجھ کو محبوبیت کا رتبہ
اسی پرندے کے آشیاں سے دور تیری چاندنی ہے

بہم جو سرگوشیوں میں پیہم ہیں راز کی باتیں چپکے چپکے
حریف کو مدعا ہے وہ کہ اپنی آواز دب گئی ہے

تری تباہی ہے موت کا خوف رنجِ ایماں کھو دیا ہے
تری دعاؤں کی جنبشِ لب سے وقت ایسی بگڑ گئی ہے

سحر کے دیوانے جھومتے ہیں کہ صبح کا قافلہ ہے نزدیک　　مگر ستارے سکوت میں ہیں کہ چاندنی رات ڈھل رہی ہے

فلک سے کہدو کہ آشیاں کے قریب اب بجلیاں نہ آئیں　　کہ ایک خوابیدہ نوجوانی چمن میں کروٹ بدل رہی ہے

چلو اگر سیر گلستاں کو تو دیدۂ امتیاز بھی ہو　　بہار بھی شانہ کر رہی ہے خزاں بھی گیسو سنوارتی ہے

حجاز کے میر کارواں نے شفیق کو داد دی یہ کہکر

کہ اس حدی خواں نے نے نہ بدلی ہزار منزل بدل گئی ہے

غزل

از

جناب سید شاہ ولی الرحمن صاحب ایم۔ اے۔ آرہ

قلب و نظر کو دے جلا تیغِ خودی کو تیز کر　　گوشۂ عافیت سے اُٹھ جرأتِ رستخیز کر

کوسِ رحیل بج چکا گرمِ سفر ہے قافلہ　　تلوے فگار ہیں تو کیا اور قدم کو تیز کر

قلبِ حقیقت آشنا شکرِ مجاز تا کجا　　چھوڑ دربتاں کو چھوڑ سوے حرم گریز کر

خطرے میں گرہے بوستاں زد پہ اگر ہے آشیاں　　برق و شرر سے ڈر نہ جا حوصلہ ستیز کر

زیست کا لطف کیا ولی گر نہ ہو سوز عاشقی

قلب و جگر کو کر تپاں چشم کو اشک ریز کر

مطبوعات جدیدہ

تاریخ انقلاب عالم جلد اول مؤلفہ جناب سید ابو سعید صاحب بزمی تقطیع بڑی ضخامت ۵۴۲، صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد دس روپیے، پتہ:- کتاب منزل کشمیری بازار لاہور،

انسانی تاریخ کے آغاز سے اس وقت تک دنیا میں خیر و شر تعمیر و تخریب روحانیت و مادیت اور اخلاق و نفس پرستی کی کشمکش برابر جاری ہے، اور دنیا کے سارے مذہبی و اخلاقی سیاسی و معاشی عمرانی و سماجی انقلابات اسی کا نتیجہ ہیں، شر کی طاقتیں اپنے جاہ و اقتدار اور ہوا و ہوس کے لئے انسانی الوہیت طبقاتی تقسیم، بلند و پست، حاکم و محکوم، ملوکیت و بادشاہت، جمہوریت و آمریت قومیت و وطنیت اقتصادیات و معاشیات حتی کہ غلط مذہب تک کے پھندے بناتی رہیں، اس کی اصلاح کے لئے انبیاء و رسل صلحا و اخیار اور مفکرین و مصلحین سچی خداشناسی اخلاق و روحانیت اور انسانی اخوت و مساوات کا درس دیتے رہے، دنیا کے تمام بڑے بڑے انقلابات خیر و شر کی اسی کشمکش کا نتیجہ ہیں اور دنیا میں قوموں اور ملکوں کی تاریخوں کی کمی نہیں لیکن مذکورہ بالا نقطۂ نظر سے دنیا کے انقلابات انکے اسباب اور اثرات و نتائج پر کوئی مستقل کتاب نہیں ہے زیر نظر کتاب اسی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اس میں لائق مولف نے انسانی تاریخ کے آغاز یعنی اُس دور سے جب انسان مظاہر فطرت کی پرستش کرتا تھا، اور دنیاوی بادشاہ خدائی کے مدعی تھے، خیر و شر کی پہلی کشمکش ہابیل و قابیل کی جنگ سے اس دور کی ہابیلی و قابیلی کشمکش گذشتہ جنگ عظیم کے خاتمہ تک عرب عراق شام فلسطین، مصر ترکی، ایران، افغانستان طرابلس، مراکش تونس، فرانس جرمنی، اٹلی روس اور اسپین وغیرہ کے پرانے مذہبی و سیاسی نظاموں اُن کے مذموم اثرات انبیاء علیہم السلام اور مفکرین و مصلحین کی

تعلیمات کے انقلاب انگیز نتائج، یورپ کے قرون مظلمہ کے حالات، اسلام کا ظہور اس کے عالمگیر اثرات، یورپ کی نشاۃ ثانیہ، نئے علمی افکار و تصورات، صنعتی دور کا آغاز، موجودہ دور کے سیاسی و معاشی نظریات وغیرہ کے اسباب و علل اور اُن کے اثرات و نتائج کی پوری تفصیل بیان کی ہے جس سے دنیا کے انقلابات کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے، اردو مین اس موضوع پر یہ پہلی جامع کتاب ہے، اور اپنے مفید معلومات کے لحاظ سے ہر پڑھے لکھے شخص کے مطالعہ کے لائق ہے، طرزِ تحریر دلکش اور انشا پردازانہ ہے، اس کی دوسری جلد مین انگلستان، امریکہ، اسٹریلیا، جاپان، چین، انڈونیشیا، فلپائن، انڈوچاینا، سیام، ملایا، وسطی و جنوبی افریقہ اور ہندوستان و پاکستان کے حالات اور جنگِ عظیم کے بعد کے انقلابات کی تفصیل ہوگی،

اسلام کے عالمگیر اصول مترجمہ جناب سید احمد حسن صاحب نقوی تقطیع اوسط ضخامت ۶۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ۳ روپیہ پتہ کتاب منزل کشمیری بازار لاہور،

موجودہ زمانہ مین مذاہب کی صحت و صداقت کو بھی علم و سائنس کی روشنی مین جانچا جاتا ہے، اگرچہ ان دونون کے دائرے الگ الگ ہین، اور سائنس کے بہت سے نظریات قطعی اور یقینی نہین، اور وہ برابر بدلتے رہتے ہین اس لئے اُن کو مذہب کی صحت کا معیار بنانا صحیح نہین ہے، لیکن زمانہ کے مذاق کو نہین بدلا جاسکتا اس لئے اس زمانہ مین وہی مذہب قائم رہے گا، جو ہر طوفان کا مقابلہ کر سکے، اور ہر دور کی ضروریات و مشکلات کا حل پیش کر سکے، جس سے اکثر مذاہب اسلئے قاصر ہین کہ اُن کی تعلیمات وقتی اور محدود ہین، اور وہ بھی زمانہ کے ہاتھون مسخ ہو چکی ہین، صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جو دائمی اور عالمگیر ہے، اور اسکی بنیاد عالمگیر صداقتون پر ہے اور اسکی صحیح تعلیمات اب تک محفوظ ہین، اس لئے وہ علم و سائنس کا بھی مقابلہ کر سکتا ہے اور اسکے پاس نئے مسائل کا حل بھی ہے، مصر کے نامور اہلِ قلم فرید وجدی نے جو دینی علوم اور نئے فنون دونون کے فاضل اور نئے مسائل کی روشنی مین اسلامی تعلیمات کے اچھے شارح ہین، اسی نقطۂ نظر سے اسلام کے مختلف پہلوؤن پر متعدد کتابین لکھی ہین، ان مین سے ایک کتاب "الاسلام دین خالد" بھی ہے مذکورہ بالا

کتاب اسی کا ترجمہ ہے، اس میں دکھایا گیا ہے کہ اسلام کا کوئی عقیدہ اور اسلامی شریعت کا کوئی قانون نہ صرف علم و سائنس اور صحیح عقلی مطالبات کے خلاف نہیں ہے، بلکہ وہ علم و سائنس اور انسانی ترقی کا ساتھ دیتا ہے، اس میں زمانہ کے نئے تقاضوں اور مسائل کا بھی حل ہے، اس لئے وہ انسانی ترقی کے ہر مرحلہ میں اس کی رہنمائی کر سکتا ہے، آخر میں ان اعتراضوں کا جواب ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور وحی، اسلام اور جنگ و خونریزی، غلامی، حقوق نسواں، طلاق، تعداد ازدواج، توکل و تقدیر وغیرہ کے متعلق اسلامی تعلیمات پر کئے جاتے ہیں، یہ تمام مباحث عالمانہ ہیں، اور اسلامی تعلیمات کی تشریح میں ان کو مسخ نہیں کیا گیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ مطالعہ کے لائق ہے۔

پیام مشرقی از امیر ولایت علی صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۱۷۵ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت معمولی قیمت مجلد :۔ عارضیہ :۔ نمبر ۴۲۱، اعظم پورہ روڈ، مدرسہ اعزہ حیدر آباد دکن،

مرتب کتاب خاکسار تحریک کے بانی اور امیر عنایت اللہ خان مشرقی کے عقیدتمندوں میں ہیں، مذکورۂ بالا کتاب میں انھوں نے مشرقی صاحب کی تصانیف اور اُن کے مضامین اور تقریروں سے اسلامی تعلیمات کے متعلق اُن کی تشریحات اور مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کے متعلق اُن کے خیالات کے اقتباسات جمع کر دیے ہیں، کتاب کے شروع میں مشرقی صاحب کے مختصر حالات ہیں، ان کے ذہین اور صاحب علم ہونے میں شبہ نہیں، اُن کے دل میں مسلمانوں کا درد بھی ہے، لیکن مذہبی علوم میں اُن کی استعداد ناقص، اور دینی بصیرت کی ان میں بڑی کمی ہے، اُن کے خیالات میں بھی حد توازن نہیں ہے اس لئے اُن کے مذہبی عقائد و خیالات میں حق و باطل اور حقیقت و خرافات دونوں کی آمیزش ہے، اور انھوں نے اسلامی تعلیمات کی جو تشریحات کی ہیں، اور مسلمانوں کی تجدید اور اصلاح کی جو تدبیریں بتائی ہیں، وہ اگرچہ صحت سے خالی نہیں ہیں، لیکن اُن کی بہت سی تشریحات خود ساختہ ہیں

جن کو اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے، اس لئے اُن میں نفع کے ساتھ ضرر کا پہلو بھی ہے، پیام مشرق بھی اسی قسم کے متضاد اور مفید و مضر خیالات کا مجموعہ ہے، مرض کے ازالہ کے لئے طریقۂ علاج کی صحت بھی ضروری ہے، ورنہ علاج ہی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے،

قرآنی قاعدہ از جناب مولوی ابو محمد مصلح صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۱ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت معمولی، قیمت فی جلد ۲ر پتہ:- ادارۂ عالمگیر تحریک قرآن حیدرآباد دکن،

دنیا کی بیشتر زبانوں کی عبارت صحیح پڑھنے کے لئے اُن کے حروف کے مخارج، اصوات، حروف کی ترکیب کے صوتی تغیرات، حروف زائدہ وصل و فصل وقف ابتدا و خاتمہ وغیرہ سے واقفیت ضروری ہے، عربی زبان میں اس پر اعراب کا اور اضافہ ہے، اس کے بغیر غیر عربی داں صحیح عربی عبارت نہیں پڑھ سکتا، اس لئے عربی میں اعراب سے بھی واقفیت ضروری ہے، اگر قرآن مجید کی صحیح قرأت کے لئے اس کی عبارت میں اعراب کے علاوہ اور بہت سی علامتیں بھی ہوتی ہیں، اس کے باوجود اُن کی عملی مشق کے بغیر صحیح قرأت مشکل ہے، لائق مولف نے جن کی خدمت قرآن محتاج تعارف نہیں ہے، اس رسالہ میں ان تمام امور کو تحریر کر دیا ہے، جو قرآن مجید کی صحت قرأت کے لئے ضروری ہیں، اس کی مشق سے ایک بچہ بھی آسانی کے ساتھ قرآن مجید کی صحیح قرأت کر سکتا ہے، اس میں قرأت و تجوید کے قواعد کے علاوہ تلاوت قرآن کے متعلق اور مفید باتیں لکھی ہیں،

نماز کی پہلی دوسری تیسری اور چوتھی کتاب | مؤلفہ جناب عبد المنان صاحب بیدل تقطیع چھوٹی کاغذ کتابت طباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں غالباً چاروں رسالوں کی قیمت عہ ہوگی، پتہ اقبال بک ڈپو، بانکی پور پٹنہ،

ان چاروں رسالوں میں ترتیب سے آسان زبان میں نماز کے ضروری مسائل اور اس کے فوائد تحریر کئے گئے ہیں جو مسلمان بچوں کے پڑھانے کے لائق ہیں،

"م"

مؤلفہ مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ

ہندوستان میں مسلمانوں کا پہلا قافلہ سندھ میں اترا تھا، اور ان کی پہلی حکومت یہیں قائم ہوئی تھی اور وہ ایک ہزار سال سے اوپر یہاں حکمران رہے، آج بھی سندھ کے در و دیوار سے ان کے آثار نمایاں ہیں، لیکن اس کے باوجود اردو میں اسلامی سندھ کی کوئی مفصل و محققانہ تاریخ موجود نہیں تھی، دار المصنفین نے تاریخ ہندوستان کے سلسلہ میں یہ جامع و محققانہ تاریخ مرتب کرائی ہے، اس میں سندھ کا جغرافیہ، مسلمانوں کے حملہ سے پیشتر کے مختصر اور اسلامی فتوحات کے مفصل حالات، خلافت راشدہ کے زمانہ سے لے کر آٹھویں صدی ہجری تک سندھ جن جن حکومتوں کے ماتحت رہا، ان کی پوری تاریخ اور ان تمام دوروں کے نظام حکومت، علمی و تمدنی حالات، اور رفاہ عام کے جو جو کام انجام پائے، ان سب کی پوری تفصیل ہے، مسلمان اس قدیم اسلامی خطہ کی تاریخ فراموش کر چکے تھے، اب پھر اس کو یاد کرنے کی ضرورت ہے، یہ کتاب ایسے وقت میں شائع ہو رہی ہے، جب کہ سندھ کی تاریخ کا ایک نیا باب کھل رہا ہے، اور وہاں ایک نئی حکومت کی بنیادیں استوار ہو رہی ہیں،

ضخامت: ۴۰۰ صفحے قیمت: چھ روپیہ،

"منیجر"